بَلَغَ العُلیٰ بِکَمَالِہٖ   کَشَفَ الدُّجیٰ بِجَمَالِہٖ

حَسُنَت جَمِیعُ خِصَالِہٖ   صَلُّوا عَلَیہِ وَ آلِہٖ

مُحَمَّد ﷺ

پیغمبرِ اسلام

آپ کو آج بھی اُسی طرح دوبارہ پہچاننے کی ضرورت ہے

مترجم:

مُشتاق حسین میر

READS, This book IT WILL INSHAH ALLAH INCREASE POWER OF "IMAN"

ناشر: گرین لائٹ پریس گجرات

۴۵۲۵۸

تعداد اشاعت باراوّل ---------- ایک ہزار

مصنف ---------- کانسٹین ویرزیل جورجیو

مترجم ---------- مشتاق حسین میر

طابع ---------- گرین لائٹ پریس گجرات

کتابت ---------- محمد شریف اختر گجرات

ہدیہ فی جلد ---------- ۴۰/ روپے

Marfat.com

کچھ اس کتاب کے بارے میں

میرے لیے یہ انتہائی مسرت کا مقام ہے اور میں خداوند ذوالجلال کا شکر گزار ہوں کہ اُس نے مجھے توفیق دی:
اور میری یہ پہلی کوشش حیات طیبہ، رسُول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رحمت اللعالمین خاتم المرسلین آپ کے ہاتھ میں ہے۔

ظہورِ اسلام سے لے کر آج تک، ہزاروں کتابیں سیرتِ رسولؐ اللہ، قرآن، اسلام اور مسلمانوں کے متعلق لکھی گئی ہیں۔
اور اس کے بعد بھی لکھی جاتی رہیں گی۔ لیکن آج تک اس طرح کی محققانہ اور عین حال سادہ کتاب جو عصر حاضر کے ذہنوں کو آسودگی بخشے نہیں لکھی گئی ہے۔

زیادہ تر کُتب جو اس موضوع پر آج تک لکھی گئی ہیں۔
یا تو ہمارے علماٗ اور فقہا کے قلم سے وُجود میں آئیں؛ اور انہوں نے عصرِ حاضر کے عمومی ذہن کو ملحوظِ خاطر نہ رکھا۔
اور یا پھر دانا دشمنوں نے لکھیں۔

میں دوسروں کی لکھی ہوئی کُتب کو زیرِ بحث نہیں لاؤں گا مگر یہ ضرور یاد دلانا چاہوں گا کہ "ایک دوست جو اپنے احباب کی تعریف میں، اور ایک بیگانہ اپنی غرض کے تحت دشمن کے متعلق لکھتا ہے۔ اس تحریر سے بہت مختلف ہوتا ہے جو ایک غیر جانبدار عالم اور محقق اپنے ذوق کی تسکین اور تاریخی حقائق کو دوام بخشنے کے لیئے لکھتا ہے"؟

پیغمبرِ اسلام، قرآن پاک، اسلام اور مسلمان جو اس کتاب میں ہماری جوان اور بوڑھی نسل سے متعارف ہو رہے ہیں روایتی انداز سے آگے بڑھ کر کافی مختلف رُوپ میں سامنے آ رہے ہیں۔ صحیح فرق و تفاوت جو کہ ایک حقیقت اور پیرایہ یا ایک جسم اور سایہ میں ہوتا ہے مکمل طور پر عیاں کیا گیا ہے۔

عصرِ حاضر کی جواں نسل، جو کہ ہر قسم کے علوم سے بہرہ ور ہے؛ نعت خوانوں اور اسی طرح کے دُوسرے افراد کی بیان کردہ روایات کو آسانی سے قبول کرنے پر آمادہ نہیں۔ اُس کے ساتھ اُسی کی زبان، علم و فہم اور تحقیق و تتبع میں بات ہونی چاہیئے۔

اس کتاب میں جیسا کہ آپ ملاحظہ فرمائیں گے۔ پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمانانِ اوّلین کی شخصیتوں کا تجزیہ اور حالاتِ طیبہ اس طریق پر پیش کیئے گئے ہیں کہ پڑھنے والے کے ایمان کو عمیق تر اور محکم تر کرتے ہیں۔ اگر میں کہوں کہ اس کے پڑھنے سے بہت سے لوگ ایک بار پھر مسلمان ہو جائیں گے اور وُہ بھی مسلمان واقعی تو یہ قطعی کوئی مبالغہ آمیز بات نہیں ہوگی۔

آج جو تاثر دیا جاتا ہے کہ رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چُونکہ خداوندِ کریم کی پُشت پناہی حاصل تھی اسلیئے آپؐ بڑی آسانی سے ہر مشکل پر قابو پا لیا کرتے تھے اور آپؐ کو کسی مشکل کا سامنا کرنے میں رنج و صدمہ برداشت نہیں کرنا پڑتا تھا۔

Marfat.com

پشت پناہی تو ضرور حاصل تھی اور آج بھی ہے لیکن ایسا نہیں تھا۔ آپ نے ہر مشکل کو ایک انسان ہی کی طرح نمٹایا اور اس میں کچھ بھی فوق العادۃ حرکات یا طاقتوں کا حصہ نہیں تھا ـــــ وہی مشاورت، وہی انسانی سوچ اور وہی دنیوی و مادی وسائل تھے جو آج بھی ہمیں میسر ہیں۔ بروئے کار لائے گئے تھے۔ آپؐ کی زندگی صبر، قناعت اور مسلسل جد وجہد سے عبارت ہے۔

کہا جاتا ہے وہ تو اللہ کے رسول تھے اُن کے لیئے کچھ مشکل نہ تھی لیکن آج کے حالات، عصرِ نبوت کے حالات سے مختلف ہیں ہم ناچیز انسان مقابلہ کس طرح کر پائیں۔ حالانکہ آج بھی نہ تو حالات ہی مختلف ہیں، نہ انسانی عادات مختلف ہیں اور نہ ہی نیکی اور بدی کے کرداروں میں تبدیلی آئی ہے۔ یہ کتاب یہی ثابت کرتی ہے کہ آج بھی اُسوۂ حسنہ پر عمل پیرا ہونے کے لیئے وہی صبر، وہی قناعت اور وہی مسلسل جد وجہد کا ابدی و ازلی فارمولا ہمیں اپنانا ہوگا۔ تن زلی پن ہمیں چھوڑنا ہوگا اور فوق العادہ تبدیلیوں کا انتظار اور ہاتھ پر ہاتھ دھرے رکھنا آج بھی اُتنا ہی بے معنی ہے جتنا عصرِ نبوت میں تھا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں!

"اے محمدؐ! ان سے کہو۔ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں، نہ ہی غیب کا علم رکھتا ہوں اور نہ یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں ـــ میں تو صرف اُس وحی کی پیروی کرتا ہوں جو مجھ پر نازل کی جاتی ہے۔ پھر ان سے پوچھو! کیا اندھا اور آنکھوں والا دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ کیا تم غور نہیں کرتے؟ (الانعام)

آج بھی الحمد للہ مجموعۂ وحی، قرآن، سُنت اور حدیث کی صورت میں ہمارے پاس موجود ہے۔ صرف صبر، قناعت اور مسلسل جد وجہد عنقا ہے اور یہ سب ہم مسلمانوں کے فرائض میں شامل کر دیا گیا ہے۔ لہٰذا ہم مسلمانوں کو یہ فرض نبھانا ہوگا تاکہ اسوۂ حسنہ کی مکمل پیروی ہو سکے۔

مجھے اُمید ہے۔ جہاں عصرِ حاضر کے گمراہ کُن پراپیگنڈہ، غرض آلود لٹریچر اور افواہ پرور ماحول نے پورے کرۂ ارض پر اپنا شیطانی سایہ ڈال رکھا ہے، ایٹم اور ہائیڈروجن بموں اور زہریلی گیسوں کے ذخائر لوگوں کے جسم و روح اور زندگی کے لیئے خطرہ بنے ہوئے ہیں وہاں میری یہ ناچیز خدمت ظلمات میں ایک نور کی طرح گمراہ افراد اور اُن کے افکار کی صحیح منزل کی طرف رہنمائی کرے گی۔

آخر میں میں اپنے ماموں جان آفتاب احمد میر صاحب کا شکر گزار ہوں کہ اُن کی مدد اور معاونت میرے لیئے بڑی حوصلہ افزا رہی۔

وَمَا تَوْفِيْقِيْ إِلَّا بِاللهِ

مشتاق حسین میر
گلزار مدینہ روڈ۔ گلزار مدینہ مسجد سٹریٹ۔ گجرات
(پاکستان)

بتاریخ:
۱۰ محرم الحرام سنہ ۱۴۰۰ ہجری

Marfat.com

مُصنّف اور اس کا مختصر تعارف

کانسٹینٹین ویرزیل جورجیو! اس کتاب کا مصنف ۱۵ ستمبر ۱۹۱۶ء کو رُومانیہ کے ایک شہر روسبانی میں متولّد ہوا۔ رومانیہ کا یہ خطہ بڑا ادب پرور ہے۔ اُس نے بڑے بڑے ادیبوں اور شعراء کو جنم دیا ہے۔ مصنّف کو اوائل عمر ہی سے مختلف ادیان کے مطالعہ کا شوق تھا۔ ابتدائی علوم حاصل کرنے کے بعد اُس نے بخارسٹ یونیورسٹی سے فلسفہ اور مذاہب کی اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔

یُونیورسٹی سے فراغت حاصل کرنے کے بعد وزارتِ امورِ خارجہ میں ملازمت کرلی اور رفتہ رفتہ ترقی کرتے ہُوئے وزیر کے عہدہ پر مامور ہوا۔

جورجیو کو یُونیورسٹی اور ملازمت کے دوران تاریخِ اسلام سے بہت دلچسپی رہی۔ شاید اُس کی ایک وجہ یہ بھی ہو کہ رُومانیہ ساڑھے چار سو سال مسلمانوں کے زیرِ تسلط رہا تھا۔

دُوسری عالمگیر جنگ کے بعد مشرقی یورپ کی سیاسی وضع میں تبدیلی آئی جس سے رُومانیہ بھی متاثر ہوا۔ جورجیو نے جدید سیاسی وضع کی بنا پر اپنے وطن کو ترک کیا اور فرانس میں سکونت اختیار کرلی۔ فرانس میں اُس نے درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا اور کئی ایک کتابیں لکھیں، جن میں سے یہ ایک اُس کی آخری کتاب ہے۔ جورجیو نے اِس کتاب کو لکھنے کے دوران بہت زیادہ زحمت اُٹھائی۔ ہر شخص جو اس کتاب کا مطالعہ کرے گا، اُسے اُن مشکلات کا جو اس دوران اُس نے اُٹھائیں کا احساس ہوگا۔

مقدمۂ مترجم

کتاب ہذا کے ترجمہ میں مترجمی کے فرائض کا میں نے مکمل طور پر خیال رکھا ہے۔ کسی بھی پہلو کسی چیز سے صرف نظر نہیں کیا بجز چند صفحات کے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ ابتداء کے چند صفحات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیغمبرِ اسلام کے والد عبداللہ اور دادا عبدالمطلب سے متعلق تھے اور ان صفحات کی تمام توضیحات دُوسرے ابواب میں تکرار ہوئی ہیں۔

اس کتاب کی اہمیت پر بحث کرنا تو خیر مجھ جیسے کم علم، بے بضاعت انسان کے بس میں نہیں۔ صرف اتنا عرض کروں گا کہ پیغمبرِ اسلام کی حیاتِ طیّبہ سے متعلق اتنی سادہ، جامع اور مستند تاریخی واقعات پر مبنی کتاب میری نظر سے نہیں گزری۔ ہر مسلمان کو چاہیئے کہ اس کتاب کو اپنے گھر میں رکھے۔ خود مطالعہ کرے تاکہ وہ تاریخِ صدرِ اسلام اور مسلمانوں کی فداکاریوں سے مطلع ہو سکے اور اپنے بچوں کو پڑھنے کے لیئے دے تاکہ وہ بھی پیغمبرِ اسلام کی عظمت اور دُوسرے بزرگانِ اسلام کو پہچان سکیں۔

اس کتاب کو کھول کر جیسے ہی آپ پہلے صفحہ کا مطالعہ کریں گے آپ کو محسوس ہوگا کہ یہ کتاب اُن سب کتابوں سے جو آج تک حیاتِ طیّبہ پر لکھی گئی ہیں سے مختلف ہے اور جتنا آپ آگے بڑھتے جائیں گے آپ کے احساسات، تاثرات اور خیالات میں انقلاب آتا چلا جائے گا۔ اس کتاب میں کئے گئے مباحث بحیثیت مسلمان آپ کی اُن تمام بے قراریوں اور ذہنی الجھنوں کا جواب دیتے ہیں۔

مُشتاق حُسین میر

گلزار مدینہ روڈ گجرات

(پاکستان)

Marfat.com

انتساب!

کسی مہم کو سَر کرنے یا کسی چھوٹے سے چھوٹے کام کا ارادہ کرنے، اس کو انجام دینے کی توفیق اللہ ہی سے ہے۔

یہ تو اس کی بزرگی، برتری اور کبریائی ہے کہ وہ کام اپنے بندے ہی سے منسوب اور اُسی کو انعام کر دیتا ہے۔

میں اسی نسبت اور اسی انعام کو اپنے والد مرحوم کی نذر کرتا ہوں جو بشری کمزوریوں کے باوجود صبر کا دامن تھامے رہے۔

(مُترجم)

Marfat.com

ورفعنا لك ذكرك

یہ کتاب کانسٹین ویرزیل جورجیو کی تصنیف ہے جو کسی وقت رومانیہ کا وزیر خارجہ تھا. جب یہ کتاب لکھی گئی اس وقت وہ ابھی عیسائی تھا جیسا کہ کتاب کے صفحہ ۱۰۰ سے ظاہر ہے لیکن بعد میں مسلمان ہو گیا تھا. اور اُس کو مسلمان ہو ہی جانا چاہیے تھا. کیونکہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیئے محبت احترام اور عقیدت تو اس کتاب کے لفظ لفظ سے عیاں ہے. مصنف اس کتاب میں اسلام اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع کرتا جاتا ہے. اور وہ دفاع کی بہت صلاحیت رکھتا ہے. اس کی دلیل بیّن واضح اور منطقی ہوتی ہے جو آج کل کے ذہن کو متاثر کرنے والی ہوتی ہے یہ ظاہر ہے کہ مصنف نے قرآن پاک اور تاریخ کا گہرا مطالعہ کیا ہوا ہے. وہ ایک بالغ نظر انسان ہے. اس نے کئی ایسی باتیں کہی ہیں جو میں نے پہلے کسی دوسری کتاب میں نہ پڑھی تھیں. یہ اس کتاب کا خاصہ ہے کہ یہ رسولِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے قلب کے خوبصورت پہلوؤں کی طرف توجہ دلاتی ہے. اس کتاب کا انداز منفرد اور کشش والا ہے اور یہ حضورؐ کے سوانح حیات پر لکھی گئی کتابوں میں ایک قابلِ قدر اضافہ ہے.

بدیع الزمان کیکاؤس

۳-۴-۸۰

بچپن کا دَور

عبدُاللہ کے بیٹے **محمّدؐ** نے بچپن میں بہت دُکھ اٹھائے۔ ابھی بچّے ہی تھے کہ ماں اور باپ دونوں کے سایۂ شفقت سے محروم ہوگئے اور رشتہ داروں کی سرپرستی میں بچپن گذارا۔ آغازِ جوانی میں بھی وُہ غم اور مصیبتیں جھیلیں کہ کوئی انسان کیا برداشت کرے گا۔ غرض پیغمبرِ اسلام نے کیا بچپن اور کیا جوانی کا دَور بہت مصائب جھیلے۔

میرا خیال ہے شاید یہی وجہ تھی کہ قرآنِ پاک میں متعدد بار تلقین کی گئی ہے کہ یتیموں اور مسکینوں پر رحم کرو۔ اُن کی دستگیری کرو۔

محمّدؐ بن عبداللہ نے بچپن کا دَور یتیمی میں گزارا۔ اور جوانی انتہائی تنگدستی میں۔ جس وقت مسلمانوں کے پیغمبرؐ نے اس دنیا میں آنکھ کھولی اُن کے والد محترم رحلت فرما چکے تھے۔

محمّدؐ قبیلہ قریش سے تھے۔ یہ قبیلہ مکّہ میں بہت احترام کی نظروں سے دیکھا جاتا تھا۔ حضرت محمّدؐ کی والدہ اپنی تنگدستی اور بیوگی کے باعث مجبور ہوئیں کہ محمّدؐ کو لے کر مدینہ اپنے عزیزوں کے پاس چلی جائیں اور ان کی مدد سے اپنے یتیم بچّے کی پرورش کریں۔ ویسے بھی حضرت محمّدؐ کے والد عبداللہ کی موت کے بعد یہ یتیم بچّہ اور اس کی والدہ دنیاوی مال و دولت سے تہی دست رہ گئے تھے۔

مدینہ میں اپنے عزیزوں کے پاس چلے آنے کے باوجود محمّدؐ کی والدہ جن کا اسمِ مبارک آمنہ تھا افسردہ رہتیں۔ وُہ خود بھی ابھی جوان تھیں اور اپنے شوہر کی جوانی کی موت کو یاد کر کے غمزدہ رہتیں۔ عموماً تنہا بیٹھی رہتیں اور اشعار گنگنا کر اپنا غم غلط کرنے کی کوشش کرتیں۔ ان دنوں عربستان میں اُونچے طبقوں کی کئی ایک عورتیں شعر کہتی تھیں۔ بہت تلاش کے بعد مجھے بی بی آمنہ کے چند اشعار دستیاب ہوئے ہیں۔ تین اسلامی مؤرخ سیوطی۔ ابن سعد اور حمید اللہ کہتے ہیں کہ جب محمّدؐ اپنی والدہ کے ساتھ مدینہ آئے تو پہلی بار انہوں نے وہاں پانی کا حوض دیکھا جس میں انہیں اپنے بدن کا عکس دکھائی دیا۔ یہ واقعہ ان کے ذہن میں ہمیشہ تازہ رہا۔

مکّہ میں پانی کم تھا وہاں اسے اس طرح ذخیرہ نہیں کیا جا سکتا تھا کہ گرمیوں میں بچّے اس میں نہا سکیں مگر مدینہ میں

Marfat.com

پانی کے تالاب تھے اور بچے اُن میں نہایا کرتے اور احساس خنکی سے لطف اندوز ہوتے۔ محمدؐ پہلی بار مدینہ میں بچوں کے ساتھ تالاب میں نہانے۔ بی بی آمنہ کے رشتہ داروں نے مدینہ آنے پر اُن ماں بیٹے کی مدد کی۔ مگر افسوس کہ مدینہ میں آئے ابھی تھوڑی مدت ہی گزری تھی کہ بی بی آمنہ اپنے شوہر کے غم میں بیمار پڑ گئیں اور جلد ہی ان کی حالت اتنی دگرگوں ہو گئی کہ سب نے موت کی پرچھائیاں اُن کے چہرے پر دیکھ لیں۔ عربوں میں یہ رسم تھی کہ جب یہ دیکھتے تھے کہ بیمار اب قریب المرگ ہے تو اس کے اردگرد اکٹھے ہو جاتے اور مرنے والے سے مسلسل بات چیت کیے جاتے تاکہ مرنے والے کو آخری وقت تنہائی کا احساس نہ ہو۔ اور وُہ کوئی خوف محسوس نہ کرے۔

لوگ بی بی آمنہ کے گرد جمع تھے اور متواتر باتیں کیے جا رہے تھے تاکہ انہیں وحشت مرگ نہ ہو۔ بی بی آمنہ کسی کسی وقت زیر لب بڑبڑاتی تھیں۔ کمسن محمدؐ نے جب یہ سب منظر دیکھا اور محسوس کیا کہ اُن کی والدہ کوئی جواب نہیں دے رہیں تو ماں کے سینہ سے لپٹ گئے اور روتے ہوئے کہا۔ ماں! آپ کیوں جواب نہیں دیتیں؟ مگر ان کی روح جسدِ خاکی سے پرواز کر چکی تھی۔

رشتہ دار عورتوں نے بی بی آمنہ کی میت کو غسل دیا۔ محمدؐ نے دیکھا کہ والدہ کو کفن پہنا دیا گیا ہے اور پھر جنازہ لے جایا گیا اور اُن کے جسدِ خاکی کو قبرستان (ابوا) میں دفن کر دیا گیا۔

عرب میں مردہ کو تابوت میں دفن کرنے کا رواج نہیں تھا۔ اس لیے کہ لکڑی بہت کم یاب تھی اور تابوت بنوانا بہت مہنگا پڑتا تھا۔ لہٰذا دُوسروں کی طرح بی بی آمنہ کو بھی بغیر تابوت کے سپردِ خاک کیا گیا۔

قبر پر مٹی ڈال دی گئی۔ رشتہ دار احباب واپس لوٹے تو دیکھتے ہیں کہ محمدؐ اُن کے ساتھ نہیں ہیں۔ فوری واپس پلٹے تو کیا دیکھتے ہیں کہ محمدؐ قبر پر بیٹھے ہُوئے اُونچی آواز میں والدہ کو پکار کر کہہ رہے ہیں۔ کیوں آپ گھر نہیں چلتیں .... کیا آپ کو معلوم نہیں کہ میرا آپ کے سوا کوئی نہیں ہے۔ محمدؐ ماں اور باپ دونوں کو کھو چکے تھے۔ اور آپ کا ذہن اس المیہ سے بہت زیادہ متاثر تھا۔ آپ ایک گوشہ میں بیٹھے رہا کرتے۔ یہاں تک کہ بچے انہیں کھیلنے کی دعوت دیتے تو وُہ کہتے مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔ میں تم سے کھیلنے کی خود میں ہمت نہیں پاتا۔

ماں کی جُدائی سے اس قدر غمزدہ تھے کہ کھانا پینا ترک کر دیا تھا۔ عزیز و اقارب دیکھتے کہ یہ بچہ دن بدن لاغر ہوتا جا رہا ہے۔

عبدالمطلب۔ محمدؐ کے دادا تھے۔ وہ مکّہ کے رہنے والے تھے ان کی عمر اُس وقت ۱۰۸ سال تھی۔ بی بی آمنہ کے عزیزوں نے بچہ کو دادا کے پاس مکہ بھجوا دیا۔

عبدالمطلب نے جس وقت حضرت محمدؐ کو دیکھا تو دل میں محبت اس طرح عود کر آئی کہ انہیں ہر وقت اپنے ساتھ رکھتے حتٰی کہ دارالندوہ میں بھی اپنے ساتھ لے جایا کرتے۔

(دارالندوہ) اُس مجلس شوریٰ کو کہتے تھے۔ جس میں قبائل قریش کے چالیس سال یا اس سے زیادہ عمر کے مردوں کو شمولیت کی اجازت تھی۔ چالیس سال سے کم عمر والوں کو اجازت نہ تھی مگر عبدالمطلب محمدؐ کو ساتھ لے جایا کرتے۔ ابتداء میں چند افراد نے

Marfat.com

اعتراض کیا کہ کیوں آپ ایک بچہ کو اس بڑی مجلس میں لے آئے ہیں مگر وُہ اپنے پوتے کے کچھ اس طرح دیوانے تھے کہ بزرگان قریش کو محمدؐ کی موجودگی پر اعتراض سے صرفِ نظر کرنا پڑا۔ بلکہ اب ہر دفعہ کہ وُہ دادا کے ساتھ دارُالندوہ میں آتے۔ قریش کے سردار انہیں پیار کرتے۔ افسوس کہ دادا عبدالمطلب بھی دو سال بعد ہی ۱۱۰ سال کی عمر میں داغِ مفارقت دے گئے اور محمدؐ پھر ایک بار اکیلے رہ گئے۔ اُس وقت حضرت محمدؐ پیغمبرِ اسلام کی عمر ۸ سال تھی۔ اُن کے چچا ابو طالب نے انہیں اپنی سرپرستی میں لے لیا۔ (ابو طالب) محمدؐ کے چچا کی کُنیت تھی۔

عرب اسلام سے قبل بیٹی سے نفرت کرتے تھے اور جیسا کہ معلوم ہے اپنی بیٹیوں کو زندہ دفن کر دیا کرتے تھے۔ اسلیئے کہ اُن کی پرورش کو وہ انتہائی مشکل کام تصور کرتے تھے۔ اس کے برعکس اولادِ نرینہ کے زیادہ ہونے پر بہت خوش ہوتے تھے۔ اور ہر عرب اس پر فخر کیا کرتا تھا۔ اپنے بیٹے کے نام کی نسبت سے اپنے آپ کو موسوم کرتا اُسے کُنیت کہتے تھے۔ مثلاً ابوطالب یعنی طالب کا باپ۔ محمدؐ کے چچا کے لڑکے کا نام طالب تھا اور انہوں نے اپنے لڑکے کا نام اپنی طرف منسوب کر دیا تھا خود محمدؐ بن عبداللہ کی کُنیت ابوالقاسم تھی کہ آپؐ کے لڑکے کا نام قاسم تھا جو کہ فوت ہو گئے تھے۔ پیغمبرؐ کے چچا ابوطالب بہت شریف انسان تھے مگر زبوں حال۔ ان کی مالی حالت ایسی نہ تھی کہ اس خرد سال بچّہ کی کفالت کر سکتے۔ یہی وجہ تھی کہ یہ بچّہ مجبور ہُوا کہ ۸ سال کی عمر میں ہی اپنی گذران کے لیئے کام کاج کرے۔

محمدؐ بظاہر چچا کی سرپرستی میں تھے مگر چچا ایک بڑے خاندان کی کفالت کے قابل نہ تھے۔ اسی لیئے وہ محمدؐ کی کفالت نہ کر سکے۔ حتیٰ کہ لباس، جُوتا بھی انہیں مہیا نہ کر سکے۔

ان حالات میں جب کہ ان کی عمر کے بچے تمام وقت کھیل کُود میں گزارا کرتے تھے۔ محمدؐ مجبور ہُوئے کہ اپنا تمام وقت معاش کے حصُول میں صرف کریں اور وُہ بھی سخت ترین ذریعہ معاش یعنی عرب کے گرم ترین ریگزاروں میں گلہ بانی۔

حقیقت یہ ہے کہ ان ایامِ طفولیّت میں محمدؐ کی زندگی جس نہج پر چل نکلی۔ اُنہی سے یہ اسباب پیدا ہُوئے کہ یہ یتیم بچّہ بالآخر خدا کی طرف سے پیغمبری کے لیئے چُنا جائے۔ وُہ جب بھی گرم ریگزاروں میں اُونٹوں کا ریوڑ لے کر جاتے غور و فکر میں کھو جاتے۔ صحرا بہرحال غور و فکر اور خود میں گُم ہونے کا بہترین مقام ہے۔

ہر معروف مذہب جو کہ اسلام سے پہلے وجود میں آیا اس نے صحرا کی گرم ہواؤں میں ہی جنم لیا۔ تمام ادیان کو یہ موقع ضرور فراہم ہُوا کہ وُہ ان صحراؤں کی پہنائیوں میں تخلیقِ کائنات اور انسان کی حقیقت پر غور کر سکیں۔

تاوقتیکہ انسان عرب کے وسیع صحراؤں خاص کر مشرقی صحرا میں رہائش پذیر نہ ہو۔ وہ یہ نہیں جان سکتا کہ صحرا کی وسعت و سکُوت تفکّر کی حس کو کس قدر تیز کرتی ہے اور انسانی سوچ کو پختگی بخشتی ہے۔

حتیٰ کہ صحرائے عرب کے برگ و گیاہ۔ یورپی ممالک کے نباتات سے بہت فرق رکھتے ہیں۔ گرم صحراؤں میں کوئی درخت یا پودہ زندہ نہیں رہ سکتا تاوقتیکہ اُس میں نمی کی بجائے عطر نہ ہو۔ حتیٰ کہ عربستان کے خارِ مغیلاں سے بہترین عطر حاصل کیا جا سکتا ہے۔ یورپ کے وُہ پھول جو خاصیّت عطر سے عاری ہیں۔ اگر عربستان لے جا کر صحرا میں کاشت کر دیئے جائیں تو دو یا تین نسلوں کے بعد اُن میں خاصیّتِ عطر پیدا ہو جائے گی۔

Marfat.com

اور یورپ کے یہ کوتاہ قد پودے صحرائے عرب میں کاشت کے بعد درخت کی طرح تناور ہو جائیں گے۔ اسی طرح صحرائے عرب میں زندگی گزارنے والے لوگ طبعاً دھوکا اور ریا سے دُور تھے اور ان کی زندگی کے معمولات میں ان دو خصلتوں کا کوئی دخل نہیں تھا۔

عرب کے گرم صحراؤں میں اگر ایک شخص ایک عقیدہ کو اپنا لیتا تھا تو اُس پر عمل کرنا خود پر لازم کر لیتا تھا۔ انسانی طبیعت میں تضاد اور منافقت اُس وقت شروع ہوئی جب بڑے بڑے مذاہب صحرا کی حدود سے باہر نکل کر اردگرد کی مملکتوں میں جو ریگستانی نہیں تھیں پھیل گئے۔ اُس وقت جن لوگوں نے صحرا کی وسعتوں میں اپنے مذاہب کا ادراک کیا تھا سخت گیری کی جس کے ردعمل میں کئی قسم کے فرقے وجود میں آئے بہر طور پیغمبر اسلام ۸ سال کی عمر میں مجبور ہوئے کہ ایک روٹی چند کھجوریں، کرتہ اور جوتی کے لیئے صحرا میں گلہ بانی کریں۔ وہ منہ اندھیرے شہر سے نکل جاتے شام تک تنہا صحرا میں رہتے اور اپنی نگاہیں لامحدود آسمان کی پنہائیوں میں اور وسیع اُفق پر گاڑ دیتے اور اس سے پہلے کہ آفتاب غروب ہو گلہ کو آبادی میں لے آتے اور چچا ابوطالب کے گھر میں جا کر سو رہتے۔

یہ ایک مسلمہ اُصول ہے کہ یتیم بچے دوسرے بچوں کی نسبت عقلی اور ذہنی طور پر جلد ہی بالغ ہو جاتے ہیں اور اگر کوئی ان سے پیار و محبت کا اظہار نہ بھی کرے تو بھی اُن کے چہروں پر ملال نہیں آتا۔ کسی کو کیا پڑی ہے کہ یتیم کو گلے لگائے اور اس کا منہ چُومے یا اسے لباس اور جوتا خرید کر دے۔

کوئی کسی یتیم بچہ کو سینہ سے لگا کر بوسہ نہیں دیتا اور بڑے بڑے لوگ بھی یتیموں کو لباس اور جُوتا خرید کر نہیں دیتے۔

وہ بچہ جس کی نہ ماں ہو نہ باپ، ۸ سال کی عمر میں مجبور ہو جائے کہ خود کما کر روٹی کھائے اور یہ جانتا ہو کہ کسی پر تکیہ نہیں کرنا اور جو بھی مشکلات ہیں اُن کا خود ہی سامنا کرنا ہے۔ ایک روز کہ محمدؐ اپنے گلہ کو آبادی کی طرف لا رہے تھے۔ لوگوں نے مشاہدہ کیا کہ اس معصوم بچہ کے پاؤں میں جوتا نہیں ہے اور گرم ریت پر ننگے پاؤں چلا جا رہا ہے۔ بہت زیادہ مشکلات، تنہائی اور احساس ذمہ داری نے محمدؐ کو قبل از وقت متحمل مزاج اور متین بنا دیا۔ یہی وجہ تھی کہ جب آپ بارہ برس کے ہوئے تو آپ کے چچا ابوطالب نے ارادہ کیا کہ اُنہیں اپنے ساتھ تجارتی سفر پر لے جائیں۔ پیغمبرؐ کے چچا تاجر تھے اور وہ محمدؐ کو اپنے ساتھ شام کے سفر پر لے گئے۔ بصرہ کے قریب اُن کے قافلہ نے پڑاؤ کیا۔ اس پڑاؤ کی جگہ کے قریب ہی "بحیرہ" نامی ایک راہب کی خانقاہ تھی۔ "بحیرہ" سریانی زبان کا لفظ ہے۔ جس کے معنی ہیں "نابغہ"۔ لوگ کہتے ہیں کہ یہ مرد مسیحی دُنیا کا ایک عابد و زاہد روحانی بزرگ تھا۔ ابن ہشام سے روایت ہے کہ بحیرہ عیسائی نہیں تھا بلکہ "مانوی" تھا اور بہت بوڑھا ہو چکا تھا۔ مانی ایک شخص گذرا ہے جس نے ساسانیوں کے دورِ حکومت میں پیغمبری کا دعویٰ کیا تھا۔ ساسانیوں کے بادشاہ "بہرام اول" نے اُسے ۲۷۶ء میں خوزستان کے شہر گندی شاہ پور کے دروازے کے سامنے صلیب پر چڑھا کر ہلاک کر دیا تھا۔

مانی کے پیروکار (بشمول بحیرہ) یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ "خداوند کسی ایک ملت کے لیئے نہیں ہے بلکہ تمام ملل جہاں سے وابستگی رکھتا ہے اس لیئے کہ تمام ملل جہاں (اس سے ہیں) اور خداوند جب اور جس وقت چاہے کسی بھی ملت میں اپنا پیغمبر مبعوث کر دیتا ہے جو اُس قوم کی زبان میں بات کرتا اور خدا کے احکامات کا ابلاغ کرتا ہے۔ یہودیوں یا عیسائیوں کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ یہ دعوے کریں کہ وہی خدا کے نزدیک برگزیدہ قوم ہے اور تمام اقوام اسی دین کو اپنائیں۔

Marfat.com

کہتے ہیں بحیرہ اُس دن تک کبھی اپنی خانقاہ سے باہر نہیں آیا تھا اور نہ کبھی اُس نے کارواں والوں سے بات چیت کی تھی مگر اُس روز جب محمدؐ جو کہ ۱۲ سال کے تھے کارواں کے ساتھ وہاں پہنچے تو "بحیرہ" باہر نکلا اور ابوطالب کے پاس آیا اور کہا کہ مَیں نے خواب دیکھا ہے ایک کارواں یہاں آئے گا اُس کارواں میں ایک لڑکا ہوگا جو کہ عرب کا ہوگا۔ وُہ لڑکا خداوند کی طرف سے پیغمبری پر مبعوث ہوگا اور عربی زبان میں احکامات کا ابلاغ کرے گا اور تم مجبور نہیں ہو کہ یہودیوں اور عیسائیوں کے مذاہب اپناؤ۔ خداوند عرب قوم میں سے تمہارے لیئے پیغمبر مبعوث کرے گا۔

ممکن ہے قاری مجھ پر اعتراض کرے کہ "بحیرہ" کو مانوی کہنا ایک ایسی روایت کی بنیاد پر ہے جس کی تاریخ تائید نہیں کرتی۔ مَیں اِس تنقید کو مانتا ہُوں کہ تاریخ "بحیرہ" مانوی (زاہد) کی تصریح پر شاہد نہیں ہے کیونکہ اُس کے لیئے دلیل چاہیئے لیکن یہ بھی مدنظر رہنا چاہیئے کہ تاریخ صدرِ اسلام بہرحال روائت پر انحصار کرتی ہے اور اگر ہم روایت کو نظر انداز کر دیں تو پھر نا ممکن ہے کہ تاریخ صدرِ اسلام کو سمجھ یا لکھ سکیں۔ ویسے جہاں کہیں ہم روایت کا ذکر کریں گے اِس نکتہ کو ضرور بیان کریں گے۔

اصحاب فیل

پیغمبرِ اسلام قبیلۂ قریش سے تھے اور قریش دس قبیلوں پر منقسم تھے۔ ان دس قبیلوں میں سے ہر ایک قبیلہ داخلی امور میں آزاد تھا کسی دُوسرے قبیلہ کے داخلی اُمور میں مداخلت نہیں کرتا تھا۔

قریشی قبائل میں سے ایک کا نام ہاشم تھا۔ عبدالمطلب جدِ رسولؐ اُس کے رئیس تھے اور مکہ میں رہتے تھے۔ یہاں یہ ذکر کرنا بے محل نہ ہوگا کہ مکہ کا رقبہ ۲۰۰ کلومیٹر مربع تھا۔ وہاں کوئی زراعت نہ تھی حتیٰ کہ ایک درخت بھی ڈھونڈے سے نہیں ملتا تھا۔ اہلِ مکہ کی معاش کے دو ذرائع تھے۔ ایک تجارت اور دُوسرے بھیڑ بکریوں و اونٹ کی پرورش۔ ان ذرائع معاش میں سے اُونٹ کو خصوصی اہمیت حاصل تھی۔

اُونٹوں کی پرورش نہ صرف اقتصادی حیثیت کی مظہر تھی قریش کے ان دس قبیلوں بلکہ دُوسرے عرب قبائل میں اُسے شرافت اور نجابت کی علامت سمجھا جاتا تھا۔

بیابان میں اونٹ پالنے والا ایک بدوی عرب معاشرہ میں شرافت کا مُرقع سمجھا جاتا اور قابلِ احترام شمار ہوتا تھا۔ وہی عرب جب اونٹوں کی پرورش چھوڑ کر بھیڑ بکریوں کو پالنا شروع کر دیتا تو اُسے متوسط طبقہ میں جگہ دی جاتی تھی۔

ایک عرب صحرا میں رہتا اور اُونٹ پالتا تھا اور کسی نہ کسی قبیلہ سے منسوب ہوتا تھا کیونکہ عربوں کے لیئے انفرادی زندگی کوئی معنی نہیں رکھتی تھی۔

بالکل اسی طرح جیسے ایک ایٹم (ATOM) اکیلا نہیں رہ سکتا اور مجبور ہوتا ہے کسی دوسرے ایٹم (ATOM) سے مل کر "مالیکیول" کو تشکیل دے اور زندگی کی ہماہمی وجود میں لائے۔ ایک عرب کے لیئے بھی لازم ہے کہ وہ کسی قبیلہ سے منسلک ہو نیز اس بدوی معاشرہ میں کوئی فرد قتل ہو جاتا تو مقتول کا قبیلہ قاتل کے قبیلہ سے قصاص لیتا تھا نہ کہ اس قاتل فرد سے۔ قبیلہ کا رئیس اپنے قبیلہ میں مثل بادشاہ ہوتا تھا ایسا بادشاہ جس کی شان و شوکت کا مظہر بس اونٹ ہی تھے۔ یہ اُونٹ ہی باعث تجمّل ہوتے تھے۔ عبدالمطلب رئیس قبیلہ ہاشم کے کوئی اولاد نہ ہوئی تھی۔ اُس نے خدا سے دُعا کی کہ اے خدا اگر تُو نے مجھے دس فرزند عطا فرمائے تو میں دسویں لڑکے کو تیری راہ میں قربان کروں گا۔ خُدا نے دعا قبول فرمائی اور اُس کے ہاں دس لڑکے پیدا ہوئے۔ دسویں لڑکے کا نام عبداللہ تھا جو کہ بھائیوں میں سب سے زیادہ خوبصورت تھا۔ عبدالمطلب کو اس بات کا انتظار تھا کہ دسواں لڑکا یعنی عبداللہ جوان ہو جائے یعنی قربانی کی عمر کو پہنچے تو وُہ اپنے ہاتھ سے اُس فرزند کے گلے پر چُھری چلائے اور اُس کا خون خدا کی راہ میں نذر کر دے۔ عبداللہ جوں جوں بڑا ہوتا گیا عمر کے ساتھ ساتھ زیادہ دلرُبا ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ

جب جوان ہؤا تو تمام قریش کی لڑکیاں اُسے پسندیدگی کی نظر سے دیکھتی تھیں۔ روایت ہے کہ جب عبداللہ کی شادی آمنہ بنت وہب سے ہُوئی تو قبائل قریش کی ۲۰۰ جوان لڑکیاں غم سے مر گئیں۔ (بہرحال یہ ایک روایت ہے) عبداللہ جوان ہؤا تو اُس کے والد کو اس بات کی فکر ہُوئی کہ اب قربانی کا وعدہ پُورا کرنے کا وقت آن پہنچا ہے۔ عرب قبائل قریش سے ہو یا کسی اور قبیلہ سے اپنے عہد کو ہمیشہ اور بہرطور نبھاتا تھا کبھی اگر قرض لیتے تھے تو وعدہ پر ادا کرتے تھے اور وعدہ کرتے تھے تو اُسے بلا تاخیر مطابق عہد نبھاتے تھے۔ بدوی عرب کے جو دل میں ہوتا تھا وہی زبان پر لاتا تھا۔ اُس کے قول میں کوئی تضاد نہیں ہوتا تھا۔

عبدالمطلب خود کو مکلف سمجھتا تھا کہ اپنا وعدہ وفا کرے۔ اس لیئے بھی کہ وُہ ایک حنیف شمار ہوتا تھا۔ حنیف وہ شخص ہوتا تھا جو خداوند خالق ارض و سما کی جستجو میں رہتا تھا۔ اُس وقت چند افراد ہی مکہ میں حنیف گنے جاتے تھے، جن کے نام تاریخ میں ثبت ہیں۔ اُن میں سے ایک عبدالمطلب تھے۔

عبدالمطلب گو حنیف تھے اپنے اجداد کے خداؤں کے منکر نہ تھے اور اُن خداؤں کا جو بُت کی شکل میں کعبہ میں رکھے تھے احترام کرتے تھے۔

عرب کہتے ہیں کہ کعبہ میں ۳۶۰ بُت تھے۔ حالانکہ کعبہ میں بُتوں کی تعداد اِس سے کہیں زیادہ تھی۔ تمام قوموں اور قبیلوں کے مذہبی آثار کعبہ میں رکھے تھے تاکہ زائرین کعبہ آکر اپنے اپنے خدا کی پرستش کر سکیں۔ حتیٰ کہ حضرت مریمؑ اور حضرت مسیحؑ کی تصویریں کعبہ میں آویزاں تھیں۔ حرم یعنی حدودِ کعبہ محترم جگہ تھی اس لیئے اسے حرم کہا جاتا تھا۔ حرم کے اندر کسی شخص کو جرأت نہ تھی کہ تنازعہ یا جھگڑا کرے۔ دو خونی دشمن جب حدودِ حرم میں داخل ہو جاتے تو مجبوراً دشمنی کو وقتی طور پر بھُول جاتے۔ کارواں جو اطراف سے آتے تھے۔ جب حدودِ حرم میں داخل ہوتے تو انہیں آزادی ہوتی تھی کہ اپنے اپنے خدا کی پرستش کریں۔ انتہا یہ تھی کہ ہر قوم و قبیلہ نے اپنے خدا کے بُت کو رکھنے کے لیئے ایک حجرہ یا احاطہ مخصوص کر رکھا تھا۔

جس وقت جنوبی عربستان (موجودہ یمن) میں حبشہ کے نائب السلطنت ابرہہ نے ارادہ کیا کہ کعبہ کو ویران کرے۔ اور اپنے اس ارادہ کی تکمیل میں وہ ایک طویل راہ طے کرتا ہؤا مکہ کے نزدیک شہر طائف میں داخل ہؤا (یہ مقام آج بھی اسی نام سے موسوم ہے) تو طائف کے لوگوں نے اس کا استقبال کرتے ہوئے یہ عرض گزاری کہ وُہ بے شک کعبہ کو مسمار کر دے مگر طائف والوں کے خُدا کے حجرہ کو تباہ نہ کرے لیکن روایت میں آتا ہے کہ ابرہہ نے اُن کی یہ درخواست رَد کر دی تھی۔

طائف سطح سمندر سے ۲۵۰۰ میٹر کی بلندی پر واقع ہے۔ یہاں پانی کی بہتات تھی۔ جنگلات اور زراعت کی کوئی کمی نہ تھی۔ آج بھی یہ علاقہ ویسے ہی سرسبز و شاداب ہے۔

طائف والے اہلِ مکہ کے مقابلہ میں اس بات پر فخر کیا کرتے تھے کہ وُہ گندم کی روٹی کھاتے ہیں اور یہ صحیح بھی تھا۔ مکہ والوں کو گندم کی روٹی میسّر نہیں تھی۔ جب کبھی قرب و جوار کے شہروں سے گندم درآمد ہوتی وہ بھی گندم کی روٹی کھا لیتے ورنہ کھجوریں اونٹ کا دودھ، جنگلی سوسمار اور خشک مچھلی سے پیٹ بھر لیتے۔ مچھلی بحیرہ احمر سے لائی جاتی جو مکہ سے زیادہ دُور نہیں۔ سمندر سے نزدیک ہونے کی وجہ سے اہلِ مکہ سمندری جانوروں سے بھی آشنا تھے اور ان جانوروں کے ناموں پر اپنے نام رکھتے۔ مثلاً قریش یعنی "چھوٹا مگرمچھ"۔

یہاں یہ ذکر بے محل نہ ہوگا کہ ابرہہ کا کعبہ پر حملہ اقتصادی اور تجارتی وجوہ کی بنا پر تھا۔ ابرہہ شہنشاہ حبشہ کی طرف سے یمن میں حبشہ کے لشکر کا سردار تھا۔ بغاوت کر کے اُس نے نائب السلطنت کو قتل کر دیا اور خود نائب السلطنت بن بیٹھا۔ نجاشی شہنشاہِ حبشہ نے حالات کو مدنظر رکھتے ہُوئے اُسے ہی نائب السلطنت مقرر کر دیا۔ ابرہہ ایک جاہ طلب انسان تھا۔ وُہ قدیم کتبے جو جنوبی عرب سنان سے حال ہی میں دریافت ہُوئے ہیں۔ اس کا ثبوت ہیں۔ ان کتبوں کو مَیں نے خود دیکھا ہے۔ تمام کتبوں میں اُس نے خود کو بڑے بڑے القابات اور عنوانوں سے نوازا ہُوا ہے۔

ابرہہ کا ارادہ یہ تھا کہ مکّہ کی بین الاقوامی تجارتی حیثیت ختم کر کے بین الاقوامی تجارت کا رُخ صنعا (یمن) کی طرف موڑ دے۔ اسی نیت سے اُس نے ایک کلیسا نما کعبہ (ابرہہ عیسائی تھا) صنعا میں تعمیر کرنے کا حکم دیا اور کچھ مدت بعد ابرہہ کے کعبہ کی تعمیر مکمل ہوگئی اور اس کے سنگتراشوں نے انجینئروں اور معماروں کے نام کتبوں میں ضبط کر لیئے۔ ابرہہ کے کعبہ کی تکمیل کے باوجود اس کی توقعات کے خلاف بین الاقوامی تجارت کا رُخ مکّہ ہی کی طرف رہا تو اُس نے مکّہ شہر کو ویران کرنے کی ٹھانی تاکہ تجارتی مرکز صنعا قرار پائے۔ کعبۃ اللہ کو ویران کرنے کے ارادہ کی علّت اقتصادی تھی نہ کہ مذہبی یا کم ازکم یہ کہیئے کہ اُس کے اقدام کی وجہ اقتصادی ضرور تھی۔

ابرہہ چونکہ ہاتھیوں کے ساتھ مکّہ کی طرف روانہ ہُوا تھا لہٰذا عربوں نے جس راستہ سے وہ آیا تھا اُسے "صراطِ فیل" کا نام دیا اور جو چشمے اس راہ پر واقع تھے اُنہیں "عین الفیل" کہنے لگے اور جس سمت سے وہ مکّہ میں وارد ہُوا تھا۔ اُسے "باب الفیل" کا نام دیا گیا۔

رسُولِ خدا اسی سال پیدا ہوئے۔

آمدن برسرِ مطلب عبدالمطلب کے لیئے قربانی سے گریز ممکن نہ تھا۔ وُہ سوچتا کہ وُہ خُداوند جس کی مَیں نے منت مانی ہے اور جس کی مجھے تلاش ہے نہایت بزرگ و برتر ہستی ہے۔ اس کے برعکس مَیں بہت حقیر و ناچیز ہُوں۔ اور قرض (قربانی) کی ادائیگی میں ہچکچاہٹ محسوس کر رہا ہوں کہ یہ نہیں ہو سکتا کہ خدا تعالیٰ جس نے زمین و آسمان بنائے ہیں اپنے قرض سے صرفِ نظر کر دے۔ لیکن عبدالمطلب کے لیئے کوئی ایسا ذریعہ نہیں تھا جس سے وہ یہ جان لے کہ (قرض) قربانی معاف کر دی گئی ہے یا نہیں۔ پس اُس نے تہیّہ کیا کہ کسی "عرّاف" عراف یعنی کاہن ایسے شخص کو کہتے تھے جو غیب کی باتیں جانتا ہو سے رجوع کرے ان دنوں ایک عراف "یثرب" شہر میں رہتا تھا۔ وہ قدرت رکھتا تھا کہ آسمانی احکام کو سمجھ سکے۔ عبدالمطلب ایک نر شتر پر سوار ہو کر یثرب کی طرف چل پڑا۔ وُہ اس لیئے نر شتر پر سوار ہُوا کہ اعراب بادیہ کے نزدیک مادہ شتر ایک تجمّلی جانور تھا۔ اُس کو وُہ فقط دوڑوں کے مقابلہ کے لیئے رکھتے تھے۔ بھورے رنگ کی مادہ شتر ایک قیمتی جانور گنا جاتا تھا۔

عبدالمطلب گیارہ دن کے سفر کے بعد یثرب پہنچ گیا۔ سیدھا (عراف) کے پاس آیا۔ (عراف) نے ستاروں کے مطالعہ کرنے کے بعد بتایا کہ خدا تمہارے فرزند کی قربانی سے صرفِ نظر کرنے کو تیار ہے بشرطیکہ تو اُس کے عوض کوئی دوسری قربانی دے۔

عرب میں انسان کا خُون بہا شتر تھا۔ لہٰذا عبدالمطلب نے (عرّاف) سے پوچھا اگر میں دس شتر قربانی کروں تو خدا

راضی ہو جائیگا؟

(عرّاف) نے ستاروں پر نگاہ کی اور کہا۔ نہیں!

عبدالمطلب نے کہا اگر پندرہ اُونٹ قربانی کروں تو پھر کیسا ہے؟

(عرّاف) نے پھر آسمان کی طرف نگاہ کی اور جواب نفی میں دیا۔

حتیٰ کہ عبدالمطلب نے اونٹوں کی تعداد یک صد تک بڑھا دی۔ تو (عرّاف) نے کہا کہ خداوند نے یہ قبول کر لیا ہے۔

عبدالمطلب نے مکہّ واپس آکر ایک سو اُونٹوں کی قربانی دی۔

بعد ازاں جب عبداللہ کے بیٹے محمدؐ پیغمبرِ اسلام ہوئے اور قرآن نازل ہوا تو اُس میں خداوند نے قتل بلا ارادہ کی (دیت) یک صد اونٹ مقرر فرمائی۔

اونٹوں کی قربانی کے بعد عبداللہ کی شادی ایک لڑکی "آمنہ" سے کر دی گئی اور اس بی بی آمنہ کے بطن سے حضرت محمدؐ اس دُنیا میں تشریف لائے مگر ان کی پیدائش سے قبل ہی عبداللہ اس جہان سے کُوچ کر گئے۔

یوحنا کی انجیل میں لکھا ہے کہ حضرت مسیحؑ نے فرمایا:

"اگر تم مجھے دوست رکھو اور میرے احکامات کو مانو تو میں تمہارے لیئے دُعائے خیر کروں گا۔ اور وہ (خداوند) تمہارے لئے میرے بعد (پاراکلت) بھیجے گا اور میں نہیں چاہتا کہ تم یتیم رہ جاؤ اور تمہارا کوئی سرپرست نہ ہو"

لفظ (پاراکلت) یُونانی زبان کا لفظ ہے اور اس کے معنی ہیں "تسلیت دینے والا"، "طاقت دینے والا"، "حمایت کرنیوالا"

یوحنا کے قول کے مطابق حضرت مسیحؑ نے پیشتر اس کے کہ اس جہاں سے تشریف لے جاتے اپنے پیروواں سے کہا کہ میرے بعد ایک شخص آئیگا جو تمہارے لیئے باعثِ تقویت و حمایت ہوگا۔ اب عیسائی اس کی تفسیر کچھ یُوں کرتے ہیں کہ حضرت مسیحؑ کا مقصود یہ تھا کہ یہ شخص (پاراکلت) عیسائیوں اور خداوند کے درمیان واسطہ کا کام دیگا۔ تاکہ عیسائی تنہا نہ رہیں اور پھر عیسائیوں کے قول کے مطابق حضرت مسیحؑ کی رحلت کے پچاس دن بعد "پاراکلت" (کہ وہی رُوح القدس ہے) ظہور میں آگیا تھا اور اُس دن سے آج تک عیسائیوں اور خداوند کے درمیان واسطہ ہے۔

مسلمان کہتے ہیں کہ عیسائیوں نے فرمودہ حضرت مسیحؑ کو تبدیل کر دیا ہے۔ حالانکہ حضرت مسیحؑ نے فرمایا تھا۔ کہ میرے بعد (پاراکلت) آئیگا۔ (پاراکلت) کے معنیٰ "احمد" کے ہیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ یہودی بھی اس روایت کے مطابق اسے (پریکل ٹوس) ہی پڑھتے تھے اور وہ جانتے تھے کہ حضرت مسیحؑ نے فرمایا تھا کہ میرے بعد "احمدؐ" آئیگا۔ ویسے بھی ایک روایت کے مطابق محمدؐ کے تولّد کی شب یہودی بہت مضطرب تھے اور فرزند آمنہ کے تولّد سے خوفزدہ بھی تھے۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ بی بی آمنہ نے کہا تھا کہ جب وہ پیٹ سے تھیں تو بچےّ کا وزن محسوس نہیں کرتی تھیں اور پھر یہ روایت بھی ہے کہ پیغمبرِ اسلام ختنہ شدہ دُنیا میں تشریف لائے تھے۔ انہی روایات سے یہودی متوجہ ہوئے کہ حضرت

Marfat.com

مسیح کے فرمان کے مطابق وہ (پاراکلٹ) دُنیا میں تشریف لے آئے ہیں۔ پیغمبرِ اسلام کے تولّد کے بعد اور ان روایات کی بنا پر مکہ اور اس کے قرب وجوار میں کوئی تبدیلی نہ آئی وُہ اس لیئے کہ عربستان میں ایک پیغمبر کا تولّد کوئی غیر معمولی واقعہ نہیں تھا۔ عرب میں ایک روایت کے مطابق ایک لاکھ چوبیس ہزار اور دوسری روایت کے مطابق ایک لاکھ اور تیسری روایت کے مطابق چالیس ہزار پیغمبر اس جہاں میں رشد و ہدایت کے لیئے تشریف لائے اور تین بڑے مذاہب توحیدی یہودیت۔ عیسائیت اور اسلام کا آغاز سرزمین عرب سے ہوا (بشرطیکہ بحیرہ روم کے مشرقی حصّہ کو عرب کا حصّہ تصوّر کیا جائے) ہم اس بڑی تعداد میں سے چند صد پیغمبروں کو جانتے ہیں جن کے متعلق کم وبیش تاریخ نے بذریعہ روایات روشنی ڈالی ہے۔

یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ گذشتہ دَور میں عرب ایک پیغمبر کے تولّد پر کوئی حیرت و تعجّب کا اظہار نہیں کیا کرتے تھے اور یہ کوئی اچنبھے کی بات نہیں ہوا کرتی تھی۔ حتیٰ کہ بی بی آمنہ نے (ایک روایت کے مطابق) غیب سے سنا تھا۔ کہ اُس کا فرزند ایک پیغمبر ہے مگر کوئی زیادہ حیرت کا اظہار نہیں کیا تھا۔ اس لیئے کہ سرزمینِ عرب کوئی ایسی جگہ نہ تھی جہاں ایک پیغمبر کے تولّد کو کوئی خاص اہمیت کا واقعہ سمجھا جائے۔ وہاں پر ایک عام انسان بھی خدا سے قربت پیدا کر لیتا تھا اور یہ کوئی استثنائی چیز نہ تھی۔ ویسے بھی سرزمین عرب میں مبعوث ہونے والے تمام پیغمبروں نے خدا سے کلام کیا تھا۔

تیس ۳۰ لاکھ مربع کلو میٹر کا یہ صحرائی علاقہ جیسے آج مسطح اور گرم ہے ایسے ہی اس زمانہ میں بھی تھا۔ وہاں انسان بغیر کسی واسطہ کے خدا سے تعلق پیدا کر سکتا ہے۔

خداوند ہر جگہ موجود ہے مگر آج بھی جو اشخاص خداوند سے تماس پیدا کرنا چاہتے ہیں وہ صحرائے عرب میں جاتے ہیں۔ یہودی کنعان اور بیت المقدس کی راہ لیتا ہے۔ عیسائی صرف بیت المقدس کی اور مسلمان کعبہ کی طرف مراجعت کرتا ہے۔

دُوسرے ممالک کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی عمارت مکمل ہو گئی ہو اور اس کے کمرے ایک دوسرے سے بڑی موٹی موٹی دیواروں سے جُدا کر دیئے گئے ہوں۔ خدا ایک کمرہ میں اور فرشتے دوسرے کمروں میں جُداگانہ گزر بسر کر رہے ہوں اور انسان اپنے حال میں مگن اُن کی طرف دیکھنا تک نہیں۔ مگر صحرائے عربستان جس کی وسعتوں میں کوئی دیوار حائل نہیں جو دیدار سے مانع ہو۔ جس طرف بھی نگاہ اُٹھائیں دشت ناپیدا کنار اور آسمان بے پایاں نظر آتا ہے۔ کوئی چیز خداوند اور فرشتوں کو دیکھنے میں حائل نہیں۔

صحرائے عربستان میں جب خداوند سے ملاقات کوئی انوکھی چیز نہیں تو ایک پیغمبر کا تولّد کوئی خارق العادہ یا اچنبھے کی بات نہیں ہو سکتی۔ روایت ہے بی بی آمنہ کے علاوہ تمام اقربا بھی یہ جان گئے تھے کہ یہ بچّہ ایک پیغمبر ہے مگر پھر بھی اسے عجوبہ نہیں شمار کرتے تھے اور ان کا رویّہ محمدؐ کے ساتھ دوسرے بچّوں سے مختلف نہیں تھا۔ شاید اس کی وجہ یہ بھی ہو کہ اہمیت اس بات کی نہیں کہ ایک پیغمبر پیدا ہوا بلکہ دیکھنا یہ ہے کہ آیا وہ پیغمبر منصب رسالت کو پہنچا یا نہیں۔

عربستان میں ایک لاکھ چوبیس ہزار یا ایک لاکھ یا چالیس ہزار پیغمبر تشریف لائے مگر اُن میں سے بہت محدود تعداد درجہ رسالت تک پہنچی۔ اور وُہ جو اس میں کامیاب ہوئے انہوں نے عربستان کے وسیع صحراؤں کی گود ہی میں پرورش

پائی تھی ۔ مجھے اجازت دیں کہ اس نقطہ کی قدرے وضاحت کر دوں ۔

عرب ابتدا جنوب میں آباد تھے ۔ عربستان کا جنوبی منطقہ آباد اور سرسبز تھا ۔ اسی لحاظ سے اس کا نام (عربستان خضیب) پڑ گیا اور یونانی اُسے (عرابیا فلیکس) یعنی بارونق اور معمور عربستان کا نام دیتے تھے ۔

عرب مختلف ادوار میں جنگ و جدل ۔ خشک سالی اور دریاؤں پر بندوں (DAMS) کے تباہ ہو جانے کے باعث جنوبی منطقہ سے ہجرت کرتے گئے ۔ جنوب میں چونکہ سمندر کی وجہ سے راہ مسدود تھی لہٰذا انہوں نے شمال کا رُخ کیا جہاں صحراؤں میں وسائل زندگی تلاش کرتے کرتے خانہ بدوش یا بدوی بنتے گئے ۔ شمال کی طرف صحرا کا ایک لامحدود سفر شروع ہو جاتا اور انہیں مجبوراً اس وسیع صحرا ... محدود مخصوص وسائل سے اپنی زندگی کی کفالت کرنا پڑتی ۔ یہ چیز انہیں سخت کوشش زندگی کی عادی بنا دیتی ۔ صحرا نوردی کے اس دور میں بہت سے مر جاتے مگر جو زندہ بچ نکلتے وہ اس سخت دور سے گزر کر ایک نئے انسان بن جاتے جو ارادے کے قوی ایمان کے پکے ہوتے اور حرص و ہوس سے مبرا ۔ ڈارون اپنے نظریہ میں کہتا ہے ۔ دنیا میں وہ جانور باقی رہتے اور پرورش پاتے ہیں جو بیشتر صالح ہوں اور حیوانات جو ناتوان اور بے شعور ہوں ختم ہو جاتے ہیں ۔ صحرائے عربستان میں بھی وہ ہی شخص زندہ رہ سکتا تھا جو نہ صرف جسمانی لحاظ سے بلکہ رُوح اور صالحیت کے اعتبار سے بھی قوی تر ثابت ہو ۔

عرب کے دشت ہائے لم یزرع میں جہاں فقط خار مغیلاں اور سوسمار پیدا ہوتا ہے ۔ زندگی کی حفاظت بغیر اس کے ممکن ہی نہ تھی کہ انسان روحانی اور جسمانی طور پر پائیدار ہو نیز قبیلہ و طائفہ کے نظم و ضبط کی پابندی کرے ۔ حتیٰ کہ آج جب کہ عربستان میں موٹر کاریں اور ہوائی جہاز تک میسر ہیں کوئی شخص ان صحراؤں میں تنہا زندگی نہیں بسر کر سکتا ۔ آج بھی وہاں بھوک ، پیاس اور کسمپرسی جان لیوا ثابت ہوتی ہے

لیکن اگر افراد قبیلہ کے ساتھ زندگی بسر کر رہے ہوں اور اس کے نظم و ضبط کے پابند ہوں تو وہ قبیلہ افراد کی مدد کرتا ہے ۔ طائفہ کے افراد کی اجتماعی کوشش اُن بہت سی مشکلات کو دُور کرنے کے لیئے کافی ہوتی ہے جن سے ایک نفر عہدہ برآ نہیں ہو سکتا ۔ اسی وجہ سے صحرائے عربستان میں قبیلہ و طائفہ سے فرد کی وابستگی اتنی اہمیت پیدا کر گئی کہ ایک نفر کو اگر قبیلہ اپنے ہاں سے نکال باہر کرتا تو اور کوئی قبیلہ اُسے قبول نہیں کرتا تھا ۔ اور اس کی حیثیت ایک شہد کی مکھی کی سی ہو جاتی کہ جب نکال دی گئی تو صرف موت ہی اُسے قبول کر سکتی ہے ۔ عرب کے ایک صحرا نشین قبیلہ کے ساتھ منسلک ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ معاش کے لیئے جدوجہد سے آزادی حاصل ہو گئی بلکہ یہ کہ صرف مشکلات میں کمی ہو جاتی تھی ۔

ایک بدوی عرب گرسنگی اور تشنگی کا اس قدر خوگر ہوتا ہے کہ یہ دونوں چیزیں اس کی فطرت کا جزو بن جاتی ہیں ۔ تمام مرد و عورت لباس کے نیچے ایک کمربند خوب کس کر باندھتے تھے کہ اس کے دباؤ سے بھوک کا احساس نہ ہو ۔ اور بعض حالات میں جب یہ تجربہ کامیاب نہ ہوتا تو اسی کمربند سے پیٹ پر پتھر باندھتے تھے تاکہ اس کا وزن پیٹ پر محسوس ہو اور فریب میں مبتلا رہیں کہ معدہ غذا سے پُر ہے ۔

(شنفرہ) ایک دورۂ جاہلیت کا عرب شاعر اپنے اشعار میں کہتا ہے : " میں اپنی بھوک کو فریب دے سکتا ہوں

معدہ کی آوازوں کو ختم کر سکتا ہوں۔ اور پھر بھی اگر بھوک کی شدّت کم نہ ہوئی تو میں معدہ کو اس طرح پیچ و تاب دوں گا کہ روئی دھنکنے والا بھی اپنا پاؤں سے تار کو اس طرح نہیں دباتا؛"

بدوی عرب میں بھوک اور پیاس کی برداشت اس قدر زیادہ تھی اور اب بھی ہے کہ دوسرے ملکوں کے رہنے والے لوگ اُس کا صحیح ادراک نہ اُس وقت کر سکتے تھے اور نہ ہی اب کر سکتے ہیں۔ کئی دفعہ دیکھا گیا ہے کہ اونٹ نے بھوک کی شدّت سے اپنے بدن کی تمام پشم کھالی۔ یہاں تک کہ ایک بال بھی بدن پر نہ رہا۔

عربستان میں موسم بہار بقولِ اعراب فصل ربیع صرف تین ہفتہ کا ہوتا ہے اور صرف ان ہی تین ہفتوں میں صحرا میں بارش ہوتی ہے۔ اس دوران جہاں زمین ریت سے ڈھکی ہوئی نہ ہو سبز ہو جاتی ہے۔ یہی سبزہ گرمیوں میں خاردار جھاڑیوں میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ فصل بہار میں جب صحرا سبز ہو جاتا ہے تو بعض اوقات ہرن خوراک کی تلاش میں صحرا میں آ جاتے ہیں۔ اُس وقت عرب اُن کا شکار کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ سال بھر شکار میسّر نہیں آتا کیونکہ صحرا خشک ہو جاتا ہے۔

بدوی عرب اگر شہروں میں بھی رہائش پذیر ہو جائے تو بھی اپنی مخصوص بدوی بود و باش کو محفوظ رکھتا ہے۔ اور صرف اتنا ہی فرق ہوتا ہے کہ خیمے کی بجائے مکان میں سکونت اختیار کرتا ہے۔

مکہ۔ مدینہ اور طائف باوجودیکہ عربستان کے شہر ہیں۔ ان شہروں میں سکونت اختیار کرنے والا ہر قبیلہ اپنی اپنی صحرائی بود و باش کو شہری مکان میں بھی قائم رکھتا اور کسی دوسرے کی تہذیب کی اپنی تہذیب میں آمیزش گوارا نہ کرتا تھا۔

بدو عرب دائماً نقل مکانی کرتے رہتے ہیں فقط شتر ان کا وسیلہ باربرداری ہے۔ اس لحاظ سے کہ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے میں زحمت کم سے کم ہو۔ ایک بدو بھاری اشیاء کو ساتھ نہیں رکھتا اور اس کے گھر کا اثاثہ کم از کم ضروریاتِ زندگی پر مشتمل ہوتا ہے۔

مکہ میں قریشی بزرگ اسی نوع کی زندگی بسر کرتے تھے اور ان کے ہاں زینت کی شئے صرف شتر ہی تھا حضرت عائشہ رض فرماتی ہیں جب تک رسول اللہ زندہ رہے ہم گھر میں ایک چھلنی بھی نہیں رکھتے تھے کہ اگر کسی روز روٹی پکانی ہو تو آٹا ہی چھان لیں۔ بدوی عرب چھلنی کو ایک غیر ضروری چیز سمجھتے تھے۔

قریش کے قبائل نے باوجودیکہ مکہ میں بود و باش رکھتے تھے خصوصیاتِ بدویانہ کو ترک نہیں کیا تھا۔ اپنے بچوں کو بعد از تولّد بدوی عورتوں کے سپرد کر دیتے تھے تاکہ بچہ صحرا میں پرورش پائے۔ اس رسم میں دو اور وجوہات کو بھی دخل تھا۔

پہلی یہ کہ عربوں کا خیال تھا کہ مکہ کی ہوا مضر ہے۔ شیرخوار جو مکہ میں پرورش پائے ایام طفولیت میں فوت ہو جاتا ہے اور یہ نظریہ درست بھی تھا مکہ میں امراض عفونی بچوں کی موت کا باعث ہوتے تھے مگر صحرا کی ہوا صاف جراثیم سے پاک ہوتی تھی۔

دوئم یہ کہ جب کوئی بچہ کسی بدوی عورت کو دیا جاتا تھا تو ہر دو قبیلوں میں قریبی تعلقات استوار ہو جاتے تھے۔ دایہ کا اپنا بچہ اور دوسرا بچہ برادرِ رضاعی قرار پاتے تھے۔ اعراب میں اس طرح کے رضاعی بھائیوں کو

Marfat.com

حقیقی بھائیوں کا سا درجہ دیا جاتا اور احترام کیا جاتا تھا۔ جب محمدؐ دنیا میں تشریف لائے تو اُن کے سر کے بال ترشوا کر کے اُن بالوں کے وزن برابر سونا خیرات کیا گیا۔ ایک نوزاد بچہ کے بالوں کا وزن تو کچھ بھی نہیں ہوتا مگر قریش اس رسم کو نبھاتے تھے اور پھر یہ رسم ان کی تقلید میں ہر جگہ پھیل گئی۔

بال ترشوانے کی رسم کے بعد محمدؐ کو دایہ کے سپرد کر دیا گیا۔

پیغمبرؐ اسلام کی دو دایہ تھیں۔ تواریخ اسلامی میں ان دو میں سے ایک کا ذکر بہت کم ملتا ہے۔ شاید مورخین اسلامی نے ایک دایہ کا ذکر اس لیئے کم کیا ہے کہ وہ (ابی لہب) کی کنیز تھی جو کہ محمدؐ کا چچا تھا مگر مسلمانوں کے نزدیک قابلِ نفرت اسلیئے کہ اس نے پیغمبرؐ کو بہت زیادہ اذیتیں پہنچائی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے اُسے قرآن پاک میں ابدی ملعون قرار دیا اور فرمایا

"تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ" یعنی ابولہب کے ہاتھ کاٹے گئے

وجہ یہ کہ جب محمدؐ نے اپنی بعثت کا اعلان کیا تو ابولہب محمدؐ کو پتھر مارا کرتا تھا اُن کے چہرہ اور سینہ کو زخمی کر دیا کرتا تھا محمدؐ اپنے زخمی چہرہ اور جسم کو اپنے دامن سے صاف کرتے اور خدا سے دُعا کرتے یا خدا (ابی لہب) کو ایمان لانے کی توفیق عطا فرما۔ (ابولہب) کی بیوی بھی جس کا نام اُمّ جمیل تھا پیغمبرؐ کو اذیّت پہنچایا کرتی۔ راتوں کو محمدؐ کی راہ میں کانٹے بچھا دیتی۔ جس کی وجہ سے ہر شب آپؐ کے پاؤں زخمی ہو جایا کرتے تھے۔ خداوند تعالیٰ نے اُس پر بھی اُس کے شوہر کی طرح ابدی لعنت فرمائی اور قرآنِ پاک میں فرمایا۔

"وَامْرَأَتُهُ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ" یعنی وہ عورت جو کانٹے اُٹھاتی ہے۔

اس معنی میں کہ جب (ابولہب) داخلِ جہنم ہوگا اُس کی بیوی اُمّ جمیل جو خاردار جھاڑیاں اکٹھا کرتی تھی شوہر سے جا ملے گی۔

بہر طور پیغمبرؐ کی پہلی دایہ ابولہب کی کنیز تھی۔ وہ جب پیغمبرؐ کو دودھ پلایا کرتی امساک کرتی تھی محمدؐ جب بڑے ہوئے اُس کنیز کو ابولہب سے خرید کر آزاد کر دیا تھا۔ جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے عرب عورتیں بچوں کو اپنا دودھ نہیں پلایا کرتی تھیں بلکہ دایہ کے سپرد کر دیتیں کہ وہ بچہ کو صحرا میں لے جا کر پرورش کریں۔

بعض بدو عورتیں خاص موسم میں اکٹھی مل کر صحرا سے مکّہ آیا کرتی تھیں تاکہ شیرخوار بچوں کو اُن کی ماؤں سے گود لیں اور صحرا میں لے جا کر پرورش کریں ضمناً ان کے قبیلہ والوں سے قرابت داری ہو جائے۔ چونکہ (ابولہب) کی کنیز رسولؐ اللہ کو دُودھ پلاتے وقت امساک کیا کرتی تھی۔ محمدؐ کو اُس سے واپس لے لیا گیا۔ انہی دنوں طائفہ بنو سعد کی عورتیں اکٹھی ہو کر مکّہ آئیں۔

میں نے عرب میں تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ آج عربستان میں اگرچہ بود و باش کافی تبدیل ہو چکی ہے اور ان کے کھانے پینے لوگ کاریں استعمال کرتے ہیں لیکن پھر بھی بعض شرفاء اپنے بچوں کو دایہ کے سپرد کرتے ہیں کہ وہ بچہ کو صحرا میں لے جائیں اور بچہ مکہ سے باہر پرورش پائے۔ یہ رسم ابھی تک ختم نہیں ہوتی۔

طائفہ بنو سعد کی عورتیں چند گھنٹوں میں بچوں کو گود لے کر واپس چلی گئیں مگر اُن میں سے کسی ایک نے بھی محمدؐ کو گود نہ لیا۔ اس لیئے کہ وہ ایک یتیم اور غریب بچہ ہے۔ بالآخر ایک عورت نے جس کا نام حلیمہ تھا انہیں گود لیا اور

اپنے تاثرات یوں بیان کیئے:

اس سال فصلِ ربیع میں بارشیں نہیں ہوئی تھی۔ میں نے شوہر سے کہا ہماری معاشی حالت اچھی نہیں ہے کیا ہی اچھا ہو اگر ہم بھی مکہ جا کر کسی بچہ کو صحرا میں لے آئیں اور پرورش کریں تاکہ اس سے کچھ گذر اوقات کا وسیلہ ہاتھ آئے۔"

"شوہر نے میری تائید کی میں نے اپنے شیرخوار بچہ کو بغل کیا اور اونٹنی پر سوار ہوگئی میرے شوہر نے اُونٹنی کی نکیل پکڑی اور ہم مکہ کی طرف چل پڑے۔"

"میرا اپنا بچہ بھوک سے بلکتا رہتا کیونکہ میرے دودھ کم تھا بلکہ یہ کہنا چاہیئے تقریباً خشک ہو چکا تھا۔ ہماری اُونٹنی بھی خشک سالی کی وجہ سے بہت لاغر ہو چکی تھی اور دُودھ نہیں دیتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ میں اور میرا شوہر دونوں فاقہ سے تھے۔"

"جب ہم مکہ پہنچے ہمارے طائف کی عورتیں دولت مند بچوں کو گود لے کر واپسی کے لیئے تیار ہو چکی تھیں۔ اُن میں سے ہر ایک نے بچوں کے والدین سے خاصی رقم پیشگی وصول کر لی تھی۔ میرے حصّہ میں کسی ثروتمند کا بیٹا نہ آیا۔ بلکہ محمدؐ نامی ایک یتیم بچے کی پرورش کے لیئے مجھ سے درخواست کی گئی اور وُہ بھی بغیر کسی پیشگی معاوضہ کے میں نے شوہر سے کہا خالی ہاتھ جانے سے بہتر ہے کہ اس بچہ کو ساتھ لیتے چلیں جیسا بھی ہے قریش میں سے ہے جب بڑا ہوگا تو بزرگ قریش میں سے ہوگا اور ہم اس سے یقیناً فائدہ اٹھا سکیں گے"۔ میرا شوہر مان گیا اور ہم دوسری عورتوں کے ساتھ ہی واپس ہو لیئے۔ ابھی مکہ سے آدھی منزل بھی دُور نہ ہوئے تھے کہ مجھے اپنے سینہ میں دودھ کا احساس ہُوا اور وُہ بھی اس قدر کہ دونوں بچّوں نے پیٹ بھر کر پیا۔ جب پہلی منزل پر پہنچے تو میرے شوہر نے میری توجہ اونٹنی کی طرف دلائی اور کہا حلیمہ دیکھو اونٹنی کے تھنوں میں کتنا دُودھ بھرا ہُوا ہے۔

"ہم دونوں بھوکے تھے دودھ کو دوہا، پیا اور خوب سیر ہو کر رات کو سو گئے۔ صبح میں نے شوہر سے کہا کہ یہ سب برکت صرف اور صرف اس قریشی بچے کی وجہ سے ہے یہ بچہ ہمیں یقیناً سعادت مند کرے گا۔"

Marfat.com

محمدؐ (امین)

محمدؐ کا دُودھ چھڑانے کے بعد حلیمہ انہیں اُنؐ کی والدہ بی بی آمنہ کے پاس واپس چھوڑ گئیں اور جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے محمدؐ کی واپسی کے تھوڑی دیر بعد ہی اُن کی والدہ ماجدہ اور پھر دادا عبدالمطلب بھی اس جہاں سے کوچ کر گئے۔ تو اُن کے چچا ابو طالب نے انہیں اپنی سرپرستی میں لے لیا اور جب محمدؐ بارہ[12] سال کے تھے ابو طالب اُنہیں اپنے ہمراہ شام کے سفر پر لے گئے۔

شام کے سفر سے واپسی پر دوبارہ آپؐ نے گلہ بانی کا کام شروع کر دیا۔ اس لیئے کہ ابو طالب اپنی بے بضاعتی کی وجہ سے آپ کی کفالت سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتے تھے۔ لہٰذا پھر وہی گرم ریگستان اور آفتاب کی جھلسا دینے والی گرمی تھی اور محمدؐ تھے۔

جن دنوں بھیڑوں کے دودھ ہوتا آپؐ اس دودھ کو غذا کے طور پر استعمال کرتے اور جب بھیڑوں کا دُودھ خشک ہو جاتا تو آپؐ صحرا کی جڑی بوٹیاں کھا کر گزارا کیا کرتے تھے۔ جب پیغمبرؐ بڑھاپے کو پہنچے تو اکثر دوستوں کو مکہ کے صحراؤں میں ہمراہ لے جاتے اور مختلف جگہوں کی نشان دہی کیا کرتے اور فرمایا کرتے میں یہاں بکریاں چرایا کرتا تھا اور یہ یہ جڑی بوٹیاں بطور غذا استعمال کیا کرتا تھا۔

جیسا کہ پہلے ذکر آ چکا ہے۔ اعراب سال میں چار ماہ جنگ و جدل نہیں کیا کرتے تھے۔ حج کے دنوں میں راہزن لوٹ مار سے ہاتھ روک لیا کرتے تھے۔ حجاج اور تاجروں کے قافلوں پر حملے نہیں کیا کرتے تھے۔ حج کے ایام میں مکہ کے نزدیک ایک بازار لگا کرتا تھا جیسے ہمارے ہاں عوامی میلے لگتے ہیں۔ تمام اعراب اُس بازار میں خرید و فروخت کے لیئے آیا کرتے تھے۔ یہ بازار خود مکہ شہر میں نہیں شہر سے باہر لگا کرتا تھا۔ میں نے بہت جستجو کی مگر کوئی بھی اُس کے محل وُقوع کی نشاندہی نہ کر سکا۔ محمدؐ ابھی بچہ تھے کہ اُس بازار میں تشریف لے جایا کرتے تھے۔ وہاں ہی اُن کے علم میں یہ چیز آئی کہ عرب میں کوئی چیز اگر سونے [illegible] سے گراں تر ہے تو وہ ہے "سخن" یعنی شاعری۔ اس چیز کو اُن کے ذہن نے کچھ اس پختگی سے تسلیم کیا کہ پھر کبھی اور چیز کی طرف توجہ ہی نہ ہوئی۔ اس سے قبل یہ بچہ جسے کل کو پیغمبر ہونا مقدر تھا یہ سمجھتا تھا کہ عربستان میں سب سے قیمتی چیز سونا ہے اس کے بعد چاندی۔ اور عربوں کا ایک مقولہ بھی اسی کی تائید کرتا تھا لیکن بازارِ عکاظ میں محمدؐ کے علم میں

Marfat.com

یہ بات آئی کہ عرب میں ہر چیز سے مرتبہ میں بڑھ کر سخن ہے جو سونے سے بھی گراں تر ہے۔

کعب بن زہیر عرب کا ایک شاعر کہتا ہے۔" انسان کی وقعت و حرمت اُس کے دل اور زبان سے ہے" باقی سب خون آلود گوشت کا بیکار ڈھانچہ"۔

شاعر نے ایک بدو عرب کی سی سوچ سے ٹھیک ہی کہا ہے۔ کیونکہ عربستان میں سخنوری صدیوں سے ایک بہترین ہنر شمار ہوتا تھا۔

عربستان ایک بڑی وسیع سرزمین ہے جس کا بیشتر حصہ ریگزاروں پر مشتمل یعنی ریت سے ڈھکا ہوا ہے۔ دنیا کی تمام ریت اگر اکٹھی کی جائے تو شاید عربستان کے ریگزاروں سے کم ہی ہو۔ ان ریگزاروں میں جہاں گرم ریت کے جھکڑ چلتے ہیں۔ ایک عرب کا سرمایہ حیات تین چیزوں پر مشتمل ہے ایک خیمہ جو اُسے آفتاب کی حرارت سے پناہ دیتا ہے ایک اُونٹ سواری کے لیئے اور اُس کا دودھ غذا کے طور پر استعمال کے لیئے اور ایک تلوار جس سے وہ اپنا دفاع کرتا ہے۔ ان اشیاء کے علاوہ اُس کے پاس اپنے ذوق و روح کی تسکین کے لیئے کچھ نہیں ہوتا تھا۔

اعراب نقاشی نہیں کرتے تھے اس لیئے کہ اُن کے پاس رنگ نہیں تھے۔ سنگتراشی نہیں کر سکتے تھے اس لیئے کہ وہ پتھر میسر نہیں تھا۔ اسی وجہ سے تمام قبائل کا ذوق و شوق سخنوری تک محدود ہو کر رہ گیا تھا (ارنسٹ رنان) ایک فرانسیسی فلسفی کہتا ہے۔" دوسری قوموں کے علوم خصوصاً ایران کے علوم جو بعد از اسلام عرب میں درآمد ہوئے۔ اگر عربوں سے واپس لے لیئے جائیں تو باقی رہ جائے گا عرب اور اُس کا اونٹ"۔ مگر میں پورے یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ اُس نے عمیق مطالعہ کئے بغیر ہی یہ بات کہہ دی ہے" دیگر تمام علوم بخصوص ایرانی علوم اگر عربوں سے واپس لے لیئے جائیں تب بھی عربوں کے پاس قابلِ فخر صنفِ سخن باقی رہ جاتی ہے۔

عرب مجسمہ سازی، معماری و نقاشی نہیں کر سکتے تھے اس لیئے کہ ان سے متعلقہ لوازمات وہاں پیدا نہیں۔ لیکن انہوں نے اپنے سخن میں ان تمام اصناف کا احاطہ کیا ہے۔

سخنوری (صنفِ شاعری) عربوں کا واحد سرمایۂ ملی تھا کہ جس میں انہوں نے اپنی تاریخ۔ ادب و ہنر و فن کو مرتکز کر دیا تھا۔ اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ وہ علم الانساب، تاریخ، ہنر اور دوسرے عربی علوم سے واقفیت حاصل کرے تو اُس کیلئے لازم ہے کہ وہ شعرائے عرب کے اشعار کو زیر مطالعہ لائے۔

دوسرے علاقوں میں شاعر ایک ادیب ہوتا ہے مگر عرب میں وہ ایک ڈاکٹر۔ ایک روحانی پیشوا اور ایک دانشور شمار کیا جاتا تھا۔

شاعر اپنے آتشیں کلام سے دشمن کو قتل کرتا اور بیمار کے لیئے اُس کا کلام موجبِ تسلی و شفا ہوتا تھا۔ محمدؐ جب پیغمبری کے رُتبہ پر مبعوث ہو گئے تو اپنے لشکر کے ایک شاعر حسان بن ثابت سے فرمایا" ان دشمنوں کی ہجو کہو کہ تیرا عتاب دشمن پر شبخون سے بہتر ہے۔ جبرئیل تمہاری مدد کریں گے"۔

عرب قبائل کی زندگی میں شعر ہوا و آفتاب کی سی لازمی حیثیت رکھتا تھا اور اقوامِ عرب کے خوشی، غمی، نیک بختی یا

Marfat.com

بدبختی۔ شادی یا مرگ۔ صلح یا جنگ کے مخصوص اشعار ہوتے تھے۔ عرب جس وقت تحت تاثیر ہوتا (زہیر) کے اشعار گنگناتا تھا۔ وحشت کی حالت میں نابغہ کے اشعار پڑھتا۔ غصہ و انتقام کے وقت (اعشیٰ) کے اشعار زبان پر ہوتے اور جب دشمن پر حملہ آور ہوتا تو (عنترہ) کے رجزیہ شعر پڑھتا۔ ہر شخص شاعر نہیں ہوسکتا۔ یہ استعداد خدا کی طرف سے ودیعت ہوتی ہے۔ ایک شاعر کہتا ہے "عقاب نے پنجوں سے میرا سینہ اُدھیڑا اور شاعری کی استعداد میرے سینہ میں رکھ دی" ایک دُوسرا شاعر کہتا ہے:۔ "جس وقت ایک ذہن میں شاعری کی استعداد پیدا ہوتی ہے تو ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے ایک دیو اُس کے وجود میں حلول کر گیا ہو اور پھر اُسے قرار نہیں آپاتا۔ اُس کے لیئے کوئی چارہ نہیں رہتا جز اس کے کہ تمام اصول و قیود کو پاؤں کی ٹھوکر پر لے لے"۔

اس شاعر نے دورۂ جاہلیت (قبل از اسلام) کی عرب شاعری کی خوب حقیقت بیان کی ہے اور صرف اس ایک ہی جملہ میں خلاصہ بیان کر دیا ہے۔

عرب کے شعراء، استعداد اور ذوق کے علاوہ آزاد منش ہوتے تھے۔ اُن کی فکر و سوچ کا انداز قبیلہ کے افکار کا پابند نہیں ہوتا تھا۔ اسی لیئے وُہ ہر قدم پر شعائرِ قبیلہ اور رسوم و قیود سے ٹکرا جاتے تھے۔ یہی آزادروی اور لاابالی پن انہیں قبیلہ کے شعائر و رسوم کے تابع نہیں رہنے دیتا تھا۔ لہٰذا وہ صحراؤں میں آوارہ گرد ہو جایا کرتے تھے۔ بہت سے شاعر صحرا میں بھوک اور پیاس سے مرجاتے۔ عرب میں ہر وہ شخص جو قبیلہ سے دُور ہو کر تنہائی کی زندگی اپنا لیتا۔ موت سے نہیں بچ سکتا تھا۔ اسی لیئے زیادہ تر عرب شعراء راہزنی کو ذریعہ معاش بنا لیتے تھے۔

ہر سال مکہ کے بازار عمومی (مکارہ) میں عرب شعراء کے مشاعرے ہوا کرتے اور جو شاعر اپنے کلام میں دوسرے ہمعصروں پر سبقت لے جاتا اُسے عرب عوام بہت زیادہ نوازتے اور اُسے قومی شاعر قرار دیا جاتا تھا۔ اُس کے شعروں کو ایک ریشمی پارچہ پر سنہری حروف میں لکھ کر دیوارِ کعبہ سے لٹکا دیا جاتا تھا تاکہ تمام قبائل جو مکہ میں آئیں اُس کلام کو پڑھیں۔ یہ کلام ایک سال کے لیئے وہاں آویزاں رہتا تھا۔ اسی بنا پر کلام مذکور کو "اشعارِ معلقہ" کہا جاتا تھا۔

عربوں کے لیئے شاعر کا کلام بہت پُر اثر ہوتا کہا جاتا ہے کہ ایک آدمی کی سات بدصورت لڑکیاں تھیں اور اُن کے لیئے شوہر کا ملنا دشوار ہو چکا تھا۔ ایامِ حج میں اُس شخص نے ایک شاعر سے یہ مشکل بیان کی اور کہا۔ وہ اس طرح میری لڑکیوں کی تعریف کرے کہ مرد اُن سے ازدواج پر تیار ہو جائیں۔ اُس شاعر نے کچھ ایسے پُر اثر انداز میں اُن لڑکیوں کی تعریف کی کہ اُن میں سے ہر ایک کے لیئے کئی کئی خواستگار پیدا ہوگئے۔

پیغمبرِ اسلام جب بازار مکارہ میں سخن کی یہ تاثیر اور قدردانی دیکھتے تو خود بھی بہت زیادہ متاثر ہوتے اور فرصت کے اوقات میں وہاں شعراء کا کلام سُننے چلے جاتے۔ حتیٰ کہ ایک روز جب کعب بن زہیر اپنا کلام سُنا رہا تھا۔ محمدؐ اس قدر متاثر ہوئے کہ اپنا جُبّہ مبارک اتار کر اُس کو انعام میں دے دیا۔

بازار مکارہ کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ وہاں پر ہمسایہ مملکتوں کے سلاطین اپنی گراں بہا اشیاء مثلاً شمشیر یا زربفت کا کپڑا فروخت کے لیئے بھجوایا کرتے تھے اور ان اشیاء کو خریدنے کے متعلق عربوں کا یہ اُصول تھا کہ خود کو

سخنوری میں سب سے برتر ثابت کر دیں۔ متوقع خریدار مخصوص نشستوں پر علیحدہ علیحدہ بیٹھ جایا کرتے اور اشعار میں اپنا قصیدہ کہتے۔ ان اشعار میں اپنی شجاعت کے قصے اور حسب نسب بیان کیا کرتے۔ جو حضرات خود شاعر نہ ہوتے وُہ شاعر کی خدمت حاصل کرتے اور شاعر اُن کے بیان کو اشعار میں ڈھالتا۔ قاضی کا فیصلہ جسے برتر قرار دیتا اُسے وہ چیز خریدنے کی اجازت ہوتی۔

سخنوری اعراب میں اس قدر اہمیت حاصل کر گئی تھی کہ ہر رئیس قبیلہ کو شعر گوئی کرنا ہوتی تھی۔ عربی میں امیر و سعید وغیرہ الفاظ سخنوروں کے لیئے مخصوص تھے۔ عربوں کا ایک معروف شاعر امراء القیس ہے مسلمان اُسے اچھی طرح پہچانتے ہیں۔ امراء القیس عرب کے اُن سات نامی گرامی شاعروں میں سے تھا جن کے قصائد دیوارِ کعبہ پر آویزاں ہُوئے۔ وہ ان سب سے زیادہ برجستہ شعر کہتا تھا۔ یہ سات قصائد (یا غزلیں) اس قدر فصیح و بلیغ ہیں کہ انسان کو حیرت ہوتی ہے۔ میں نے ان سے زیادہ برجستہ کلام عربی زبان میں نہیں پڑھا۔ بجز قرآن پاک کے۔ یہ سات قصائد کہ دورۂ جاہلیت کی نشانی ہیں۔ انتہا کی لطافت و فصاحت رکھتے ہیں۔ پیغمبرِ اسلام بھی بقول حضرت عائشہؓ امراء القیس کے کلام کو اس قدر پسند فرماتے تھے کہ اُس کے اشعار پڑھا کرتے تھے اور سارا قصیدہ انہیں ازبر یاد تھا۔

میری نظر میں حضرت عائشہؓ کی یہ روایت صحیح بھی ہے اُس دَور میں عرب زیادہ تر ناخواندہ تھے جیسے محمدؐ بھی ناخواندہ تھے اور وُہ عربی شعراء کا کلام حفظ کر لیا کرتے تھے۔ مَیں خود عرب میں رہا ہُوں اور یہ میرا مشاہدہ ہے کہ آج بھی ناخواندہ افراد (بدوی) بعض شاعروں کا کلام حفظ کیئے ہُوئے ہیں۔ ایک عرب نے میرے لیئے امراء القیس کے شعر پڑھے ابنِ ہشام۔ ابوداؤد۔ ابنِ حنبل۔ حمید اللہ اور ابنِ سعد نے جو سیرت النبی کے محققین میں شمار ہوتے ہیں۔ تصدیق کیا ہے کہ پیغمبرِ اسلام شعر کو پسند فرماتے تھے۔ اور گاہے عرب شاعروں کا کلام پڑھا کرتے تھے جو کہ آپ کو ازبر تھا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو باعثِ حیرت ہوتا کیونکہ اُس دَور میں شعر عربوں کے لیئے ہَوا اور پانی کی طرح زندگی کے لازمہ کی حیثیت رکھتا تھا۔ وہ اس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے تھے۔ محمدؐ میں ایک (بدوی) عرب کی تمام اچھی صفات موجود تھیں۔ اگر بعثت کے بعد لوگ ایسا کہتے تو ممکن تھا کیونکہ اُس میں جذبہ و عقیدت شامل ہوتا۔ مگر ۲۵ سال قبل از بعثت لوگ انہیں امین اور صابر کا لقب دے چکے تھے۔

ہم لفظ امین کو ایک ہی معنی میں لیتے ہیں یعنی درستکاری یا امانت دار مگر عرب اسے دو معنوں میں لیتے ہیں: درستکاری اور وفاداری۔ امانت کی صفت کی طرح محمدؐ کا صبر بعثت سے بہت پہلے مشہور ہو چکا تھا اور شاید اسی لیئے کہ یہ صفت محمدؐ تھی۔ خداوندکریم نے قرآنِ پاک میں صبر کے متعلق بار بار فرمایا۔ صبر ویسے بھی عربوں کے لیئے ایک بہت بڑی تعریف تھی اُن کا عقیدہ تھا کہ "دنیاوی مال کا چلا جانا اور مفلس ہو جانا کوئی عیب نہیں ہے لیکن اس موقع پر بے صبری اور بے قراری کا اظہار کرنا بہت بُرا ہے"۔

پیغمبرِ اسلام کا صبر۔ امانت داری۔ وفاداری بعثت سے بہت پہلے ہی قریش میں مشہور ہو چکی تھیں (ابوداؤد) اپنی کتاب (سنن) میں لکھتا ہے۔ رسولِ خدا تیس ۳۰ سال کے تھے کہ ایک سوداگر آپؐ سے ایک جگہ ملاقات کا وعدہ کر گیا کہ واپس آ

آپؐ سے تجارت کے متعلق بات چیت کروں گا۔ وہ شخص اپنا وعدہ بھول گیا۔ اور اُس روز واپس نہ آیا۔ تین روز بعد اتفاقاً اس کا گذر اُس جگہ سے ہوا تو حیرت سے کیا دیکھتا ہے کہ محمدؐ وہیں بیٹھے ہوئے تین روز سے اُس کا انتظار کر رہے ہیں۔

اس زمانہ میں سونا عربستان اور ساری دنیا میں کمیاب تھا۔ ۵ گرام کا ایک طلائی سکہ غریب آدمی کے لئے ایک جہاں کی دولت ہوتا تھا۔ براعظم امریکہ کی دریافت کے بعد سونا دنیا میں قدرے فراواں ہو گیا ہے۔ امریکہ کی دریافت کے بعد اسپین والے اُس براعظم سے سونا یورپ میں لائے اور پھر وہاں سے یہ افریقہ اور ایشیا میں بھیجا گیا۔

حضرت محمدؐ ایام جوانی میں ایک تاجر بنام قیس بن زید کے پاس کام کرتے تھے وہ اپنی اشیاء محمدؐ کو دے کر فروخت کے لیئے لمبے سفر پر بھیج دیا کرتا تھا۔ محمدؐ مال تجارت کو فروخت کر کے تقریباً پندرہ ۱۵۰۰ سو سے دو ہزار ۲۰۰۰ تک سکہ طلائی اُسے لا کر دیا کرتے تھے۔ ایسا بھی تو ممکن تھا کہ آپ اتنی بڑی رقم لے کر کسی اور مملکت میں چلے جاتے اور عیش و عشرت سے زندگی بسر کرتے لیکن ان کی امانت داری کا یہ عالم تھا کہ کبھی اُن کے حساب میں فرق نہیں آیا کرتا تھا۔ جب انہوں نے قیس کی ملازمت چھوڑی تو قیس نے کہا تھا۔ "اے محمدؐ میں تم پر قربان جاؤں اس کے بعد مجھے تم جیسا امانت دار اور نجیب آدمی نہیں ملے گا۔"

جب بھی محمدؐ تجارت کی غرض سے سفر کا ارادہ فرماتے کئی ایک تاجر اُن کی امانت داری کی وجہ سے اُن سے خواہش کرتے کہ اُن کی اشیاء بھی ساتھ لیتے جائیں اور وہ اس کام کا صلہ دینے کو کہتے مگر رسولؐ خدا ان کی اشیاء ہمراہ لے جا کر بیچ تو دیتے مگر جیسا کہ قیس بن زید کہتا ہے۔ اُس کام کا صلہ نہیں لیا کرتے تھے۔

ابن حنبل اپنی کتاب (المسند) میں جو ۱۳۶۸ھ کو قاہرہ میں طبع ہوئی صفحہ ۴۲۵ پر لکھتے ہیں۔ "محمدؐ جب مسافرت سے واپس لوٹتے تو تمام دوستوں کا فرداً فرداً حال معلوم کرتے اور جیسے ہی محسوس کرتے کہ اُن کی مالی حالت اچھی نہیں اپنی مزدوری میں سے کچھ اُن میں تقسیم کر دیا کرتے تھے۔ یہ کام ایک سوداگر کے لیئے توجہ کا باعث ہے۔"

پہلی جنگ جسمیں حضرت محمدؐ نے شرکت کی وہ قریش کے دس قبیلوں اور صحرا جنوبی کے ایک قبیلہ کے درمیان ہوئی تھی۔ اُس قبیلہ نے ماہ ہائے حرام میں جنگ کی پابندی کو توڑا تھا۔ حرام مہینوں میں عرب جنگ نہیں کیا کرتے تھے اور نہ کاروانوں پر حملہ کرتے تھے۔

مکہ کے لوگ حرام مہینوں کی پابندی کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے تھے۔ اگر کسی وجہ سے یہ جنگ نہ کرنے کی پابندی ختم ہو جاتی تو لوگ زیارت کعبہ کے لیئے مکہ کا سفر چھوڑ دیتے اور مکہ کے بازاروں میں کاروبار ٹھپ ہو کر رہ جاتا۔ حرام مہینوں کے علاوہ دوسرے تمام مہینوں میں جو کاروان سفر کرتے اور صحرا کو عبور کرتے باج ادا کیا کرتے تھے تاکہ راہزن انہیں نہ لوٹیں لیکن حرام مہینوں میں کسی کو حق نہیں پہنچتا تھا کہ وہ کاروانوں سے باج لے یا لوٹے۔ اگر کوئی راہزن یا قبیلہ کسی کاروان کو لوٹتا تو قریش کے قبائل اُس سے جنگ کیا کرتے تھے۔ عربستان میں اگر ایک فرد جرم کرتا تو اُس کا وبال اُس کے قبیلے پر آتا تھا دوسرے قبیلے اُس مجرم کے قبیلہ سے انتقام لیتے تھے۔

یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ یہ جنگ جو قبائل قریش اور حرام مہینوں کی خلاف ورزی کرنے والے قبیلہ کے درمیان

Marfat.com

ہوئی۔ کس سال اور کس تاریخ کو ہوئی۔ عرب مؤرخین نے ان وقائع کو دقیقاً ضبط تاریخ نہیں کیا۔ شاید اس لیئے کہ پیغمبر اسلام ابھی مبعوث نہیں ہوتے تھے۔

مگر یہ ثابت ہے کہ خدا کے رسول محمدؐ نے اپنے چچا ابوطالب اور دوسرے افرادِ قبیلہ کے ہمراہ اس جنگ میں شرکت فرمائی تھی۔ کچھ مؤرخین نے لکھا ہے کہ محمدؐ اس موقع پر خورد سال تھے وہ اپنے چچا ابوطالب کا ترکش اٹھاتے اور انہیں کمان میں چڑھانے کے لیئے تیر پکڑاتے تھے۔

بعض نے یہ بھی لکھا ہے کہ محمدؐ نے باقاعدہ تلوار سے جنگ کی تھی اور عہدشکن قبیلہ کے رئیس (ابوبرہ) کو زخمی کیا تھا۔

Marfat.com

حلف الفضول (ایک رضاکارانہ تنظیم)

ہمیں یہ تو معلوم نہیں ہو سکا کہ محمدؐ کس سن و سال میں اس چھوٹی سی سپاہیانہ تنظیم میں شامل ہوئے یا اُس کی تشکیل کب اور کس سن میں فرمائی۔ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ مؤرخین نے پیغمبرِ اسلام کی بعثت سے قبل کے حالاتِ زندگی کو کوئی خصوصیت کے ساتھ قلمبند نہیں کیا۔ بعض کتب میں کچھ واقعات مذکور ہیں مگر دوسری کتب میں خاموش ہیں۔

حلف الفضول ایک رضاکارانہ تنظیم تھی۔ جو مکّہ کے جوانوں پر مشتمل تھی۔ اس تنظیم کا واحد مقصد مظلوم کی داد رسی اور دفاع تھا۔ اس میں شامل جوان رضاکارانہ طور پر کام کرتے تھے اور کوئی حقِ خدمت وصول نہیں کیا جاتا تھا۔ اس تنظیم کی تشکیل کی وجوہات ذرا توضیح طلب ہیں۔ بدوی عرب انفرادی حیثیت میں اپنے کسی عمل کا جوابدہ نہیں ہوتا تھا۔ اگر کسی قبیلہ کا ایک فرد کسی دُوسرے قبیلے کے فرد کو قتل کر دیتا تو مقتول کا قبیلہ قاتل کے قبیلے سے انتقام لیتا تھا نہ کہ اُس قاتل فرد سے۔ صحراؤں میں ہر نوع جرم کا الزام مجرم کے قبیلہ پر لگایا جاتا تھا نہ کہ اُس شخص پر جس نے جُرم کیا ہو۔

جب بدوی عرب شہر نشین ہوئے اور مکّہ میں سکونت اختیار کر لی تو عدل کا حصول ذرا مشکل ہو گیا۔ اسلیئے کہ کوئی بھی ایک قبیلہ قریش کے دس قبیلوں سے انتقام لینے کی سکت نہیں رکھتا تھا۔ جو مکہ میں مقیم تھے۔ مکّہ میں ان دنوں نہ پولیس تھی نہ عدالت۔ ہر قبیلہ اپنے اختلافات اپنے بزرگوں کے سامنے پیش کرتا اور کسی قسم کا اندرونی اختلاف قبیلہ سے باہر نہیں لے جایا جا سکتا تھا۔ ان حالات میں جب کوئی خارجی دشمن مکّہ پر حملہ آور ہوتا تو قریش قبائل اکٹھے ہو کر دفاع کرتے اور اُسے بھگا دیتے تھے۔

ان حالات میں اگر کسی (بدو) عرب پر مکہ میں آنے کے بعد ظلم ہوتا تو اُس کے پاس کوئی چارۂ کار نہیں ہوتا سوائے اس کے کہ واپس صحرا میں جا کر اپنے قبیلہ کو لائے اور ظلم کرنے والے قبیلہ سے جنگ کر کے طاقت کے بل پر اپنا حق وصول کرے یا تسلیم کرائے۔ لہٰذا جب کبھی بھی کوئی قبیلہ اپنے حق کو تسلیم کروانے کیلئے مکّہ پر چڑھائی کرتا تو اُسے قریش مکّہ کی متحدہ قوت کا سامنا کرنا پڑتا۔

Marfat.com

یہی وجہ تھی کہ جب بھی کوئی خارجی مکّہ میں موردِ ستم قرار پاتا تو اُس کے لیئے اپنے حق کی بازیابی مشکل ہو جاتی۔

"سہیلی" ایک مؤرخِ عربی لکھتا ہے۔ حج کے موقع پر جنوبی صحرا سے ایک عربی اپنی جوان بیٹی کے ساتھ مکّہ زیارت کے لیئے آیا۔ مکّہ میں ایک ثروت مند تاجر نے اُس کی لڑکی کو اغوا کر لیا۔ اب باپ کے پاس کوئی چارہ نہیں تھا بجز اس کے کہ صحرا میں واپس جا کے اپنے قبیلہ کو جنگ کے لیئے تیار کر کے واپس مکّہ قبیلہ کے ہمراہ آ کر تاجر (اغوا کنندہ) کے قبیلہ سے جنگ کرے۔ اغوا کنندہ تاجر جانتا تھا کہ اُس عرب کا قبیلہ چھوٹا سا ہے اور اُن میں یہ جرأت نہیں کہ قبیلہ قریش کو دعوتِ مبارزت دیں۔

محمّد کو اس ظلم کی اطلاع ہو گئی انہوں نے (حلف الفضول) کے جوانوں سے کہا کہ وُہ اس ظلم سے اتفاق اور اس کی تائید نہ کریں۔ قریش کے رضا کار جوان مظلوم کی حمایت میں اُٹھ کھڑے ہوئے اور خانہ کعبہ کے اردگرد اکٹھے ہو کر مندرجہ ذیل قسم کھائی۔

"ہم عہد کرتے ہیں کہ مظلوم کی اس حد تک حمایت کریں گے کہ ظالم مجبُور ہو کر مظلوم کا حق واپس کر دے۔ اس راہ میں ہم کسی قسم کی لالچ و حرص کو آڑے نہیں آنے دیں گے۔ یہ حمایت بلاتفریقِ امیر و غریب ہو گی"۔

یہ عہد کر کے قریشی جوانوں (منجملہ محمّدؐ) نے حجرالاسود کو آبِ زمزم سے غسل دے کر اُس پانی کو پیا تاکہ عہد پختہ ہو جائے۔ بعد ازیں جوانانِ قریش اُس تاجر کے گھر کی طرف چل دیئے۔ گھر کا محاصرہ کیا اور تاجر کو دھمکی دی کہ اغوا شدہ لڑکی کو جس حالت میں کہ وُہ اغوا کی گئی تھی یعنی (باکرہ) اُس کے باپ کو فوری واپس کر دے۔ دولت مند تاجر نے ایک رات کی مہلت مانگی اور کہا کہ صبح وُہ لڑکی کو واپس کر دے گا۔ مگر قریشی رضا کاروں نے اُس کی درخواست رَد کر دی اور کہا لڑکی فوراً اُس کے باپ کو لوٹا دو۔ تاجر مجبور ہو گیا کہ لڑکی اُسی حالت میں واپس کرے۔

ایک اور موقع پر (ابوجہل) نے ایک خارجی تاجر سے کچھ اشیاء خریدیں۔ مگر اُن کی قیمت ادا نہ کی۔ تاجر کو اس رضا کار تنظیم (حلف الفضول) کا علم نہیں تھا۔ لہٰذا وہ صحرا جا کر اپنے قبیلہ کو مکّہ لے آیا مگر وُہ چھوٹا سا قبیلہ قریش کا مقابلہ نہ کر سکا۔ حضرت محمّدؐ کو جب اِن سب حالات کا علم ہُوا۔ آپؐ ابوجہل کے پاس گئے اور اُسے رقم ادا کرنے کو کہا۔ ابوجہل نے تاجر مذکور کو رقم ادا کر دی۔ ان واقعات کے بعد جب بھی کسی خارجی پہ کوئی ظلم ہوتا تو یہ رضا کار سپاہ (حلف الفضول) اُس کی حمایت کو پہنچ جاتی۔

بعثت کے بعد رسول اللہؐ فرمایا کرتے تھے کہ میں رضا کار سپاہ میں اپنی شمولیّت پہ بہت خوش اور سرفراز تھا۔ حتیٰ کہ اگر کوئی مجھے یکصد اونٹ سُرخ بالوں والے دے کر تنظیم کو چھوڑ دینے کے لیئے کہتا تو بھی میں ایسا نہ کرتا۔

اس تنظیم (حلف الفضول) کو استوار کرنا قبل اس کے کہ آپؐ رسالت پر مبعوث ہوں۔ بہت اہمیّت رکھتا ہے محمّدؐ کی اس رضا کار تنظیم کی کارکردگی کے باعث عرب قبائل میں تحفظِ حقوق کی بابت ایک انقلاب آ گیا۔ انتقام لینے کی اصل منزلِ زوال ہو گئی۔ بعد میں قرآن پاک نے اس روش کو بالکل ختم کر دیا۔

458658

Marfat.com

یہ رضا کارتنظیم جو مظلوموں کی حمایت کے لیئے وجود میں آتی تھی ایک چھوٹا سا واقعہ تصوّر نہیں کیا جانا چاہیئے جیسا کہ ہم عرض کر چکے ہیں اس تنظیم کو تشکیل دیکر محمدؐ نے ایک انقلاب برپا کر دیا تھا۔

اس تنظیم کے اجراء سے پہلے کسی فرد کے ذہن میں یہ بات نہ آتی تھی کہ کسی گناہ گار سے پرسش بھی کی جا سکتی ہے ایک مظلوم پر جو نقصان وارد ہوتا ہے اس کی تلافی اس طرح پر بھی ہو سکتی ہے۔ اگر مظلوم کسی طاقتور قبیلہ سے ہوتا اور وہ قبیلہ اس کے حق کی بازیابی کے لیئے تیار ہو جاتا تو فبہا ورنہ اس کا حق ضائع ہو جاتا تھا۔ اسی طرح ایک مقتول کا خون اگر اس کا قبیلہ طاقتور نہ ہوتا اور مصلحتاً جانبازی سے گریز کر جاتا تو اس کا خون رائیگاں جاتا تھا۔

حتیٰ کہ وہ مظلوم جو ظالم سے اپنا حق واپس چھین لینے کی استطاعت نہیں رکھتے تھے وہ اس عار کو برداشت کر جاتے اور تصوّر بھی نہیں کر سکتے تھے کہ کبھی ان اجتماعی قبائلی قوانین میں تغیر آ سکتا ہے۔

حضرت محمدؐ نے اس تنظیم کو وجود میں لاکر یہ ثابت کر دیا کہ مظلوم کا حق ظالم سے وصول کیا جا سکتا ہے گرچہ اس کا قبیلہ طاقتور نہ بھی ہو یا اس کا قبیلہ اس کا حق واپس لینے پر آمادہ نہ ہو۔

حضرت محمدؐ کی قابل ستائش اخلاقی صفت سے قطع نظر آپ پیشتر اس کے کہ درجۂ رسالت پر پہنچتے یکتائے روزگار تھے اور اگر ایسا نہ ہوتا تو نعوذ باللہ پیغمبر نہیں ہو سکتے تھے۔ بعثت سے پہلے حضرت محمدؐ کے عمل و فکر کا ایک حصّہ ایسا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپؐ ایک عظیم انسان تھے اور بلاشک و شبہ دوسروں سے اعلیٰ تر استعداد کے مالک تھے۔ آپؐ کا ذہن اجتماعی، سیاسی و معاشرتی مسائل کا اس طرح احاطہ کرتا تھا کہ دوسروں کے ذہن اُن بلندیوں کو چھو بھی نہیں سکتے تھے۔

حضرت محمدؐ کے چچا ابو طالب آپؐ کو بہت عزیز رکھتے تھے مگر اپنی مفلسی کی وجہ سے بھتیجے کی وابستگی یا اُن کی صلاحیتوں سے کوئی استفادہ نہیں کر سکتے تھے حالانکہ تاجرانِ مکہ میں اُن کی امانت داری کی بہت شہرت تھی اور وہ ہمیشہ خواہشمند رہتے کہ محمدؐ اُن کے تجارتی کام انجام دیں۔ مکہ میں ایک تاجر عورت تھی جس کا نام خدیجہؓ تھا۔ خدیجہ کی عمر اس وقت چالیس[۴۰] سال تھی جب کہ محمدؐ اس وقت پچیس[۲۵] سال کے تھے۔

خدیجہؓ نے آپؐ کو دعوت دی کہ ان کے لیئے کام کریں اور یہ بھی کہ وُہ اُن کے تجارتی قافلوں کے ساتھ تشریف لے جایا کریں۔ آپؐ نے اس پیشکش کے متعلق اپنے چچا ابو طالب سے ذکر کیا اور مشورہ مانگا کہ آیا وُہ اس پیشکش کو قبول کریں یا نہ؟

ابو طالب نے کہا کہ وہ ایک دولت مند عورت ہے تمہیں خوب حق الخدمت ملے گا۔ میرا مشورہ ہے کہ تو اُس کی پیشکش قبول کرلے۔

خدیجہؓ نے اس وقت تک دو شادیاں کی تھیں۔ اُن کی اولاد میں ایک لڑکا بنام (ہند) اور ایک لڑکی باسم (ہندہ) تھی۔ خدیجہؓ چونکہ ایک تاجرہ تھیں مکہ میں ایک تاجرہ کی حیثیت سے ہی معروف تھیں اور ایک بہترین مکان میں رہتی تھیں۔

Marfat.com

محمدؐ واپس گئے اور اپنی آمادگی ظاہر کر دی۔ حضرت خدیجہؓ نے کہا آپؐ میرے تجارتی قافلہ کے ہمراہ ملک شام کو جائیں گے۔ اس سفر میں میرے خاندان کے دو افراد آپؐ کا ساتھ دیں گے۔ ایک تو میرے برادر زادہ (خزیمہ) ہوں گے اور دوسرا میرا غلام (میسرہ)۔

محمدؐ کی سرپرستی میں اس کاروان نے سفر شروع کیا اور ملک شام سے ہوتا ہوا یہ کاروان بصرہ جا پہنچا۔ جیسا کہ پہلے ذکر آ چکا ہے۔ بصرہ میں ایک مانوی زاہد (بحیرہ) کی خانقاہ تھی لیکن اس سفر میں جب محمدؐ وہاں پہنچے تو وہ وفات پا چکا تھا۔ اس کی جگہ ایک دوسرا پیروکار جس کا نام (نسطوریوس) تھا اب وہاں رہ رہا تھا۔ (نسطوریوس) بحیرہ کے پائے کا عالم تھا یا نہیں تاریخ اس سلسلہ میں خاموش ہے پھر بھی (نسطوریوس) نے جب محمدؐ کو دیکھا تو (بحیرہ) کے الفاظ دہراتے کہ خداوند کا کسی ایک دین یا ملت پر انحصار نہیں۔ یہودی جو کہتے ہیں کہ خداوند نے ملتِ یہودی کو تمام ملتوں سے برگزیدہ کیا ہے۔ خدا پرستی ملتِ یہودیہ کے لیئے مخصوص کر دی گئی ہے۔ یہ یہودیوں کی خود پسندی ہے وگرنہ تمام ملت ہائے جہاں خداوند کی پرستش کر سکتی ہیں خواہ وہ یہودی ہوں یا عرب۔

(نسطوریوس) نے محمدؐ سے کہا کہ عربوں میں ایک پیغمبر آئے گا جو اعراب کے بیشتر عقائد کو تبدیل کر دیگا۔

شام کے سفر سے واپسی پر حضرت خدیجہؓ نے حضرت محمدؐ کو ایک اونٹ نر بطور معاوضہ دیا۔ یہاں یہ بتا دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت ایک سرخ اونٹ کی قیمت کیا تھی۔ اس کی قیمت ہم دوسری اشیاء کی مقدار سے متعین کریں گے۔

اس زمانہ میں ایک نر اونٹ کی قیمت چارصد ۴۰۰ درہم ہوتی تھی۔ ایک غلام کی قیمت یکصد پچاس ۱۵۰ تا آٹھ صد درہم ہوتی تھی۔ غلام کی قیمت کا تعین اس کی جوانی، بڑھاپے، زیبائی اور بدصورتی کو مدنظر رکھ کر کیا جاتا تھا۔

مکہ میں ایک بکری کی قیمت چالیس ۴۰ درہم اور ایک بھیڑ کی قیمت پچیس ۲۵ درہم سے زیادہ نہ ہوتی تھی۔ ایک نیزہ کی قیمت چار ۴ درہم اور اونٹ کا ایک کجاوہ ۱۳ تیرہ درہم میں ملتا تھا۔ ایک مٹی کھودنے والی گینتی کی قیمت چھ ۶ درہم اور ایک نان (روٹی) کی قیمت ½ درہم تھی۔ مکہ میں نان کی قیمت انتہائی طور پر بہت زیادہ تھی۔ صرف مالدار لوگ نان کھاتے تھے۔ دوسرے تمام لوگ نان نہیں کھا سکتے تھے اور عوام کی غذا کھجوریں اور اونٹ کا دودھ تھی۔

محمدؐ شام سے واپسی پر خدیجہؓ کے دیئے گئے معاوضہ سے خوش تھے اور خدیجہؓ ان کی کارکردگی سے بہت خوش لہذا آپؐ کو دوبارہ قافلہ کے ساتھ سفر پر روانہ کر دیا گیا۔

Marfat.com

ازدواجِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت محمدؐ جب دُوسرے سفر سے لوٹے تو سفر کے حالات بتانے اور حساب کتاب دینے کے لیئے حضرت خدیجہؓ کے پاس تشریف لے گئے۔ محمدؐ ایک زیبا جوان تھے۔ اُن کی آنکھیں اور بال سیاہ چمکدار تھے۔ خدیجہؓ نے آپؐ کو بڑے غور سے دیکھا۔ محمدؐ کی آنکھیں تیز اور دیکھنے والے کے لیئے پُرکشش تھیں۔ آپؐ کی بینائی بہت تیز تھی۔ بال لمبے دونوں شانوں تک پہنچتے تھے۔ عربوں کی رسم کے مطابق بالوں کے درمیان خط نکالتے تھے۔ بات چیت میں زیادہ تر تبسّم فرماتے تھے اس طرح کہ دانتوں کی سفیدی نمایاں ہوتی تھی۔ آپؐ کا دہن مبارک خوش ترکیب دوسروں میں احساس محبّت پیدا کرتا تھا۔

زیبائی وخوبصورتی کے علاوہ آپؐ کے بدن سے جو خوشبو آتی لوگوں کو آپ سے میل جول کا خواہاں بناتی۔ اُن دنوں عرب میں عطر کا استعمال بہت زیادہ تھا۔ مکہ ومدینہ میں بدن کو معطّر کرنا نیز خانہ کعبہ اور رہائشی مکانات کو معطّر رکھنے کا عام رواج تھا۔ عرب مؤرخین کے مطابق محمدؐ وُہ عطر استعمال کیا کرتے تھے جو اعلیٰ اور نایاب ہوتا۔

حضرت محمدؐ سہج سہج سے گفتگو کرتے تھے یعنی کلمات کو اس طرح ادا کیا کرتے تھے کہ ہر حرف ذہن میں اترتا چلا جاتا تھا اور حروف کو شمار کیا جا سکتا تھا۔ آپؐ کا یہ طرزِ تکلّم نہایت درجہ پُرتاثیر تھا۔ آپؐ جو کچھ ارشاد فرمایا کرتے سُننے والے کے ذہن میں ایسا بیٹھ جاتا کہ وُہ اُسے فراموش نہیں کر سکتا تھا۔ جب محمدؐ نے حساب کتاب سمجھا دیا تو خدیجہؓ نے آپؐ سے بلا واسطہ چند سوال کیئے تاکہ یہ سمجھ سکیں کہ یہ امانت دار نوجوان شادی کی فکر میں ہے یا نہیں؟ مگر جو جواب محمدؐ نے دیئے اُن سے معلوم ہوتا تھا کہ شادی کا خیال ابھی اُن کے ذہن میں نہیں ہے۔

سیاہ آنکھیں، سیاہ بال، خوش ترکیب دہن، متبسّم چہرہ اور پھر محمدؐ کے جسم کی خوشبو ان سب چیزوں نے خدیجہؓ کو مسحور کر دیا تھا۔ لیکن وہ حوصلہ نہ کر سکیں کہ مستقیماً ازدواج کی درخواست کریں۔ حضرت محمدؐ کے ازدواج میں تین چیزیں مانع تھیں۔

اوّل یہ کہ حضرت خدیجہؓ کی عمر چالیس۴۰ سال تھی۔ اولاد میں ایک جوان لڑکا اور ایک لڑکی۔ محمدؐ کی عمر اُس وقت پچیس۲۵ سال سے زیادہ نہ تھی۔

دوئم: یہ کہ خدیجہؓ بہت مالدار تھیں اور محمدؐ اُسی نسبت سے غریب۔

سوئم: عربوں کے رسم ورواج کے مطابق حضرت محمدؐ اور خدیجہؓ کے قبیلوں کی رضایت ومنظوری۔ خدیجہؓ کا قبیلہ موافقت میں نہیں تھا۔

Marfat.com

خدیجہؓ خود تو محمدؐ سے براہ راست شادی کی بات نہ کر سکیں لیکن یہ کام اپنے غلام (میسرہ) کے سپرد کیا کہ وُہ محمدؐ سے اس موضوع پر بات کرے ۔

(میسرہ) نے محمدؐ سے پُوچھا ۔ خدیجہؓ آپ کی مالکہ بیوہ ہیں ۔ کیا آپ اُن سے شادی کر لینے پر آمادہ ہیں ؟ آپ کو (میسرہ) کے اس سوال پر بہت حیرت ہوئی اور فرمایا ۔ خدیجہؓ ایک دولتمند عورت ہے اور میں غریب ۔ لہذا یہ شادی غیر موزوں ہے ۔ دُوسرے میں نے سُنا ہے کہ مکہ کے کئی ایک ثروت مند تاجر خدیجہؓ کے خواستگار ہیں ۔ خدیجہؓ نے اُن میں سے کسی کو قبول نہیں کیا ۔ پس یہ کیسے ممکن ہے یہ عورت ایک مجھ جیسے غریب مرد سے شادی کرے گی ۔

(میسرہ) نے حضرت محمدؐ کے خیالات خدیجہؓ تک پہنچا دیئے ۔ اور کہا میں نہیں سمجھ سکا ۔ آیا وُہ تجھ سے شادی کریگا یا نہیں ؟

خدیجہؓ نے ایک عورت بنام نفیسہ کی خدمات حاصل کیں اور اُسے مامور کیا کہ وُہ محمدؐ سے بغیر کسی ابہام کے بات کرے ۔

نفیسہ طبقہ (مولدہ) سے تھی یعنی پیدائشی طور پر عرب نہ تھی ۔ اس لیئے وہ بات چیت میں عربی رسم و رواج کی پابندی کو کم ہی ملحوظ رکھا کرتی تھی ۔ یعنی وُہ بغیر اشارہ و کنایہ کے مستقیماً بات کرتی تھی ۔ نفیسہ نے ایک کوچہ میں محمدؐ کو جا لیا اور پُوچھا نوجوان زیبا ہے کیوں ازدواج نہیں کرتے ؟

آپؐ نے فرمایا کہ میری مالی حالت اچھی نہیں کہ میں بیوی اور آنے والی اولاد کا بوجھ اُٹھا سکوں ۔

نفیسہ نے کہا کہ تم محنتی جوان ہو اپنے ہونے والے خانوادہ کی کفالت کر سکتے ہو ۔ محمدؐ نے فرمایا ۔ میرے چچا ابو طالب بُوڑھے ہو گئے ہیں اور وہ تنگدست بھی ہیں ۔ میں جب بچہ تھا انہوں نے میری سرپرستی فرمائی ۔ اب کہ میں جوان ہو گیا ہوں ۔ انہیں اور انکے خانوادہ کو عسرت میں نہیں دیکھ سکتا ۔ مجھے اُن کی مدد کرنی چاہیئے ۔

نفیسہ نے کہا ۔ تم ایسی عورت سے شادی کر سکتے ہو کہ تمہیں خانوادہ کی کفالت سے بےفکری ہو جائے ۔

محمدؐ نے پُوچھا : کیا یہ ہو سکتا ہے ؟ کہ ایک مرد شادی کرے بغیر اس کے کہ بیوی بچوں کی کفالت کا بندوبست کرے ۔

نفیسہ نے کہا ۔ ہاں ! اے محمدؐ اگر مرد ایک دولت مند عورت سے شادی کرے تو یقیناً اس فکر سے آزاد ہو جائیگا ۔

محمدؐ نے کہا ۔ ایک امیر عورت ایک امیر مرد کو پسند کرے گی نہ کہ مجھ جیسے غریب کو ۔

نفیسہ نے کہا ۔ خدیجہؓ تم سے شادی کرنے پر مائل ہے ۔ اب اگر تم راضی ہو جاؤ تو یہ شادی ہو سکتی ہے ۔ آپؐ گہری سوچ میں چلے گئے ۔ نفیسہ نے کہا تو ایک جوان رعنا ہے اور خدیجہؓ نے تمہیں پسند کیا ہے ۔ تم اُسے رنجیدہ نہ کرنا ۔ تم نے کہا ہے کہ تم امیر نہیں ہو لیکن اگر تم نے خدیجہؓ سے شادی کر لی تو تم اس حیثیت میں ہو گے کہ اپنے چچا ابو طالب کے خانوادہ کی مدد بھی کر سکو گے ۔

آپؐ کو جب یہ معلوم ہوُا کہ خدیجہؓ خود شادی پر آمادہ ہیں تو فرمایا میں اس موضوع پر خدیجہؓ سے خود بات کروں گا ۔

ایک روز بعد حضرت محمدؐ خدیجہؓ سے ملے اور شادی کی بابت اُن سے معلوم کیا ۔ خدیجہؓ نے نفیسہ کی تصدیق فرمائی ۔ اور اپنی رضایت کا اظہار کیا ۔

چونکہ خدیجہؓ ایک چالیس سالہ بیوہ تھیں اور اولاد میں دو بچے بھی تھے ۔ عربوں کی رسم کے مطابق اُس کے قبیلہ (بنی اسد) کی اس رشتہ میں موافقت ضروری تھی ۔ خدیجہؓ کے قبیلہ کے رئیس عمرو بن اسد نے کہا بلاشبہ محمدؐ امین و صابر ہیں ۔ مگر

Marfat.com

غریب ہیں اور جب دوسرے قبائل کو معلوم ہوگا کہ خدیجہؓ نے ایک غریب مرد سے شادی کی ہے تو وہ ہمیں طعن کریں گے کہ کیا مردوں کا قحط تھا کہ خدیجہؓ نے محمدؐ کی زوجیت اختیار کی۔ ابوطالب نے جب دیکھا کہ محمدؐ کے لیے یہ شادی سودمند ثابت ہوگی تو انہوں نے رئیس قبیلہ (اسد) اور چند دوسرے سرکردہ افراد کو ایک دعوت میں شرکت کے لیئے بلا بھیجا۔ کھانا کھانے کے بعد ابوطالب یوں گویا ہوئے۔

"محمدؐ امیر نہیں ہے لیکن ایک نیک نام مرد اور خانوادۂ ہاشمی سے ہے۔ حسب و نسب میں اگر وہ قبیلہ (اسد) سے بڑھ کر نہیں تو کمتر بھی نہیں ہے۔ اس بات کو بھی چھوڑیئے۔ خوب صورت جوان ہے۔ جوانی اور رعنائی بھی ایک دولت ہے اور اگر تم اس کی شادی کی مخالفت کرو گے تو فقط محمدؐ ہی نہیں خدیجہؓ بھی دلگیر ہوگی۔ خدیجہؓ کو ممکن ہے ایک مالدار شوہر مل جائے مگر قبیلہ ہاشمی کا محمدؐ جیسا زیبا اور نیک نام جوان نہیں ملے گا۔"

ابوطالب کی باتوں سے عمرو بن اسد بہت متاثر ہوا اور وہ اس ازدواج پر رضامند ہوگیا۔ عربوں میں رسم تھی کہ شادی کے موقع پر شوہر مہر ادا کرتا تھا۔ محمدؐ نے خدیجہؓ کو جو مہر ادا کیا وہ پانچسو درہم تھا۔ اس رقم سے دو اونٹ بھی نہیں خریدے جاسکتے تھے۔ مجھے یہ نہیں معلوم کہ عرب کے وقائع نگاروں نے حق مہر بیس اونٹ کیوں لکھا ہے۔ جب کہ صحیح یہی ہے کہ حق مہر پانچسو درہم ادا ہوا تھا۔

ازدواج کے موقع پر حضرت محمدؐ کی دایہ بی بی حلیمہ صحرا سے آئیں اور حضرت خدیجہؓ نے انہیں پانچ اونٹ دیئے۔ اس کے بعد بی بی حلیمہ کئی بار آئیں اور اپنے رضاعی بیٹے سے چالیس بھیڑیں اور ایک شتر حاصل کیا۔ جب تک بی بی حلیمہ زندہ رہیں محمدؐ انہیں بھولے نہیں بلکہ وفادار رہے اور اپنی دایہ کی مدد فرماتے رہے۔

شادی کے بعد سب سے پہلے محمدؐ نے جو کام کیئے وہ یہ تھے کہ علیؑ بن ابوطالب کو اپنی سرپرستی میں لے کر اس کے معاش کا بندوبست کیا اور ایک عیسائی غلام زید بن حارث جو کہ شام کا رہنے والا تھا اور حضرت خدیجہؓ نے محمدؐ کی خدمت میں دیا تھا کو آزاد کر دیا۔ آزاد ہو جانے کے باوجود وہ محمدؐ ہی کی خدمت میں رہا۔

زید بن حارث کے والدین کو علم نہیں تھا کہ ان کا لڑکا زندہ ہے۔ جب انہیں اطلاع ہوتی کہ ان کا لڑکا زندہ ہے تو وہ مکہ آئے کہ اپنے لڑکے کو اپنے ساتھ شام واپس لے جائیں مگر زید نے ان کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا اور کہا کہ محمدؐ میرے لیئے میرے والدین سے بہتر ہیں۔

محمدؐ نے ازدواج کے بعد تنگدستی سے نجات پائی اور جب تک آپؐ زندہ رہے آپؐ کی یہی کوشش رہی کہ تہی دستوں کی کمک کریں اور ان کو مسکینی سے نجات دلائیں۔ قرآن پاک سے زیادہ کسی اور آسمانی کتاب میں محتاجوں اور تہی دستوں کی مدد کرنے کی نصیحت نہیں کی گئی۔

خداوند قرآن کی سورۃ (۹۳) والضحیٰ میں محمدؐ سے فرماتے ہیں:۔

"کیا اس نے تم کو یتیم نہیں پایا اور پھر ٹھکانا فراہم کیا؟ اور تمہیں ناواقفِ راہ پایا اور پھر ہدایت بخشی۔ اور تمہیں

Marfat.com

نادار پایا اور پھر مالدار کر دیا۔ لہٰذا یتیم پر سختی نہ کرو اور سائل کو نہ جھڑکو اور اپنے رب کی عظمت کا اظہار کرو۔"

حضرت محمدؐ کا زندگی کے آخری لمحے تک یہ شعار رہا کہ کوئی انسان سرگرداں و بھوکا نہ رہے۔ مغرب کے مورخین صحرانشین عربوں کی زندگی کے متعلق نہیں جانتے تھے۔ لکھا ہے کہ حضرت خدیجہؓ سے ازدواج کے بعد محمدؐ کی زندگی میں تجمل آگیا تھا۔ حالانکہ محمدؐ نے زندگی کے آخری سانس تک تجمل کو اپنی زندگی میں جگہ نہیں دی اور آنحضرتؐ کی تقلید میں خلفائے راشدین نے نہایت سادہ زندگی بسر کی۔ ہاں بنی اُمیہ جب اقتدار میں آئے تو انہوں نے شان و شوکت کو اپنایا اور اُس کا اظہار کیا۔

حضرت محمدؐ عیسیٰ حرب یعنی بدوی عرب تھے اور دوسرے بدوی عربوں کی طرح قناعت پسند کھانے پینے کے فطری تقاضا کو پورا کرنے کے لیے انہیں جو کچھ بیابان میں میسر آتا اُسی پر قناعت کرتے تھے۔ صرف ایک چیز میں وہ تجمل کا خیال رکھتے تھے اور وہ اُس عہد کی رسم کے مطابق عطر کا استعمال تھا۔ عرب پینے کے پانی تک کو بھی معطر کر لیتے تھے اسی بنا پر قرآن پاک کی سورۃ ۴۷، میں خداوند نے فرمایا:۔

"بہشت میں طبیعت کو بھانے والا پانی ہے جسے مشک و کافور سے معطر کیا گیا ہے"۔

بدوی عرب اپنی غذا اونٹ سے حاصل کرتے تھے یعنی اُونٹ کا دُودھ۔ عربستان کے صحراؤں میں اگر اُونٹ نہ ہوتا تو عرب میں زندگی کے آثار ناپید ہوتے۔

اُونٹ کو اللہ تعالیٰ نے ایسی استقامت اور استطاعت بخشی ہوئی ہے کہ وہ صحرا کی سختیوں کے مقابلہ میں زندہ رہ سکتا ہے۔ اور مالک کی زندگی کی حفاظت بھی کرتا ہے۔ اُونٹ ایک ایسا جانور ہے جو موسم گرما کی شدت میں دس دن تک عرب کے گرم صحراؤں میں بغیر کچھ کھائے پیئے زندہ رہ سکتا ہے اور اس میں کمزوری کے آثار پیدا نہیں ہوتے۔

ہم انسانوں کو ایک گھنٹہ میں چالیس۴۰ گرام پسینہ آتا ہے اور ایک یورپی باشندہ جو صحرا میں زندگی بسر کرنے کا عادی نہ ہو۔ گرمیوں کے موسم میں (صحرائے عرب میں) راہ چلتے ہوئے ۱۲۰۰ گرام یعنی ایک لیٹر پسینہ خارج کرتا ہے۔ اسی وجہ سے ہم یورپی صحرائی سفر میں بے حال ہو جاتے ہیں اور جلد ہی ہمارے بدن سے پانی کی بہت زیادہ مقدار پسینہ کی صورت میں خارج ہو جاتی ہے۔

اصولاً اگر پانچ فیصد پانی اس طرح بدن سے خارج ہو جائے تو آنکھوں کے آگے اندھیرا چھانے لگتا ہے اور اگر یہ مقدار دس۱۰ فیصد تک پہنچ جائے تو انسان ہذیان اور تپ شدید سے دوچار ہو جاتا ہے اور اگر یہ مقدار بارہ۱۲ فیصد تک پہنچ جائے تو انسان کو بیہوشی آ لیتی ہے۔ پھر کوئی چارہ زندہ رہنے کے لیئے کارگر نہیں ہوتا اور موت یقینی ہو جاتی ہے۔

لیکن اُونٹ صحرا کی شدید گرمی میں اپنے جسم کا پچیس۲۵ فیصد تک پانی بھی اگر پسینہ کی صورت میں خارج کر دے تو پھر بھی اُس میں ضعف کے آثار ظاہر نہیں ہوتے اور وزن اٹھانے میں اُسے کوئی دقت پیش نہیں آتی۔ اُونٹ میں یہ صلاحیت ہے کہ وہ بغیر پانی پیئے دس دن اور دس راتوں تک مالک کو پیٹھ پر اٹھا کر صحرا میں سفر کر سکتا ہے۔ اس دوران بس اتنا ہی کافی ہے کہ اُسے دن میں دو دفعہ تھوڑی دیر کو کھلا چھوڑ دے تاکہ وہ کانٹے دار جھاڑیوں سے اپنا پیٹ بھر لے۔

دس روز کے سفر کے بعد اونٹ سوتا نہیں صرف بیٹھتا ہے تاوقتیکہ اُسے اٹھایا نہ جاوے تو وہ خود بخود نہیں اُٹھتا اِلّا یہ کہ وُہ بھوک و پیاس محسوس کرے۔

بدوی عرب کو اُونٹ کی اِس خُو سے اِس قدر مماثلت ہے کہ یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ صبر و تحمل اور بردباری میں اُونٹ بڑھ کر ہے یا وُہ عرب جو صحرا میں رہتا اور اونٹوں میں زندگی بسر کرتا ہے۔

حضرت محمدؐ نے تمام عہدِ طفولیت اور جوانی کا ابتدائی حصّہ دُوسرے عربوں کی طرح صحرا میں بسر کیا تھا۔ جہاں روٹی و کھجور میسّر نہیں۔ آپؐ نے صرف دودھ کو بطور غذا استعمال کیا تھا۔ اس تمام مدت میں روٹی و کھجور نہیں کھاتی تھی مگر شہر مراجعت کر آنے کے بعد۔

یہاں یہ وضاحت کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ ہمارے تصور کے برعکس صحرا میں کھجوروں کی فراوانی نہیں ہے۔ اس لیئے کہ نخلستان زیادہ نہیں ہیں صحرا کا بہت زیادہ علاقہ نخلستانوں سے خالی ہے۔ کھجور کے درخت کو بارآور ہونے کے لیئے دو چیزوں کی احتیاج ہوتی ہے۔ ایک دھوپ دُوسرے پانی۔ یہی وجہ ہے کہ ساحلی پٹی کے علاوہ اگر آپ صحرا کے داخلی حصّہ میں آئیں تو آپ کو کھجوروں کے درخت نہیں ملیں گے۔ ویسے بھی صحرائے عرب کے اندرونی حصّہ میں بارش نہیں ہوتی۔ آج سعودی عرب میں تیل کے پائپ خلیج فارس سے لے کر مڈیٹرانیہ تک صحرا کے وسط میں سے گزارے گئے ہیں۔ آپ پائپ لائن کے کناروں پر کہیں کہیں کھجوروں کے جھنڈ دیکھ سکتے ہیں۔ اس لیئے کہ تیل کی پائپ لائنوں کے ساتھ ساتھ پانی کا پائپ بھی بچھایا گیا ہے۔ امریکیوں نے یہ پائپ لائن بچھائی تو پائپ لائن کے ساتھ ساتھ رہنے والے لوگوں کو بھی پانی مہیا کیا تاکہ ان ویرانوں میں وُہ بہتر طور پر زندگی گزار سکیں۔ آج اگر آپ اس پائپ لائن سے دُور ہو جائیں تو کھجور کے درخت آپ کو نہیں ملیں گے۔ اِلّا یہ کہ جہاں کہیں پانی میسّر آگیا ہو۔ قصّہ مختصر عرب کے بیابانوں میں ساحلی پٹی کے ساتھ ساتھ اور بعض دوسرے نقاط پر سطح سمندر سے بلندی کی مناسبت سے بارش ہوتی ہے۔ ساحلی پٹی اور مذکورہ نقاط کے علاوہ عربوں کی خوراک اونٹ کا دُودھ ہی ہے۔

محمدؐ جتنی دیر صحرا میں رہتے اُن کی خوراک اُونٹ کا دُودھ ہی ہوتی تھی جب کبھی مکہ آتے تو نان و خرما کھا لیا کرتے تھے۔ لیکن کبھی بھی نان و خرما اکٹھے تناول نہیں فرمایا کرتے تھے یعنی آپؐ ایک وقت میں یا روٹی کھاتے یا خرما۔ فرمایا کرتے تھے پیٹ بھرنے کے لیئے ان میں سے ایک ہی کافی ہے۔ دونوں کا باہم کھایا جانا اسراف ہے۔

آپؐ نے اپنی حیاتِ طیّبہ میں ہمیشہ ایک ہی غذا کھائی ہے۔ کھانا کھانے کے لیئے آپ زمین پر بیٹھا کرتے تھے اور دسترخوان کھجور کے پتوں سے بنی ہوئی چٹائی کا ہوتا۔ جیسا کہ پہلے ذکر آچکا ہے۔ حضرت عائشہؓ کے گھر میں جب تک آپؐ زندہ تھے ایک چھلنی بھی نہیں تھی کہ آٹے سے گندم کا چھلکا علیحدہ کر سکیں۔ نان و خرما کے علاوہ ایک اور غذا بھی آپؐ کے گھر پر پکا کرتی تھی اور وُہ تھی گندم و عدس کا ملا جُلا پکوان۔ گندم اور عدس کو باہم جوش دیکر ایک قسم کی (حلیم) تیار کی جاتی تھی۔ جس دن گھر میں یہ غذا تیار ہوتی آپ نان و خرما تناول نہیں فرمایا کرتے تھے۔

گوشت محمدؐ کی زندگی میں ایک استثنائی غذا تھی کہ سال میں ایک بار کھائی جاتی تھی۔ مکّہ میں اعراب کی رسم

تھی۔ حج کے موقع پر قربانی کیا کرتے تھے تو گوشت بھی کھایا کرتے تھے اور پھر دُوسرے سال اسی موقع اور مناسبت سے آپؐ اس طرح کی زندگی بسر کرنے کے عادی ہو چکے تھے اور گوشت جو گراں ہوتا تھا استعمال میں نہیں لاتے تھے۔

آپؐ کے خانۂ مبارک میں میز و کرسی نہیں تھی۔ آپؐ کھجور کی چٹائی پر بیٹھتے اور اُسی پر ہی سوتے تھے۔

آپؐ کے بعد خلفائے راشدین نے بھی ایسے ہی زندگی بسر کی۔ کھانے میں ہمیشہ ایک ہی قسم کی غذا پر اکتفا کیا اور یہ وُہ دور تھا جب مسلمانوں نے دس سال کی مدت میں تین بڑی سلطنتوں کو فتح کر کے اپنی قلمرو میں شامل کر لیا۔ یہ بزرگ سلطنتیں ایران، شام اور مصر تھیں۔

حضرت محمدؐ شادی سے پہلے اور شادی کے بعد بھی سفر پر جاتے رہے۔ اس لیئے آپؐ کو تمام عرب قبائل کی بڑی اچھی شناخت تھی۔ کسی جگہ کا نام لیا جاتا آپؐ اس جگہ کے حالات و اطلاعات سے مکمل معلومات رکھتے تھے۔

Marfat.com

گھریلو زندگی

حضرت خدیجہؓ کے بطن سے تین فرزند پیدا ہوئے۔ پیغمبرؐ اسلام نے پہلے فرزند کا نام قاسم رکھا اور اسی مناسبت سے آپؐ کی کنیت "ابوالقاسم" تھی۔

قاسم ابھی بچہ ہی تھے کہ وفات پا گئے اور دُوسرے دونوں فرزند۔ وہ بھی خرد سال ہی تھے کہ اس دارِ فانی سے کُوچ کر گئے۔

مذکورہ بالا اولادِ نرینہ کے علاوہ حضرت خدیجہؓ کے بطن سے چار لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ اُن کے نام بالترتیب رقیہؓ زینبؓ۔ اُمّ کلثومؓ اور فاطمہؓ ہیں۔ پہلی تین صاحبزادیوں کے ہاں بھی اولادِ نرینہ نہیں تھی۔ فقط فاطمہؓ کے ہاں اولادِ نرینہ پیدا ہوئی۔

یہاں یہ ذکر کر دینا مناسب ہوگا کہ جب آپؐ نے خدیجہؓ سے شادی کی تو آپؐ کے مراسم اُس خاندان سے گہرے ہو گئے اور اسی مناسبت سے حضرت خدیجہؓ کے قبیلہ کے افراد سے شناسائی ہوئی۔

قبیلہ (اسد) کے مرد علم و معرفت میں ممتاز تھے اور حنیف کہلاتے تھے۔ حنیف اُن افراد کو کہا جاتا تھا جو گرچہ بُت پرست تھے مگر بُتوں پر مضبوط اعتقاد نہیں رکھتے تھے۔ حقیقت کی جستجو میں سرگرداں رہتے تھے اور اُن کی کوشش ہوتی کسی واحدِ حقیقی کی پرستش کی جائے۔

اُن کے قبیلہ میں ایک مرد بنام ورقہ بن نوفل تھا جو حضرت خدیجہؓ کا عمزادہ تھا۔ آپؐ کی خدیجہؓ سے شادی کے بعد وہ محمدؐ کا دوست ہو گیا تھا۔ دُوسرا ایک مرد بنام عبداللہ بن جحش، تیسرا عثمان فرزند حواریہ اور چوتھا زید بن عمرو۔ قبیلہ کے یہ افراد دوسرے افراد کے برعکس جب کبھی آپؐ سے ملتے آپؐ سے مذہبی معاملات پر بحث کرتے اور محمدؐ کو حنیف بن جانے کی ترغیب دیا کرتے تھے۔

یہ مذاکرات جو بیوی کے خاندان سے ہوئے ایک مؤرخ کی نظر میں جالبِ توجہ ہیں۔ افسوس کہ اِن مذاکرات کا مکمل علم نہیں ہو سکا مگر بہت اختصار کے ساتھ۔ بعض عرب مؤرخوں مثلاً (ابن سعد)۔ (عیسیٰ) نے محمدؐ کے اُن چند جملات کو جو آپؐ نے بحث کے دوران ادا فرمائے ثبت کیا ہے۔ اگر ہمیں ان مذاکرات کی تفصیل اور نوعیت معلوم ہو جاتی تو یہ مذاکرات جو دس سال کے طویل عرصہ میں ہوتے رہے اور جو محمدؐ کی پچیس[۲۵] سالہ عمر سے پینتیس[۳۵] سال کی عمر تک پھیلے ہوئے ہیں ہمیں یہ جاننے میں بڑی آسانی ہوتی کہ آپؐ کی طرزِ فکر میں کیا تحول آیا کہ آپؐ پیغمبر ہوئے۔

Marfat.com

آپ کے شادی سے بعثت تک کے افکار تاریخی تدریج کے لحاظ سے ہمارے لیئے بہت اہمیت رکھتے ہیں مباحثات جو حنیفوں سے ہوتے رہے ہمارے لیئے توجہ طلب ہیں مگر افسوس کہ چند جملات کے علاوہ جو (ابن سعد) اور (عینی) نے نقل کئے ہیں ہمارے ہاتھ میں اور کچھ نہیں۔ ان دونوں مؤرخوں نے روایات کے توسط سے نقل کیا ہے کہ جب بھی حنیف آپؐ سے کشف حقیقت کی کوشش کرنے کو کہتے تو آپ جواباً فرماتے لا الہ الا اللہ۔ ایک اور جگہ آپؐ نے حنیفوں سے فرمایا حقیقت اپنے وقت پر خود بخود آشکارا ہوگی اور خویش میں سے جو کوئی بھی مائل ہوگا اُس کے لیئے نشانِ راہ بنے گی۔ حضرت محمدؐ چونکہ خدیجہؓ کی نسبت غریب تھے لہٰذا خدیجہؓ اپنے شوہر کی ہر طرح خدمت اور دلجوئی فرمایا کرتی تھیں۔ اس بارے میں ابن سعد نے قولِ آدمؑ کو اس طرح نقل کیا ہے:

"آدمؑ نے بہشت میں حوا سے کہا کہ تمام نوازشوں میں سے ایک نوازش جو محمدؐ رسول اللہؐ پر خداوند نے فرمائی وہ یہ ہے کہ انہیں زوجیت میں خدیجہؓ ملیں۔ خدیجہؓ ان کی ہر طرح حوصلہ افزائی فرمائیں تاکہ وہ ارادہ خداوندی کے مطابق اپنی منزل کو پالیں۔ حالانکہ اے حوا تو باعث ہوئی کہ میں بہشت میں ارادۂ خداوندی کے خلاف عمل کروں۔"

●

۶۰۵ سن عیسوی میں جب کہ محمدؐ کی عمر پینتیس سال تھی۔ مکہ میں دو بڑے ہی ناگوار واقعات رُونما ہوئے۔ ایک یہ تھا کہ خانہ کعبہ کو آگ لگ گئی تھی جس سے وہ جل گیا تھا۔ دُوسرے یہ کہ سیلاب نے اُس کا کچھ حصّہ تباہ کر دیا۔ مکہ میں شاذ و نادر ہی بارش ہوتی ہے لیکن کبھی کبھی بہت بڑا سیلاب آجاتا ہے۔ اس سال بھی سیلاب زیادہ آیا اور خانہ کعبہ کی عمارت کو خاصا نقصان پہنچا۔ قریش کے سبھی قبیلوں نے مرمت کے لیئے سامان جمع کرنے کا ارادہ کیا۔ ابھی مرمت کے لیئے سامان جمع کیا جا رہا تھا کہ ایک کشتی رومۃ الصغرا سے یمن جاتی ہوئی شعیبیہ (حال جدّہ) کی بندرگاہ میں (جو مکہ سے نزدیک ہے) تباہ ہو گئی۔ اس طرح کہ پانی میں پوری طرح نہ ڈوبی تھی۔ کشتی کا نچلا حصّہ کیچڑ میں پھنس گیا تھا۔ اور اس حالت میں جیسا کہ عموماً ہوتا ہے۔ آہستہ آہستہ کیچڑ میں دھنستی جا رہی تھی۔ کشتی مذکور یمن میں ایک کلیسا کی تعمیر کے لیئے سامان لے کر جا رہی تھی۔ یہ سامان سنگِ مرمر۔ ٹائلوں۔ لکڑی۔ لوہا اور دوسرے تعمیراتی مصالحہ جات پر مشتمل تھا۔ تعمیراتی کام کی انجام دہی کے لیئے ایک مسیحی معمار بنام (بکوم) بھی سامان کے ہمراہ جا رہا تھا۔ عربوں نے جب یہ دیکھا تو (بکوم) سے کہا کہ کشتی تو اب اس دلدل سے نکلنے سے رہی۔ کچھ دیر بعد یہ بمعہ تمام سامان ڈوب جائے گی۔ لہٰذا تم یہ سامان ہمیں کعبہ کی مرمت کے لیئے دے دو۔ دُوسرے تم انجنیئر بھی ہو کعبہ کی تعمیر کے کام کی سرپرستی بھی کرو۔ (بکوم) رومۃ الصغریٰ کا رہنے والا تھا۔ جس کا پایۂ تخت اس وقت بیزانس (استنبول) تھا۔ بہرحال اُس نے عربوں کا مشورہ قبول کیا۔ کشتی سے تمام سامان اُتار کر مکہ لایا گیا۔ (بکوم) نے کعبہ کی تباہ شدہ عمارت کا معائنہ کرنے کے بعد فیصلہ کیا کہ کعبہ کی عمارت کو مکمل طور پر مسمار کر کے اس کی تعمیرِ نو کی جاوے۔

قریش نے جب یہ دیکھا کہ رومی معمار تمام عمارت کو مسمار کرنا چاہتا ہے تو وہ مانع ہوئے اور اس کی

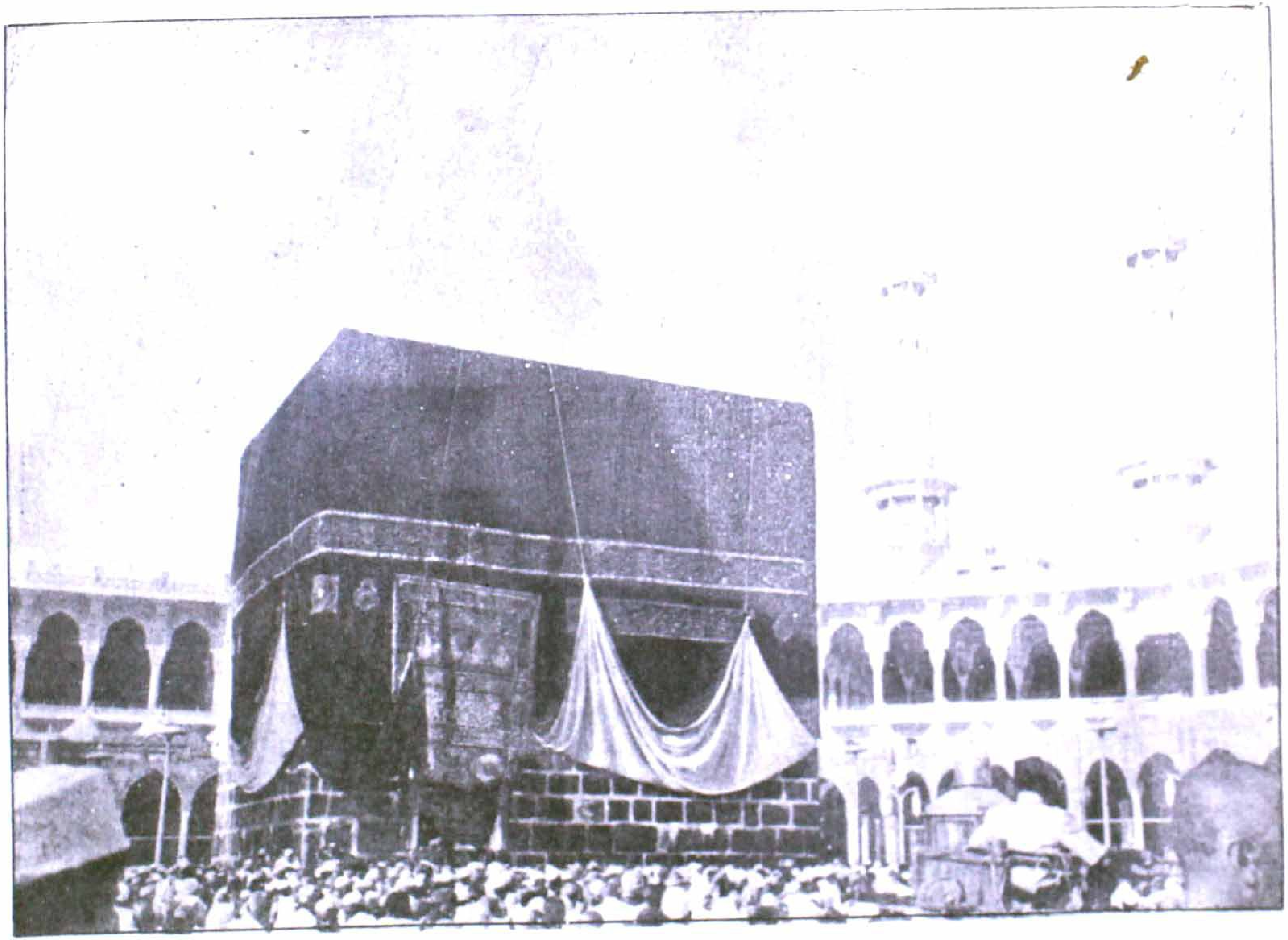

بیتُ اللہ (خانہ کعبہ) مکّۃ المکرمہ (فوٹو ۹،۹،۰)

Marfat.com

اجازت نہ دی۔ اور خدشہ ظاہر کیا کہ اگر کعبہ کی عمارت مسمار کی گئی تو ہم پر بلائیں نازل ہوں گی اور ہم سب تباہ و برباد ہو جائینگے۔

(بکوم) نے کہا موجودہ عمارت ایک بار آتشزدگی سے خراب ہو چکی ہے۔ دُوسرے سیلاب اس کا ایک حصّہ بہا کرلے گیا ہے۔ اس کی کسی قسم کی مرمت لاحاصل ہوگی۔ اسے مسمار کرنے کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں ہے۔ ویسے بھی ہمارا ارادہ اسے گرا کر دوبارہ تعمیر کرنے کا ہے۔ لہٰذا کوئی بلا نازل نہیں ہوگی لیکن قریش عمارت کے گرانے پر کسی طور راضی نہ ہوئے۔ روایت ہے کہ کعبہ کے نزدیک ایک کنواں ہُوا کرتا تھا۔ گاہے ایک اژدہا اُس کنوئیں سے باہر آکر دھوپ سینکا کرتا تھا۔ مکہ کے لوگ اُس سے ڈرتے تھے اور اژدہا کو مارتے نہیں تھے۔ اس تمام قضیئے کے بعد رومی معمار نے کام بند کر دیا۔ ایک دن یہ اژدہا حسبِ معمول کنوئیں سے باہر نکل کر دھوپ تاپ رہا تھا کہ ایک عقاب اُس پر حملہ آور ہُوا اور اژدہا کو اپنے طاقتور پنجوں میں پکڑا اور اٹھا لے گیا۔ اس واقعہ کے بعد مکہ والوں نے اس اژدہا کو کبھی نہیں دیکھا۔ اس واقعہ کے بعد یہ خیال کیا جانے لگا کہ عقاب کا اژدہا کو اٹھا لے جانا اور ہمیں اس اژدہا کے شر سے نجات ملنا۔ دلیل ہے اس بات کی کہ خداوندِ کعبہ نے عمارت کو مسمار کر کے دوبارہ تعمیر کی اجازت دے دی ہے۔

ہم پہلے کہہ چکے ہیں۔ جو واقعہ تاریخ سے انطباق نہیں کریگا ہم اُسے روایت کہیں گے۔ یہ واقعہ بھی ایک روایت ہے تاریخ نہیں۔

احتمال یہی ہے کہ قریش نے بالآخر کعبہ کو مسمار کرنے کی اجازت دے دی ہوگی کہ بہرحال اس کا گرانا تعمیری مقاصد کے لیئے ہے۔ بہرطور قریش رضامند ہوگئے اور رومی معمار نے کام شروع کر دیا۔

جب بنیادوں کا کام تمام ہُوا تو سنگِ اسود کو اُس کی جگہ نصب کرنے کا مرحلہ آیا۔ اس پر قریشی قبائل میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ ہر قبیلہ چاہتا تھا کہ یہ سعادت اُسے نصیب ہو۔

ہر دس قریشی قبیلوں کے سرداروں نے اپنے اپنے گھروں سے خُون سے بھرا ایک ایک برتن لاکر خانہ کعبہ کے سامنے رکھ دیا اور اُس میں اُنگلی ڈبو کر اپنی زبان پر لگائی اور قسم کھائی کہ ہم حجرالاسود کو نصب کرنے کی سعادت کسی دُوسرے قبیلے کو حاصل نہیں کرنے دیں گے۔ قریب تھا کہ اس نزاع پر قریشی قبیلوں کی آپس میں جنگ شروع ہو جائے کہ حضرت محمدؐ خانہ کعبہ میں داخل ہوئے۔ جب قریشی قبائل کے مشائخ نے اُنہیں دیکھا تو آپس میں مشورہ کر کے حضرت محمدؐ کو ثالث مقرر کیا کہ وُہ (امین) ہیں اس لیئے فیصلہ دیں کہ کونسا قبیلہ حجرالاسود کو اٹھا کر اُس کی جگہ لے جائے اور نصب کرے۔

آپؐ نے ایک چادر لانے کو فرمایا۔ وُہ لوگ خیمے کا ایک ٹکڑا لے آئے۔ محمدؐ نے فرمایا اس کو بچھا کر اس پر حجرالاسود کو رکھیں۔ پھر تمام مل کر اس پارچہ کو اطراف سے پکڑ کر حجرالاسود کو اُس کی جگہ پر لے جائیں۔ خود آپؐ نے بھی ایک کونہ پکڑا اور ان تمام اشخاص کی معیت میں حجرالاسود کو اُٹھا کر مطلوبہ کونہ میں نصب کر دیا۔

یہ حکیمانہ حل سب کی رضایت کا باعث ہُوا اور محمدؐ کی شخصیت ان قبائل میں اور زیادہ قدآور ہو گئی۔ تمام قبائل محمدؐ کو تحسین کی نگاہ سے دیکھنے لگے۔ اس واقعہ کے بعد آپؐ کی زندگی کا کوئی نمایاں واقع ہماری نظر سے نہیں گزرا۔ مگر اینکہ ۶۱۰ سن عیسوی میں جب آپ چالیس سال کے ہوگئے اور لوگوں کو دعوتِ اسلام دینی شروع کی۔

Marfat.com

ہمیں یہ بھی معلوم نہیں ہو سکا کہ ۶۰۵ء سے ۶۱۰ء تک آپ نے کیا شغل اختیار کیئے رکھا۔ اور زندگی کے یہ پانچ سال کیسے بسر کیئے۔

خانہ کعبہ کی تعمیر نو سابقہ شکل پر ہی ہوئی۔ تمام مذہبوں کے متعلقہ بت اور تصویریں مثل سابق نصب اور آویزاں کر دی گئیں۔ بازارِ عمومی مکارہ بھی ہر سال لگتا تھا۔ شعراء اپنا کلام بھی سناتے تھے۔ لیکن یہ پانچ سال آپؐ کے ذکر سے خالی ہیں۔ صرف اتنا ہی تذکرہ ملتا ہے کہ آپ کبھی کبھار غارِ حرا میں تشریف لے جاتے۔ وہاں قیام فرماتے اور غور و فکر کرتے تھے۔

Marfat.com

غارِ حرا

مکّہ شہر کے باسیوں کے لیئے غاروں میں جاکر تنہائی میں قیام کرنا کوئی غیر عادی امر نہیں تھا۔ اسی طرح جیسے قدیم ہند کا ہندو۔ ان کی اولاد جب جوان ہوجاتی تو وُہ خاندان سے دُور گھنے جنگلوں میں چلا جاتا اور اپنا زیادہ تر وقت جنگل کے درختوں کی کھوہ میں گزارتا۔ اس مدت میں وُہ کسی سے میل جول نہیں رکھتا تھا۔ خدا اور مخلوق کی حقیقت پر غور کرتا تھا۔ مکّہ میں بھی بعض اشخاص جب صاحب اولاد ہوجاتے سال میں ایک ماہ کے لیئے اپنے گھر والوں سے کنارہ کشی اختیار کر لیا کرتے اور اطرافِ مکّہ کسی غار میں چلے جاتے اور یہ ایک ماہ تنہائی میں بسر کیا کرتے تھے۔

ایک ماہ کی مدّت بدوی زندگی میں قمری حساب سے شمار ہوتی تھی یعنی ہلال سے ہلال تک۔ مکّہ کے رگ غار میں گوشہ نشینی کی مدّت کا شمار قمری حساب سے ہی کیا کرتے تھے۔ حضرت محمدؐ سے پہلے آپؐ کے جدِ امجد حضرت عبدالمطلب بھی ہر سال ایک ماہ کی مدّت اسی غارِ حرا میں بسر کیا کرتے تھے۔ دوسرے لوگ بھی جب عمر کے اس حصّہ میں پہنچتے تو سال میں ایک ماہ کا عرصہ اطرافِ مکّہ غاروں میں گزارتے تھے۔

آپؐ کی یہ عادت تھی کہ آپ ہر سال ماہِ رمضان غارِ حرا میں گزارتے۔ اس ماہ کے انتخاب کی وجہ یہ تھی کہ عربوں کا عقیدہ تھا کہ شب قدر ماہِ رمضان میں واقع ہوئی ہے۔ اس شب کوئی بھی شخص جو تمنا کرے وہ پوری ہوتی ہے۔ نیز اس رات پر اعجاز ممکن الوقوع ہے۔ (اسد بیگ) ایک عربی محقق نے محمدؐ کی زندگی پر تحقیق کی ہے۔ وہ لکھتا ہے:

"عربوں کا یہ عقیدہ تھا شبِ قدر میں (طبیعت استراحت کرتی یا سو جاتی ہے)۔ دریاؤں کی روانی اور ہواؤں کی حرکت ختم جاتی ہے۔ تمام جہاں اس طرح ساکت ہو جاتا ہے کہ انسان غنچہ کے کھلنے کی آواز بھی سُن سکتا ہے جنہیں اس شب کا علم ہوجائے اور وُہ شب بیداری میں رہیں تو ان کی ہر تمنّا کو شرفِ قبولیت حاصل ہوتا ہے۔"

میں عرب میں رہا ہوں اور غارِ حرا کو دیکھا ہے مکّہ شہر کے اطراف میں متعدد ٹیلے ہیں۔ عرب ان ٹیلوں کو پہاڑ یعنی کوہ کہتے ہیں۔ ان ٹیلوں میں سے ایک کا نام "جبل النور" ہے۔ غارِ حرا اسی ٹیلے میں واقع ہے۔ غارِ حرا سے محمدؐ کے گھر کا فاصلہ تقریباً ۱½ کیلومیٹر ہے۔ غارِ حرا پتھریلی سِلوں کے بیٹھ جانے سے وجود میں آئی ہے۔ اس کی سہ اطراف اور چھت پتھریلی سِلوں کی ہے۔ چھت کی بلندی اس قدر ہے کہ انسان اُس میں کھڑا ہوسکتا ہے۔ غار کا دہانہ کعبہ رُخ ہے اُس میں بیٹھا ہُوا آدمی کعبہ کو دیکھ سکتا ہے۔ غار کا فرش دیواروں اور چھتوں کی نسبت زیادہ ہموار ہے آدمی فرش پر آسانی سے بیٹھ اور

Marfat.com

لیٹ سکتا ہے۔

غار کا دہانہ کچھ اس طرح واقع ہے کہ غار تک پہنچنے کے لیئے کچھ سیڑھیاں چڑھنی پڑتی ہیں جو کہ پتھروں کو اکھاڑ کر بنائی گئی ہیں۔ عربوں کا کہنا ہے کہ پہلے وقتوں میں یہاں سیڑھیاں نہیں تھیں۔ غارِ حرا میں آدمی بیٹھ سکتا ہے اور لیٹ بھی سکتا ہے۔ ان دونوں حالتوں میں خانہ کعبہ اور محمدؐ کا گھر نظر آتا رہتا ہے۔

کوئی شخص نہیں جانتا کہ غارِ حرا میں محمدؐ کس بابت غور و فکر کیا کرتے تھے لیکن جیسا آپؐ کے قول کے مطابق (ابن ہشام) نے لکھا ہے۔ "آپؐ نے حضرت خدیجہؓ سے فرمایا غار میں میرے پیش نظر امورِ دنیوی نہیں ہوتے"۔

ایک رات محمدؐ غارِ حرا کے اندر کمبل میں لپٹے لیٹے ہوئے تھے۔ آپؐ نیم بیداری اور نیم خوابیدگی کی حالت میں تھے۔ ایک شخص نے آکر آپؐ کو بیدار کیا اور بقول ابن ہشام ایک کپڑے کا ٹکڑا انہیں دکھایا۔ ابن ہشام کہتا ہے کہ وہ کپڑا ریشم کا تھا۔ اور اس پر سنہری حرف نظر آتے تھے۔

جب محمدؐ پوری طرح بیدار ہوگئے تو اس شخص نے ریشمی کپڑا انہیں دکھا کر کہا "اقراء" یعنی پڑھو۔ محمدؐ نے فرمایا میں پڑھ نہیں سکتا۔

اس شخص نے شانہ مبارک پر ہاتھ رکھا اور پھر کہا "اقراء"

دوبارہ محمدؐ نے فرمایا میں پڑھ نہیں سکتا۔

ابن ہشام نے لکھا ہے۔ اس شخص نے دونوں ہاتھوں سے شانہ مبارک دبایا اور کہا "پڑھیئے"

اس شخص کے ہاتھوں کا دباؤ اس قدر شدید تھا کہ آپؐ اپنی حالت برقرار نہ رکھ سکے اور پوچھا "کیا پڑھوں"۔

محمدؐ کو بیدار کرنے والے شخص نے کہا "اقرأ باسم ربك الذى خلق"۔

لازم نہیں کہ محمدؐ کی جگہ کوئی اور انسان ہوتا تو اس کلام سے متاثر نہ ہوتا۔

اس کلام کا اثر اس قدر زیادہ ہے کہ انسان ہر دور اور ہر جگہ میں اس کلام کو پڑھ کر متاثر ہوگا۔ بشرطیکہ اسے عربی زبان پر عبور حاصل ہو۔ عربی زبان پر عبور حاصل کیئے بغیر ممکن ہی نہیں۔ اس آیت اور قرآن کی دوسری آیات کی حقیقت اور معنوی وسعت کا ادراک کیا جا سکے۔

اسی بنے وہ تراجم جو مختلف زبانوں میں کیئے گئے ہیں۔ پڑھنے والے کو اس درجہ متاثر نہیں کرتے۔ مجھے حیرت ہوتی ہے کہ کس طرح عربوں نے ان آیات کو سننے کے بعد بھی محمدؐ کو پیغمبر تسلیم نہ کیا۔ قرآن کا خاصہ۔ دوسری آسمانی کتابوں کیطرح اس کی ادائیگی کا مخصوص انداز ہے اور وہ انداز بعض کلمات اور جملوں کی تکرار ہے۔ اور تکرار ایک ترجمہ پڑھنے والے شخص پر کم ہی اثر انداز ہوتا ہے۔

لیکن ایک شخص جسے عربی زبان پر عبور حاصل ہو۔ جب وہ اس جملہ (مذکورہ بالا آیت) کو بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ کے بعد (جو کہ سورۂ علق کی پہلی آیت ہے) پڑھے گا تو اسے معلوم ہوگا کہ اس کا پڑھنا یا سننا کتنا متاثر کنندہ ہے۔ جو الفاظ وہ شخص زبان پر لایا محمدؐ نے جب سنے اور دہرائے تو یہ کلمات اُن کے ذہن پر نقش ہو کر رہ گئے۔ اسی حالت میں اُنہوں نے

غار حرا کا دہانہ (فوٹو ۱۹۵۹ء)

Marfat.com

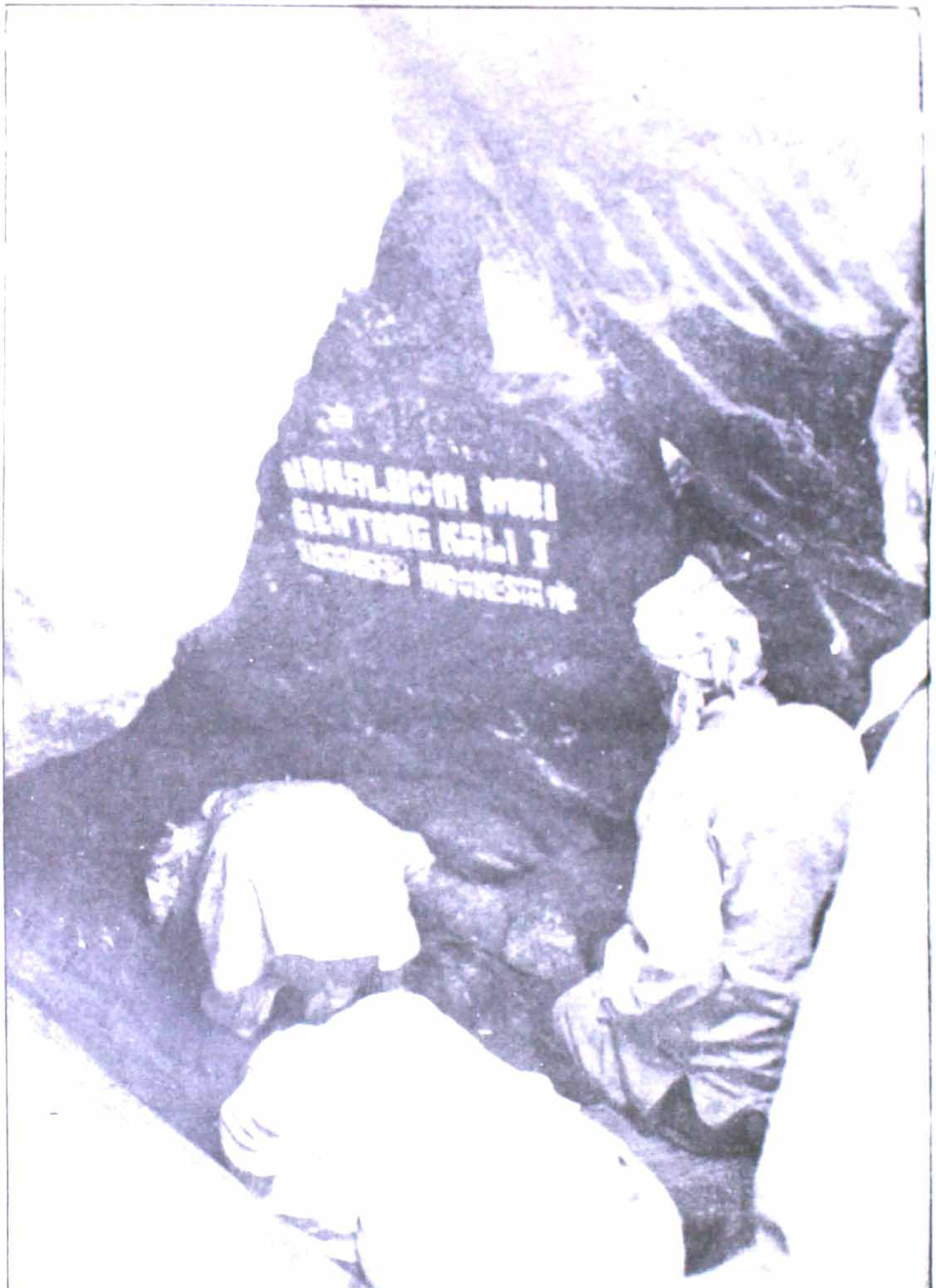

غارِ حرا کا داخلی منظر (فوٹو [illegible])

Marfat.com

Marfat.com

تکرار فرمائی۔

تمام مسلمان دانشور اس بات پر متفق القول ہیں کہ (اقرا باسم ربك الذی خلق) سے منظور یہ ہے کہ محمدؐ جب بھی کلام خدا کو زبان پر لائیں۔ آغاز میں خدا کا نام لیں۔ اسی لیئے تمام سُورتوں کے آغاز میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم آیا ہے۔

سُورہ العلق کی ۱۹ آیات ہیں۔ تمام محققین اسلام نے تصدیق کی ہے کہ یہ قرآن کی اولین سورۃ ہے جو غارِ حرا میں محمدؐ پر نازل ہُوئی اور معنی کے لحاظ سے قرآن کی برجستہ ترین سُورتوں میں سے ایک ہے۔

اس سورۃ کی تیسری آیت (اگر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو پہلی آیت شمار کیا جاوے) میں فرمایا گیا "خلق الانسان من علق" یعنی "جمے ہُوئے خون کے ایک لوتھڑے سے انسان کی تخلیق"۔ (خُون کی پھُٹکی جو عورت کے بطن میں بنتی ہے) اور پانچویں آیت میں فرمایا "الذی عَلَّم بالقلم" یعنی جس نے قلم کے ذریعے سے علم سکھایا۔

اسی سورۃ کی چھٹی آیت میں فرمایا۔ "علم الانسان مالم یعلم" یعنی (خداوند نے) انسان کو وہ علم دیا جسے وُہ نہیں جانتا تھا۔

محمدؐ نے اس سورۃ کی اُنیس آیات کو (جن میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم شامل نہیں) اُس شخص سے سُننے کے بعد حفظ فرمایا۔ محمدؐ کے ذہنِ رسا کے لیئے ان آیات کو حفظ کرنے کے لیئے ایک دفعہ ہی ان آیات کا سن لینا کافی تھا۔ محمدؐ اُمّی تھے لکھنا نہیں جانتے تھے۔ یعنی آپؐ تھوڑا بہت پڑھ سکتے تھے تحریر نہیں کر سکتے تھے۔ ویسے اُنہیں عربی اشعار یاد تھے اور انہیں پڑھا کرتے تھے۔

باوجودیکہ رسول اللہ اُمّی تھے اولین آیات جو نازل ہوئیں وہ قلم و علم، یاد رکھنے اور تعلیم دینے کی بابت تھیں تمام بڑے دین لانے والے بزرگوں میں سے کوئی بھی اسقدر معرفت کی اہمیت کا قائل نہیں ہوا کوئی اور دین ایسا نہیں تھا جس میں علم معرفت کے مبداء کو اس قدر ارزش و اہمیت حاصل ہو۔

اگر محمدؐ ایک دانشمند فلسفی ہوتے تو غارِ حرا میں ان آیات کے نزول کے وقت اس قدر حیران نہ ہوتے کیونکہ دانشور علم کی اقدار کو سمجھتا ہے لیکن آپؐ کوئی علم نہیں رکھتے تھے اور کسی اُستاد سے درس نہیں لیا تھا۔ فقط ایک بدو عرب کی طرح کلام کی فصاحت اور خوب صُورتی کو سمجھتے تھے اور فصاحت کو درک کرنا عربوں کی فطرت کا جزو تھا۔ میں مسلمانوں کو مبارک کہتا ہُوں کہ اُن کے مبداء دین میں حصُول علم کی اس قدر تلقین کی گئی ہے۔ مسلمان علماء کے ایک سالقہ گروہ نے اسی سورۃ کی بنا پر حصولِ علم کو واجبات دین میں سے سمجھا۔ اُن کا عقیدہ تھا کہ جس طرح ایک مسلمان نماز پڑھتا اور روزے رکھتا ہے اسی طرح اُسے تحصیلِ علم بھی کرنا چاہیئے۔

وُہ شخص جس نے محمدؐ کو غارِ حرا میں بیدار کیا تھا۔ سورۂ علق کی ۱۹ آیات پڑھنے کے بعد غائب ہوگیا۔ حضرت محمدؐ نے اپنی اہلیہ خدیجہؓ سے یہ حالات جس طرح بیان کیئے طبری اُس بارے میں لکھتا ہے:

"جب وہ شخص چلا گیا۔ میں کھڑا ہُوا تو میری ٹانگوں میں لرزہ تھا۔ مجھ سے زیادہ دیر کھڑا نہ رہا جا سکا۔ میں زمین پر دو زانو بیٹھ گیا۔ کچھ دیر اسی حالت میں رہنے کے بعد میرے

Marfat.com

گھٹنوں میں دوبارہ طاقت عود کر آئی۔ میں کھڑا ہونے کے قابل ہو گیا تو غار سے باہر آیا اور گھر کی طرف چل دیا۔ لیکن ابھی میرے کندھوں پر لرزہ طاری تھا۔ میں ابھی ٹیلے کی آدھی راہ بھی طے نہیں کر سکا تھا کہ میرے کانوں میں آواز آئی۔ "اے محمدؐ آپ اللہ کے رسول ہیں اور میں جبرئیل ہوں"

یہ آواز آسمان سے آرہی تھی۔ میں نے اُوپر دیکھا تو ایک شخص جس کے رخسار انسانوں جیسے ہیں آسمان کی وسعتوں میں بیٹا دہ ہے۔ اُس نے دوبارہ کہا "اے محمدؐ آپ اللہ کے رسُول ہیں اور میں جبرئیل ہوں"

میں ساکت کھڑا اُس کو دیکھ رہا تھا آگے پیچھے حرکت کرنے کی مجھ میں ہمت نہیں تھی۔ آخر اُسی طرح کھڑے کھڑے اپنی توجہ دوسری طرف کی تو دیکھا کہ جبرئیل اُس سمت بھی اُسی وضع میں کھڑے ہیں پھر اور سمت نگاہ کی تو انہیں کھڑا پایا۔ جس سمت بھی دیکھتا تھا انہیں کھڑا پاتا حتّے کہ وُہ غائب ہو گئے۔

اُس وقت مجھے زیادہ خستگی کا احساس ہُوا اور بہت مشکل سے مَیں گھر پہنچا۔

حضرت خدیجہؓ فرماتی ہیں جس وقت آپؐ گھر پہنچے تو آپؐ کا رنگ فق تھا اور بہت زیادہ تھکے ہُوئے معلوم ہوتے تھے۔ دیواروں کا سہارا لیتے ہوئے چھوٹے چھوٹے قدموں سے وُہ میری طرف آئے۔ یہ رات ماہِ رمضان کی ایک رات تھی آپ پر اُس رات بہت زیادہ نقاہت طاری تھی۔ آپؐ کا اس قدر تھک جانا کوئی تعجب کی بات نہیں۔ اس لیئے کہ ایک انسان کا اللہ تعالیٰ کی آواز سُننا ایک بہت بڑا واقعہ ہے۔ آدمی بہت زیادہ دباؤ محسوس کرتا ہے اور یہی دباؤ خستگی کا باعث بنتا ہے۔

ہر چیز جو آدمی کی استعداد سے باہر ہو اُسے تھکا دیتی ہے۔ چاہے وُہ خدا کی آواز ہو یا زیادہ سُرعت جیسے ایک گھوڑا دوڑ رہا ہو۔

طبیعی طور پر انسان کی حدود متعین ہیں۔ انسان کے عضلات و استخواں اُس دباؤ کو برداشت نہیں کرتے جو اُس کی استطاعت سے باہر ہو۔

آج ہم سائنس اور ٹیکنالوجی کی مدد سے ایسی مشینیں بنا سکتے ہیں جو ہمیں پرندوں سے بھی زیادہ سُرعت سے اُڑا لے جا سکتی ہیں لیکن ہمارے عضلات آج بھی یہ استطاعت نہیں رکھتے کہ ہم ایک گھوڑے سے زیادہ تیز دوڑ سکیں یا ایک پرندہ سے تیز تر اُڑ سکیں۔

خداوند تعالیٰ کی آواز سُننا ایک انسان کی طاقت سے باہر ہے یعنی وُہ آواز جس کے کوئی مقررات زمان و مکان میں نہیں ہیں نہ اُس کی ابتدا ہے نہ انتہا۔ اور نہ ہی وہ ہماری قوتِ جاذبہ کی مطیع ہے بلکہ خود قوتِ جاذبہ اور مادہ کو وجود میں لاتی ہے۔

ہم جب زلزلہ کی آواز یا بجلی کڑکنے کی آواز سنتے ہیں تو لرز جاتے ہیں۔ درصورت کہ یہ طبعی آوازیں ہیں اور ہم ان سے آشنا ہیں۔ حتّیٰ کہ ان آوازوں کے معرضِ وجود میں آنے کے طبیعی قوانین اور علتوں تک سے واقفیت رکھتے ہیں۔ پس ہمیں اس پر کوئی حیرت نہیں ہونی چاہیئے کہ محمدؐ نے جبرئیلؑ کی آواز سُننے کے بعد تکان محسوس کی اور اُن کے

Marfat.com

چلے جانے کے بعد شدید خستگی

جب حضرت خدیجہؓ نے محمدؐ کو اس حالت میں دیکھا تو ان کا ہاتھ پکڑ لیا اور پوچھا کہ آپ پر کیا اتفاق گذرا کہ اس قدر تھکے ہوئے ہیں۔ محمدؐ نے تفصیلاً آپ کو واقعہ سنایا اور فرمایا کہ میں بہت خوفزدہ ہوں۔ حضرت خدیجہؓ نے واقعہ سننے کے بعد کہا آپ کیوں ڈر رہے ہیں۔ یہاں پر دو طرح کی روایات ہیں۔

کچھ تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ محمدؐ نے خدیجہؓ سے فرمایا کہ "میں خدا کے خوف سے ڈر رہا ہوں اور یہ آواز جو میرے کانوں نے سنی ہے کچھ اس طرح تھی کہ مجھے قرار نہیں آرہا۔ مجھے چھپا لو اور میرے اوپر کچھ ڈال دو"۔

دوسرے گروہ از جملہ ابن ہشام وسہیلی نے لکھا ہے کہ محمدؐ ایک مدت تک غار حرا میں تنہا تھے اور غور و فکر کیا کرتے تھے ان کو اندیشہ ہوا کہ یہ آواز شائد ان کی اپنی ہے اور خدا کی آواز نہیں۔

لیکن اس گروہ نے بھی اتفاق کیا کہ محمدؐ نے حضرت خدیجہؓ سے فرمایا کہ مجھے چھپا لو اور میرے اوپر کچھ ڈال دو حضرت خدیجہؓ نے ایک کپڑا اُن پر ڈال دیا کہ وہ آرام فرمائیں یہاں تک کہ وحشت ختم ہو اور طبیعت میں سکون آجائے۔

اگر محمدؐ احساس وحشت کے بعد اس مخمصے میں پڑ گئے کہ آیا یہ آواز خداوندی تھی یا یہ میری آواز تھی تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ بہت زیادہ اشخاص جنہوں نے خداوند کی آواز سنی اس وحشت سے دوچار ہوئے اور مخمصہ میں پڑ گئے۔ مسیحی دنیا کا ایک ولی کہتا ہے کہ جب خدا کی آواز انسانی کانوں تک پہنچتی ہے۔ اُسے یقین ہو جاتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی آواز ہے اس کا لحن ولہجہ اور شبک پن ایسا ہوتا ہے کہ آواز کی اصلیت میں کوئی مشتبہ نہیں رہتا مگر جب ایک دن گزر جاتا ہے۔ تو انسان مخمصہ میں پڑ جاتا ہے اور اپنے حواس سے دریافت کرتا ہے کہ آواز جو سنی تھی آیا وہ خدا کی آواز تھی یا میرے تخیل کی تخلیق تھی یا یہ کوئی شیطان کی کارستانی تھی اور انسان آرزو کرتا ہے کہ یہ آواز ایک بار پھر سنے تاکہ اس کا شک دور ہو۔

محمدؐ کپڑا اوڑھے لیٹے رہے مگر نہ نیند آئی اور نہ ہی قرار آیا۔ بعض عرب تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ اسی رات یا دوسری شب جبیریلؑ محمدؐ کے لیئے دوبارہ پیام لائے۔

برجی کہتا ہے کہ اس واقعہ کے تین دن بعد جبریلؑ آپ کے لیئے قرآن کی چوہترویں سورت لے کر آئے اس سورۃ کی دوسری آیت (اگر بسم اللہ الرحمن الرحیم کو پہلی آیت شمار کیا جائے) یہ ہے: يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَأَنذِرْ ۝ اے اوڑھ لپیٹ کر لیٹنے والے اٹھو اور خبردار کر دیا (اٹھو اور لوگوں کو اس علم سے آگاہ کرو)۔ یہ آیت کہ جبریلؑ پڑھتے جاتے محمدؐ کے دل و دماغ پر نقش ہوتی چلی جاتی اور اُس وقت آپؐ کو یقین ہو گیا کہ یہ آواز خدا کی ہے اور بجز خدا کے کوئی دوسرا ایسے الفاظ یا کلمات ادا نہیں کر سکتا۔

جبرئیلؑ کے اس ابلاغ کے کچھ ہی دیر بعد آپؐ کی حالت میں تغیر پیدا ہوا۔ آپ کی طبیعت سنبھل گئی۔ اُس وقت حضرت خدیجہؓ آپؐ کو لیکر ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں۔ ورقہ بن نوفل حضرت خدیجہؓ کے عم زاد بھائی اور عقیدہ کے لحاظ سے حنیف تھے۔

جس وقت آپؐ اور حضرت خدیجہؓ اُن کے گھر میں داخل ہوئے تو وہ (ورقہ بن نوفل) اور اُن کی بہن انجیل

Marfat.com

پڑھنے میں مشغول تھے حضرت محمدؐ نے تمام واقعہ غارِ حرا اور نزولِ سورہ مدثر سے ورقہ کو آگاہ کیا۔ ورقہ نے تمام واقعہ سننے کے بعد بغیر کسی شک و تردید کے کہا یہ کلام (ناموس) ہم سب کے خدا کی طرف سے نازل ہوا ہے۔ ماضی میں موسیٰؑ پر بھی نازل ہوا تھا۔ مسلمان وقائع نگاروں کے ایک گروہ نے لکھا ہے کہ ورقہ نے کہا تھا تم وہی (ناموس) ہو جس کی عیسیٰؑ نے خبر دی تھی کہ ایک روز تم میں آئے گا۔

لغت میں (ناموس) کے معنی "وہ قوانین الٰہی جو بشریت کے لیئے وضع ہوتے ہیں" کے ہیں اور انہی قوانین الٰہی کو (ناموس) کہا جاتا ہے۔

بعد ازیں ورقہ بن نوفل نے وضاحت کی۔ کوئی بھی تیری جگہ ہوتا تو جو تم لائے ہو وُہ بھی یہی کچھ لاتا۔ ہر شخص تمہارا دشمن ہو جائے گا۔ خدا کرے میں اُس وقت تک زندہ رہوں اور دشمنوں کے مقابلہ میں تمہاری مدد کر سکوں۔ نیز یہ بھی خطرہ ہے کہ اگر تم نے تبلیغ شروع کی تو تم قبیلہ سے عاق کر دیئے جاؤ گے۔

(طرد) یعنی قبیلہ سے نکال باہر کرنا۔ اس عرب معاشرہ میں یہ انتہائی سزا تھی جو ایک شخص کو دی جا سکتی تھی۔ جس وقت ایک شخص کو (طرد) کیا جاتا تو اس کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ اُس شخص کے لیئے اُس کے قبیلہ کی حمایت بالکلیہ ختم ہو جاتی۔ اُس قبائلی زندگی میں وہ بے اہمیت ہو کر رہ جاتا۔ اُس کا خون ارزاں اور ہر ایک کے لیئے مباح ہو جاتا تھا کوئی بھی اُسے غلام یا بردہ بنا سکتا تھا۔ فرد ایک پتھر کا ٹکڑا ہو کر رہ جاتا کہ کوئی بھی اُسے ٹھوکر لگا سکتا یا اُٹھا کر دُور پھینک سکتا تھا۔

دورہِ جاہلیت کے ایک شاعر نے کیا خوب کہا ہے: ؎

"مجھے خوف ہے کہ قضا و قدر مجھے ناسازگار لوگوں کے ہاتھوں میں دے دے۔"

"مجھے خوف ہے کہ ہر شخص جو مجھے دیکھے مثلِ سنگ اُٹھائے اور دُور پھینک دے۔"

جو شخص قبیلہ سے طرد ہوتا اُس کی حالت اس شعر کے مصداق ہوتی تھی۔ واقعتاً اس کے وجود اور ناوجود میں کوئی فاصلہ اور فرق نہیں ہوتا تھا۔ ورقہ بن نوفل کو بھی یہی خدشہ لاحق ہوا کہ محمدؐ بھی اسی سرنوشت سے دوچار ہونگے۔ لیکن محمدؐ جو خدا کی آواز سن چکے تھے۔ ان باتوں سے بالاتر ہو چکے تھے۔

سورہ مدثر کے نزول کے بعد کی راتوں کو بھی آپؐ غارِ حرا میں تشریف لے جاتے رہے۔ مگر وُہ جس نے انہیں پہلی رات بیدار کیا اور کلامِ خداوندی سنایا تھا یعنی جبرئیلؑ تشریف نہ لائے۔

محمدؐ غم و اندوہ میں ڈوب گئے ہر چند کہ خدیجہؓ دلجوئی فرماتیں اور ہر طرح سکون و آرام میسر لانے کی کوشش کرتیں مگر کوئی چارہ کارگر نہ ہوتا۔ بعض اوقات آپؐ کئی کئی دن اور کئی کئی راتیں غارِ حرا میں بسر فرماتے اور طویل انتظار کے بعد خستہ و ماندہ واپس گھر تشریف لاتے۔

ایک رات محمدؐ غم سے نڈھال غارِ حرا میں نیم خوابیدگی کی حالت میں تھے کہ وہی مانوس آواز گوشِ مبارک سے ٹکرائی

"اے محمدؐ آپؐ رسول اللہ ہیں اور میں جبریل ہوں۔"

Marfat.com

آپؐ اُٹھ کر بیٹھ گئے اور منتظر ہوئے کہ جبریلؑ اس کے بعد کچھ اور کہیں گے مگر کوئی آواز پھر نہ آئی۔ صبح جب آپؐ گھر تشریف لے گئے تو حضرت خدیجہؓ نے محسوس کیا کہ آج آپ قدرے مسرور ہیں۔ آپؐ نے فرمایا۔ گزشتہ شب میں نے جبرئیلؑ کی آواز سُنی وہ کہہ رہے تھے "اے محمدؐ آپؐ اللہ کے رسول ہیں اور میں جبریل ہُوں"۔ میں مسرور و مطمئن ہُوں کہ خداوند کی نظر سے گر نہیں گیا۔

اس کے بعد تین سال تک محمدؐ راتوں کو غارِ حرا میں تشریف لے جاتے رہے اور تمام وقت غور و فکر میں مشغول رہتے۔ دائماً خداوند کی طرف دھیان لگائے رکھتے۔ کبھی کبھی جبرئیلؑ کی آواز سُنائی دے جاتی "اے محمدؐ آپ رسول اللہ ہیں اور میں جبریلؑ ہوں۔ اس کے علاوہ جبرئیلؑ سے کچھ اور نہ سُنا گیا۔

اس مدت میں کوئی ایسی رات نہ تھی کہ محمدؐ کا دھیان خدا کی طرف نہ رہا ہو۔ وُہ نازل شدہ کلام کی تلاوت فرماتے رہتے۔ اس تین سالہ دَور کو "فترت" کا نام دیا گیا یعنی وہ دور جس میں نزولِ قرآن مؤقف ہُوا۔

مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ یہ وقفہ اس لئے آیا کہ محمدؐ رسالت کے فرائض کی انجام دہی کے لیئے خود کو تیار کریں۔ زیادہ سے زیادہ خدا کی طرف دھیان لگائیں تاکہ آپؐ کی رُوحانی توتیں رشد کو پہنچیں۔

Marfat.com

آغازِ رسالت

تین۳ سال بعد ایک رات جبرئیلؑ غارِ حرا میں تشریف لائے اور سورۃ "والضحیٰ" جو قرآنِ پاک کی اب ۹۳ سورۃ ہے آپؐ کے لیئے پڑھی۔

یہ سورۃ اگر بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ کو ایک آیت شمار کریں تو بارہ۱۲ آیتوں پر مشتمل ہے۔ سُورۃ "والضحیٰ" دوسری سورۃ ہے جو اس تین سالہ دَور میں نازل ہوئی۔

"فترت" کے متعلق محققین اسلام کی رائے مختلف ہیں:۔

بعض کہتے ہیں کہ دورۂ فترت چند روز یا زیادہ سے زیادہ دس۱۰ روز تھا۔ اور بعض نے دَورۂ فترت کو دس مہینہ قرار دیا ہے۔ ولیکن برخی، طبری، بیہقی و بخاری نے دورۂ فترت کو تین سالہ لکھا ہے۔

"فترت" کے دوران محمدؐ ایک نبی تھے اسی لئے مسلمین دورۂ فترت کو دورہ نبوّت شمار کرتے ہیں لیکن جب سورۃ "والضحیٰ" نازل ہوئی تو آپ کے دورۂ رسالت کا آغاز ہوُا۔

دَورِ نبوّت میں محمدؐ ایک پیغمبر تھے۔ سورۃ "والضحیٰ" نازل ہونے کے بعد "رسول اللہ" یعنی "نمائندۂ خدا" ہوُئے نبی یعنی وہ جو اطلاع و بشارت دیتا ہے اور رسول وہ ہوتا ہے جو قانون کتابت شدہ (یعنی لکھا ہوُا) نوعِ بشر کے لیئے لاتا ہے

مغرب کے دانشمند نبوت اور رسالت کے فرق کو نہیں سمجھتے تھے اور دونوں کو ایک ہی معنی و مطلب میں لیتے تھے۔ جب کہ اسلامی مفکّرین ان دونوں کے درمیان فرق بیان کرتے ہیں اور نبوّت کا دَور قبل از رسالت شمار کرتے ہیں جس میں کہ ایک شخص اطلاع و بشارت پر مامور ہوتا ہے مگر جب وہ خدا کا نوشتہ (قانون) لوگوں کو ابلاغ کرتا ہے تو وہ خدا کا فرستادہ یعنی رسولؐ کے درجہ پر مامور ہو جاتا ہے۔ سورۂ "والضحیٰ" کہ دورِ نبوت میں نازل ہوئی محمدؐ کے لیئے ایک خوشی و مسرت کا پیغام تھی۔ جس میں اللہ جلّ شانہٗ نے پیغمبرؐ کی نسبت محبت کا اظہار کیا ہے۔ خداوند کو محمدؐ کی سہ سالہ افسردگی کا علم تھا۔ آپؐ کے دل میں خدشات جگہ پکڑتے تھے۔ یعنی خداوند کی شاید مجھ پر توجّہ نہیں رہی۔ اس لیئے اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ میں بڑی محبت اور نوازش کا اظہار کیا ہے۔ پہلی آیت کہ بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ہے۔ اور دوسری "وَالضُّحٰی ۝۱ وَالَّيۡلِ اِذَا سَجٰی ۝۲" میں اللہ تعالیٰ نے پیغمبرؐ کے لیئے قسم کھائی۔ اس طرح کی قسم کھانا ماسوائے

ادبیات مذہبی (مصری باستانی ۔ ہندوستانی ویدوں) جو کہ چار یا پانچ ہزار سال قبل مسیح کی بات ہے ۔ اسلام سے پہلے اس کی مثال نہیں ملتی ۔ اس قسم کی قسمیں جو ہندوستان کی مذہبی کتابوں (ویدوں) میں پائی گئی ہیں ۔ سادگی، فصاحت اور زیبائی میں قرآنی قسموں سے کوئی مطابقت نہیں رکھتیں ۔

اس سورۃ میں خداوند نے محمدؐ کے لیئے دو چیزوں کی قسم کھائی ہے ایک طلوعِ خورشید کی اور دوسرے رات کی آمد آمد کی ۔

یہ دونوں قسمیں اپنے اندر بہت زیادہ لطافت رکھتی ہیں ۔ انسان آیات کو پڑھ کر ایسے محسوس کرتا ہے ۔ جیسے طلوعِ خورشید ایک طرح کی بہار ہے ۔ جس میں تمام گل کھلے ہوئے ہیں اور زمین سبزہ و گل سے پُر ہے ۔

سرزمینِ مغرب کا ایک قاری جو کہ عربی ادب کا ادراک نہیں کر سکتا ۔ "والضُّحیٰ" کا ترجمہ طلوعِ خورشید کرے گا جب کہ عربی زبان میں اس کے فقط یہی معنی نہیں ہے بلکہ معنائی مجازی بہت وسیع ہیں ۔

عربی زبان میں "والضُّحیٰ" کے معنی کچھ ایسے ہوں گے ۔ "قسم اس وقت کی جب آفتاب کی پہلی کرن اُفق میں ظاہر ہوتی ہے پھر آہستہ آہستہ پھیلتی چلی جاتی ہے اور ہر جگہ خورشید کے نور سے منور ہوتی چلی جاتی ہے ۔ تا اینکہ جہاں آفتاب کے نور سے اس طرح منور ہو جاتا ہے کہ آنکھیں خیرہ ہونے لگتی ہیں ۔

دوسری سوگند " واللیل اذا سجیٰ" پہلی سوگند کی طرح مجازی معنوں میں بہت وسیع ہے ۔ مفہوم جو عربی ذہن اس سے لیتا ہے ایک یورپی یا عجمی ذہن کبھی اس کا ادراک نہیں کر سکتا ۔ ایک عجمی یا یورپی ذہن اگر اس کا ترجمہ کرے گا تو وہ کہے گا " اس شب کی قسم جب کہ وہ سکون کے ساتھ طاری ہو جائے ۔" حالانکہ اس کے معنی یہ نہیں ہیں بلکہ

" قسم اس وقت کی جب تاریکی ہر سُو پھیل جاتی ہے اور جہاں میں ہر جگہ سکوت ہو جاتا ہے ۔ ایک مطلق سکوت کہ دُور کی ایک معمولی سی آواز بھی سنائی دے جاتی ہے ۔"

یہ ترجمہ بھی حقِ معنی ادا نہیں کر سکا ۔ جب ایک عرب اس کو پڑھتا ہے تو اس کی نگاہوں میں عرب کے بیابانوں کا رات کا منظر آموجود ہوتا ہے ۔ بیابان کو تاریکی نے گھیرے میں لے لیا ہے ۔ آسمان نے چھت کی طرح صحرا کو ڈھانپ لیا ہے اور سب سمتیں اُفق پہ جا کر ختم ہو گئی ہیں ۔ مگر افق روشن ہیں ۔ ستارے آسمان میں چمک رہے ہیں ۔ عرب کے بیابانوں میں آسمان کی پہنائیاں صاف اور شفاف ہوتی ہیں ۔ اسی مناسبت سے ستارے بہت زیادہ روشن نظر آتے ہیں ۔ وہاں انسان محسوس کرتا ہے کہ اگر وہ ہاتھ بڑھائے تو اس تاریک صحرا میں جھلمل کرتے آسمان سے ستاروں کو پکڑ لے گا ۔ ہوا میں کوئی حرکت نہیں ہوتی ۔ ہر طرف سکوت و ہو کا عالم ہوتا ہے ۔ ایسے میں ایک دُور کی آواز جب کانوں سے ٹکراتی ہے تو ایسے محسوس ہوتا ہے جیسے بہت ہی نزدیکی فاصلے سے سنائی دی ہو ۔ اس بیابان میں احساسِ تنہائی کچھ اس طرح بڑھ جاتا ہے جیسے ابتدا سے آج تک بجز اس کی ذات اور بیابان کے کوئی تیسری چیز وجود نہیں رکھتی ۔

یہ سب اور اس نوع کے دوسرے احساسات اگر بیان کروں تو ڈر ہے کہ قاری مجھے خیال پرور سمجھ لیگا ۔ "وَاللَّیلِ اِذَا سَجیٰ" کے معنوں کو صحیح طور پر ایک بدوی عرب کا ذہن ہی محسوس کر سکتا ہے ۔ دونوں قسموں کے جو معنی اوپر بیان کئے گئے

Marfat.com

ہیں۔ یہ فقط مطالب کی ابتدا تک رسائی ہے۔ نہ کہ اس کی فصاحت تک۔ ان قسموں کی فصاحت کا ادراک ایک عرب کر سکتا ہے یا پھر ایک عربی زبان کو جاننے والا۔

اس سورہ کی تیسری آیت میں خداوند نے محمدؐ سے فرمایا "مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى" اس کے بھی مجازی معنی پہلی آیت کے صوری معنوں کے مطابق ہیں۔

خداوند نے اس آیت میں محمدؐ کے اندیشوں کا جواب دیا ہے یعنی "تمہارے رب نے تم کو ہرگز نہیں چھوڑا اور نہ وہ ناراض ہوا (خدا نے تمہیں اپنی پہچان کروانے اور تمہیں اپنی دوستی کے لئے منتخب کرنے کے بعد ترک کر دیا ہے اور نہیں چاہتا کہ تمہیں دوست رکھے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ خداوند نے تمہیں ترک نہیں کیا۔ تم خداوند کے اسی طرح دوست ہو۔)

اس آیت میں خدا نے محمدؐ کی تشویش کو دور کیا اور انہیں آسودگی بخشی کہ وہ خدا سے دوستی کے بارے میں متردد نہ ہوں۔

اس سورۃ میں جو تنزیل کے لحاظ سے قرآن کی دوسری سورت ہے۔ خداوند "یتما" اور "فقراء" کی بابت توضیح کرتا ہے جب کہ خداوند جانتا ہے محمدؐ خود یتیم تھے۔ بچپن میں ماں باپ کے سایہ سے محروم رہے۔ بہت زیادہ رنج اٹھائے۔ لڑکپن میں پاؤں میں جوتا تک نہیں ہوتا تھا۔ تپتے ہوئے بیابانوں میں جو ریت اور کانٹے دار جھاڑیوں سے پُر ہوتے تھے۔ آپ پاؤں سے ننگے اور پیٹ سے بھوکے ہوتے تھے۔

اگر محمدؐ یتیموں اور فقیروں کی خبر گیری نہ کرتے ہوتے تو خداوند "فترت" کے تین سال بعد دوسری سورۃ میں جو اُن پر نازل ہوئی یہ توضیح نہ فرماتے کہ "یتیموں کے حال پر توجہ کیا کرو"۔ اسی سُورۃ کی دسویں آیت میں خداوند محمدؐ کی زبان سے (بالواسطہ) دوسروں کو کہہ رہے ہیں "وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ" اور سائل کو نہ جھڑکو (یعنی اگر سائل تم سے رجوع کرے تو ماتھے پر شکنیں نہ ڈال لو اور قہر و غصہ سے مت پیش آؤ)۔

آج کے اخلاقی اُصولوں کے تحت ہم گدائی کو ننگ گردانتے ہیں اور مانگنے والے کو معاشرہ کا ایک نالائق عضو سمجھتے ہیں۔ آج لوگوں کی یہ رائے ہوگئی ہے کہ جو شخص گدائی کرتا ہے وہ اس قدر نکما اور آرام طلب ہے کہ کام کی تلاش میں نہیں جاتا یا اس قدر کاہل ہو چکا ہے کہ کام کرنا ہی نہیں چاہتا اور کئی قسم کی اخلاقی برائیاں اس کے اندر جڑ پکڑ چکی ہیں۔

چودہ سو سال پیشتر عرب میں بھی گدائی باعثِ ننگ تھی اور کوئی شخص گدائی نہیں کیا کرتا تھا باوجودیکہ غربت بہت زیادہ تھی۔ گدائی کا وجود نہیں تھا لیکن ایسے مواقع آ ہی جایا کرتے تھے کہ دوسروں سے مدد کا خواستگار ہونا ہی پڑتا تھا۔

جب راہزن کسی مسافر کو بیابان میں لوٹ لیتے تو اُسے ناگزیراً کسی کے آگے دستِ سوال دراز کرنا ہی پڑتا تھا جب سیلاب کسی قریہ یا گاؤں کو تباہ و برباد کر دیتا تو اس بیچارگی کے عالم میں اس کے سوا کوئی راہ نہ ہوتی کہ دوسروں سے مدد کی درخواست کریں۔ اُن دنوں ایسے اداروں کا وجود بھی نہیں تھا جو ان آفت زدوں کو لباس و خوراک مہیا کریں۔

محمدؐ بعثت سے قبل بھی سائلوں کی مدد کیا کرتے اور کسی کو محروم نہ لوٹاتے تھے اور اگر کسی وقت مدد نہ کر سکتے تو سائل سے اس طرح پیش آتے کہ سائل خوش خوش بغیر کسی رنجش کے لوٹتے۔ آپؐ عادتاً خوش اور متبسم رہتے تھے۔ رسولؐ اللہ کو اس سورۃ میں تاکید کی گئی ہے کہ "سائل سے خوش اخلاقی سے پیش آؤ" محمدؐ نے رسالت کے آغاز میں ہی عربوں کو دعوت دی کہ خود

کو پہچانیں اور فقر و خرافات سے رستگاری حاصل کرنے کے لیئے اقدام کریں۔

منصب رسالت پر فائز ہونے کے بعد محمدؐ کی نظر رسیا ایک غیر جانب دار کے لیئے جالب توجہ ہے۔ محمدؐ کی رسالت صرف مذہب تک محدود نہیں تھی بلکہ اجتماعیت اور اقتصادیات تک وسیع تھی۔ سرزمین عرب میں چودہ سو سال پیش ان رسوم کی موجودگی ہیں جن کا مختصراً ذکر ہو چکا ہے۔ اجتماعیت اور اقتصادیات کو ایک نئی طرح دینا ایک فوق العادہ کام تھا جو محمدؐ نے بعثت رسالت کے ساتھ ہی اپنے ہاتھ میں لیا۔

اس حقیقت کو واضح کرنے کے لیئے کہ محمدؐ کی رسالت ایک مذہب ہی نہ تھی بلکہ یہ رسالت اجتماعی اور اقتصادی پہلو میں بھی ہمہ گیر تھی۔ قرآن پاک کی ۶۲۱۹ آیتوں میں متعدد بہ دلائل موجود ہیں۔ اگر میں یہ ذکر چھیڑوں تو اہل یورپ کے لیئے اکتاہٹ کا باعث ہوگا کیونکہ وہ مسلمانوں کی مانند قرآنی آیات سے آشنائی نہیں رکھتے۔

میں نے دو فرانسیسی دانشوروں سے جو کہ عربی زبان پر عبور رکھتے ہیں اور عربی کی تاریخ میں انہیں تخصص حاصل ہے، سنا کہ محمدؐ کو جو قوانین خداوند کی طرف سے ابلاغ ہوئے اُن کا فقط ایک ناشر تصوّر کرنا اشتباہ ہے۔ محمدؐ ایک بہت بڑے اجتماعی اور اقتصادی نظام سے متعلق قوانین کے ناشر مبلغ اور مذہبی پیشوا تھے۔ اور ہر نوع قوانین جو خداوند کی طرف سے آپؐ پر ابلاغ ہوتے کہ اُن کو تبلیغ کیا جاوے بتدریج نازل ہوتے تھے۔

عرب اس موضوع پر حیرت زدہ تھے اس لیئے کہ گزشتہ ادوار میں آسمانی قوانین ایک ہی مرتبہ نازل ہوا کرتے تھے نہ کہ بتدریج۔

محمدؐ کی بعثت سے قبل جو پیغمبر مامور ہوئے اپنے قوانین ایک ہی بار لائے لیکن وہ قوانین جو محمدؐ پر نازل ہوئے وہ ۶۱۰ء میلادی سے لیکر تا رحلت رسول اللہ یعنی پچیس ۲۵ سال تک مرحلہ وار نازل ہوتے رہے۔

قرآن پاک کے بتدریج نازل ہونے کی علت جیسا کہ قرآن کی پچیسویں سورۂ فرقان کی تینتیسویں آیت میں مذکور ہے۔ یہ تھی۔ محمدؐ یہ صلاحیت رکھتے تھے کہ آیات قرآنی کو (بطریقہ حفظ) محفوظ کریں۔ دوسرے یہ کہ آیات قرآنی ہر دور میں اُس کے تقاضوں کے مطابق جدید قوانین کی حامل ہوتی تھیں۔

محمدؐ سے پیشتر جن پیغمبروں پر کتابیں اتاری گئیں وہ ان پڑھ (اُمّی) نہیں تھے۔ لہٰذا آسمانی کتاب ایک ہی مرتبہ اُن پر نازل کی جاتی تھی۔

محمدؐ چونکہ (اُمّی) بھی تھے۔ اسی لحاظ سے اُن پر آیات بتدریج نازل ہوئیں تاکہ آپؐ ان تمام کو (بطریقہ حفظ) محفوظ رکھ سکیں۔

اجتماعی و اقتصادی پروگرام جو محمدؐ کی پیشوائی میں برپا ہوا۔ اس طرح حرکت میں آیا کہ ابھی آدھی صدی نہ گزرنے پائی تھی کہ دنیا کی تین بڑی شہنشاہیتیں (ایران، مصر، شام) اس پروگرام (اسلام) کے سامنے سرنگوں ہوگئیں۔ ان ممالک کے عوام مسلمان ہوگئے۔ دُنیا میں کوئی دین اس تیزی سے نہیں پھیلا۔ اگر محمدؐ کے قوانین بھی مذہب تک ہی محدود ہوتے تو اسلام بھی اس سرعت سے نہ پھیلتا۔

Marfat.com

اسلام کے اس سُرعت سے پھیلنے کی وجہ اس کا اجتماعی اور اقتصادی پروگرام ہی تھا۔ محمدؐ کے اجتماعی پروگرام کی اصل آج بھی زبان زدِ عام ہے یعنی "وحدتِ نوعِ بشر"

قرآن میں نوعِ بشر کو ایک ملتِ واحدہ کہا گیا ہے۔ اختلافات جو ملت ہائے جہاں کے مابین پیدا ہوتے ہیں۔ وُہ فقط ظلم، فساد اور بے انصافی کی پیداوار ہیں۔ خداوند نے قرآن کی سورۂ بقر کی آیۃ ۲۰۹ میں اس موضوع پر فرمایا:

"كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً .... الخ"

بلا تردید محمدؐ کا ایک بڑا مقصد دائرہ اسلام میں وحدتِ نوعِ بشر تھا۔ اسی لیئے خداوند نے آپؐ کے دین کی اساس ملتِ ابراہیمی پر رکھی۔

ابراہیم نہ یہودی تھے نہ مسیحی اور نہ ہی بُت پرست تھے بلکہ ایک مسلم تھے اور ایک خدا کی پرستش کرتے تھے یہی وجہ ہے کہ یہودی مسیحی دونوں ابراہیمؑ کو پیغمبر مانتے ہیں۔

محمدؐ نے اپنے دین کی اساس بھی اسی وجہ سے ملتِ ابراہیمؑ پر رکھی تاکہ یہودی وعیسائی قومیں اس دین کا خیرمقدم کریں یہی باعث ہُوا کہ جب آپؐ نے امورِ رسالت کی انجام دہی کا کام شروع کیا تو کسی مذہب (اہلِ کتاب) کی مخالفت نہ کی بلکہ انہیں دعوت دی کہ اسلام کو قبول کریں۔

پیغمبرِ اسلام کا نظریہ یہ تھا کہ یہودیوں اور عیسائیوں نے جو احکام موسیٰؑ اور عیسیٰؑ پر نازل ہوئے تھے اُن کی تحریف کر دی ہے۔ اب ان کی زندگی شریعتِ موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کے مطابق نہیں ہے۔ لہٰذا خدا نے اُن سے وہ سعادت واپس لے لی ہے اب وہ حلقۂ اسلام میں داخل ہو کر یہ سعادت دوبارہ حاصل کر سکتے ہیں۔

"اسلام" عربی زبان کا ایک خوبصورت لفظ ہے اور یہ قرآن پاک کے برجستہ اور قابلِ توجہ الفاظ میں سے ایک ہے روایت سے معلوم ہے کہ محمدؐ کی بعثت سے قبل "اسلام" کا صرف ایک بار ذکر آیا ہے اور وہ بھی جب ابراہیمؑ نے بیٹے کو خدا کی راہ میں قربان کرنے کا تہیّہ کیا۔ اور خداوند نے قربانی معاف فرما دی۔

روایت ہے کہ اس کے بعد خداوند نے کہا کہ "ابراہیمؑ اور اُن کا بیٹا (اسلما) ہوئے یعنی ارادۂ خداوندی پر راضی ہوئے۔ اور "اسلام" یعنی ارادۂ خداوندی کے آگے سرِ تسلیم خم کیا۔ اور "مسلم" یعنی خود کو ارادۂ خداوندی کے تحت قرار دیا۔

"قرآن" جیسا کہ کہا جا چکا ہے۔ عربی زبان کے خوبصورت ترین کلمات کا مجموعہ ہے۔ اسے فرقان بھی کہتے ہیں یعنی حصّہ حصّہ کر کے۔ پارہ پارہ کر کے۔ تھوڑا تھوڑا کر کے۔ قرآن پاک کو فرقان کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس کے تمام حصّے ایک بار نازل نہیں ہوئے بلکہ تھوڑے تھوڑے حسبِ ضرورت نازل ہوتے رہے۔

جیسا کہ معلوم ہے۔ عربی کلمات کا ایک حصّہ خارجی زبانوں پر مشتمل ہے اور وہ الفاظ ظہورِ اسلام سے کہیں پہلے عربی میں داخل ہوئے اور چونکہ مستعمل تھے لہٰذا قرآن میں بھی استعمال ہوئے۔ ان الفاظ میں سے ایک لفظ خود قرآن ہے۔

(قرأت) (قرآن) یہ دونوں الفاظ سُریانی زبان سے عربی میں وارد ہُوئے۔ قرآن یعنی قرأت یا کلام مقدس کو ازبر یا حفظ کرنا۔ اسی وجہ اور معنی کی بنا پر علم کلام کو قرآن نہیں کہا جا سکتا۔ ویسے بھی اب یہ نام (قرآن) مخصوص ہو گیا ہُوا ہے۔ اس کا اطلاق

اس مجموعہ کلام پر ہوتا ہے جو خداوند کی طرف سے محمدؐ پر نازل ہوا ۔ کسی دوسرے کلام کو قرآن نہیں کہا جا سکتا ۔ کچھ مسلمان دانشوروں کا یہ عقیدہ ہے کہ تیسری سورۃ جو محمدؐ پر نازل ہوئی وہ سورۃ "قیامت" ہے اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو ایک آیت شمار کیا جاوے تو اس کی چالیس آیتیں ہوتی ہیں ۔

محمدؐ پر جب کوئی سورت نازل ہوتی تو آپ جلدی جلدی پڑھا کرتے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کا کچھ حصہ فراموش ہو جائے ۔ اسی نسبت سورۃ قیامت کی سترھویں ۱۷ آیۃ میں فرمایا "لا تحرك به لسانك لتعجل به" یعنی اے میرے رسولؐ جب قرآن کو پڑھو تو زبان کو اس سُرعت سے حرکت مت دو ۔ یعنی قرآن کو جلدی جلدی مت پڑھو ۔

اٹھارہویں ۱۸ آیت میں فرمایا "ان علینا جمعه وقرآنه" یعنی ہم قرآن کو تمہارے ضمیر میں جمع کر دیں گے ۔ اور تمہارے لیئے اس کی تلاوت آسان کر دیں گے ۔

اسی طرح انیسویں ۱۹ آیت میں فرمایا "فاذا قرأناه فاتبع قرآنه" یعنی صبر کرو کہ ہم تمہارے لیئے آیاتِ قرآنی قرأت کریں ۔ ساتھ ساتھ تم بھی قرأت کرو اور مطمئن رہو کہ یہ تمہیں حفظ ہو جائیگا ۔

بیسویں ۲۰ آیت میں فرمایا "ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ" اور اگر حفظ کرنے کے بعد سمجھنے میں کوئی چیز دو چار اشکال ہوئیں تو ہم اس مشکل کو دور فرمائیں گے اور تمہارے لیئے توضیح کریں گے ۔

ان آیات کے نزول کے بعد محمدؐ قرآن کو پڑھنے میں جلدی نہیں فرماتے تھے بلکہ بڑی ملائمت کے ساتھ قرأت فرماتے تھے ۔

قرآن پاک مرحلہ وار پچیس ۲۵ سال میں نازل ہوا اور اگر دورہ (فترت) تین سال (بعض علماء کے مطابق چند دن یا چند مہینے) شمار کریں تو اس صورت میں نزول کی مدت اس سورۃ کے علاوہ جو غارِ حرا میں نازل ہوئی بائیس ۲۲ سال رہ جاتی ہے ۔

آج ہم اگر تاریخ اقوامِ عرب پر نگاہ ڈالیں تو پتہ چلتا ہے کہ اعرابِ بدوی اسلام سے قبل کیسی زندگی کے عادی تھے اور قرآن کے مرحلہ وار نزول کی وجہ بھی سمجھ میں آ جاتی ہے ۔

اس لیئے کہ اگر یہ ۶۲۱۹ آیات ایک ہی مرتبہ نازل ہو جاتیں تو اس دور کے افراد جو سادہ، ان پڑھ اور بے علم تھے چکرا کر رہ جاتے اور کچھ بھی نہ سمجھ سکتے ۔ حتیٰ کہ آج جب کہ بیسویں صدی عیسوی ہے لوگ تعلیم یافتہ ہیں ۔ اقوام کا عالمی سطح پر رابطہ ہے ۔ عالمی سطح پر لوگوں کی فکر چودہ سو ۱۴۰۰ سال والے پہلے دور سے بہت بلند ہو چکی ہے اگر ایک نئی حکومت وجود میں آئے تو وہ بھی ایک ہی مرتبہ تمام قوانین وضع نہیں کر سکتی ۔ کجا آج سے چودہ سو ۱۴۰۰ سال پہلے کا دور اور وہ بھی بدوی عربوں کا ۔ اگر قرآن ایک ہی مرتبہ نازل ہو جاتا تو اعراب بادیہ نشین جن کا ذہن و حافظہ اس کلام و قانون کے مطابق وسیع نہیں تھا کہ قرآن کے اثرات کو قبول نہ کرتا ۔ عقلی و طبیعی طریقہ نزولِ قرآن کا وہی ہو سکتا تھا جو اپنایا گیا یعنی مرحلہ وار نزول تاکہ بدوی عرب رفتہ رفتہ کلام و احکام خداوندی سے مانوس ہوتے اور قبول کرتے جائیں ۔

Marfat.com

(9) عبدالرحمن بن عوف رض

(10) سعد بن ابی وقاص رض

(11) عثمان بن عفان رض

(12) طلحہ بن عبیداللہ رض

سابقین

سب سے پہلے جو پیغمبرِ اسلام پر ایمان لائیں وُہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رض آپ کی زوجہ محترمہ تھیں۔ دُوسرے نمبر پر رسول مقبولؐ کے چچا زاد بھائی حضرت علیؑ بن ابی طالب تھے جن کو آپؐ بچوں کی طرح عزیز رکھتے تھے۔ تیسرے نمبر پر حضرت زیدؓ آپؐ کے آزاد کردہ غلام تھے جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں انہوں نے والدین پر حضرت محمدؐ کو ترجیح دی تھی۔

ان تینوں کے ایمان لانے کے بعد کوئی اور ایمان لانے پر آمادہ نہ ہُوا۔ ۶۱۰ء سے ۶۱۳ء یعنی تین سال تک قافلۂ اسلام محمدؐ کے علاوہ ان تین افراد پر مشتمل تھا۔

تیسرے سال حضرت ابوبکرؓ مسلمان ہوئے اور تعداد چار ہوگئی۔ محمدؐ ہر چند کوشش فرماتے کہ سائرین اسلام کو قبول کریں مگر ایسا نہ ہُوا۔ مکہ کے لوگ محمدؐ کے دین کو قبول نہیں کر رہے تھے لیکن مخالفت بھی نہیں کر رہے تھے۔ محمدؐ جب دعوتِ اسلام دیتے تو ساکنین مکہ دشمنی کا اظہار بھی نہیں کرتے تھے۔ اور نہ ہی بے اعتنائی برتتے تھے۔

وجہ یہ تھی کہ روایت کے مطابق ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر سرزمین عرب میں تشریف فرما ہوئے تھے (جن میں سے بہت بڑی تعداد کا ہمیں علم نہیں) صرف چند صد افراد کے ناموں سے ہم متعارف ہیں اور ان میں سے بھی کچھ ہی افراد کے حالات ہمیں معلوم ہیں۔ کئی پشتوں سے عرب اس بات سے مانوس تھے۔ لہٰذا عرب کے لوگ پشت ہا پشت سے دیکھتے سنتے چلے آئے تھے کہ افراد نبوت کا دعویٰ کرتے۔ انہیں تبلیغ کرتے دیکھنا اہل عرب کے لئے کوئی حیرت کا باعث نہیں ہوتا تھا۔ یہ اُن کیلئے ایک معمولی چیز تھی جس پر وُہ برانگیختہ نہیں ہوتے تھے۔

ابوبکرؓ کے مسلمان ہوتے کے بعد اُن کے ہاں لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام عائشہ رکھا گیا۔ یہ پہلی لڑکی تھی جو پیدائشی مسلمان تھی اور جس کا باپ مسلمان تھا۔ اُس وقت خداوند کی طرف سے بطوریکہ سورۃ "شعرا" کی آیت نمبر ۲۱۴ میں ذکر ہُوا ہے محمدؐ کو حکم دیا گیا کہ اپنے اقرباء کو دعوتِ اسلام دیں۔

"وَ اَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ (اپنے قریب ترین رشتہ داروں کو ڈراؤ)

روایت سے ثابت ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد آپؐ نے اپنے چچا زاد حضرت علیؑ بن ابی طالب کو حکم دیا کہ تمام چچاؤں اور اُن کے خاندان والوں کو دعوت دے آئیں کہ وہ ہمارے ہاں تشریف لائیں اور ہمارے ساتھ کھانا کھائیں

Marfat.com

اس روایت میں یہ بھی مذکور ہے کہ یہ دعوت آپؐ کے چچا ابوطالب، ابولہب اور اُن کے خاندان والوں نے قبول کی۔ سب دعوت میں آئے کھانا کھایا۔ کھانا تمام ہونے پر محمدؐ نے انہیں دینِ اسلام قبول کرنے کی دعوت دی لیکن کسی ایک نے بھی ان کی بات کی پذیرائی نہ کی۔ فقط علیؑ اپنی جگہ سے اُٹھے اور کہا کہ اے محمدؐ میں آپؐ کی دعوت قبول کرتا ہوں اور میں ایمان لاتا ہوں۔ اس روایت کے آخری حصّہ میں اختلاف پایا جاتا ہے نیز علیؑ بن ابی طالب اس ضیافت سے بہت پہلے ایمان لا چکے تھے۔ اختلافی روایت میں مذکور ہے کہ علیؑ دوسرے فرد تھے جو حضرت خدیجہؓ کے بعد ایمان لائے۔

تاریخ اور دُوسرے شواہد کے مطابق صحیح روایت ایسے ہوگی۔ "جب محمدؐ کو خداوند نے حکم فرمایا کہ اپنے عزیزوں کو دینِ اسلام کی دعوت دیں تو پیغمبرؐ نے اپنے عزیزوں کی رُوحانی اقدار کا پُوری طرح جائزہ لیا۔ سب سے پہلے چچا ابوطالب کا جائزہ لیا۔ وہ مرد درستکار اور شریف ہیں مگر وُہ اپنی کبرسنی کے پیشِ نظر اپنے اجداد کے مذہب کو ترک نہیں کریں گے۔ میرے جدید دین کو نہیں اپنائیں گے۔ ابوطالب کے بعد عبدالمطلب کی اولاد میں سرکردہ فرد ابولہب تھا جو ابوطالب کا بھائی تھا۔

ابولہب مکّہ کا ایک ثروتمند تاجر تھا۔ مذہب سے اسے کوئی دلچسپی تھی تو بس اس حد تک کہ اُس کی تجارت متاثر نہ ہو۔ باقی سب تاجرانِ قریش کا بھی ایسا ہی اندازِ فکر تھا۔ مذہب کو صرف اس لیئے عزیز رکھتے تھے کہ یہ تاجروں کی حمایت اور مفاد میں ہے۔ مذہب میں ایک یہ پابندی بھی تھی کہ سال میں چہار ماہ جنگ و لُوٹ مار حرام ہو جاتی تھی۔ تاکہ کاروانوں کی آزادانہ آمدورفت ہو سکے اور مکّہ کا سالانہ تجارتی میلہ خوب رونق پذیر ہو۔ محمدؐ کو جہاں یہ اُمید نہ تھی کہ چچا ابوطالب مسلمان ہونگے وہاں انہیں یہ بھی احساس تھا کہ ابولہب جدید مذہب کو بالکل قبول نہیں کرے گا۔

ابولہب کی بیوی جمیلہ (ابوسفیان) کی بہن تھی جو کہ مکّہ کا امیر ترین تاجر تھا وہ پڑھی لکھی اور توانگر بھی تھی۔ محمدؐ اور ابولہب کے درمیان چچا بھتیجے کے رشتہ کے علاوہ ایک اور قرابت بھی تھی وُہ یہ کہ ابولہب کے دو لڑکے محمدؐ کے داماد تھے۔

جمیلہ ابولہب کی بیوی شاعرہ بھی تھی اور شعر خُوب ترنّم سے پڑھا کرتی تھی اُسے ہجو کہنے میں ملکہ حاصل تھا۔

محمدؐ نے جب تبلیغ شروع کی تو جمیلہ آپؐ کی ہجو کہا کرتی تھی۔

ابولہب اور اُس کی بیوی اسلام نہیں لانا چاہتے تھے۔ وُہ عقیدتاً اس کے مخالف تھے اس لیئے کہ عبدالمطلب کا یہ بیٹا ہر چیز کو ایک تاجر کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ اُس کی دنیا بس خرید و فروخت اور سود پر روپیہ پیسہ قرض اٹھانے تک محدود تھی۔

عبدالمطلب کا تیسرا لڑکا حمزہ تھا۔ خداوند کے حکم کے مطابق اُس کو بھی دعوتِ حق دی جانی تھی۔ حمزہ پہلوان تھا اور پہلوانی کے علاوہ کسی چیز سے سروکار نہ تھا۔ پہلوانی کے مقابلوں کے علاوہ اور کسی طرف توجہ ہی نہ تھی۔ بلکہ پہلوانوں کے علاوہ دوسرے افراد کو تحقیر کی نظر سے دیکھتا تھا۔ ویسے وُہ سچا اور وعدہ کا پکا انسان تھا۔ محمدؐ سوچتے تھے یہ بھی مسلمان نہیں ہوگا کیونکہ مذہب سے وہ بے اعتنا تھا۔ عبدالمطلب کا چوتھا لڑکا عباس تھا جو پیشہ کے لحاظ سے ایک سود خور صراف تھا۔ مکہ مدینہ اور طائف کے تاجروں سے وُہ کاروبار کرتا تھا۔ عباس کی دُنیا میں دو طرح کے لوگ تھے ایک وہ جو سُود پر قرض لینے آتے تھے اور دُوسرے

Marfat.com

نہ جو قرض دے چکے ہوتے۔ اُس کی کوشش یہی ہوتی کہ زیادہ سے زیادہ سُود وصول کرے اور بغیر وثیقہ وضامن کے کسی کو قرض نہ دے۔

محمدؐ نے عبدالمطلب کے تمام فرزندوں کا جائزہ لیا تو اس نتیجہ پر پہنچے۔ ابوطالب بوڑھے اور ضعیف ہیں۔ ابولہب تاجر۔ حمزہ پہلوان اور عباس سود خور ہے۔ ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جو مذہب سے علاقہ رکھتا ہو۔ اُن کا مذہب سے تعلق بھی دُنیاوی منفعت تک محدود تھا۔

محمدؐ جانتے تھے کہ ان میں سے کوئی بھی کلام حق سُننے پر آمادہ نہیں ہوگا۔ مگر حکم خداوندی سے فرار ممکن نہ تھا۔ نیز خداوند نے فرمایا تھا۔ اپنے عزیزوں کو دین اسلام کی دعوت دو۔

محمدؐ دیکھ رہے تھے کہ اُن کی گرمیٔ نفس عزیزوں پر کوئی اثر نہیں چھوڑے گی۔ اسی وجہ سے بہت متفکر ہوئے یہاں تک کہ بیمار ہوگئے۔ نزدیکی عزیزوں کا جائزہ لینے کے بعد انہوں نے سوچا۔ کیا خوب ہو کہ میں دُوسرے عزیزوں کو دعوت دوں۔ دین حق کو قبول کریں نہ کریں مگر حکم خداوندی بہت واضح تھا۔ بالآخر آپؐ نے چالیسؓ افراد یعنی چاروں فرزندان عبدالمطلب اور اُن کے خاندان کے دُوسرے چھتیسؓ افراد کو اپنے گھر آنے اور کھانا کھانے کی دعوت دی۔ میزبانی کے فرائض حضرت علیؑ کو تفویض ہوئے۔ ویسے بھی رسول اللہؐ حضرت علیؑ کو اپنے بچوں کی طرح عزیز رکھتے تھے۔ دعوت کی رُوداد روایت میں اس طرح بیان کی گئی ہے "کہ حضرت علیؑ ابن ابی طالب کچھ کھانا لائے اور مہمانوں کے سامنے رکھ دیا اور کہا کہ اللہ کے نام سے شروع کیجئے"

جو کھانا حضرت علیؑ لائے وُہ بہت تھوڑا تھا لیکن مہمان ہر چند کھاتے وہ کم نہیں ہوتا تھا۔ حتیٰ کہ سب نے پیٹ بھر کر کھایا۔ پھر بھی تھوڑا سا کھانا بچ رہا۔ مہمان جب کھانے سے فارغ ہوئے تو محمدؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا پینے کے لیئے پانی بھی لائیں۔ حضرت علیؑ ایک پیالہ پانی کا لائے کہ بمشکل ایک فرد کے لیئے کافی ہوگا مگر تمام مہمانوں کے نوش کرنے کے بعد بھی پانی کی مقدار ویسی کی ویسی تھی۔ حاضرین بہت متعجب ہوئے۔ صرف ابولہب نے کہا کہ محمدؐ نے ہم پر جادُو کر دیا ہے۔

سب مہمان فوراً ہی دسترخوان سے اُٹھے اور چل دیئے۔ محمدؐ کو فرصت ہی نہ مل سکی کہ وُہ دین حق کی بات کرسکیں۔

دوسری روایت میں مذکور ہے کہ جب طعام کھایا جاچکا تو محمدؐ چاہتے تھے کہ بات شروع کریں کہ مدعوین اُٹھ کر چل دیئے اور محمدؐ کا مقصود جس کے لیے دعوت دی گئی تھی پورا نہ ہوسکا۔ بہرحال واقعہ روایتاً مذکور ہُوا ہے اُس کا میں بحوالہ روایت ہی ذکر کرتا ہوں۔ سرزمین مغرب کا مؤرخ جب کوئی واقعہ سُنتا ہے تو دلیل مانگتا ہے۔ کہ کیسے ممکن ہے کہ تھوڑا سا کھانا ہو اور سب کا پیٹ بھرنے کے بعد بھی ختم نہ ہُوا اور پانی پیئے جانے کے بعد بھی اتنی ہی مقدار میں بچ رہا۔

میں نے جو اس روایت کو نقل کیا ہے۔ علم تاریخ کی رُو سے اسے زیر بحث نہیں لاؤں گا صرف اتنا ہی عرض کروں گا کہ محمدؐ نے دین اسلام کی تبلیغ کے سلسلہ میں ایک ہی دعوت دی تھی اور وہ یہی ایک دعوت تھی۔ اس کے بعد وہ اپنے خاندان کے افراد کو کبھی اکٹھا نہ کرسکے۔ وجہ یہ تھی کہ وہ لوگ اس واقعہ کے بعد اُن سے دُور دُور رہنے لگے تھے اور جمیلہ ابولہب کی بیوی تو محمدؐ کی ہجو کہتی پھرتی تھی۔

محمدؐ نے سوچا کہ میں حکم خداوندی قرابت داروں کو نہیں پہنچا سکا۔ لہٰذا اب تمام مکّہ والوں کو کوہِ صفا پر جمع کردوں اور

Marfat.com

دعوت دینِ حق دوں۔

کوہِ صفا بھی جبل النور کی طرح مکہ کے اطراف میں ایک ٹیلہ ہے جسے اہلِ عرب کوہ یا پہاڑ کہتے ہیں۔ محمدؐ کا خیال تھا کہ جب تمام اہلِ مکہ کوہِ صفا پر جمع ہوں گے تو اُن میں یقیناً میرے عزیز و اقارب بھی ہوں گے۔ لہٰذا حکمِ خداوندی کے مطابق دعوت دین حق اُن تک بھی پہنچ جائے گی۔

اسی سوچ کی بنا پر اہلِ مکہ کو اطلاع دی گئی کہ ایک مقررہ دن کوہِ صفا پر جمع ہو جاویں۔ کہ وہ (محمدؐ) انہیں اہم معلومات بہم پہنچانا چاہتے ہیں۔ تمام لوگ جن میں عبدالمطلب کا خانوادہ بھی شامل تھا مقررہ دن کو کوہِ صفا پر جمع ہو گئے۔ محمدؐ ایک اونچی جگہ پر کھڑے ہوئے اور فرمایا۔ اگر میں تم سے کچھ کہوں تو کیا تم یقین کر لو گے؟

حاضرین نے جواب دیا: ہم تمہارے کہنے کو یقیناً حق جانیں گے۔ اس لیئے کہ تم ایک سچے آدمی ہو اور ہم نے آج تک تمہیں جھوٹ بولتے نہیں سُنا۔

اس کے بعد محمدؐ نے حاضرین سے فرمایا: خداوند نے مجھے رسالت کے لیئے منتخب فرمایا ہے اور میں خداوند کی طرف سے مامور کیا گیا ہوں اس بات پر کہ تمہیں دعوت دُوں کہ خداوند کے حکم کو مانو اور امرِ الٰہی کی اطاعت کرو۔ اگر تم نے اطاعت نہ کی تو تم پر عذاب نازل ہو گا۔

طبری نے لکھا ہے کہ محمدؐ ابھی اتنا ہی کہہ پائے تھے کہ ابولہب پکارا۔ اے محمدؐ! کیا تم نے صرف یہی کچھ کہنے کے لیئے ہمیں یہاں بُلایا ہے۔ تمہیں یہ خیال نہ ہوا کہ یہ باتیں اتنی وقعت نہیں رکھتیں کہ ہم اپنے کام چھوڑ کر یہاں جمع ہوں۔ پھر جمعیت کو مخاطب کر کے بولا۔ "اس (محمدؐ) کے کہنے پر کان نہ دھریں اپنے گھروں کو واپس جاؤ یہ (محمدؐ) تو عقل کھو بیٹھا ہے"۔ لوگ منتشر ہو گئے اور واپس چل دیئے۔ بجز دو نفر اُن میں سے ایک علیؓ ابن ابی طالب اور دُوسرا زید تھا۔ اس دن کے بعد پیغمبرِ اسلام کے خاندان والوں نے کہ یہ سب جزوِ قریش تھے شدید طعن و تمسخر شروع کر دیا۔ بالآخر قریش خصوصاً ابولہب اور اُس کی بیوی نے محسوس کیا کہ یہ زبانی حملہ یعنی طعن و تمسخر کا محمدؐ پر کوئی اثر نہیں ہو رہا۔ تو دُوسرے طریقوں سے انہیں آزار پہنچانی شروع کر دی۔ ابُولہب اور اُس کی بیوی محمدؐ کے گھر میں پتھر پھینکتے۔ کھڑکیاں کہ لکڑی کی ہوتیں پتھر لگنے سے ٹوٹ جاتیں۔ یہ دونوں بچوں کو پیسے دیتے کہ وُہ محمدؐ کے گھر پتھر پھینکیں۔ مردہ جانور اور گندگی اُٹھا لاتے اور محمدؐ کے گھر میں پھینک دیتے۔

جب محمدؐ گھر سے باہر تشریف لاتے تو بچے ابولہب اور جمیلہ کی شہ پر اُنہیں پتھر مارتے۔ عموماً اس سنگ زنی سے آپکا چہرہ اور سر زخمی ہو جاتے۔ آپؐ اپنے دامن سے خون صاف فرماتے اور جب آپؐ واپس گھر تشریف لاتے تو حضرت خدیجہؓ عرض کرتیں۔ آج آپ نے بہت تکلیف اُٹھائی تو آپؐ جواباً فرماتے: "جب انسان کو اُس کا نصب العین معلوم ہو تو اُسے درد اور تکلیف کا احساس نہیں ہوتا"۔ جمیلہ جیسا کہ کہا جا چکا ہے۔ محمدؐ کے راستہ میں کانٹے بچھا دیا کرتی تھی تا کہ آپؐ کے پاؤں زخمی ہوں۔ آپؐ جب گھر واپس آ کر پاؤں سے کانٹے نکالتے تو زخموں سے خُون جاری ہو جاتا۔

ان لوگوں نے آپؐ کو اس قدر اذیّت پہنچائی کہ ایک دن آپؐ پکار اُٹھے "خداوندا تو جانتا ہے کہ یہ وہ لوگ نہیں جو تیرے دین کو قبول کریں"۔ اس حرفِ شکایت کے بعد جبرئیلؑ تشریف لائے اور آپؐ کے لیئے چند آیات پڑھیں جو کہ اب

قرآن کی پندرھویں سورۃ "حجر" میں شامل ہیں۔ اس سورۃ کی چورانویں[94] آیت یہ ہے:۔
"فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ" یعنی "پس اے نبیؐ، جس چیز کا تمہیں حکم دیا جا رہا ہے اُسے بانگِ پکارے کہہ دو اور شرک کرنے والوں کی ذرا پرواہ نہ کرو"۔ اسی سورت کی آیت پچانوے[95] میں فرمایا:
"اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ" یعنی تمہاری طرف سے ہم ان مذاق اڑانے والوں کی خبر لینے کے لیئے کافی ہیں"۔
مقصد یہ ہے کہ محمدؐ ان کا معاملہ خدا کے سپُرد کر دیں خدا خود انہیں سزا دے گا۔
اسی سُورۃ کی آیت ۹۷ میں خداوند نے فرمایا۔ "وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ۔ یعنی "ہمیں معلوم ہے کہ جو باتیں یہ لوگ تم پر بناتے ہیں اُن سے تمہارے دل کو سخت کوفت ہوتی ہے"۔
خداوند سورۃ "حجر" کی آخری آیۃ میں نتیجۃً فرماتے ہیں:
وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ" یعنی اور اُس آخری گھڑی تک اپنے رب کی بندگی کرتے رہو جس کا آنا یقینی ہے"۔
اس آیت میں خداوند اپنے پیغمبر کو حکم دیتا ہے کہ تمام آزار و تکلیفات کے باوجود جو تمہیں پیش آ رہی ہیں رسالت کے کام کو آخری دم تک نبھاؤ۔
ان آیات جنمیں بعض میں خداوند نے محمدؐ کی دلداری فرمائی اور بعض میں کہا ہے ایسا نہ ہونے دینا کہ مشرکین فوقیت حاصل کریں۔ محمدؐ کو تشفی حاصل ہُوئی۔ اور اس کے بعد آپؐ نے غیر معمولی ثابت قدمی دکھائی اور لوگوں کی ایذارسانی کے مقابلہ میں زیادہ صبر و تحمل سے کام لیا۔
ایک روز محمدؐ اور خدیجہؓ دونوں گھر پر ہی تھے کیا دیکھتے ہیں کہ دونوں بیٹیاں جو ابولہب کے بیٹوں سے بیاہی گئی تھیں اپنے سامان کے ہمراہ آگئیں اور والدین سے کہا کہ ہمارے شوہروں نے ہمیں طلاق دے دی ہے اور کہا ہے کہ باپ کے گھر واپس چلی جاؤ۔
خدیجہؓ نے پُوچھا کہ تمہیں کیوں طلاق دی گئی ہے؟
لڑکیوں نے کہا کہ ہمارے شوہروں نے ابولہب اور جمیلہ کے کہنے پر ہمیں طلاق دی ہے انہوں نے اپنے لڑکوں سے کہا تھا۔ یہ کوئی شائستہ بات نہیں ہے کہ تمہاری بیویاں محمدؐ کی بیٹیاں ہوں جس سے اس وقت سارا مکہ نفرت کرتا ہے اور اس طرح کے گھرانے سے رشتہ داری باعثِ ننگ ہے۔ خدیجہؓ اس واقعہ سے بہت متاثر ہوئیں لیکن محمدؐ نے ان کی دلجوئی فرمائی۔
محمدؐ ایک بدوی عرب تھے اور تمام بدوی عربوں کی طرح متعصب سمجھے جاتے تھے۔ بدوی عرب ایک یوروپین نہیں کہ IDEOLOGY کا محتاج ہو۔ یورپ کے لوگ یونان، رُوم سے تمدنی رشتہ کے باعث IDEOLOGY کی عادت میں مبتلا ہیں ایک یوروپین کے ذہن میں ممکن ہے کئی افکار سما سکیں مگر ایک بدوی عرب کے ذہن میں بیک وقت کئی افکار جگہ نہیں پکڑ سکتے۔ بدوی عرب مصلحت پرست یوروپین کی طرح افکار ہائے گوناگوں کے پیچھے نہیں دوڑتا اور جب اُس کے ذہن میں ایک عقیدہ جاگزین ہو جائے تو پھر اُس کے ذہن سے اُس عقیدہ کا نکلنا محال ہے۔ الّا یہ کہ کوئی قوی تر اور مؤثر تر عقیدہ سامنے لایا

Marfat.com

جا وے۔

یہ موضوع عربستان میں اس حد تک صادق ہے کہ آج بھی ایک بدو عرب عربستان میں جہاں اس وقت تیل کے پائپ جزیرۃ العرب کے وسط سے گزر رہے ہیں اور عربستان کے آسمانوں سے روز و شب ہوائی جہازوں کی آوازیں آتی ہیں۔ IDEOLOGY کا مطیع و تابع نہیں ہے۔

آج بھی ایک دو یا تین سے زیادہ افکار ایک بدو عرب کے ذہن میں نہیں آتے لیکن جب بھی کوئی فکر اس کے ذہن میں جگہ پکڑ جائے اور اس فکر سے اگر ایک عقیدہ وجود میں آجاوے تو محال ہے کہ وہ اس عقیدہ کو چھوڑ دے۔

ایک عرب شاعر (شنفرہ) گزرا ہے۔ اس کا ایک واقعہ بیان کرتا ہوں جس سے بدوی عربوں کے تعصب یا عقیدہ کی پختگی کا تعین ہو جائے گا۔ یہ شاعر صرف اپنے دور کا ہی معروف شاعر نہ تھا بلکہ آج بھی اس کا کلام بدوی عربوں کی زبان پر ہے اور وہ اس کو خوب پہچانتے ہیں۔

"شنفرہ" ریگزاروں میں آوارہ پھرا کرتا تھا۔ ایک روز قبیلہ بنی سلیمان کے ایک فرد نے اس کی توہین کی۔ قبائلی قانون کے مطابق اس نے قبیلہ بنی سلیمان سے انتقام لینے کی ٹھان لی۔ اس لیئے کہ قبائلی قانون میں فرد انفرادی حیثیت میں قابل گرفت نہیں ہوا کرتا تھا بلکہ اس کا قبیلہ جوابدہ اور موردِ الزام سمجھا جاتا تھا۔ شنفرہ نے خود سے عہد کیا کہ وہ اپنی توہین کے عوض قبیلہ بنی سلیمان کے ایک صد افراد کو قتل کرے گا۔

عہد کر لینے کے بعد شنفرہ نے اپنے قبیلہ کو خیرباد کہہ دیا۔ تیر و کمان لے کر بنی سلیمان کے افراد کی گھات میں رہنے لگا۔ بالآخر پندرہ سال کی مسلسل جد و جہد کے بعد وہ قبیلہ بنی سلیمان کے ننانوے (۹۹) افراد قتل کرنے میں کامیاب ہو گیا لیکن ایک دن جب کہ وہ ایک کنوئیں سے پانی نکال رہا تھا۔ کچھ رہزنوں نے حملہ کر کے اسے قتل کر دیا۔ اس کی لاش درندوں اور پرندوں کی خوراک بنی۔ فقط ہڈیاں باقی رہ گئیں اور وہ بھی منتشر حالت میں۔ کھوپڑی کنوئیں کے نزدیک ہی پڑی رہ گئی۔ آخر ایک دن قبیلہ بنی سلیمان کے کچھ افراد سفر کرتے ہوئے اس کنوئیں پر پہنچے اور کنوئیں سے پانی نکالنے لگے۔ اس وقت تیز ہوا چل رہی تھی۔ ہوا نے کھوپڑی کو اٹھا کر ایک فرد کے پاؤں پر پٹخ دیا۔ جس سے اس کا پاؤں زخمی ہو گیا۔ علاج و معالجہ اور عمل جراحی کے باوجود اس شخص کی موت اسی زخم کے باعث ہوئی۔ اس ترتیب سے "شنفرہ" نے اپنی قسم بعد از مرگ بھی پوری کر دی اور اپنی کھوپڑی کی ہڈی سے قبیلہ بنی سلیمان کے ایک فرد کو زخمی کر کے کشتگان کی تعداد ایک سو تک پوری کر دی۔ ظاہر ہے کہ اس سرگزشت کا آخری حصہ ایک روایت ہے اور ایک مؤرخ کے لیئے کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ ہمارا اس ذکر سے مقصد بدوی عرب کے تعصب اور پختگی کو ظاہر کرنا تھا جو نسل در نسل منتقل ہوتا چلا جاتا ہے۔

محمدؐ ایک عرب تھے اور دوسرے تمام بدوی عربوں کی طرح اپنے عقیدہ پر محکم تھے۔ لہٰذا عقیدہ کے رد کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

خداوند نے انہیں جب پیغمبری پر مبعوث فرمایا تو خداوند اور دین جدید پر آپ کا عقیدہ پختہ ہو چکا تھا۔ لہٰذا عزیزوں کی ایذا رسانیوں کے باوجود وہ کسی جگہ سے بھی پسپا نہیں ہوئے بلکہ اس کے برعکس ان کا یہ عقیدہ کہ اس دین کو عربوں

میں رواج دین مزید محکم و قوی تر ہوتا چلا گیا۔

جب محمدؐ کو پیغمبرِ خدا ہونے کا یقین ہو گیا تو وُہ اور زیادہ مکلّف ہو گئے کہ خداوند کے دین جدید کو اہلِ عرب میں رواج دیں اور اس فرض کی انجام دہی میں اگر انہیں اپنی جان بھی خطرہ میں نظر آتی تب بھی وہ تبلیغ کا کام چھوڑنے والے نہیں تھے

بعثت کے چوتھے سال تک محمدؐ کے خاندان اور دُوسرے قبائل کے افراد کی ایذارسانی انتہا کو پہنچ چکی تھی۔ جو ہم بیان کر چکے ہیں لیکن اس سال کے بعد انہوں نے محمدؐ کو قتل کر دینے کا ارادہ کیا۔ محمدؐ چونکہ کھلے بندوں تبلیغ کا آغاز کر چکے تھے۔ اپنے عزیزوں سمیت تمام قریشی قبائل سے فرمایا کرتے کہ تم اِن جُدا جُدا خداؤں (جو تم نے اپنے ہاتھوں سے تراشے یا بنائے ہیں) کی پرستش کرنا چھوڑ دو اور خدائے یگانہ کی پرستش کرو۔ وہ عزیز اور قبیلہ قریش کے دُوسرے افراد اُن سے پُوچھتے کیا ہم تیرے کہنے پر اپنے آباء و اجداد کے خداؤں کو چھوڑ پرے کریں۔

محمدؐ فرماتے "ہاں" ایسا ہی کرو۔ اور کہو "لا اِلٰہ اِلّا اللہ" تاکہ تمہاری بخشش ہو۔

یہی موقع تھا کہ قریش کا قہر و غضب اپنی انتہا کو پہنچ گیا اور انہوں نے محمدؐ کو قتل کر دینے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ محمدؐ کی عادت تھی کہ آپؐ دن کو گھر سے کعبہ تشریف لے جاتے اور وہاں خداوند کی یاد میں مشغول ہو جاتے۔

قریش کو آپؐ کی عادات کا علم تھا اس لیئے قریش نے اُن کے کعبہ میں داخلے پر پابندی لگا دی کہ وہ بیت اللہ میں قدم نہیں رکھ سکتے۔

"بیت" کے معنی خانہ یعنی گھر کے ہیں لیکن مکہ میں اس سے مُراد خدا کا گھر یعنی کعبہ ہے۔ محمدؐ نے ان کی پابندی کے جواب میں فرمایا کہ کعبہ تو خدا کا گھر ہے اور خدا کے گھر جانے کے لیئے مجھے تمہاری اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔

ایک دن آپؐ خانہ کعبہ میں دو زانو بیٹھے حمد و ثنا میں مشغول تھے کہ ابوجہل جو کہ قبیلہ قریش میں سے تھا اپنے خاندان کے کچھ دُوسرے افراد کے ساتھ ایک اُونٹ کی اوجھڑی اٹھائے ہوئے آیا۔ اوجھڑی خون اور گندگی سے پُر تھی۔ عربوں میں محکوموں کو پھانسی دینے کے کئی ایک طریقے مروّج تھے۔ اُن میں ایک یہ تھا کہ خُون اور گندگی سے پُر اُونٹ کی اوجھری محکوم کے سر پر اس طرح رکھتے تھے کہ محکوم کا سر اور چہرہ اوجھڑی کے اندر چلا جاتا۔ جب اوجھڑی تھیلے کی طرح گردن تک چڑھ جاتی تو اُسے نیچے سے باندھ دیتے تھے۔ نتیجتہً ناک اور مُنہ اوجھڑی کے اندر بند ہو جاتا اور آدمی سانس گھٹنے سے مر جاتا۔ اُس روز ابوجہل اور اس کے ساتھی آپؐ کو بھی اسی طریقہ سے قتل کرنا چاہتے تھے۔ ابوجہل اور اُس کے ساتھی جب خانہ کعبہ میں داخل ہوئے تو محمدؐ کو خبر نہ ہوئی اس لیئے کہ وہ سب آہستہ آہستہ حرکت کر رہے تھے کہ اُن کے پاؤں کی آواز سنی نہ جا سکے۔ ابوجہل نے بے خبری میں اوجھڑی آپؐ کے سر پر اس طرح رکھی کہ آپؐ کا سر اور چہرہ اُس کے اندر چلے گئے اور وہ ایک تھیلے کی طرح آپ کے سر اور چہرہ کے اردگرد چڑھا دی گئی۔ پھر ابوجہل نے اوجھڑی کا منہ بوری کی طرح آپؐ کی گردن کے اردگرد باندھ دیا۔ یہ عمل انہوں نے بڑی سُرعت سے انجام دیا۔ محمدؐ نے جب محسوس کیا کہ اوجھڑی ان کے سر پر ڈال کر باندھ دی گئی ہے تو وہ اٹھے کوشش کی لیکن خود کو نجات نہ دلا سکے۔

اُس وقت جو لوگ خانہ کعبہ میں موجود تھے۔ سمجھ گئے کہ اب محمدؐ تھوڑی دیر کے مہمان ہیں اور ان کی رہائی کی کوشش اور انکا

تڑپنا دیکھتے رہے۔

محمدؐ کا تڑپنا اُن سے دیکھا نہ جاتا تھا وُہ چاہتے تھے کہ اس تھیلا نما اوجھڑی کو آپؐ کی گردن سے اُتار دیں مگر ابوجہل وہیں کھڑا تھا اور وُہ اُس سے خوف کھاتے تھے کہ اگر محمدؐ کو نجات دلائی تو ابوجہل دشمن ہو جائیگا۔ لہٰذا آپؐ کی رہائی کے لیے کسی نے کوئی اقدام نہ کیا۔

ایک عورت جو کہ قبیلہ قریش سے تھی یہ سب نہ دیکھ سکی اور دوڑتی ہوئی محمدؐ کے گھر گئی اور آپؐ کی بیٹی رقیہ سے کہا جلدی خانہ کعبہ میں اپنے باپ کے پاس پہنچو اور اُسے رہائی دلواؤ۔ اگر دیر کی تو اُسے زندہ نہ پاؤ گی

رقیہ روتی ہوئی خانہ کعبہ پہنچی۔

ابوجہل اور دُوسرے قریشی افراد نے جب رقیہ کو دیکھا تو پیچھے ہٹ گئے اور اُس نے اوجھڑی کھول کر گردن سے اتاری۔ آپؐ کی صورت پر موجود گندگی کو اپنے کُرتہ کے دامن سے صاف کیا۔ تو وُہ سانس لے سکے۔

آپؐ تقریباً ایک گھنٹہ بے حس و حرکت پڑے رہے پھر رقیہ آپؐ کو بازوؤں کا سہارا دے کر آہستہ آہستہ گھر کی طرف چل دی۔ گھر پہنچ کر رقیہ نے آپؐ کا سر دھلایا۔ کپڑے بدلوائے اور خون آلود کپڑوں کو دھو کر دھوپ میں سوکھنے کے لیے ڈال دیا۔

دوسرے روز حسب معمول بغیر کسی خوف کے آپؐ خانہ کعبہ تشریف لے گئے اور حمدِ باری تعالیٰ میں مشغول ہو گئے۔

محمدؐ ایک عرب تھے باارادہ، بااستقامت اور پُر از یقین۔ یہ ممکن ہی نہ تھا کہ دشمنوں کی تہدید انہیں اپنی راہ سے ہٹائے لیکن مخالفین بھی بدو عرب تھے اپنے عقیدہ پر محکم۔ دُوسرے روز جب انہوں نے محمدؐ کو پھر خانہ کعبہ میں موجود پایا تو دوبارہ اُن کے قتل کا قصد کیا۔

اُس دن ایک مرد جس کا نام عقبہ تھا ہاتھ میں ایک چادر (ردا) لیے ہوئے اس طرح ننگے پاؤں خانہ کعبہ میں داخل ہوا (ایک تو وُہ ننگے پاؤں تھا اور دُوسرے وہ قدم پھونک پھونک کر اُٹھا رہا تھا) کہ محمدؐ متوجہ نہ ہونے پائیں۔

محمدؐ حمدِ باری تعالیٰ میں کچھ اس طرح مشغول تھے کہ اطراف سے بالکل غافل حتیٰ کہ عقبہ کے نزدیک آنے کی آواز بھی نہ سُن سکے۔

جب آپؐ سجدہ میں تھے تو عقبہ نے آپؐ کے سر پر چادر ڈال کر آپ کو مکوں سے مارنا شروع کر دیا۔ محمدؐ کو ضربات شدید آئیں۔ اُن کے ناک اور مُنہ خون آلود ہو گئے۔ عقبہ کی کوشش تھی کہ محمدؐ کو مُکوں کی ضربوں سے بے حال کر دے۔ اور جب وہ سجدہ سے سر اٹھائیں تو اُن کا گلا دبا دے۔

لیکن وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوا اور محمدؐ خود کو اُس کی گرفت سے آزاد کرانے میں کامیاب ہو گئے اور دُوسری مرتبہ خُون آلود چہرہ لیئے آپ گھر آئے مگر زبان پر شکوہ تھا نہ شکایت۔

نیز آپؐ خود فرمایا کرتے تھے۔ انسان اُس وقت رنجور ہوتا ہے جب اُسے معلوم ہی نہ ہو کہ یہ سب کچھ اُس کے ساتھ کیوں بیت رہی ہے۔ لیکن جب انسان کو معلوم ہو کہ وہ یہ سب تکلیفات، مشکلات کس لیئے برداشت کر رہا ہے تو پھر وُہ حرف شکایت زبان پر نہیں لاتا۔

Marfat.com

یورپ کے لوگ جب ان سطور کو پڑھیں گے تو ممکن ہے سوال کریں اور کہیں کہ یہ نہیں مانا جا سکتا کہ ابوجہل محمدؐ کو مار ڈالنا چاہتا تھا اور قریش کے کئی لوگ تماشا کرتے رہے۔ جب یہ ظاہر تھا کہ تھوڑی سی تاخیر آپؐ کو موت سے ہمکنار کر سکتی تھی۔ لیکن کسی نے آپؐ کو نجات دلانے کی کوشش نہ کی ہو؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ واقعہ اُس دور میں پیش آیا حالانکہ آج بیسویں صدی میں بھی عربستان میں ایسے واقعات دیکھے جا سکتے ہیں کہ کسی کو رحم نہیں آتا۔

میں نے اپنی آنکھوں سے یمن میں دیکھا کہ ایک سارق کے ہاتھ کاٹے گئے اور دُوسری بار ایک راہزن کی گردن ماری گئی بغیر اس کے کہ تماشائیوں (جن میں مرد عورتیں بچے سبھی شامل تھے) کے چہروں پر ذرا سا بھی رحم کا جذبہ نظر آئے۔

ویسے بھی عرب خصوصاً بدوی عرب رحم کی وہ تعریف نہیں کرتے جو یورپی لوگ جانتے ہیں۔

Marfat.com

عربوں کی عادات و روایات

جاہلیت کے دور یعنی قبل از ظہور اسلام کی رُسوم و آداب کا ایک حصہ اسلام کے بعد بھی (البتہ عربستان میں) باقی ہے ابھی تک کئی ایک رسوم مثلاً مہمان نوازی (صرف بیابانوں میں شہروں میں نہیں) باقی ہے۔ بدوی عرب کا قانون اساسی ایک ہی کلمہ سے تشکیل پاتا تھا اور وُہ کلمہ تھا "مروّت"۔

مروّت جامع معنی کا حامل ہے لیکن عرب اُس سے صرف تین مفہوم لیتے تھے:

اوّل: مہمان نوازی۔

دوم: مظلوم کو پناہ دینا۔

سوم: اپنے قبیلہ کے قوانین کا احترام و رعایت۔

مروّت کی اِن معنوی مشکلات سے بدو عرب کو دوسروں کی نسبت زیادہ سامنا رہتا تھا۔ اپنی ذات میں اُس کے لیئے ضروری تھا کہ وہ دلیر ہو۔ جنگ میں پسپائی اختیار نہ کرے۔ دشمن کو پیٹھ نہ دکھائے اور اس حد تک ثابت قدم ہو کہ یا تو قتل ہو جائے یا فتح حاصل کرے۔

رحم کا مفہوم جو دوسری قوموں میں لیا جاتا ہے وُہ عربوں میں نہیں۔ اسی پیرایہ میں جب کوئی چوری کرتا تو اس کا ہاتھ کاٹ دیتے اور اس "بے رحمی" پر (یورپی اقوام کی طرح) کسی شخص کا دل نہیں دُکھتا تھا۔

بدوی عربوں کے قانون اساسی میں "مروّت" رحم ناآشنا تھی۔ لیکن کسی مظلوم کو پناہ دینا عربوں کے قانونِ اساسی کا ایک رُکن تھا اور دُوسرا رُکن قبیلہ کے قانون کا احترام کرنا۔

وہ لوگ جو خانہ کعبہ میں موجود تھے اور محمدؐ کے تڑپنے کا منظر دیکھ رہے تھے اُن کو مظلوم نہیں سمجھتے تھے اور ان میں سے کچھ شاید انہیں واقعی واجب القتل سمجھتے تھے۔ اس لیئے کہ آپؐ بدوی عربوں کے قانون اساسی کے ایک رُکن کی مذہبیہ مخالفت کر رہے تھے۔

بدوی عرب مہمان نواز تھا اور مظلوم کو پناہ بھی دیتا تھا۔ مگر اس فعل میں رحم کا دخل نہیں ہوتا تھا بلکہ اسے جوانمردی کی صفت سمجھا جاتا تھا۔

Marfat.com

عربستان کے گرم بیابانوں میں ایک عرب قُوت لا یموت حاصل کرنے کے لئے اس قدر رنج و زحمت برداشت کرتا کہ اُس کو اپنے قلب میں رحم کو جگہ دینے کے لیئے فرصت ہی نہ ہوتی تھی۔
آج بھی سرزمین عرب کے اُن نقاط پر جہاں تیل نے اُن لوگوں کی زندگی کو بدل نہیں دیا۔ یہی وضع دیکھنے میں آتی ہے۔

قوموں کی عادات وخصائل ان کے ملک کی آب و ہوا اور جغرافیائی وضع کے تابع ہوتی ہیں۔ (ارنسٹ رنان) ایک فرانسیسی دانشمند نے جو تحقیقات دورۂ جاہلیت کے تمدّن پر کی ہے۔ واقعتاً توجہ طلب ہے۔ وہ جو" مروّت" عربوں میں دیکھتا ہے اُسے جزیرۃ العرب کے جغرافیائی حالات کا نتیجہ گردانتا ہے۔ عرب کے جلتے ریگستانوں میں جب کوئی بھوکا پیاسا مسافر کسی بدوعرب کے خیمہ میں پہنچتا ہے تو اگر وُہ اس کی مہمان نوازی نہ کرے تو وُہ مسافر بھوک اور پیاس سے چل بسے گا۔
اسی طرح اگر ایک مسافر راہزنوں سے بچکر ایک بدوعرب کے خیمے میں پہنچے اور صاحب خیمہ اُس کی حمایت اور مدد پر آمادہ نہ ہو تو اس کی موت یقینی ہو جاتی ہے۔" طرد" کیئے جانے کی بھی پہلے تشریح کی جاچکی ہے۔ اس پر مزید کہنے کی یہاں گنجائش نہیں۔ ہر گاہ ایک بدوعرب کو اس کا قبیلہ "طرد" کرتا تو یہ ایسے ہوتا جیسے اُس کی فنا کا حکم صادر کر دیا گیا ہو۔
مجھے (ارنسٹ رنان) کے نظریہ سے خصوصاً ایک نقطہ پر اختلاف ہے وُہ یہ کہ جزیرۃ العرب کا تمدّن اس کی آب و ہوا اور جغرافیائی وضع کی وجہ سے وجود پذیر ہوا۔ جس نقطہ سے مجھے اختلاف ہے یعنی جوانمردی اور سخاوت کا کوئی ربط آب و ہوا اور بیابانوں سے نہیں ہے۔ حالانکہ اُن مناطق میں جہاں تحصیل معاش مشکل ہے (مثلاً یورپ کا کوہستانی منطقہ) وہاں کے باشندے بہت زیادہ کنجوس ہوتے ہیں اور بعض اوقات تو انتہا کر دیتے ہیں کہ بن بلائے اور ناآشنا مہمان کو پانی تک نہیں پوچھتے۔
اس کے برعکس عرب کے ریگ زاروں میں جہاں تحصیلِ معاش مشکل تر ہے بعض اوقات اپنا ایک ہی اونٹ جو کہ تنہا وسیلہ معاش ہوتا ذبح کر دیتے اور گوشت مہمانوں کو کھلا دیتے ہیں تاکہ وُہ بھُوکے نہ رہیں۔
(ارنسٹ رنان) اپنی کتاب" بدوی تمدّن" میں لکھتا ہے کہ دُنیا کی تمدنی تاریخ میں بدوی عربوں کی وضع زندگی ایک قابلِ تحسین مثال کی حیثیت رکھتی ہے۔ اور کہا جاسکتا ہے کہ اس سے بہتر تمدّن کا وُجود اُس دور میں ناپید تھا۔ جوانمردی اور سخاوت (از راہ مہمان نوازی) میں وہ بڑے ثابت قدم اور اُونچے مقام کے مالک تھے لیکن اس کی وجہ رحم اور خونریزی سے نفرت نہیں تھی۔ ایک بدوی عرب کی نظر میں گردن مارنا۔ ہاتھ کاٹنا ایک عادی فعل تھا لیکن مظلوم کی داد رسی اور حمایت وہ اپنا فرض سمجھتے تھے۔
جب کبھی کوئی مظلوم بدوی عرب کے خیمہ میں پناہ گزین ہوتا تو وہ عرب تلوار ہاتھ میں لے لیتا اور اُس مظلوم کی حمایت میں سینہ سپر ہو جاتا تا آنکہ صاحب خیمہ قتل نہ ہو جاوے اُس مظلوم کو خیمہ سے نہیں لے جایا جا سکتا تھا۔
قبائلِ قریش کی نگاہ میں محمدؐ مظلوم نہیں تھے یہی وجہ تھی دو مرتبہ اقدامِ قتل کے باوجود کوئی بھی فرد آپؐ کی حمایت میں آگے نہ بڑھا۔
آپ ضرور سوچیں گے کیا وہ لوگ دیکھ نہیں رہے تھے کہ یہ محمدؐ کو قتل کرنے کی سازش ہے؟ اور محمدؐ مظلوم ہیں۔

ہاں یہ ٹھیک ہے لیکن عربوں کی نگاہ میں مظلوم وُہ ہوتا تھا جو اپنے قبیلہ سے نہ ہو ایک بیگانہ ہو اور کسی دُوسرے قبیلہ کے پاس پناہ گزین ہو یا پناہ مانگے۔ اگر کسی دُوسرے قبیلہ کا کوئی مرد مکّہ میں وارد ہوتا اور قریش سے پناہ مانگتا اور کہتا کہ مجھ پر ظلم ہو رہا ہے تو وُہ اُس کی حمایت میں جان دے دیتے۔ مگر محمدؐ کوئی بیگانہ یا خارجی یا پناہ گزین نہیں تھے۔ وہ لوگ جن کے سامنے دو مرتبہ اقدامِ قتل کیا گیا اور وُہ محمدؐ کی حمایت نہیں کرتے تھے اس کی وجہ یہ تھی کہ وُہ اقدامِ قتل کو قانونی اور مشروع تصوّر کرتے تھے۔ بدوی عربوں کی نگاہ میں مظلوم وہ ہوتا تھا۔ جس پر مالک نے ظلم کیا ہو۔ اور اگر کوئی فرد خود اپنے ہی قبیلہ کے لیئے باعثِ آزار ہوتا تو خود وہ قبیلہ اُسے مظلوم شمار نہیں کرتا تھا۔ اصولِ مروّت" کے مطابق اُن کا عقیدہ تھا کہ کوئی قبیلہ خود اپنے افراد پر ستم نہیں کرتا۔ اور ہر گاہ کہ ایک قبیلہ اپنے افراد میں سے کسی کو آزار پہنچاتا تو وہ ایک قانونی اقدام تصور ہوتا تھا (نیز قبیلہ میں ہر فرد کا قاضی ہوتا تھا)۔

بدوی عربوں کے اس عقیدہ پر کوئی حیرت نہیں ہونی چاہیئے۔ اس لیئے کہ آج بھی فرانس میں یہی عقیدہ رواج پذیر ہے آج بھی جب ایک فرانسیسی عدالت کا جج سزا سناتا ہے کہ اس آدمی کا سر تن سے جُدا کر دیا جائے تو کوئی شخص قاضی کو ظالم نہیں گردانتا اور نہ کوئی یہ کہے گا کہ جج کا حکم ایک تباہ کارانہ قدم ہے۔

فرانس کے فوجداری قانون کی مادہ ۳۲۷ میں یہ کلمات لکھے ہوئے ہیں:

"کسی انسان کا قتل جو کہ زخم لگا کر یا ضرب لگا کر قانون کے مطابق کیا گیا ہو یہ قانونی امر کے تحت انجام کو پہنچا سمجھا جائے گا اور یہ عمل جُرم تصوّر نہیں ہوگا"۔

آج بھی مملکتِ فرانس میں جج جب حکم کرتا ہے کہ محکوم کا سر گردن سے جُدا کر دیا جاوے اور جب جلاد گیوٹین کے وسیلہ سے اُس کا سر گردن سے جدا کرتا ہے تو کوئی بھی یہ نہیں کہتا کہ قاضی اور جلاد دونوں مجرم اور تباہ کار ہیں اور تماشا کنندگان میں سے کوئی بھی جلاد کو مجرم نہیں گردانتا۔ بدوی عربوں میں قانون اور عدالت کا اقتدارِ اعلیٰ صرف قبیلہ ہوتا تھا اور اگر ایک قبیلہ اپنے کسی فرد کو نابود کرنے کی سزا دیتا تو اس قبیلہ کو یہ حق حاصل ہوتا تھا۔

چونکہ قبائل قریش نے فیصلہ کر لیا تھا کہ محمدؐ کو قتل کر دیا جاوے لہٰذا قریش کا ہر فرد انہیں واجب القتل سمجھتا تھا۔ فقط چار افراد کو محمدؐ پر رحم آتا تھا اور وہ وہی مسلمانانِ اوّل تھے یعنی حضرت خدیجہؓ۔ حضرت علیؓ۔ حضرت زیدؓ اور حضرت ابوبکرؓ اور اگر حضرت ابوبکرؓ کی نوزائیدہ لڑکی کو بھی شمار کیا جاوے تو پانچ افراد۔ ان پانچ افراد میں یہ سکت و ہمّت نہ تھی کہ اقدامِ قتل کرنیوالوں کی مخالفت کریں یا انہیں روک سکیں۔

بعثت کے چوتھے سال ایمان لانے والوں کی تعداد زیادہ ہوگئی۔ یہ زیادہ تر وہ لوگ تھے جو پہلے ہی خداوندکی جستجو میں تھے۔ اُس دور میں کچھ ایسے لوگ تھے (اور آج بھی ہیں) جو زندگی کی بقا کے لیئے ہوا۔ پانی اور دھوپ کے علاوہ تعلق باللہ کو بھی لازم سمجھتے تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جو مکّہ کے عربی معاشرہ میں غلام، سیاہ فام اور خارجی لوگ تھے جنہیں اُن کے قبائل نے مطرود کر دیا تھا یعنی تمام ایسے لوگ جو (الناس) کی تعریف میں آتے ہیں۔

آج بھی عجمی لوگ لفظ (الناس) کا ترجمہ "عوام" ہی کرتے ہیں۔ لیکن عربی زبان میں اس کا مفہوم کچھ اس طرح ہے

Marfat.com

"وہ جماعت یا افراد جن کے پاس اپنے دفاع کے وسائل نہ ہوں" اور ایسے افراد یعنی الناس کی تعداد آج بھی اور ہر دور میں زیادہ رہی ہے بہ نسبت اُن کے جو اپنے دفاع پر قادر ہیں۔ غلام۔ سیاہ فام۔ خارجی قبیلوں سے نکال باہر کیے ہوئے اور بے بضاعت لوگوں کا طبقہ ہی ہے "الناس" یہ طبقہ تصور بھی نہیں کرسکتا تھا کہ ایک دن وہ بھی آئے گا جب انہیں بھی دوسروں کے برابر (یعنی مساوی) شمار کیا جائے گا۔

محمدؐ جب مبعوث ہوئے تو فرمایا "تمام افراد ملّت واحدہ ہیں اور وہ علیحدہ علیحدہ نہیں ہیں"۔ مزید فرمایا کہ تمام کو خدا نے ایک ہی مادہ یعنی گل یا گارے سے بنایا ہے" یہ ذکر سورۂ رحمٰن کی چودھویں آیت میں ہے "خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ" یعنی "انسان کو اُس نے ٹھیکری جیسے سُوکھے سڑے گارے سے بنایا" (وہ مٹی جو گوندھی ہوئی ظروف سازی کیلئے تیار ہو)۔ غلاموں اور سیاہ فاموں نے پہلی بار یہ سُنا کہ وُہ بھی اُسی مادے سے خلق کئے گئے ہیں جس مادے سے اشراف اور تونگر لوگ اور کوئی تفاوت مابین نہیں ہے۔ دونوں طبقے یعنی اشراف و تونگر اور غریب و بے بضاعت گارے سے خلق ہوئے ہیں۔ رنگ اور چہرے میں فرق فقط ایک دوسرے کی پہچان کے لیئے ہے۔

حضرت زیدؓ کے بعد جو خود آپؐ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ پہلا غلام جو مسلمان ہُوا وہ سیاہ فام غلام حضرت بلالؓ تھے عرب میں تین چیزیں بدبختی کی نشانی سمجھی جاتی تھیں ایک اجنبی ہونا۔ دُوسرے غلام ہونا۔ تیسرے سیاہ رنگت کا ہونا حضرت بلالؓ میں یہ تینوں چیزیں جمع تھیں۔

حضرت بلالؓ مکہ کے ایک امیر خاندان (امیہ بن خلف جمعی) کے غلام تھے۔ جب اُن کے مالک کو معلوم ہُوا کہ بلالؓ مسلمان ہو گئے ہیں۔ انہیں مکہ سے خارج کر دیا۔ بیرونِ شہر ان کا لباس اُتروا دیا اور زیرِ آفتاب گرم زمین پر لٹا کر اُن کے ہاتھوں پاؤں میں میخیں گاڑ دیں اور کہا اب تم اسلام کو چھوڑ دو۔ وگرنہ سسک سسک کر یہیں ختم ہو جاؤ گے۔

بلالؓ یہ جانتے ہوئے کہ اُن کا مالک اپنی بات پوری کر کے رہے گا مجھے نہیں چھوڑے گا تا وقتیکہ میں ہلاک نہ ہو جاؤں خود کو ہلاکت کے لیئے آمادہ کر لیا۔

حضرت بلالؓ پر ان مظالم کا علم جب حضرت عبداللہؓ بن عثمان جو کہ ابوبکرؓ (یعنی باکرہ دوشیزہ کے والد) کے نام سے مشہور تھے کو ہُوا تو انہوں نے حضرت بلالؓ کو نجات دلانے کا ارادہ کیا اور حضرت بلالؓ کے مالک کے پاس گئے اور انہیں خرید کرنے کی خواہش ظاہر کی۔

بلالؓ کے مالک نے جب یہ دیکھا کہ حضرت ابوبکرؓ اُس کے سیاہ فام غلام کو اچھے داموں خریدنے پر تیار ہیں تو اس نے بلالؓ کو ابوبکرؓ کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے انہیں خریدنے کے بعد آزاد کر دیا۔

حضرت محمدؐ نے بلالؓ کو مؤذن کے فرائض تفویض کیئے۔ مؤذن یعنی وُہ شخص جو دوسروں کے کانوں تک پہنچائے اسلام میں اصطلاحاً مؤذن اُس شخص کو کہا جاتا ہے جو بلند آواز میں دوسروں کو عبادت کی دعوت دے۔

(الناس) یعنی محروم لوگوں کے طبقہ نے جب یہ دیکھا کہ ایک سیاہ فام کی اسلام نے یُوں پذیرائی کی ہے تو اُن میں جرأت پیدا ہوئی۔ فوراً بعد میں عمر کی دونوں کنیزیں جن کے نام لبینہ اور زنیرہ تھے اسلام لے آئیں۔

Marfat.com

عمر، بلالؓ کے مالک کی حد تک پتھر دل نہ تھے کہ اپنی کنیزوں کے ہاتھ پاؤں میں میخیں گاڑ دیتے لہٰذا اس نے دونوں کو کوڑے مارنے شروع کر دیئے اور کہا تمہیں اتنے کوڑے لگاؤں گا کہ تم یا تو مر جاؤ گی یا پھر دینِ محمدؐ کو ترک کر دو گی لیکن دونوں عورتوں نے زخموں سے چور چور ہونے کے بعد بھی دینِ محمدؐ کو ترک نہ کیا۔

ایک دفعہ پھر حضرت ابوبکرؓ ان دونوں عورتوں کی مدد کو پہنچے اور عمر سے درخواست کی کہ ان دونوں کو میرے ہاتھ بیچ دے۔ عمر نے دونوں کو ابوبکرؓ کے ہاتھ فروخت کر دیا اور حضرت ابوبکرؓ نے خریدنے کے بعد انہیں آزاد کر دیا۔

اس طرح مسلمانوں کی تعداد سات تک پہنچ گئی جن میں سے تین عورتیں تھیں۔ ان کے بعد جو چوتھی عورت جو ایمان لائی وہ صحرا کی رہنے والی تھی اور اس کا نام تھا "غزیہ"۔ یہ چوتھی عورت "غزیہ" کنیز نہیں تھی۔ صحرا سے مکہ آئی اور مسلمان ہوئی اور اعلانیہ اسلام کی دعوت دینے لگی۔ بدوی عورتیں مردوں کی طرح دلیر خوف وہیم کو دل میں جگہ نہیں دیتی تھیں۔ اسی وجہ سے اس عورت کو قریش سے کوئی خوف نہیں تھا۔ قریش نے جب یہ دیکھا کہ یہ عورت تبلیغِ اسلام میں حد سے تجاوز کرتی جا رہی ہے تو اسے اغوا کر کے ایک اونٹ پر بٹھا کر رسیوں سے باندھ دیا اور ایک کاروان کے سپرد کر دیا جو مکہ سے باہر جا رہا تھا اور کاروان والوں سے کہا کہ اس عورت کو کھانا پانی کچھ نہ دیں تاکہ بھوک اور پیاس سے مر جائے اور جب یہ مر جائے تو اس کی لاش کو صحرا ہی میں پھینک دیں تاکہ اسے درندے کھا جائیں۔

"غزیہ" اپنی روداد (طبق روایت) یوں بیان کرتی ہے۔ تین شبانہ روز کی پیاس اور خستگی نے مجھے بے حال کر دیا۔ چوتھی رات مجھے ایسا محسوس ہوا کہ جیسے میرے ہونٹ ٹھنڈے پانی سے تر ہو گئے ہیں۔ میں نے پانی پینا شروع کر دیا اور پھر اتنا پیا کہ میری پیاس ختم ہو گئی۔ صبح قافلے والے بجائے اس کے کہ مجھے مُردہ پاتے جب صحیح حالت میں تر و تازہ پایا تو بہت حیران ہوئے۔ میں نے تمام واقعہ اپنے مسلمان ہونے اور گزشتہ شب پانی پینے کا انہیں سنایا تو وہ اپنے رویہ پر پشیمان ہوئے میرے ہاتھ پاؤں کھول مجھے اونٹ پر آزاد بٹھا دیا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ قافلہ والے مسلمان ہو گئے۔ بہرحال وضاحت طلب نقطہ یہ ہے کہ قریش نے "غزیہ" کے اغوا کا پروگرام بنایا مگر حضرت ابوبکرؓ کو ان کے ارادہ کی بروقت اطلاع نہ ہو سکی ورنہ وہ مانع ہوتے۔

ابوبکرؓ نے اپنا تمام مال و متاع اسلام کی راہ میں خرچ کر ڈالا اور بالکل تہی دست ہو گئے۔ لیکن وہ اپنی اس حالت پر ناخوش نہیں تھے بلکہ جب کبھی بھی کوئی غلام یا کنیز مسلمان ہوتا۔ مالک اُن پر ظلم کرتا اور آزار پہنچاتا تو حضرت ابوبکرؓ انہیں ہر قیمت پر خرید کر آزاد کر دیتے۔

Marfat.com

پہلی عورت جو اسلام کی راہ میں شہید ہوئی !!

ابو جہل کی ایک کنیز تھی جس کا نام تھا "سُمیّہ"

(سُمیّہ) اسم تصغیر ہے بمعنی مشہور و معروف۔ سمیّہ علاوہ بریں کہ ابو جہل کی کنیز تھیں مکّہ میں دایہ کی حیثیت سے کام بھی کرتی تھیں۔ حاملہ عورتوں کے گھر جا کر وضع حمل میں مدد کرتی تھیں۔ یعنی اُن کی حیثیت وہ نہ تھی جو آج کل دایہ کی ہے یعنی تھوڑی تنخواہ نرس بلکہ یہ حاملہ عورتوں کو مشورہ دیتیں اور ان کی راہنمائی بھی کرتی تھیں۔ اسی وجہ سے ابو جہل کے خاندان میں اُن کا ایک کنیز سے زیادہ احترام کیا جاتا تھا۔ تا اینکہ وہ مسلمان ہو گئیں۔

جیسے ہی ابو جہل کو معلوم ہوا کہ سمیہ مسلمان ہو گئی ہیں۔ اُس نے سمیّہ سے کہا اس دین کو ترک کر دو۔

سمیّہ نے جواب دیا: میں اس دینِ محمدؐ کو ترک نہیں کروں گی۔

ابو جہل نے انہیں مارنا شروع کر دیا یہاں تک کہ وُہ بے حال ہو گئیں۔

اس موقع پر ابو بکرؓ کو خبر ہوئی وہ ابو جہل کے گھر آئے اور دیکھا کہ سمیّہ کو ابھی تک ہوش نہیں آیا ہے۔ ابو جہل سے کہا اس کنیز کو میرے ہاتھ فروخت کر دو مگر ابو جہل نے کہا۔ نہیں بیچوں گا۔

حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا کہ ابو جہل اگر تو آمادہ ہو تو میں تمہیں ایک صد دینار دوں گا۔

ابو جہل نے کہا نہیں بیچوں گا۔

حضرت ابو بکرؓ نے قیمت بڑھا کر ۱۵۰ دینار کر دی مگر ابو جہل فروخت پر آمادہ نہ ہوا۔ حضرت ابو بکرؓ ہر مرتبہ قیمت بڑھاتے مگر ابو جہل مسلسل انکار کرتا چلا جاتا۔

حضرت ابو بکرؓ جنہوں نے اپنی تمام دولت اسلام کی راہ میں خرچ کر ڈالی تھی جب دیکھا کہ ابو جہل کسی طور آمادہ نہیں ہو رہا تو کہا کہ اگر تو سمیّہ کو میرے ہاتھ بیچ دے تو میں تمہیں (ابل۔ قافیہ) دوں گا۔

(ابل۔ قافیہ) بدوی عربوں کی مخصوص اصطلاح میں اُس اُونٹ کو کہتے تھے جو ایک آدمی کے خون کے عوض اُسکے خاندان کو دیا جاتا تھا۔ یعنی (ابل۔ قافیہ) ایک خون بہا تھا جو مقتول کے وارثوں کو دیا جاتا تھا۔

ابو جہل۔ محمدؐ اور اسلام سے اس قدر بغض رکھتا تھا کہ اتنی بڑی پیشکش کے باوجود وہ کنیز کو حضرت ابو بکرؓ کے ہاتھ

بیچنے پر آمادہ نہ ہوا۔ یہاں یہ ذکر کر دینا مناسب ہو گا کہ حضرت ابوبکرؓ اُس وقت تک چھ غلاموں کو خرید کر آزاد کر چکے تھے۔ جن میں دو مرد اور چار عورتیں شامل تھیں۔ مگر اس روز وُہ سمیہ کو آزاد نہ کرا سکے۔ جب قریش کی عورتوں کو معلوم ہُوا کہ ابوجہل ہر روز گھر میں سمیہ کو کوڑے مارا کرتا ہے۔ اور سمیہ باوجود اس قدر تشدّد کے دینِ محمدؐ سے منحرف نہیں ہو رہی۔ تو اُن سب نے ابوجہل سے درخواست کی کہ اُسے کوڑے نہ مارا کرے۔ یہ سب وہ عورتیں تھیں جن کی وُہ وضع حمل میں مدد کر چکی تھی۔

ابوجہل نے ان کی درخواست بھی رَد کر دی۔ ابوجہل نے اس کنیز پر اس قدر تشدد کیا کہ وہ سر تا پا زخمی ہو گئی۔ اور ہلنے جلنے کی سکت اس میں نہ رہی۔ لیکن وہ دینِ محمدؐ سے دستبردار ہونے پر آمادہ نہ ہوئی۔ ابوجہل جب اس سے نا اُمید ہو گیا۔ تو اس نے سمیہ کو قتل کرنے کا ارادہ کر لیا اور ایک دن اُسے خانہ کعبہ کے سامنے لے آیا۔ جہاں تمام اہلِ مکہ جمع ہو چکے تھے۔ اتمامِ حجت کے طور پر اُس سے آخری بار پُوچھا۔ کیا تم دینِ محمدؐ چھوڑنے پر آمادہ ہو؟ سمیہ نے کہا، میں دینِ محمدؐ کو ترک نہیں کر سکتی۔

جواب سُن کر ابوجہل نے کہا اب میں تمہیں قتل کر سکتا ہُوں اور اہلِ مکہ کے رُوبرو اس طاقت سے نیزہ (سمیہ) کے سینہ میں مارا کہ نیزہ اُس کے سینہ کے آر پار ہو گیا۔ اور (سمیہ) کو اسلام کی پہلی شہید ہونے کی سعادت نصیب ہوئی۔

روایت ہے جب محمدؐ نے حضرت ابوبکرؓ کی کوششوں کے متعلق سُنا جو آپ نے سمیہ کی آزادی کے لیئے کی تھیں تو اُن کے حق میں دُعا فرمائی "حیا اللہ فبہلک" یعنی خداوند تیرے روشن چہرے کی حفاظت فرمائے۔ دُوسرے الفاظ میں یعنی خداوند تیرے چہرہ کو ہمیشہ روشن رکھے۔

سمیہ کے قتل کے بعد قریش کے چار بڑوں (ابوسفیان۔ ابوجہل۔ ابولہب اور آپکی بیوی جمیلہ) نے ایک اعلان کے ذریعہ پابندی لگا دی کہ مکہ کا کوئی شخص اپنے "بَردوں" کو ابوبکرؓ کے ہاتھ نہ بیچے۔ اُنہیں معلوم ہو چکا تھا کہ اسلام غربا و مساکین میں مقبول ہو چکا ہے۔ اور ہر وہ "بردہ" جو مسلمان ہو گا ابوبکرؓ اُسے خرید کر کے آزاد کر دے گا۔ لہٰذا انہوں نے پابندی لگا دی تاکہ اسلام وسعت پذیر نہ ہو۔

لیکن ہُوا ایسا کہ اس پابندی کے بعد کچھ اشخاص مسلمان ہوئے جو بردہ نہیں بلکہ آزاد افراد تھے۔ مثلاً حضرت عثمان بن عفان جو حضرت عبدالمطلب کے بھتیجا تھے۔ عبدالرحمٰن بن عوف۔ سعد بن ابی وقاص جو حضرت محمدؐ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ کے بھتیجے تھے۔ طلحہ بن عبیداللہ۔ سعید بن زبیر بن عمرو کہ اشرافِ مکہ کے جوانوں میں سے تھے۔ اور اُن کے والد (حنیف) تھے۔

مسلمانوں کی تعداد میں ان قدآور شخصیتوں کے اضافہ سے قبائل قریش بہت غضبناک ہُوئے۔ اور انہوں نے مصمم ارادہ کر لیا کہ اب محمدؐ کو زیادہ سے زیادہ ایذا دیں گے۔

ہم یہ تو بتا ہی چکے ہیں کہ حضرت محمدؐ کے خانہ کعبہ جانے پر پابندی عائد کر دی گئی تھی۔ کچھ لوگ مستقل طور پر محمدؐ کی راہ پر بیٹھے رہتے جب آپ گھر سے بقصدِ خانہ کعبہ یا کسی اور وجہ سے نکلتے تو وُہ لوگ آپؐ کو پتھر مارتے اور آپؐ پر گندگی پھینکتے ہر دفعہ جب محمدؐ گھر سے خانہ کعبہ جانے کے لیئے نکلتے اُن کی جان خطرے میں ہوتی تھی اس کے باوجود محمدؐ بیدرنگ، بے خطر خانہ کعبہ تشریف لے جاتے اور عبادت کرتے تھے۔

Marfat.com

روایت کے مطابق خانہ کعبہ پہلا معبد ہے جس کو نوع بشر نے تعمیر کیا۔ بموجب روایت خانہ کعبہ کو آدمؑ نے بنایا اور اس کے بعد حضرت ابراہیمؑ نے تجدید کی۔ جب نوحؑ نے کشتی بنائی اور طوفان آنے پر کشتی بہہ نکلی تو کشتی نے خانہ کعبہ کا سات مرتبہ طواف کیا۔

کوئی دن نہیں جاتا تھا کہ حضرت محمدؐ خون آلود گھر میں واپس تشریف نہ لائے ہوں۔ قریش بڑی سنگدلی اور شقاوت سے انہیں پتھر مارا کرتے تھے۔

طائفہ قریش اس درجہ حضرت محمدؐ کے دشمن ہو چکے تھے کہ اس معاملے میں احترام خانہ کعبہ کو بھی بھول گئے تھے بُنتِ دیرینہ کے مطابق محیط خانہ کعبہ حرم تھا اور ان حدود میں کوئی شخص دوسرے سے جھگڑا نہیں کر سکتا تھا۔ لیکن قریش نے دونوں بار قتل کا اقدام خانہ کعبہ (حرم) کے اندر کیا اور پہلا جو مسلمان مرد شہید ہوا اُسے بھی خانہ کعبہ کے اندر ہی شہید کیا گیا۔ اسلام کی راہ میں پہلے شہید کی روداد بھی اسی طرح ہے۔

ایک دن قریش نے کچھ اس شدت سے آپؐ کو پتھر مارے کہ جب آپؐ گھر پہنچے تو اس قدر بے حال ہو چکے تھے کہ دوسرے دن درد کی شدت اور کسالت کی وجہ سے اپنی جگہ سے اُٹھ نہ سکے کہ خانہ کعبہ تشریف لے جائیں۔

اُس دن عبادت کے لیئے خانہ کعبہ میں جمع مسلمانوں کو جب علم ہوا کہ رسول اللہ آج تشریف نہیں لا سکیں گے تو انہوں نے اپنے طور پر ہی عبادت شروع کر دی۔ جب وہ سجدہ میں گئے تو قریش کے مردوں نے اُن پر حملہ کر دیا۔ چند مسلمان زخمی ہوئے اور حضرت حارث جو حضرت خدیجہؓ کے پہلے دو خاوندوں میں سے ایک کے لڑکے تھے شہید ہو گئے۔ حارثؓ پہلے مسلمان ہیں جو اسلام کی راہ میں شہید ہوئے اور وہ سجدہ کی حالت میں خانہ کعبہ کے اندر قتل ہوئے۔ اُس روز کے بعد قریش کے کچھ افراد دائماً خانہ کعبہ کے باہر نگہبانی کرنے لگے تاکہ محمدؐ اور اُن کے یاروں اور پیروکاروں کو خانہ کعبہ میں داخل نہ ہونے دیں۔

ان حالات میں جب محمدؐ نے دیکھا کہ خانہ کعبہ جا کر عبادت کرنا ممکن نہیں رہا تو زمین کے ایک چھوٹے سے ٹکڑے کا انتخاب کیا جو بہ نسبت دوسری اراضی کے خاصا گہرا تھا۔ اب محمدؐ اور اُن کے پیروان دن میں دو بار وہاں جمع ہوتے اور نماز باجماعت ادا کرتے۔

یہ نماز جس کا ہم نے ذکر کیا ہے اُس کی طرز ادائیگی اس طرح تھی کہ حضرت بلالؓ حبشی اذان کہتے اور جب نماز تمام ہوتی محمدؐ ان سب کے لیئے قرآن کی آیات پڑھتے۔ اُس دور میں مکہ کا شہر عبادت کے لیئے آزاد نہ تھا۔ صرف اسی لیئے مسلمان شہر سے باہر جمع ہوتے کہ نماز باجماعت ادا کر سکیں۔

ان ایام میں (ابوسفیان) آپؐ سے بہت زیادہ دشمنی کا اظہار کیا کرتا تھا۔ حالانکہ وہ آپؐ کا برادر رضاعی بھی تھا۔ ابوسفیان قریش سے اعلانیہ کہتا کہ محمدؐ کو نابود کر دو تاکہ اُس کے خطرہ سے ہمیشہ کے لیئے امن مل جائے۔

ممکن ہے اس موقع پر کچھ لوگ سوال اٹھائیں کہ قریش کیوں محمدؐ کے اس قدر دشمن ہو گئے تھے جب کہ مکہ از لحاظ مذہبی ایک بین الملّلی شہر شمار ہوتا تھا اور جزیرۃ العرب کے تمام مذاہب کے ماننے والے خانہ کعبہ میں اپنے الگ الگ حجرے رکھتے تھے اور ان حجروں میں اپنے علیحدہ علیحدہ بُت رکھا کرتے تھے۔ کوئی شخص جو کوئی بھی مذہب رکھتا ہو وہ آزاد تھا کہ خانہ کعبہ جا کر اپنے طریق

Marfat.com

پرستش کرے یعنی اپنے بُت کے مقابل رکوع یا سجُود کرے۔ پس قریش محمدؐ کے دشمن کیوں ہوئے؟ اور اُن کا دینِ جدید مکّہ والوں کی مزاحمت کا باعث کیوں بنا تھا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ دُوسرے ادیان کے پرستار مکّہ میں ہوتے یا سفر کر کے مکّہ جاتے۔ خانہ کعبہ کے بُتوں سے کوئی تعرّض نہ کرتے تھے اور ایک دوسرے کے بتوں کو بُرا نہیں کہتے تھے۔ گوناگوں مذاہب کے بُت وہاں موجود تھے مگر سب پیروان ایک دُوسرے سے لاتعلق رہا کرتے تھے۔ لیکن محمدؐ نے جب اپنی رسالت کا اعلان کیا تو تبلیغ شروع کر دی اور تمام بتوں کی مخالفت پر کمربستہ ہو گئے۔ اور فرمایا تمام بُتوں کو معدوم کر دو اور بجز اللہ کے کسی کی عبادت نہ کرو۔

مکّہ والوں کو اندیشہ تھا کہ اگر محمدؐ کے کہنے پر عمل کریں۔ بُتوں کو خانہ کعبہ سے نکال دیں تو بُت پرستی کی رسم ختم ہو جائیگی اور یہ ایک بہت بڑا نقصان ہوگا کیونکہ مکّہ کی بین الملکی تجارت جو کہ ہر سال چار ماہ کے لیئے اپنے عروج پر ہوتی تھی متروک ہو جائے گی۔

مکّہ میں زراعت نہیں تھی اور مکّہ والوں کا دُو ذریعۂ معاش پر انحصار تھا۔ ایک تجارت۔ دُوسرے جانور بالخصوص اُونٹ۔

دورۂ جاہلیّت میں یعنی قبل از اسلام مکّہ جزیرۃ العرب کا ایک بہت بڑا بُت خانہ تھا اور جیسا کہ آج بھی اسلام کے ہر فرقہ کا مرکز ہے۔ اُس وقت بھی ہر مذہب کا مرکز تھا۔

مکّہ کے ایک مذہبی مرکز ہونے کی وجہ سے ماہ ہائے حرام کے علاوہ بھی کاروان مکّہ کی طرف سفر کرتے تھے تاکہ اپنے بتوں کی زیارت کریں۔ اور اگر بتوں کو خانہ کعبہ سے نکال دیا جاتا تو کوئی بھی زیارت کے مقصد کے لیئے کعبہ نہ آتا تو سالانہ تجارتی میلہ کا چار ماہ کے لیئے منعقد ہونا محال ہو جاتا۔

انہی حالات کی بنا پر مکّہ والے یہ تصوّر کرتے تھے کہ دینِ محمدؐ ہماری اقتصادیات کو تباہ کر دیگا۔ اور انہیں یقین تھا کہ اگر دینِ محمدؐ پیشرفت کرے گا تو ہم اقتصادی لحاظ سے فنا ہو جائیں گے۔ دوسری وجہ دشمنی کی یہ تھی کہ جب محمدؐ بتوں کی تکذیب فرماتے تو مکّہ والے بالواسطہ اسے اپنے آباء و اجداد کی تکذیب سمجھتے تھے۔ اپنی زندگی میں وہ اپنے آباء و اجداد کے عقیدہ کو تباہ ہوتا نہیں دیکھ سکتے تھے نیز اجدادِ قریش سب بُت پرست تھے۔ جب محمدؐ نے فرمایا "بُت پرستی ترک کرنی ہوگی" تو مکّہ والے اس کا مطلب یہ لیتے تھے کہ ہمارے آباء و اجداد کا عقیدہ باطل کیا گیا ہے۔ اعراب بادیہ اپنے آباء و اجداد کو بہت محترم رکھتے تھے۔ آباء و اجداد میں سے زیادہ تر وہی تھے جو بُت پوجا کرتے تھے اور جزیرۃ العرب کا مخصوص مذہبی عقیدہ اُن کے لیئے بڑا محترم تھا۔

ایک حقیقت جو تمام ملکوں اور تمام ادوار میں دیکھی گئی ہے حتیٰ کہ آج بھی اُس کا مظاہرہ عام ہے وہ یہ کہ "عام لوگ باطنی عقیدہ کی نسبت مذہب کی ظاہری رسومات سے زیادہ علاقہ مند ہوتے ہیں"۔

آدمی یہ جاننے کی کبھی کوشش نہیں کرے گا کہ ایک مومن کا عقیدہ کیا ہے اور کیا وُہ اپنے دل میں اُس مذہب کا جس کی پیروی کا وہ دعویدار ہے اتنا ہی عامل اور معتقد ہے۔ فقط علاقہ مند ہونا۔ ظاہری رسُومات پر عمل کرنا اور زبانی کلامی مذہب کا احترام کرنا کافی سمجھ لیا جاتا ہے۔

Marfat.com

مذہب کی ظاہری رسمیں اجداد سے میراث میں ملتی ہیں اور ہر نسل اپنا یہ اوّلین فرض سمجھ لیتی ہے کہ ان ظاہری رسموں کو کسی تغیر کے بغیر دوسری نسل کو منتقل کرے۔

عرب میں ان ظاہری رسومات (مذہبی) جو کہ اجداد سے اخلاف کو منتقل ہوئی تھیں کا بڑا احترام تھا اور وہ ایک قوت تھیں کسی شخص کو جرأت نہیں تھی کہ انکو ختم کرسکے اور یہ کہے کہ آباؤ اجداد غلطی پر اور باطل پرست تھے لیکن محمدؐ یہ بات کہتے تھے اسی جہت مکّہ کے لوگ اُن کے دشمن ہو گئے تھے۔

قریش کے افراد کو جب علم ہوُا کہ محمدؐ اور اُن کے پیرو دان کہاں عبادت کرتے ہیں تو اُس میں بھی آڑے آئے کہ یہ بیابان میں جمع ہوں اور عبادت کریں۔ سعد بن ابی وقاص جو کہ مسلمان ہو چکے تھے حالات کو اس طرح بیان فرماتے ہیں:۔

"ہم مسلمانوں میں اتنی قوت نہیں تھی کہ کعبہ میں اجتماع کرسکیں اس لیئے ہم کسی ایک مسلمان کے گھر جمع ہو کر عبادت کرتے لیکن یہ بھی قریش کی دائماً دنبالہ گردی کی وجہ سے ممکن نہ رہا۔ کیونکہ ادھر ہم کسی مسلمان کے گھر میں جمع ہوئے محلّہ والوں نے دیکھا اور ہم پر حملہ آور ہو گئے کہ ہمیں اُسی جگہ قتل کر دیں۔ یہی باعث ہوُا کہ ہم فوری پروگرام پر مکّہ سے خارج ہوتے تھے تاکہ کوئی یہ نہ جان سکے کہ ہم کہاں اکٹھے ہوئے ہیں اور عبادت کر رہے ہیں۔ عبادت کے بعد دوسرے اجتماع کے لیئے جگہ کا انتخاب ہوتا تھا۔ قریش اس طرح ہمارا پیچھا کرتے کہ ہمارے لیئے ایک جگہ پر ایک ہی بار اکٹھے ہونا ممکن ہوتا تھا۔

ایک دن ہم درہ ابو دوب میں جمع ہوئے۔ بدن کی طہارت کے بعد عبادت شروع کی لیکن عبادت کے دوران ہی قریش کے کچھ سرکردہ افراد (ابوسفیان۔ اخنس بن شریف وغیرہ) وہاں آگئے اور ہم سے تعرض کرنے لگے حتیٰ کہ ہم دفاع پر مجبور ہو گئے۔ میں نے اپنی ذات کے دفاع کے لیئے ایک اونٹ کی بڑی سی ہڈی جو وہاں پڑی ہوئی تھی ہاتھ میں لی اور پوری قوت سے اُن میں سے ایک کے سر میں ضرب لگائی۔ اُس شخص کے سر سے خون بہنے لگا۔ اس کے ساتھ ہی وہ شخص بھاگ نکلا۔ میں پہلا شخص ہوں جس نے اسلام کی راہ میں ایک کافر کا خون زمین پر گرایا۔ اُس دور میں صرف ایک شخصیت مسلمانوں میں تھی جو بدونِ خوفِ مرگ اپنے گھر سے باہر آتے تھے اور وُہ خود پیغمبرؐ تھے۔ دُوسرے افراد گھروں سے باہر نہیں آیا کرتے تھے مگر قبل از طلوع و بعد از غروب جب لوگ خوابیدہ ہوتے تھے اور وُہ بھی چھُپ چھپا کر کہ لوگ انہیں دیکھ نہ لیں یا اُن لوگوں کی نگاہ اُن پر نہ پڑے جو جانتے تھے کہ یہ مسلمان ہو چکے ہیں۔"

بہر حال مسلمانوں کی تعداد بڑی آہستگی سے بڑھ رہی تھی اور زیادہ تر اشخاص دینِ اسلام کو قبول کرنے والے غلام کاریگر یا وُہ لوگ تھے جو آج کی اصطلاح میں اشراف وخواص نہیں ہوتے یعنی تیسرا طبقہ اور اُن کا سابقہ بھی اچھا نہ ہوتا تھا ولیکن محمدؐ اُن کے سابقہ کو مکّہ کے اشراف و خواص کی نگاہ سے نہیں پرکھتے تھے بلکہ جب کبھی کسی کے سابقہ کردار پر نگاہ کرتے تو حالات کے ساتھ اُن کے کردار کا جائزہ لیتے کہ کیا واقعی یہ مرد یا عورت بُری تھی یا صرف اشراف وخواص مکّہ اُنہیں بدسابقہ قرار دیتے تھے۔ ویسے دینِ مسیحؑ میں بھی ایک طبقہ اُن لوگوں کا تھا جنہیں حاکم بدسابقہ قرار دیتے تھے حتیٰ کہ اُن کا قتل مباح تھا۔

اشراف وخواص کا انہیں بدکردار یا بدسابقہ قرار دینے اور اُن کے واقعتاً بدکردار یا بدسابقہ ہونے میں بہت فرق واقع ہو جاتا ہے۔

Marfat.com

آپؐ کے پاس کوئی بد سابقہ فرد اسلام قبول کرنے کے لیئے آتا تو وُہ دُو حالتوں سے خارج نہیں ہوتا تھا۔ یہ کہ اشراف وخواص نے اس کو بد سابقہ قرار دیا ہے۔ اس صورت میں غور کیا جا سکتا تھا کہ وُہ واقعتاً بد سابقہ ہے بھی یا نہیں۔ اور اگر وہ بد سابقہ ثابت نہ ہوتا تو محمدؐ اُس کو حلقۂ اسلام میں داخل کر لیتے تھے۔ دوسری حالت یہ کہ وہ ہر ایک کی نگاہ میں بُرا شمار ہوتا تھا اِس صورت میں آپؐ دیکھتے کہ واقعی وُہ اپنے سابقہ پر پشیمان ہے اور توبہ کے لیئے قصد رکھتا ہے تو اُس کو بھی دینِ اسلام میں داخل فرما لیتے تھے۔ اس کی تائید میں ابوذر جو کہ طائفہ غفار سے تھا کی مثال پیش کی جا سکتی ہے۔

مکہ کے شمال میں ایک خطۂ زمین ہے کہ مَیں اُسے خطۂ ارضی کا وحشت انگیز ترین علاقہ سمجھتا ہوں۔ اس خطۂ زمین پر ایک طائفہ "غفار" نامی رہتا تھا۔ اس طائفہ کے لوگوں کا واحد شغل راہزنی تھا۔ آج بھی یہ علاقہ چودہ سو سال پہلے کی طرح سنگلاخ گرم اور جلا دینے والا ہے۔ حتیٰ کہ اُس علاقہ میں کانٹے دار جھاڑیاں تک نہیں اُگتیں۔ کوئی جانور حتّے کہ سوسمار بھی اُس علاقہ میں زندہ نہیں رہ سکتا۔

اس علاقہ سے آپ گزریں تو آپ کو کم ارتفاع پہاڑ ملیں گے کہ وادیوں کے رُخ عمودی تراش کے ہیں۔ اسی وجہ سے یہاں عمیق اور خوفناک درّوں کا ایک لامتناہی سلسلہ ہے۔ جب کوئی مسافر اُوپر سے نیچے نگاہ کرے تو سیاہ۔ زرد اور سبز پتھروں کی ناہموار گہرائیوں سے لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔

مَیں نے جس وقت اس منطقہ کو عبور کیا تو مجھے ایسے محسوس ہُوا جیسے مَیں تخلیق کے ابتدائی دَور میں ہُوں یا پھر کرۂ ماہ پر پہنچ گیا ہُوں۔ نیز زمین اس طرح تھی جیسے کرۂ ماہ آشفتہ۔ درہم ریختہ اور بعض نقاط تو قیر کی طرح سیاہ اور بعض زرد رنگ تھے۔ گرمیوں میں جب آفتاب ان چٹانوں پر چمکتا ہے اور حرارت کا انعکاس ہوتا ہے تو زمین اور ہوا کا درجہ حرارت انسانی برداشت سے باہر ہو جاتا ہے۔ اس صحرا میں انسان بغیر کسی پناہ کے چند گھنٹوں سے زیادہ زندہ نہیں رہ سکتا۔

طائفہ "غفار" کے افراد جنمیں سے ایک "ابوذر" تھے اسی سرزمین کے باسی تھے اور راہزنی اُن کا ذریعہ معاش تھا۔ عرب میں ڈاکہ زنی یا راہزنی اور بقولِ اعراب "غزوہ" باعثِ عار نہیں سمجھا جاتا تھا بلکہ اگر اُسمیں کامیابی حاصل ہو تو اُسے طائفہ مباح قرار دیتا تھا غزوہ کا اقدام عربوں کی رسم ورواج کے مطابق خفیہ طریق پر انجام دیا جاتا تھا تاکہ جس قبیلہ پر حملہ کرنا ہو اُسے غافلگیر کر سکیں۔

غزوات میں خون نہیں بہایا جاتا تھا۔ اموالِ قبیلہ کو غارت کرنے کے لیئے قتلِ نفس جائز نہیں تھا۔ دوسرے اس حملہ میں عورتوں، بچوں اور ان کا سامان چھیننے کا حملہ آور مجاز نہیں ہوتا تھا۔ حتیٰ کہ اگر قبیلہ کی عورتیں لباسِ فاخرہ اور قیمتی زیورات پہنے ہوئے ہوں۔ حملہ آور کو حق نہیں ہوتا تھا کہ وُہ لباس اتارے یا زیورات چھینے یا اُن کو ہاتھ لگائے۔ بلکہ انہیں عورتوں سے کہنا ہوتا تھا کہ اپنا لباس اور زیور خود سے جُدا کر دو اور جب عورتیں لباس تبدیل کر رہی ہوتیں یا زیور اتار رہی ہوتیں۔ حملہ آور قبیلہ کے مرد اپنا رُخ مخالف سمت پھیر لیتے تھے کہ اُس حالت میں اُن پر نگاہ نہ پڑے۔ بدوی عربوں کی رسم کے مطابق سال میں چار مہینے غزوہ کی ممانعت تھی۔ ان چار مہینوں کو ماہِ حرام کہا جاتا ہے اور زائرین کو جو احرام باندھ کر سفر کر رہے ہوں مورِدِ حملہ قرار نہیں دیا جاتا تھا۔ غزوہ میں قتل جائز نہیں تھا تاوقتیکہ مقابل قبیلہ کے مرد اپنے دفاع میں تلواریں نہ نکال لیں۔ فقط یہی ایک حالت تھی جس میں قتل جائز تھا۔

Marfat.com

طائفہ غفار جو مکّہ کے شمالی علاقہ میں سکونت پذیر تھے اس جوانمردانہ رسم کا لحاظ نہیں کیا کرتے تھے۔ ماہ ہائے حرام میں بھی مسافروں پر حملے کرتے حتیٰ کہ احرام باندھے ہوئے لوگوں کو بھی نہیں چھوڑتے تھے۔

ذیقعد ماہ ہائے حرام میں سے ہے۔ اس مہینہ میں طائفہ غفار نے ایک کاروان پر جو کہ اُن کے علاقہ سے گزر رہا تھا حملہ کیا اور صرف لُوٹ مار تک اکتفا نہ کیا بلکہ مردوں اور عورتوں کو قتل کر دیا۔ ابوذر نے جو غفاری قبیلہ سے منسلک تھا جب بچوں کو اپنے والدین کی نعشوں پر گریہ وزاری کرتے دیکھا تو بہت پشیمان ہوا۔ بچوں کی بے تابی اُس سے دیکھی نہ گئی۔ اُس نے ارادہ کیا کہ اپنے قبیلہ کو چھوڑ دے گا اور غفاریوں کے درمیان مزید ایک لمحہ بھی نہ رہے گا۔ ابوذر نے اپنی والدہ اور چھوٹے بھائی کو ساتھ لے صحرا کی راہ لی۔ اور قبیلہ کے مسکن کو چھوڑ دیا۔ عربستان میں قبیلہ کو چھوڑنا یا قبیلہ سے نکال دیا جانا موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔ کجا کہ ایک غفاری قبیلہ کا فرد۔ بدوی عرب چونکہ غفاری قبیلہ کو خوب جانتے تھے لہٰذا جب کبھی اور جہاں کہیں بھی انہیں پاتے قتل کر دیتے تھے۔ اس لیئے کہ غفاری قبیلے کے افراد رسوم و قوانین کی پابندی نہیں کرتے تھے۔ جوانمردی کے اصولوں کو بھی پائمال کر دیتے تھے۔

ابوذر ایک مدت سفر کرنے کے بعد اپنی والدہ کے قبیلہ میں پہنچا۔ والدہ اور چھوٹے بھائی کو وہاں چھوڑ تن تنہا پھر سفر پر نکل پڑا۔ چند مہینے اس بدو نے تن تنہا صحراؤں میں بسر کیئے۔ کیونکہ وُہ اُس منطقہ میں پہنچ چکا تھا جہاں کم ازکم سوسمار اور صحرائی نباتات میسّر تھیں۔

وہ شخص جو عرب نہ ہو صرف سوسمار اور صحرائی نباتات پر زندگی بسر نہیں کر سکتا۔ لیکن عرب جیسا کہ پہلے تذکرہ ہو چکا ہے۔ بچپن ہی سے بھوک اور پیاس کے عادی ہو جاتے تھے اور رفتہ رفتہ بھوک اور پیاس اُن کی فطرت کا جزو ہو جاتی تھی۔

(سر رچرڈ برٹن) ایک انگریز نے ۱۸۵۰ء میں تقریباً آج سے ۱۲۸ سال پہلے پُورے عرب کی سیاحت کی تھی۔ اُس زمانہ میں آج کی طرح عرب میں موٹر کاریں یا جیپیں نہیں تھی۔ اپنے سفرنامہ میں لکھتا ہے۔ عرب کے بدو کا یہ عقیدہ ہے کہ موت کا سبب غذا کا تناول کرنا ہے نہ کہ بھوک اور یہ حقیقت بھی ہے کہ عرب جب تک صحرا میں زندگی بسر کرتا ہے سالم رہتا ہے جب شہر پہنچ کر فراواں غذا میسّر آتی ہے تو اس کا مزاج مختل ہو جاتا ہے اور دو تین سال میں اُسے موت آ لیتی ہے۔

بہر حال ابوذر نے چند مہینے صحرا میں گزارے اور اس دوران روز و شب کی تنہائی میں غور و فکر کرتا رہا اور بالآخر راہ مکّہ اختیار کی۔ کسی سے شناسائی پیدا کیئے بغیر تیس دن مکّہ میں رہا۔ اس دوران اُس نے محمدؐ کا نام سُنا کہ وُہ (محمدؐ) لوگوں کو ایک خدا کی طرف دعوت دیتے ہیں اور ہدایت کرتے ہیں کہ بدی سے پرہیز کرو اور شرک کو ترک کرو۔

تیس روز بعد ابوذر نے ارادہ کیا کہ محمدؐ کی خدمت میں حاضر ہو۔ لہٰذا ایک فرد سے محمدؐ کے گھر کا پتہ پُوچھا۔ اُس شخص نے ابوذر کو تعجب سے دیکھا اور دہائی دی کہ اے قریش اس آدمی کو پہچان لو۔ اس کو قتل کر دو۔ کیونکہ یہ ایک مسلمان ہے۔ لوگوں نے ابوذر پر حملہ کر دیا وہ اپنی جان کے خوف سے بھاگ نکلا لیکن لوگوں نے پیچھا نہ چھوڑا اور ساتھ ساتھ سنگ باری کرتے گئے۔ خود ابوذر کہتے ہیں کہ مجھے اتنے پتھر مارے گئے کہ میں بے حال ہو گیا۔ لوگوں نے خیال کیا کہ میں مر چکا ہوں لہٰذا مجھے مُردہ سمجھ کر چھوڑ گئے۔ جب ہوش آیا تو دیکھا کہ تمام بدن خون خون ہے۔ رات کی تاریکی میں دو آدمی آئے اور مجھے کوچہ سے اٹھالے گئے۔ بعد میں

Marfat.com

مجھے پتہ چلا ان میں سے ایک حضرت ابوبکرؓ تھے۔ بعدازاں معلوم ہوا کہ مجھے سنگسار کرنے کی خبر کسی مسلمان نے حضرت ابوبکرؓ کے گوش گزار کی اور تاریکی چھا جانے پر وہ اپنے ایک ساتھی کی مدد سے مجھے اٹھا لے گئے۔ دوسرے دن ابوذر کی ملاقات محمدؐ سے ہوئی۔ محمدؐ نے نام پوچھا اور سوال کیا کہ کس قبیلہ سے ہو؟

ابوذر نے عرض کی۔ قبیلہ غفار سے ہوں! قبیلہ کے عمل پر پشیمان ہوں اسی لیئے میں نے قبیلہ کو چھوڑ دیا ہے۔ صحرا میں ایک مدت بلا مقصد سرگردان رہا۔ پھر مکّہ آیا۔ یہاں پہنچ کر آپ کے متعلق سُنا کہ آپ لوگوں کو خدائے واحد کی طرف بلاتے ہیں۔ میں نے عزم کیا کہ آپؐ کو تلاش کروں اور آپؐ کے وسیلہ سے خدائے یگانہ کو پہچانوں۔

محمدؐ نے فرمایا: کب سے مکّہ میں ہو؟

ابوذر نے عرض کی کل تیس ۳۰ روز پورے ہو گئے تھے!

محمدؐ نے فرمایا: اس مدت میں تمہارا وسیلۂ گزران کیا تھا؟ ابوذر خاموش رہا۔

محمدؐ نے پھر فرمایا۔ تم بسر کیسے کر رہے تھے؟

ابوذر نے عرض کی۔ یہ تیس دن آبِ زمزم پیتا رہا ہوں!

محمدؐ نے پوچھا۔ ان تیس ۳۰ دنوں میں تم نے غذا مطلق نہیں کھائی؟

ابوذر نے جواب دیا: نہیں کھائی!

آج ہم اس جواب پر حیرت نہیں کریں گے۔ کیونکہ آج یہ ثابت ہو چکا ہے کہ بغیر غذا فقط پانی پینے سے آدمی تیس دن زندہ رہ سکتا ہے۔ اُس کا وزن ضرور کم ہو جائے گا اور بدن نے جو غذائی مواد ذخیرہ کیا ہوگا وہ مصرف ہوتا رہے گا۔

وہ اشخاص جو بھوک کے عادی ہوں۔ تیس ۳۰ روز تک بدونِ غذا زندہ رہ سکتے ہیں۔ بشرطیکہ انہیں پانی پینے کو ملتا ہے۔

محمدؐ نے یہ جان لینے کے بعد بھی کہ یہ شخص غفاری ہے یعنی ایک راہزن ہے اس کو حلقہ اسلام میں شامل کر لیا۔ لیکن محمدؐ کی دُور بین نگاہیں یہ بھی جان چکی تھیں کہ ابوذر اپنے اعمال پر پشیمان ہے اُس نے توبہ کر لی ہے اور ارادہ رکھتا ہے کہ راہِ حق پر چلے۔

ابوذر کا شمار بعد میں سرکردہ مسلمانوں میں ہوا۔ انہوں نے اپنے تمام قبیلہ کو مسلمان کیا اور وہ لوگ جن کا وسیلۂ معاش راہزنی تھا چوری ڈاکہ سے نفرت کرنے لگے۔

ابوذر غفاری کی مثال ہم نے اس لیئے دی ہے کہ واضح کر سکیں محمدؐ اُن افراد کو جو عوام کی نگاہ میں بدسابقہ ہوتے تھے۔ جب توبہ کر لیتے انہیں حلقہ اسلام میں شامل کر لیا کرتے تھے۔ دوسرے ہم یہ بھی واضح کرنا چاہتے ہیں کہ مکّہ والوں کی دشمنی انتہا کو پہنچ چکی تھی۔ حتیٰ کہ ایک شخص اگر انجانے میں بھی اُن کے گھر کا پتہ پوچھ لیتا تو وہ اُسے مسلمان سمجھ کر قتل کرنے پر آمادہ ہو جاتے تھے یا شاید وہ اس بات سے ڈرتے تھے کہ یہ جو محمدؐ کے گھر کا پتہ پوچھ رہا ہے کہیں مسلمان نہ ہو جائے۔

Marfat.com

عمرؓ بن الخطاب

طاقتور ترین مردِ عرب کیسے مسلمان ہوا

یہ ایک انتہائی تعجب انگیز بات ہے کہ کیوں محمدؐ کو مکہ میں قتل نہ کیا جا سکا؟ جب کہ سبھی اُنکی جان کے درپے تھے۔
جیسا کہ پہلے گزارش کی جا چکی ہے کہ طائفۂ قریش دس قبیلوں پر مشتمل تھا۔ اُن میں سے ایک قبیلے کا نام ہاشم تھا۔ محمدؐ اسی قبیلہ کے فرد تھے۔ دُوسرے نو قبیلے اگر محمدؐ کو قتل کرتے تو طبق رسم و شعائر قبیلہ بنی ہاشم کو خُون بہا دیتے یا پھر بنی ہاشم کے انتقام کا سامنا کرتے۔ یہی وجہ تھی کہ یہ قبائل محمدؐ کے قتل کی جراٗت نہیں کر رہے تھے۔

جیسا کہ قرآن پاک میں مذکور ہے۔ قریش محمدؐ سے کہتے ہیں۔ "کہ تو ایک کمزور آدمی ہے اگر تیرا قبیلہ حمایت نہ کرتا تو ہم تمہیں سنگسار کر دیتے اور تمہارا وجود ختم ہو جاتا؟"

یہی وجہ تھی کہ محمدؐ کو صرف قبیلہ ہاشم کے افراد نے دو مرتبہ قتل کرنے کی کوشش کی۔ لیکن وُہ کامیاب نہ ہُوئے اُن کے دونوں منصوبے ناکام ہو گئے۔ ان ناکامیوں کے بعد وہ سُست پڑ گئے۔ وجہ یہ ہوئی کہ محمدؐ کو مکہ کے ایک طاقتور ترین مرد کی حمایت حاصل ہو گئی تھی۔

جب بھی محمدؐ گھر سے باہر تشریف لاتے لوگ اُن کو پتھر مارتے۔ زمین پر گرا لیتے اور ٹھوکریں مارتے۔ ایک دن ابوجہل کی تحریک پر لوگ محمدؐ کو پتھر مار رہے تھے اور وُہ زخمی ہو چکے تھے۔ تماشائیوں میں سے ایک شخص محمدؐ کے چچا حمزہ کے پاس گیا۔ حمزہ ایک پہلوان تھا۔ تماشائیوں میں سے ایک شخص محمدؐ کے چچا حمزہ کے پاس گیا۔ حمزہ ایک پہلوان تھا وُہ ابھی ابھی شکار سے واپس آیا ہی تھا کہ اس تماشائی نے اُس سے کہا تم پہلوان تو ہو مگر تمہاری غیرت کہاں گئی ہے کہ لوگ تمہارے بھتیجے کو پتھر مارتے، ٹھوکریں لگاتے اور تمہارے قبیلے کو گالیاں دیتے ہیں اور تو اُس کی حمایت نہیں کرتا۔

حمزہ نے آج تک اِس پہلو سے محمدؐ کی طرف توجہ ہی نہیں کی تھی کیونکہ اُس نے سُن رکھا تھا کہ محمدؐ اجداد کے عقیدہ کی مخالفت کرتا ہے اور اُس کے لیئے اجداد کا عقیدہ محترم تھا لیکن جب اُس نے سُنا کہ لوگ محمدؐ کو پتھر مارتے اور ٹھوکریں لگاتے ہیں۔ خصوصاً اُسے جب یہ بتایا گیا کہ گندی گالیاں دیتے ہیں۔ تو حمزہ نے اُس شخص سے پُوچھا کیا گالیاں دیتے ہیں؟ اُس آدمی نے کچھ گالیاں سُنا دیں جو لوگ محمدؐ کو دیا کرتے تھے۔ جب حمزہ کو معلوم ہُوا کہ لوگ میرے بھتیجے کو فحش گالیاں دیتے ہیں تو غصّہ سے اُسکی

Marfat.com

حالت اس طرح بدلی کہ اُس کا سُرخ چہرہ سیاہ ہوگیا۔ ویسے بھی عرب بادیہ نشین کلام کو بہت اہمیت دیتے تھے خواہ وُہ کلام تعریف میں ہو یا ہجو میں۔ بدوی عرب اپنے بزرگوں کی شان میں بدگوئی کو ناقابلِ معافی جرم قرار دیتے تھے۔ چُونکہ کلام کو بہت اہمیت دیتے تھے یہاں تک کہ اگر کوئی آدمی اپنی بیوی کو کہتا کہ تیری پیٹھ میری ماں کی پیٹھ جیسی ہے تو وُہ بیوی اُس پر حرام ہوجاتی تھی۔ نیز بدکلامی یا گالی ایک فرد کو ہی کیوں نہ دی گئی ہو وُہ پُورے قبیلہ کی توہین تصوّر کی جاتی تھی۔ ویسے بھی ایک قبیلہ کے افراد آپس میں رشتہ دار ہوتے تھے اس لحاظ سے اشتراکِ خُون بھی ہوتا ہی تھا۔

حمزہ نے تلوار اُٹھائی۔ یہ تو اُسے معلوم ہی ہوچکا تھا کہ محمدؐ کی مخالف تحریک کا لیڈر ابوجہل ہی ہے۔ وُہ اس کے گھر گیا اور اُسے خوب تھپیڑ لگائے اور کہا اے ابوجہل تُو نے سمجھ رکھا ہے محمدؐ بے یار و مددگار ہیں؟ کیا تو اسی لیئے پتھر مارتا اور گالیاں دیتا ہے؛ مَیں آج سے دینِ محمدؐ کو قبول کرتا ہُوں اور جس نے محمدؐ کو بُرا کہا اُس سے میں خود سمجھ لونگا۔

حضرت حمزہؓ کا مسلمان ہونا آپؐ کے لیئے بہت سُودمند ثابت ہؤا۔ حمزہؓ تمام پہلوانوں سے زیادہ طاقتور یعنی "رستمِ عرب" تھا۔ قریش کے افراد کی ایذارسانی کم نہ ہُوئی۔ حالانکہ انہیں یہ معلوم ہوچکا تھا کہ حمزہؓ (محمدؐ کے چچا) اسلام لا چکے ہیں۔ محمدؐ پر پھر بھی حملہ کر دیا کرتے تھے۔

اتنا فرق ضرور آیا کہ حضرت حمزہؓ کے اسلام لانے کے بعد محمدؐ اور دُوسرے مسلمان کوہِ صفا پر ایک گھر میں جمع ہونے لگے یہ گھر خانہ کعبہ کے رُوبرو تھا۔ میں نے اُس گھر کو دیکھا ہے آج وہ ایک مدرسہ ہے۔

جب مسلمان اُس گھر میں عبادت کے لیئے جمع ہوتے کچھ افراد اُن میں سے شمشیر بدست ہوکر نگہبانی کرتے اسلیئے کہ ہر لمحہ خطرہ ہوتا تھا کہ قریش حملہ کردیں گے اور سب کو قتل کردیں گے۔

محمدؐ مسلمانوں سے نظم و ضبط میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں چاہتے تھے۔ اور فرمایا کرتے تھے کہ عبادت کے وقت اس گھر میں ضرور پہنچنا ہوگا اور نماز باجماعت میں شرکت کرنا ہوگی۔ نماز باجماعت سے غیر حاضری پر کسی عذر کو نہ مانتے تھے۔ اِلّا یہ کہ کوئی اتنا بیمار ہو کہ اُٹھ بیٹھ نہ سکتا ہو۔

اہلِ عرب موت کی پرواہ اسی وقت تک کرتے ہیں جب تک تلوار ہاتھ میں نہ لیں۔ جب شمشیر بدست ہوتے تو موت کا خوف جاتا رہتا تھا۔ ایک بدو عرب جب تلوار اُٹھا لیتا تو خود کو دس نفر کے برابر سمجھتا اور مسلمان بھی تو بدوی عرب ہی تھے۔

موت کے بارے میں عربوں کا عقیدہ یہ ہے کہ اجل یا مرگ انسان کے ہاتھ میں نہیں ہے بلکہ خداوند تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ لہٰذا اگر کوئی تلوار لیئے ہوئے میدانِ جنگ میں اُترے تو ہلاک نہیں ہوگا الّا یہ کہ اُس کی اجل آچکی ہو۔ عرب اس عقیدہ کی بنا پر میدانِ جنگ میں موت کا خیال تک ذہن میں نہیں لاتے۔ بڑی خونسردی اور حلم سے لڑتے ہیں خصوصاً مکّہ کے عرب حلم میں معروف تھے اور جانتے تھے کہ جوشیلاپن میدانِ جنگ میں خطرناک ہوتا ہے۔ حضرت حمزہؓ کے اسلام لانے کے بعد کچھ اور افراد مسلمان ہوئے اور مسلمانوں کی تعداد تیس ۳۰ سے تجاوز کر گئی۔

ساکنینِ مکّہ خصوصاً قبائل قریش نے اب اسلام کا فروغ حقیقی طور پر محسوس کیا اور پہلی بار اس بابت دارالندوہ (مجلسِ شوریٰ) کا مکّہ میں اجتماع ہؤا کہ دینِ محمدؐ کا کس طرح اور کیا توڑ کیا جائے لیکن وہ کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکے۔

Marfat.com

عربوں کے سرداروں میں ایک مرد بنام عمر تھا۔ جب مجلس منتشر ہوگئی اور تمام بزرگ دارالندوہ سے چلے گئے تو عمر نے کہا میں محمدؐ کو قتل کرتا ہوں اور مکہ والوں کو اس شر سے رہائی دلاتا ہوں۔ تمام اشرافِ قریش چاہتے تھے کہ محمدؐ قتل کر دیئے جاویں۔ لیکن کوئی بھی جرأت نہیں کرتا تھا لیکن عمر نے اس کا بیڑا اُٹھا لیا۔

عمر اُن افراد سے تھا جو ارادے کے پکے اور بات کے دھنی ہوتے ہیں۔ دُوسری صفت یہ کہ مکہ میں اُس سے بلند قامت کوئی اور شخص نہ تھا۔ قد اتنا بلند تھا کہ جب ہجرت کے بعد مدینہ میں مسجد بنائی گئی اور عمر مسجد میں داخل ہونے لگے تو اُن کا سر چھت سے جا لگا۔

مکہ کے لوگ جانتے تھے کہ عمر کی زبان سے نکلا ہوا لفظ واپس نہیں ہوا کرتا۔ جب اُس نے کہا کہ ایک آدمی کو قتل کردوں گا۔ بغیر کسی شک وشبہ کے وُہ اُسے قتل کر دے گا۔ اور دُوسرے اُسے مُردہ ہی سمجھ لیں۔ جس دن خطاب کے بیٹے نے محمدؐ کے قتل کا ارادہ کیا۔ وُہ ۶۱۴ سن عیسوی تھا یعنی آٹھ سال قبل از ہجرت۔

اُس دن محمدؐ اور مسلمان کوہِ صفا پر واقع گھر میں جمع تھے۔ عمر بن الخطاب اپنے گھر گیا اور اس ارادہ سے کہ محمدؐ کو قتل کرے اپنی تلوار اُٹھائی اور کوہِ صفا کی طرف چلا۔ راستہ میں اُسے نعیم بن عبداللہ ملے (جو پوشیدہ طور پر مسلمان ہو چکے تھے) نعیم نے پُوچھا عمر کہاں جا رہے ہو؟

عمر کی عادت تھی بہت بلند آواز سے گویا ہوا کرتا تھا۔ کہا " یا نعیم میں جب سے پیدا ہوا ہوں میں نے نہیں دیکھا کہ کسی نے قریش کی اتنی توہین کی ہو جتنی محمدؐ نے کی ہے۔ حتیٰ کہ بڑے سے بڑے دشمنوں نے بھی ہماری ایسی ہتک نہیں کی۔ یہ شخص دینِ جدید لا کر موجبِ نفاق ہوا ہے۔ ہمارے اجداد کی شان میں بدگوئی کرتا ہے۔ ہمارے والدین کو اُس نے خاک برابر کر دیا ہے اور کہتا ہے کہ ہم اپنے خداؤں کی پرستش چھوڑ دیں۔ ہم نے آج تک صبر کیا ہے صرف اس لحاظ سے کہ محمدؐ قبیلہ قریش سے ہیں۔ لیکن اب ہم اُس کی اس بے باک توہین سے تنگ آ گئے ہیں۔ مَیں جا رہا ہوں کہ اُسے قتل کروں تاکہ ہمیشہ کے لیئے مکہ سے یہ شر ختم ہو۔

نعیم جانتا تھا کہ عمر ایک صاف گو، شریف اور راست باز مرد ہے اور اسے اپنے ارادہ سے باز نہیں رکھا جا سکتا۔ الّا یہ کہ اسے کسی محکم عقلی دلیل سے قائل کر لیا جائے نیز چونکہ راست گو اور شریف تھا۔ عقل و عدالت کا قائل ہو جاتا تھا اور اس میں کسی قسم کی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتا تھا۔ یہ سوچ کر نعیم عمر کے پیچھے بھاگا اور کہا عمر ذرا ٹھہرنا میں تم سے ایک بات کرنا چاہتا ہوں۔ عمر ٹھہر گیا۔ نعیم جب اُس کے پاس پہنچا تو عمر اتنا بلند تھا کہ نعیم کا سر اُس کے سینہ تک نہیں پہنچ رہا تھا۔

عمر کا طریقہ تھا کہ تلوار کو کبھی بے نیام نہیں کیا کرتا تھا مگر بوقتِ جنگ۔ زمانہ امن میں وہ اپنے دشمنوں کو کوڑوں سے مارا کرتا تھا۔ لیکن اُس دن اُس نے اپنے ہاتھ میں ننگی تلوار لے رکھی تھی کہ محمدؐ کو قتل کرے۔

جس وقت عمر ٹھہر گیا تو نعیم بن عبداللہ نے کہا اے عمر تو محمدؐ کے دینِ جدید سے ناراض ہے اس لیئے کہ یہ ہمارے دین کی سُبکی کا باعث ہے لیکن پیشتر اس کے کہ تو مکہ کے لوگوں کا نفاق دور کرے۔ یہ بہتر ہوگا کہ اپنے گھر کو منظم کرو۔

عمر نے پُوچھا تمہارا مطلب؟

نعیم نے کہا دُو نفر تمہارے عزیزوں میں سے مسلمان ہیں تمہارے گھر میں رہتے ہیں۔ ایک تمہاری بہن فاطمہ اور دُوسرے

Marfat.com

تمہارے بہنوئی سعید بن زید۔ تو مکہ والوں کو ابھی چھوڑ اور جا اپنے گھر کی فکر کر۔

عمر ایک منطقی انسان تھا اُس نے جب یہ سب سُنا تو کہا۔ تو ٹھیک کہتا ہے اس سے پہلے کہ مکہ سے تمام اسلام کی بیخ کنی کروں اسلام کو اپنے گھر سے نکال باہر کرنا ہوگا اور کوہِ صفا کی طرف جانے کی بجائے واپس اپنے گھر کی طرف چل دیا۔

جب عمر اپنے گھر میں داخل ہوا تو دیکھا کہ فاطمہ اور اُس کا شوہر سعید بن زید اور ایک مرد بنام خباب تینوں مل کر قرآن کی آیات تلاوت کر رہے ہیں۔ عمر نے بہن کو تازیانے مارنے شروع کر دیئے اور وُہ بھی اس شدت سے کہ فوری ہی فاطمہ کے بدن سے خون رسنا شروع ہوگیا۔ عمر بہن کو مارتا جاتا اور ساتھ ساتھ کہتا جاتا تم دینِ محمدؐ کو ترک کر دو۔ لیکن فاطمہ نے کہا یہ ناممکن ہے تم چاہے مجھے قتل کر دو۔ ویسے تم اگر قرآن پڑھ کر دیکھو تو تمہیں خود ہی معلوم ہو جائے گا کہ یہ دین دینِ برحق ہے۔

یہاں دو روایت منقول ہیں: ایک یہ کہ عمر نے سعید بن زید کے ہاتھ سے قرآن لیکر پڑھنا شروع کر دیا اور دوسرے یہ کہ عمر نے بہنوئی سے خواہش کی کہ اُس کے لیئے قرآن پڑھیں تاکہ میں سمجھ سکوں۔ اس میں کیا تاثیر ہے۔ جو میری بہن مجھے کہتی ہے کہ پڑھ کر تو دیکھو تاکہ تمہیں معلوم تو ہو کہ یہ دینِ محمدؐ برحق ہے۔

پہلی روایت کہ عمر نے سعید بن زید کے ہاتھ سے قرآن لے لیا تاریخی واقعات سے مطابقت نہیں رکھتا۔ اس لیئے کہ یہ واقعہ آٹھ سال قبل از ہجرت کا ہے اور قرآن پاک موجودہ شکل و ترتیب میں نہیں تھا بلکہ حضرت محمدؐ کی زندگی میں قرآن موجودہ شکل میں مرتب نہیں ہوا تھا۔ قرآن کو موجودہ شکل رحلتِ رسول اللہ کے بعد حضرت عثمانؓ کے دورِ خلافت میں دی گئی تھی مسلمان عموماً ان پڑھ تھے اُن کے لیئے ممکن نہ تھا کہ آیات کو لکھ کر اپنے پاس محفوظ کرلیں۔ حضرت محمدؐ کے دورِ حیات میں قرآن متفرق آیات کی صورت میں مسلمانوں کے پاس موجود تھا۔ اکثر مسلمان آیاتِ قرآنی کو حفظ کر لیا کرتے تھے۔ بہت تھوڑی آیات لکھ کر محفوظ کی گئی تھیں یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے قرآن کی موجودہ شکل کا اُس وقت وجود نہ تھا اور نہ ہی اُس وقت تک آیاتِ قرآنی کو یکجا کیا گیا تھا اور نہ ہی آیات کی تکمیل ہوئی تھی۔ قرآن ہجرت کے بعد مدینہ میں بھی نازل ہوتا رہا۔ جب عمر گھر میں داخل ہوا اور بہن کو پیٹنا شروع کیا یہ ہجرت سے آٹھ سال پہلے کا واقعہ ہے۔

ہاں یہ ممکن ہے کچھ پڑھے لکھے مسلمانوں نے بعض آیات کو لکھ رکھا ہو تاکہ بھول نہ جائیں اور یہی ان تین افراد کے پاس موجود ہوں اور یہی لکھی ہوئی آیات عمر کے ہاتھ لگی ہوں۔ آج ہم نہیں جانتے کہ وُہ آیات کس چیز پر لکھی ہوئی تھیں اور اُن کی کیا شکل تھی۔ جُدا جُدا کاغذوں یا چمڑے کے ٹکڑوں کا ڈھیر تھا یا ایک رسالہ کی شکل تھی روایت اس پہلو پر کوئی روشنی نہیں ڈالتی۔

بہرصورت عمر نے وہ آیاتِ قرآنی پڑھیں اور بہت زیادہ اثر قبول کیا۔ بہن کو چوم لیا اور تینوں سے کہا میں فوراً مسلمان ہونا چاہتا ہوں۔ اُسی وقت یہ تینوں افراد عمر کی ہمراہی میں کوہِ صفا کی طرف چل دیئے۔ مسلمانوں نے جو کوہِ صفا پر موجود تھے جب دیکھا کہ عمر اپنی زخمی بہن کے ساتھ آرہا ہے تو یہ سمجھے کہ عمر قتل کے ارادہ سے آرہا ہے۔ بہرحال عمر نے یقین دلایا کہ وُہ اسلام قبول کرنے کے لیئے آیا ہے۔ عمر بن الخطاب چالیسویں فرد تھے کہ مسلمان ہوئے۔

عمرؓ کا اسلام قبول کرنا مسلمانوں کے لیئے ایک بڑی مدد تھی۔ اسے تاریخ اسلام کا بہت اہم واقعہ سمجھا جاتا ہے۔
عمرؓ اس قدیم دنیا کا ایک مثالی فرد تھا۔ جیسا کہ بتایا جا چکا ہے۔ عمرؓ بلند قامت۔ چوڑے چکلے شانوں اور بہت بلند آواز کے مالک تھے۔

Marfat.com

وہ جب اُونچی آواز نکالتے تو اُن کی آواز ایک ہزار قدم تک سُنی جا سکتی تھی۔ وہ تمام صفات جو ایک مثالی اصیل عرب میں ہونی چاہئیں عمرؓ ان سے متصف تھے۔

عمرؓ اسلام لانے سے قبل بھی منہیات کے عادی نہیں تھے اور ایک بدوی عرب کی طرح کھانے پینے میں افراط سے پرہیز کرتے تھے۔ یہ بلند قامت اور چوڑے چکلے شانوں والا انسان صرف پانچ لقمے غذا پر اکتفا کیا کرتا اور بعید نہیں کہ انہوں نے تاریخ میں جو فوق العادۃ کام انجام دیئے ہیں اسی بنا پر تھے۔ اپنے دورہ خلافت میں بعض اوقات آپ پندرہ پندرہ دن رات مسلسل کام کرتے تھے بغیر اس کے کہ تھکن کے آثار ہویدا ہوں۔

عمرؓ بن الخطاب ہرگز کسی مجرم کو سزا دیئے بغیر نہیں چھوڑتے تھے۔ سزا میں کمی کے قائل نہیں تھے لیکن یہ بھی محال تھا کہ ایک بے گناہ اُن کے ہاتھ سے سزا پا جائے۔

عمرؓ دس سال مسلمانوں کے خلیفہ رہے۔ اس چھوٹی سی مدت میں دُنیا کی تین بڑی شہنشاہیتوں (ایران۔ مصر۔ شام) کو فتح کیا۔ زندگی کے آخری لمحے تک جب کہ آپؓ قدیم دُنیا کے ایک بڑے حصے کے حکمران تھے۔ خاک یا کھجور کی چٹائی پر بیٹھا کرتے تھے اور ایک وقت میں فقط پانچ لقمہ غذا پر اکتفا کرتے تھے۔

اُس دن جب کوہ صفا والے گھر میں عمرؓ محمدؐ پر ایمان لائے انہوں نے حضرت محمدؐ اور مسلمانوں سے کہا آؤ اب ہم خانہ کعبہ چلیں اور پہلی بار مسلمان مکہ شہر میں سے ایک جتھہ کی صُورت میں گزرے اور خانہ کعبہ پہنچ کر نماز ادا کی۔ اس موقع پر ابوجہل۔ ابوسفیان ابولہب اور کئی دُوسرے سرکردہ افراد خانہ کعبہ کے مقابل جمع ہو گئے تھے مگر انہیں جرأت نہ ہُوئی کہ خانہ کعبہ میں داخل ہوں۔

نماز سے فارغ ہو کر جب مسلمان خانہ کعبہ سے باہر آئے تو عمرؓ بن الخطاب نے سرداران قریش سے کہا۔ اگر آج کے بعد محمدؐ اور اسلام کے متعلق کوئی بات ہو تو آپ مجھ سے رجوع کریں۔ نیز میں آج سے مسلمان ہوگیا ہوں۔ قبیلہ قریش کے بزرگ عمرؓ سے اس قدر خوفزدہ تھے کہ ان میں سے کسی کو عمرؓ کی بات کا جواب دینے کی جرأت نہ ہوئی اور مسلمان اپنے اپنے گھروں کو لوٹ گئے۔

اس دن حضرت عمرؓ، حضرت محمدؐ کو اُن کے گھر تک چھوڑ کر آئے۔ کسی فرد کو جرأت نہ ہُوئی کہ کوئی گندی بات کہے یا آپؐ کی طرف پتھر پھینکے۔

بزرگانِ قریش نے جب دیکھا کہ عمرؓ بھی مسلمان ہو گئے ہیں اور انہوں نے کھُلم کھُلا حضرت محمدؐ کی حمایت شروع کر دی ہے تو وُہ بہت زیادہ فکرمند ہوئے اتنی فکر انہیں حضرت حمزہؓ کی حمایت سے لاحق نہیں ہوئی تھی۔

حمزہؓ ایک رستم اور جنگجو تھے لیکن قریش کی جماعت عمرؓ سے زیادہ خوفزدہ تھی۔ اس لیئے کہ وُہ جانتے تھے عمرؓ کتنا دلیر اور وفادار ہے مکہ میں مشہور تھا کہ شیطان بھی عمرؓ سے دُور بھاگتا ہے۔

بہرحال اسلام کے دشمن بھی حضرت محمدؐ اور عمرؓ کی طرح بدوی عرب تھے اور وُہ بھی آبائی دین پر یقین رکھتے تھے اور وُہ کسی صورت بھی یہ برداشت نہیں کر سکتے تھے کہ محمدؐ اُن کے آباواجداد کے دین کو باطل کہیں اور نتیجتاً ان کا دین باطل ہی تصور کیا جانے لگے۔

بدیں وجہ انہوں نے دوبارہ آپس میں مشورہ کیا اور اس نتیجہ پر پہنچے کہ ابوطالب جو حضرت محمدؐ کے قبیلہ بنو ہاشم کے بزرگ تھے

Marfat.com

اُن کی طرف رجُوع کیا جاوے اور اس پر زور دیا جاوے کہ حضرت محمدؐ کو قبیلہ سے نکال باہر کرے تاکہ ہم اُسے قتل کر سکیں۔

جب تک محمدؐ قبیلہ ہاشم کے عضو تھے قریش کی جماعت انہیں قتل نہیں کر سکتی تھی لیکن اگر ابوطالب موافقت کرتے اور حضرت محمدؐ کو قبیلہ سے طرد کر دیتے تو پھر محمدؐ کا خوُن اُن پر مباح ہو جاتا تھا۔ تا زمانیکہ محمدؐ عضو قبیلہ ہاشم تھے اُن کے خون کی قیمت تھی۔ قاتل قبیلہ لازماً خوں بہا ادا کرتا اور وُہ بھی اس صُورت میں کہ مقتول کا قبیلہ خوں بہا لینا قبول کر لے۔ اگر ابوطالب محمدؐ کو طرد کرنا قبول کر لیتے تو قریش کی جماعت بلا خوف و خطر آپؐ کو قتل کر دیتی۔ اس طرح قتل کی صورت میں نہ خوں بہا دینا ہوتا اور نہ ہی مقتول کے قبیلہ سے انتقام کا خطرہ۔

قریش کی جماعت میں سے چند آدمیوں کو ابوطالب سے مذاکرت کے لیئے مامور کیا گیا کہ وہ حضرت محمدؐ کو اپنے قبیلہ سے طرد کر دائیں اور اُس کے عوض ابوطالب قریش قبائل میں سے ایک یا دُو جوانوں کو اپنے قبیلہ میں لے لے۔

اس موضوع اور پیشکش پر حیران نہیں ہونا چاہیئے اس لیئے کہ قبل از اسلام جزیرۃ العرب میں قتل انسانی پر جزا و سزا کا تصوّر موجود نہیں تھا۔ جب ایک شخص دُوسرے کو قتل کرتا تو اس میں کوئی پشیمانی کی بات نہیں ہوتی تھی اور لوگ بھی اُسے اس فعل پر کسی معنوی یا اُخروی سزا کا مستوجب نہیں سمجھتے تھے۔ آخرت میں جزا و سزا کا تصوّر اسلام کے ساتھ وجود میں آیا ورنہ ایک بدوی کو دس انسان قتل کر کے بھی عذاب آخرت کا احساس یا خوف نہیں ہوتا تھا اور نہ ہی اس فعل کو دُوسرے لوگ مستوجب مجازات معنوی سمجھتے تھے۔

ایک فرد کی حیثیت قبیلہ میں ایسے ہی ہوتی جیسے گھوڑا یا شتر۔ جس وقت قبیلہ کا کوئی فرد قتل ہوتا تو قاتل اُس کا خونبہا ادا کرتا اور اگر مقتول کا قبیلہ خونبہا قبول کر لیتا تو قاتل کا جرم قتل معاف تصوّر ہوتا تھا۔ کبھی ایسے بھی ہوتا کہ قاتل کے قبیلہ سے ایک فرد مقتول کے قبیلہ کو دے دیا جاتا تاکہ تعادل قائم رہے۔ بدوی عرب افرادِ قبیلہ کو مثل سرمایہ مادی تصور کرتے تھے۔ لہٰذا ایک فرد کے قتل سے قبیلہ کی قوت میں جو کمی واقع ہو جاتی تھی۔ وہ ایک نفر قاتل قبیلہ سے اپنے خاندان میں شامل کر کے خوش ہو جاتے تھے کہ مجموعی طور پر قبیلہ کی قوت میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی۔

دُورِ جاہلیّت کے کچھ شعراء نے اپنے کلام میں اس عقیدہ کا اظہار کیا ہے کہ ایک بیٹے، بھائی یا باپ کا خوں بہا قبول کیا جا سکتا ہے۔ بشرطیکہ بیٹے، بھائی یا باپ کے عوض قاتل قبیلہ کے فرد کو اپنے قبیلہ میں منتقل کر لیا جائے اور یہ صحیح بھی ہے اس سے کوئی نقصان واقع نہیں ہوتا۔ یہ شعرا عقیدہ رکھتے تھے کہ بیٹے، بھائی یا باپ کا قتل ناقابلِ تلافی ہے حتّیٰ کہ قاتل قبیلہ کے تمام افراد کو بھی قتل کر دیا جائے تو تلافی ممکن نہیں۔ اور یہ بھی کوئی تلافی کا طریقہ نہیں کہ بیٹے، بھائی یا باپ کو بہ بہائے شتر یا زر بیچ دیا جاوے۔

اسی عقیدہ کی بنا پر یہ شعرا مجبور ہُوئے کہ اپنے اپنے قبائل سے دُور رہ کر ایک مطرود زندگی بسر کریں۔ وہ اس لیئے کہ اُن کا نظریہ اصولِ مروّت کے خلاف تھا۔ مروّت کو عربوں کے قانون اساسی میں بہت دخل تھا۔

قانونِ (مروّت)، کا تقاضا تھا کہ جب ایک آدمی قتل ہو جائے اور اس کا قاتل خود ہی خوں بہا کی ادائیگی کے لیئے حاضر ہو جائے اور مقتول کے قبیلہ کو راضی کر کے خوں بہا ادا کر دے تو قاتل کے خلاف کوئی فرد جُرم نہیں رہتی۔ پھر ایک آدمی کے قتل کے انتقام میں

تمام قبیلہ کو نابود نہیں کیا جا سکتا۔

بہرحال دور جاہلیت کے بعض شعراء نے خوں بہا کی پرداخت کو کافی نہیں سمجھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ اس سے ایک عزیز کے خون کی تلافی نہیں ہوسکتی۔ بہرحال وہ شاعر تھے اور قریش تاجر۔ تاجران قریش سُنتِ قدیم و قوانین مروّت کی پیروی کرتے تھے۔ اُن کی یہ سوچ تھی کہ اگر ابوطالب نے محمدؐ کو قبیلہ سے طرد کرکے اُس کے عوض کسی دُوسرے جوان کو شامل کر لیا تو کچھ نقصان نہیں اور اگر ابوطالب ایک کی بجائے دو جوان شامل کرنے پر مصر ہوا تو چلو کچھ منافع بھی وصول کرے گا۔

قریش کے نمائندے ابوطالب کے پاس گئے اور اپنا مدعا بیان کیا۔ ابوطالب نے کہا بھائیو میں ہرگز مسلمان نہیں ہونگا فکر نہ کرو میں اپنے اجداد کے دین پر ہی مروں گا لیکن اپنے قبیلہ سے محمدؐ کو طرد نہیں کروں گا۔ تاکہ تم اُسے قتل کرسکو۔ میں تم سے وعدہ کرتا ہُوں کہ اُس سے گفتگو کروں گا شاید میں اُسے قائل کرسکوں کہ وُہ اپنے دین کو چھوڑ دے۔ آپ لوگ میرے پاس کل تشریف لائیں جو بھی مذاکرات کے نتائج ہوں گے میں آپ کو اُن سے آگاہ کردوں گا۔

اس روز ابوطالب نے حضرت محمدؐ کو اپنے پاس بُلایا اور آپؐ کو قریش کی خواہش سے آگاہ کیا کہ وہ چاہتے ہیں کہ میں تمہیں قبیلہ سے طرد کردوں تاکہ وہ تمہیں قتل کرسکیں۔ میں نے ان کی خواہش کے مقابل انہیں بتایا ہے کہ میں ہرگز دینِ محمدؐ کو قبول نہیں کروں گا۔ محمدؐ میرا بھتیجا ہے میں اُسے قبیلہ سے طرد نہیں کرسکتا۔ میں اُس سے بات کروں گا شاید وہ باز آجائے۔

محمدؐ نے پوچھا: چچا کس چیز سے باز آنا ہوگا؟

ابوطالب نے کہا۔ میں نے اُن سے وعدہ کیا ہے کہ تم سے مذاکرہ کروں کہ تم دینِ جدید کو چھوڑ دو اور اُس کی تبلیغ وغیرہ بند کردو۔

محمدؐ نے فرمایا: چچا میں نے جب سے رسالت کا کام شروع کیا ہے اُس وقت سے میں نے بجز خداوند کسی اور پر تکیہ نہیں کیا اور آج بھی میں اُسی پر تکیہ کرتا ہُوں۔ اگر آپ مجھے قبیلہ سے طرد کرنا چاہیں تو کرسکتے ہیں۔ لیکن ابوطالب نے آپکو قبیلہ سے طرد نہ کیا کیونکہ وہ اس عمل کو باعث ننگ و عار سمجھتا تھا۔ قریش سے کہہ دیا کہ میں محمدؐ کو قبیلہ سے طرد نہیں کروں گا۔ مگر جب تک زندہ ہوں اُس کے دین کو قبول نہیں کروں گا۔

قریش کی جماعت نے جب دیکھا کہ ابوطالب سے مذاکرات نتیجہ خیز نہیں ہُوئے تو انہوں نے فیصلہ کیا کہ محمدؐ سے بالمشافہ گفتگو کی جائے۔ قریش نے اپنے میں سے ایک بڑے ذہین، حلم والے اور خوش سخن شخص کا انتخاب کرکے محمدؐ کے پاس بھیجا۔ اُس شخص نے نمائندہ کی حیثیت سے محمدؐ سے یُوں کہا۔

"اے محمدؐ تو جب سے سیانا ہُوا ہے۔ ہم نے تمہیں امین و صبور پایا اور ہم سب تمہارے حسنِ خلق سے راضی و خوش تھے۔ کبھی ایسا اتفاق نہیں ہُوا کہ تمہارے ہاتھ سے کسی کو آزار پہنچا ہو لیکن آج جو تم کہتے ہو اور جو کام کرتے ہو اُس سے اس شہر کے تمام افراد کی زندگی دگرگوں ہو کر رہ گئی ہے۔ کوئی شخص مطمئن نہیں ہے تو اعلانیہ اس شہر کے لوگوں کے مذہب کو غلط کہتا ہے اور ہمارے بتوں کو باطل سمجھتا ہے۔ تم یہ بھی کہتے ہو کہ ہمارے اجداد کا دین ایک گمراہی تھی جب کہ تم خود ہم میں سے ہو اور ہمارے ہی اجداد کے خلف بھر

Marfat.com

کس طرح تم اپنے اجداد کی توہین روا رکھتے ہو۔"

"میں تم سے درخواست کرتا ہوں جو کچھ تمہارے دل میں ہے تم برملا کہہ دو تاکہ ہم سمجھ سکیں کہ تمہارا منشا و مقصود کیا ہے۔ اگر تمہیں دولت کی خواہش ہے تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ مکہ والوں سے اس قدر دولت جمع کر دوں گا کہ تم بے نیاز ہو جاؤ گے اور اگر عورت درکار ہے تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ قریش کی زیبا ترین لڑکیاں تمہارے لیے ہوں گی اور تم شب و روز اُن میں سے ایک کا انتخاب کر کے اُس کے ساتھ بسر کرو۔ اگر طلب جاہ ہے تو جو مقام تم چاہو ہم تمہیں دیں گے۔ اگر چاہتے ہو مکہ کے رئیس بنو ہمیں یہ بھی منظور ہوگا کہ تمہیں اس شہر کی ریاست دے دیں لیکن شرط یہ ہے کہ تم اپنی روش بدل ڈالو۔ ہمارے عقیدہ کو نہ جھٹلاؤ اور مت کہو کہ ہمارے بُت برحق نہیں ہیں۔ اس لیے کہ ہم میں اس توہین کو برداشت کرنے کی قوت نہیں ہے۔ ہر حرف جو تو کہتا ہے ہمارے سینوں میں تیر کی طرح پیوست ہو جاتا ہے۔"

حضرت محمدؐ نے بڑے تحمل اور حوصلہ سے نمائندۂ قریش کو سنا۔ جب وہ اپنی بات تمام کر چکا تو آپؐ نے فرمایا:

"جو کچھ میں کہتا ہوں۔ وہ میری جانب سے نہیں بلکہ خدا کا فرمان ہے۔ خدا جو کچھ مجھ پر وحی کرتا ہے وہ تم لوگوں کو کہتا ہوں اور یہ سب عربی زبان ہی میں ہے تم اسے سمجھ اور اس پر عمل کر سکتے ہو۔ جب میں کہتا ہوں کہ تمہارے اجداد کا دین برحق نہیں ہے۔ یہ شرک ہے۔ خدا کا کلام میری زبان پر ہوتا ہے۔ میں رسولِ خدا ہوں اور اپنے وظیفہ کو انجام دوں گا۔ طمع، لالچ یا خوف جو تم مجھے دلا رہے ہو۔ مجھے رسالت کے کاموں کی انجام دہی سے نہیں روک سکتا۔ تم لوگ میری بات مان لو تاکہ تم فلاح پا جاؤ۔ خود کو شرک سے پاک کر لو اور دینِ خدا کو قبول کر لو۔

خداوند کا فرمان میری زبان سے سن لو:

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِيْمُوْٓا اِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوْهُ وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ" ترجمہ: یہ سورۂ سجدہ کی ساتویں آیت ہے (اے محمدؐ ان مشرکوں سے کہہ دو کہ میں بھی تمہاری طرح کا ایک بشر ہوں۔ فرق یہ ہے کہ خداوند کی طرف سے مجھ پر وحی ہوتی ہے کہ میں تمہیں بتا دوں کہ خدا ایک ہے تم اُس کی طرف بڑھو اور اُس پر ایمان لاؤ۔ گناہوں سے توبہ کرو اور جان لو کہ مشرکوں کے لیے "ویل" تیار ہے جو جہنم کا ایک خوفناک کنواں ہے یعنی مشرکوں کو ضرور عذاب دیا جائے گا۔"

قریش کا نمائندہ جواب سن لینے کے بعد جب قبیلہ قریش میں واپس آیا تو اُن سے کہا کہ مجھے تو کچھ بن نہیں آیا۔ اب جو سلوک چاہو محمدؐ سے روا رکھو۔

یہ نمائندہ قریش جنہوں نے آپؐ سے مذاکرات کیے اُس کا نام (عتبہ) تھا۔ عتبہ بن ربیعہ، ابو سفیان کا خسر۔

Marfat.com

مسلمانوں کی ہجرتِ اوّل

مسلمان تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ حضرت محمدؐ کی متعدد ازدواج تھیں لیکن وہ بھول جاتے ہیں کہ جب تک حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ زندہ رہیں، آپؐ اُن کے وفادار رہے اور یہ پچیس ۲۵ سال کی ازدواجی مدت تھی۔

جب آپؐ نے خدیجہؓ سے ازدواج کیا، آپؐ کی عمر پچیس سال تھی یعنی عین عالمِ شباب اور جب حضرت خدیجہؓ نے رحلت فرمائی آپؐ کی عمر مبارک کے پچاس ۵۰ سال گزر چکے تھے۔ حضرت خدیجہؓ آپؐ کے لیئے صرف ایک بیوی ہی نہ تھیں بلکہ ایک مشیر اور صمیمی ترین دوست محسوب ہوتی ہیں۔ حضرت محمدؐ جیسے خود ایک بدوعرب تھے حضرت خدیجہؓ کو بھی ایک بدو عرب کی طرح دوست رکھتے تھے۔

براعظم یورپ کے رہنے والوں کے لیئے تو نیلگوں سمندر اور بڑے بڑے دریا، جنگل، سبزہ زار اور باغات دیکھنے کے لیے سُننے کے لیے بلبلوں کی صدائیں میسّر ہیں لہٰذا انہیں ایک عورت کی رفاقت کی قدر کیا ہوگی لیکن عرب کے بیابانوں میں جہاں نہ دریا ہیں نہ سبزہ زار نہ چمن نہ گلستان اور نہ ہی بلبل کی صدا۔ وہاں ایک بدوعرب ان تمام فطرتی لطافتوں سے محروم فقط اپنی بیوی کو ان مناظر کی جگہ دیکھتا ہے۔ بلبل کی صدا کی جگہ اپنی بیوی کی آواز سُنتا ہے۔

اس کی نظر میں پھول کا کھلنا عبارت ہے عورت کے تبسم سے اور سرو کا درخت اُس کی نظر میں قامتِ زن ہے۔ اور جب بھی کسی عورت کا چہرہ نظر آیا تو گویا ایک گلستان نظر آیا۔ تمام تشبیہاتِ شاعرانہ کہ آج تمام یورپی شاعروں نے عورت کی تعریف کے لیئے استعمال کیں ہیں وہ سب شعرائے عرب سے مستعار ہیں۔ فقط عرب ہی تھے جنہوں نے ابتدا میں تمام زیبائیوں کو وجودِ زن میں دیکھا۔

دورِ جاہلیت کے عرب شعراء نے عورت کی بابت جو کہا صمیمانہ کہا۔ لیکن یورپ کے شاعروں نے اُن کی محض تقلید کی ہے اسلیئے کہ احساسات کی رُوح پرور گہرائیوں میں وہ ایک بدوی عرب کو نہیں پہنچ سکتے پس عورت کی بابت اُن کے اشعار دورِ جاہلیت کے شعراء جیسی حلاوت و شیرینی سے عاری ہیں۔

حضرت محمدؐ شاعر نہیں تھے کہ خدیجہؓ کی خدمت میں شعر کہتے لیکن ایک بدوعرب کی طرح طبیعت کی تمام زیبائیوں کو

Marfat.com

اُس کے وسیلہ سے اور اُسی میں دیکھتے تھے۔ پچیس۲۵ سال وُہ حضرت خدیجہؓ کے متوالی اور وفادار رہے ایک بار بھی دُوسرے نکاح کی فکر میں مبتلا نہ ہُوئے۔

حضرت خدیجہؓ دُوسری سب باتوں کے علاوہ آپؐ کی سچی مشیر تھیں اور جب کبھی بھی محمدؐ نے اپنے کاموں کی بابت اُن سے رجوع فرمایا۔ خدیجہؓ نے اپنی صوابدید کے مطابق بہترین مشورہ دیا اور بہت سے مواقع پر تو حضرت محمدؐ نے اُن کے مشورہ پر عمل فرمایا۔ خدیجہؓ پہلی فرد ہیں کہ آپؐ پر ایمان لائیں۔ حالانکہ وہ ایک تاجرہ تھیں اور خرید و فروخت کے علاوہ دُوسری طرف اُن کی توجہ نہ تھی۔ پھر بھی اوّل روز کہ محمدؐ نے فرمایا کہ میں پیغمبری پر مبعوث ہُوا ہوں۔ وُہ ایمان لے آئیں اور تمام مال و دولت اسلام کی راہ میں خرچ کر ڈالی۔ جب خدیجہؓ نے وفات پائی دنیوی مال و دولت میں سے آپؐ کے پاس کُچھ نہ تھا۔ مالی قربانی دُو افراد نے سب سے بڑھ کر دی اور وُہ ہیں حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ اور حضرت ابوبکرؓ۔

قبل از اسلام یہ دونوں افرادِ مکّہ کے ثروتمند ترین لوگوں میں شمار ہوتے تھے۔ وقتِ مرگ کچھ بھی پاس نہ تھا یعنی ان دونوں نے اسلام کی راہ میں اپنی ہستی مٹا دی تھی۔

ہم حضرت خدیجہؓ زوجہ محمدؐ کے متعلق (جنہوں نے ابتدائے اسلام سے پیغمبرؐ کی بہت زیادہ مدد کی) آئندہ صفحات میں بحث کریں گے۔ ابھی ہم ایک اور تاریخی اہمیت کے واقعہ کا ذکر کرتے ہیں وُہ ہے کچھ مسلمانوں کی حبشہ کی طرف ہجرت۔

عمرؓ بن الخطاب مسلمان ہوئے تو انہوں نے نہ صرف اپنے گھر والوں کو دعوتِ اسلام دی بلکہ قبیلہ عدی کے اور بہت سے افراد بھی مسلمان ہوگئے۔

قریش مسلمانوں کی روزافزوں تعداد کی وجہ سے دہشت زدہ ہو رہے تھے مگر حمزہؓ اور عمرؓ کی حمایت کی وجہ سے کسی کو محمدؐ کو ایذا رسانی کی جرأت نہیں ہوتی تھی۔ اس صورتِ حال میں قریش نے ارادہ کیا کہ مسلمانوں کو ایک ہی ہلّہ میں (قرآن نے اُسے فتنہ کا نام دیا ہے) اسلام سے دُور کر دیں۔

زیادہ تر مسلمان جو اسلام لائے تھے وُہ سابقین الاوّلین کی سی استقامت نہ رکھتے تھے۔ بالخصوص حضرت محمدؐ کی سی استقامت کہ شدائد کا مقابلہ کرسکیں۔ قبائل قریش اب مسلمانوں کو پہلے سے زیادہ آزار پہنچانے لگے۔ جس کے لیئے نیا طریقہ یہ اختیار کیا کہ انہوں نے پابندی لگا دی کہ کوئی فرد مسلمانوں سے نہ تو خریداری کرے اور نہ ہی کوئی چیز اُن کے ہاتھ فروخت کرے۔ مسلمانوں سے رشتے ناطے بھی نہ کریں۔ مکّہ کی سرزمین میں کہ جہاں ذریعۂ معاش فقط تجارت ہے۔ اس پابندی نے مسلمانوں کی زندگی مفلوج کرکے رکھ دی۔ کچھ مسلمان جو تازہ واردِ اسلام ہوئے تھے حالات کا مقابلہ نہ کرسکے اور گمراہ ہوگئے۔ اسلام کو چھوڑ دیا۔

حضرت محمدؐ کو فکر لاحق ہوئی مگر فوری طور پر چارہ نہ تھا۔ اور یہ بھی بعید نہیں تھا کہ اس اقتصادی بائیکاٹ کے دباؤ کے باعث کچھ اور مسلمان دینِ اسلام کو چھوڑ دیں۔

ان حالات میں حضرت محمدؐ نے مسلمانوں کے متعلق وُہ فیصلہ کیا جو آج تک کسی پیغمبر نے اپنے پیروکاروں کے لیئے نہیں کیا تھا۔ حضرت محمدؐ نے پختہ ارادہ کیا کہ وہ خود تو مکّہ میں رہیں گے چاہے قتل کر دیئے جائیں لیکن مسلمانوں کو حبشہ بھیج دیا جائے گا

Marfat.com

حبشہ میں اُن دنوں جو بادشاہ حکومت کر رہا تھا اُس نے مذہبی آزادی دے رکھی تھی۔ فقط شرط یہ تھی کہ کوئی بھی مذہب دوسرے مذاہب یا مذہب کے لیئے مزاحمت یا مخالفت کا باعث نہ ہو۔ محمدؐ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ مکّہ چھوڑ کر حبشہ چلے جائیں اور اُس وقت تک وہیں رُکے رہیں جب تک کہ مکّہ کے حالات مسلمانوں کے لیئے سازگار نہ ہو جائیں۔ پیغمبرؐ نے مسلمانوں کو ہدایت کی کہ اس طریق سے روانہ ہوں کہ قریش کو خبر نہ ہو۔

محمدؐ نے اُن کو فرمایا: اگر اجتماعی حیثیت میں سفر کرو گے تو لا محالہ قریش کو خبر ہو جائیگی۔ لہٰذا تم کو چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں میں حبشہ جانا ہوگا تاکہ قریش یہ نہ جان سکیں کہ ہمارا مقصد ہجرت ہے۔ سب سے پہلے گروپ میں مکّہ سے حبشہ ہجرت کرنے والے افراد مندرجہ ذیل تھے:

(۱) جعفر بن ابی طالب اور اُن کی اہلیہ (اسماء) جنہوں نے بعد آں کشتی میں سوار ہو کر بحیرہ قلزم کو عبور کیا۔ اور حبشہ پہنچیں اسی مناسبت سے انہیں "بحریہ" نام دیا گیا یعنی "بحر پیما عورت" (ابوطالب کے دو بیٹے تھے ایک علیؓ جن کو حضرت محمدؐ اپنے فرزند کی طرح رکھتے تھے۔ بعد آں اپنی بیٹی فاطمہؓ کو اُن کے عقد میں دیا۔ دوسرے جعفر تھے جنہیں حضرت محمدؐ کے چچا عباس نے اپنا بیٹا بنایا ہوا تھا۔ بڑے ہونے پر حضرت اسماءؓ سے عقد ہوا)۔

(۲) عثمانؓ بن عفان۔ جو حضرت محمدؐ کی صاحبزادی رقیہؓ کے شوہر تھے۔ ابولہب کے بیٹے سے طلاق ہونے کے بعد عثمانؓ بن عفان نے اُن سے عقد کر لیا تھا۔

(۳) زبیر بن العوام (۴) عبداللہ بن مسعود (۵) عبدالرحمٰن بن عوف (۶) ابوحذیفہ عقبہ (۷) سہلہ دختر سہیل بن عمر (۸) مصعب بن عمر (۹) ابوسلمہ بن عبدالاشد اور اُن کی اہلیہ ام سلمہ دختر امیّہ (۱۰) عثمان بن مظعون (۱۱) عامر بن ربیعہ اور اُن کی اہلیہ لیلٰی دختر ابوخیثمہ (۱۲) حاطب بن عمر (۱۳) سہیل بن بیضا۔ اس گروہ کے یہ افراد چوری چھپے مکّہ سے خارج ہوئے سمندر کے کنارے اکٹھے ہو کر کشتی میں سوار ہوئے اور حبشہ کی راہ لی۔ مسلمانوں کا یہ پہلا دستہ تھا جس نے حبشہ کا سفر کیا۔ ان کے بعد کئی اور گروپ بھی حبشہ کے سفر پر روانہ ہوئے۔

میں نے بعض کتابوں میں دیکھا ہے کہ جعفر بن ابی طالب دوسرے گروپ میں تھے نہ کہ پہلے میں لیکن اپنی جگہ یہ حقیقت بھی ناقابل تردید ہے کہ حبشہ میں داخلہ کے بعد جب کبھی بھی مسلمانوں کے بادشاہِ حبشہ سے مذاکرات ہوئے۔ جعفر بن ابی طالب ہی مسلمانوں کی نمائندگی فرمایا کرتے تھے۔ جب پہلا گروپ حبشہ کی حدود میں داخل ہو کر پایۂ تخت حبشہ میں پہنچا تو (اسماء) زوجہ جعفر بن ابی طالب ملقب بہ "بحریہ" کے ہاں بیٹا متولّد ہوا اور اُسی دن شاہِ حبشہ کے ہاں بھی لڑکا پیدا ہوا۔ حضرت اسماء نے خود کو اُس کی پرورش کے لیئے پیش کیا اور عرب دستور کے مطابق شاہِ حبشہ کا لڑکا اور جعفر بن ابی طالب کا بیٹا رضاعی بھائی ہو گئے۔

دستۂ اوّل و دوئم کے بعد بھی ہجرت کا سلسلہ جاری رہا حتیٰ کہ حبشہ میں مسلمانوں کی تعداد ایک صد نو ہو گئی۔ تب جا کر قریش کو خبر ہوئی کہ مسلمان تو حبشہ ہجرت کر گئے ہیں۔ جماعت قریش نے عمرو بن العاص اور عمارۃ بن ولید پر مشتمل ایک سفارت بادشاہِ حبشہ کی خدمت میں بھیجی کہ بادشاہِ حبشہ سے اجازت لے کر مسلمانوں کو واپس مکّہ لے آئیں۔

Marfat.com

عمرو بن العاص اور عمارۃ بن ولید دونوں شاہِ حبشہ (نجاشی) کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عمرو بن العاص نے عرض کی:۔ "اے بادشاہِ حبشہ جن لوگوں کو تم نے پناہ دی ہے یہ بڑے فاسد لوگ ہیں اپنے اجداد کے مذہب سے منحرف ہو چکے ہیں۔ ہمارے اجداد کو بُرا کہتے ہیں۔ ہمارے اجداد کے عقیدہ کو باطل گردانتے ہیں۔ یہ کہتے ہیں کہ ہمارے آباء باطل کی پیروی کرتے رہے ہیں"؛

"اے بادشاہِ حبشہ جن لوگوں کو تم نے پناہ دی ہے۔ کل کو یہ تیری قوم کے مذہب کو بھی تبدیل کر دیں گے بہتر یہی ہے کہ آپ انہیں ہمارے سپرد کر دیں تاکہ ہم انہیں مکّہ واپس لے جائیں اور ان کے خاندان والوں کو واپس کر یں۔ کیونکہ ان کے خاندان والوں کا یہی مطالبہ ہے"؛

بادشاہ (نجاشی) نے مسلمانوں کی حاضری کا حکم دیا۔ مسلمان حاضر ہو گئے تو بادشاہ نے اُن سے کہا یہ دو افراد مکّہ سے آئے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ تم لوگ مجرم ہو اور تمہیں مکّہ واپس لے جانا چاہتے ہیں نیز یہ کہتے ہیں کہ تمہارے خاندان والے تمہاری واپسی کا مطالبہ کر رہے ہیں تم ان اتہام کے جواب میں کیا کہتے ہو؟

جعفر بن ابی طالب ایک قدم آگے بڑھے اور کہا۔ "اے بادشاہِ حبشہ ان دو افراد سے پوچھیے کہ کیا ہم نے مکّہ یا عربستان کے کسی حصّہ میں چوری کی ہے، کوئی قتل کیا ہے یا کوئی اور ایسا فعل جس سے کسی کو اذیت یا نقصان پہنچا ہو ہم سے سرزد ہوا ہے؟"

بادشاہ نے دونوں سے پُوچھا۔ انہوں نے جواباً کہا "نہیں ایسا نہیں ہوا"؛

جعفر دوبارہ بولے: "اے بادشاہِ حبشہ ہم ماضی میں بُت پرست تھے۔ ہماری عمریں لہو ولعب میں گزرتی تھیں۔ ہم میں ہر قسم کی شہوت رانی ہوتی تھی۔ ہم دوسروں پر ستم روا رکھتے تھے۔ یہاں تک کہ ایک پیغمبر محمدؐ بن عبداللہ ہم میں سے مبعوث ہوئے اور فرمایا "بُت پرستی ترک کر دو۔ آپؐ نے ہماری خدائے یگانہ کی طرف رہنمائی فرمائی ہمیں تعلیم دی کہ بتوں کی پوجا نہ کرو۔ شہوت پرستی چھوڑ دو۔ کمزوروں پر ظلم مت کرو۔ ہم اُن پر ایمان لے آئے ہیں۔ اور یہ دو آدمی جو ہمیں واپس لے جانے کے لیے آئے ہیں بت پرست ہیں۔ یہ پتھر و لکڑی کے بتوں کو پُوجتے ہیں۔ کمزوروں پر ستم روا رکھتے ہیں اور جس دن سے حضرت محمدؐ پیغمبری پر مبعوث ہوئے ہیں یہ دونوں اور دُوسرے قبیلہ قریش کے افراد ہر وقت محمدؐ کو پتھر مارتے اور بُرا بھلا کہتے ہیں۔

بادشاہِ حبشہ نے طرفین کو سُن کر حکم دیا کہ تحائف جو یہ دونوں لائے ہیں واپس کر دیئے جائیں۔ مزید کہا کہ جن لوگوں نے میری مملکت میں پناہ لی ہے وہ میرے عقیدہ کے بہت نزدیک ہیں وہ بھی میری طرح خدائے یگانہ کی پرستش کرتے ہیں میں انہیں مُلک بدر نہیں کروں گا کہ یہ انہیں آزار پہنچائیں۔ جب یہ دونوں بادشاہ کا حکم سُن کر واپس چلے گئے تو شاہِ حبشہ نے جعفرؓ بن ابی طالب سے پیغمبرِ اسلام کا کلام سُننے کی خواہش ظاہر کی۔

جعفرؓ نے نجاشی اور دُوسرے حاضرین کے سامنے قرآن کی وُہ آیات پڑھیں جو آج قرآن کی اُنیسویں سورۃ میں دیکھی جاسکتی ہیں۔ ان آیات میں حضرت مریمؑ اور حضرت مسیحؑ کو برحق بتایا گیا ہے۔ نجاشی جو کہ عیسائی تھا ان آیات کو سُنکر رونے لگا۔ حاضرین بھی رو دیئے۔ بادشاہِ حبشہ نے کہا تمہارا پیغمبر ایک مردِ بزرگ اور سچّا ہے۔ تم جب تک چاہو میرے مُلک میں رہ سکتے ہو کوئی شخص تمہیں اس ملک سے نہیں نکالے گا۔

Marfat.com

مسلمان جو ہجرت کر کے حبشہ پہنچے تھے۔ بڑے آرام کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ قریش کی طرف سے انہیں کوئی خطرہ نہیں رہا تھا لیکن کچھ دوسرے مسائل سر اٹھانے لگے۔ اس جماعت میں سے دو مسلمان افراد نے جب عیسائیوں کے عظیم الشان کلیسا دیکھے تو متاثر ہو کر انہوں نے اسلام چھوڑ مسیحیت قبول کر لی۔ ان میں ایک تو عبید اللہ بن جحش تھا کہ اپنی بیوی (ام حبیبہ) کے ساتھ ہجرت کر کے آیا تھا۔ (ام حبیبہ) ابوسفیان کی بیٹی تھیں۔

عبید اللہ اسلام قبول کرنے سے پہلے ایک حنیف تھا۔ یعنی اس نے اپنی عمر حقیقت کی جستجو میں گزاری تھی۔ جب اسلام کی تبلیغ شروع ہوئی تو وہ مسلمان ہو گیا لیکن حبشہ آنے کے بعد وہ عیسائیوں کے بڑے بڑے کلیسا دیکھ کر مرعوب ہو گیا اور دینِ اسلام کو چھوڑ دیا۔

دوسرا مسلمان فرد جو حبشہ میں عیسائی ہوا سکران بن عمرو تھا۔ اس نے بھی اپنی زوجہ (سودہ) کے ہمراہ ہجرت کی تھی۔ اسکی بیوی (سودہ) نے جب دیکھا کہ خاوند عیسائی ہو گیا ہے تو وہ مکہ واپس آ گئی۔ بعد میں ذکر آئے گا کہ حضرت خدیجہؓ کی رحلت کے بعد یہ پیغمبرؐ کی زوجیت میں آ گئی تھیں۔

جب قریش کو معلوم ہوا کہ کچھ مسلمان حبشہ چلے گئے ہیں تو انہوں نے بقایا مسلمانوں کا ناطقہ بند کر دیا اور زندگی ان پر تنگ کر دی۔ اشراف مکہ جب کسی مسلمان سے ملتے تو اسے سرزنش کرتے حقیر جانتے اور کہتے تمہیں شرم نہیں آتی آبا و اجداد کے مذہب کو تم نے چھوڑ دیا ہے۔ اپنے آباء کے عقیدہ کو تم نے باطل ٹھیرایا ہے تم کیسے اس زمین پر زندہ ہو جب کہ تمہارے آباء نے لات، منات اور عزیٰ کے ساتھ عقیدت پر جان دی۔ یہ تینوں کعبہ کے بڑے بت تھے کہ اعراب مکہ کی اکثریت ان سے عقیدت رکھتی تھی۔ ابوجہل کی کوشش ہوتی کہ ان الفاظ سے مسلمان افراد کے عقیدہ کو متزلزل کر دے اور یہ اسلام سے منحرف ہو جائیں۔

تاجر مسلمانوں سے جا کر کہتا کہ آج کے بعد کوئی شخص تم سے خریداری نہیں کرے گا اور تمہارے ہاتھ کچھ فروخت نہیں کرے گا۔ تمہارے مقروض تمہارا قرض واپس ادا نہیں کریں گے۔

مسلمانوں کے لیے قریش نے جو سزا تجویز کی وہ یہ تھی کہ مسلمان سے کسی قسم کا لین دین حرام ہے جو ان کی طلب ... وہ مطالبہ کرنا جائز ہے اور ... وہ شخص جس نے مسلمانوں کا قرض دینا ہے وہ نہیں دے گا۔

یہ ایک تاجر ہی جان ... اس پابندی سے ایک سوداگر پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ تمام مسلمان حضرت محمدؐ ... حوصلہ اور مقاومت نہیں ... ان اقتصادی شکنجے کو برداشت کر سکیں۔ یہی وجہ تھی کہ ان میں سے کئی ایک متزلزل ہو گئے۔ وہ سوداگران جو اسلام کی طرف مائل تھے منحرف ہو گئے۔

اور وہ اشخاص جو ایمان ... (ناس) میں شمار ہوتے تھے یعنی اپنے دفاع کی طاقت نہیں رکھتے تھے۔ ابوجہل انہیں اس قدر کوڑے مارتا کہ وہ بے ہوش ہو جاتے۔

اس طریقہ سے قریش نے لوگوں کے دلوں میں دہشت پیدا کر دی۔ اور جو لوگ اسلام لانا چاہتے تھے یا اسلام کی طرف مائل تھے وہ رک گئے۔

مکہ کے تاجروں میں سے فقط ایک ابوبکرؓ ایسے تھے جو اعلانیہ محمدؐ کی طرف داری کرتے تھے۔ جماعت قریش نے انکے

Marfat.com

تمام اعتبارات کو ساقط کر دیا تھا اور وُہ لوگ جن کے ذمّہ ابوبکرؓ کی رقوم واجب الادا تھیں ادائیگیاں نہیں کر رہے تھے۔ لیکن یہ تمام اقدامات بھی ابوبکرؓ کو متزلزل نہ کر سکے اور وُہ محمدؐ سے وفاداری میں ثابت قدم رہے۔ بغیر کسی لالچ و ریا کے اپنی تمام باقیماندہ جائداد وقفِ اسلام کر دی۔ لوگ جو مکّہ سے حبشہ ہجرت کرتے آپ (ابوبکرؓ) اُن کو سفرخرچ ادا کرتے۔ اسلام کے اوّلین دنوں میں تنہا حضرت ابوبکرؓ اسلام کے خزانہ دار تھے۔ خزانہ داروں کو تو آمدنی بھی جماعتی ذریعوں سے ہوتی ہے۔ برعکس یہ خزانہ دار تمام اخراجات اپنی جیب سے ادا کرتے تھے بغیر کسی واپسی کی اُمید کے۔

ابوبکرؓ حبشہ نہیں گئے تھے وہ اس لیئے کہ آپ حضرت محمدؐ کو اکیلا نہیں چھوڑنا چاہتے تھے۔ جبدن سے ابوبکرؓ نے اسلام کو قبول کیا تھا حضرت محمدؐ کو تنہا نہیں چھوڑا تھا۔ ایک وقت ایسا آیا کہ حضرت محمدؐ کو اطلاع ملی کہ اگر ابوبکرؓ مکّہ سے ہجرت نہ کر گئے تو قریش انہیں قتل کر دیں گے۔ لہٰذا آپؐ نے ابوبکرؓ کو مکّہ سے چلے جانے کو کہا۔ اس حکم پر ابوبکرؓ بہت آزردہ ہوئے اور یمن کی طرف جانے کا ارادہ کر لیا۔

ابوبکرؓ خاموشی سے مکّہ سے نکل کر جنوبی عربستان کی طرف چل دیئے۔ مسافرت کے دوران اُن کا ایک ایسے خطّے سے گزر ہوُا جہاں ایک بہت بڑا قبیلہ آباد تھا۔ قبیلہ کے رئیس کا نام (رفاعی) تھا۔ رئیس قبیلہ نے جب یہ سُنا کہ ابوبکرؓ نے مجبوراً مکّہ کو ترک کیا ہے۔ تو بہت حیران ہُوا۔ چونکہ وُہ جانتا تھا کہ ابوبکرؓ مکّہ کے ایک بہت بڑے تاجر اور قریش کے سرداروں میں سے تھے بڑے تعجب سے ابوبکرؓ سے پوچھا۔ اے ابوبکرؓ تم کیا کوئی جرم کرکے اپنے شہر سے بھاگے ہو۔

ابوبکرؓ نے فرمایا۔ مَیں نے دینِ جدید کو قبول کر لیا ہے۔ بنابریں قریش مجھے قتل کر دینا چاہتے ہیں۔ مَیں اپنی جان کی حفاظت کے لیئے مکّہ سے خارج ہوُا ہُوں۔

(رفاعی) نے ابوبکرؓ سے کہا۔ مَیں خود تمہیں مکّہ واپس لے جاؤں گا اور قریش کو خبردار کر دوں گا کہ مَیں نے ابوبکرؓ کو اپنی حمایت (جوار) میں لے لیا ہے۔ پھر قریش کو یہ ہمّت نہیں ہوگی کہ تمہیں آزار پہنچا سکیں۔

(رفاعی) نے ایسا ہی کیا۔ ابوبکرؓ کو مکّہ لے جاکر قریش کے سامنے اعلان کر دیا کہ ابوبکرؓ میرے (جوار) میں ہے اور حقِ (جوار) سے مکمل طور پر استفادہ کرتا ہے۔ لہٰذا جس کسی نے اُس پر ہاتھ اٹھایا اُس کا معاملہ مجھ سے ہوگا۔

حقِ (جوار) عرب کی ایک سُنّت تھی کہ قبیلہ کسی غیر فرد کی حمائت کرتا۔ تو اعلان کرتا تھا کہ یہ شخص میرے جوار میں ہے پھر اگر کوئی اُسے آزار پہنچاتا یا قتل کرتا تو قاتل قبیلہ سے مواخذہ (جوار) میں لینے والا قبیلہ کرتا تھا۔

(رفاعی) کا قبیلہ ایک جنگجو قبیلہ تھا۔ اُس کے تمام افراد اسلحہ سے لیس تھے اور مکّہ کے قرب و جوار میں ہی آباد تھے۔ قریش کی جماعت نے اس خوف سے قبیلہ (رفاعی) سے مڈبھیڑ نہ ہو۔ ابوبکرؓ کو اُس کے حال پر چھوڑ دیا۔

ابوبکرؓ کو جب مکّہ کے لوگوں سے تحفّظ مل گیا تو آپ نے پروگرام بنایا کہ اپنے گھر میں مسجد تعمیر کریں۔ مسجد تعمیر کی اور ہر شب اُس مسجد میں بلند آواز سے قرآن خوانی شروع کر دی۔ جہاں تک تاریخی شواہد سے ثابت ہے۔ ابوبکرؓ پہلے مسلمان تھے جنہوں نے ان حالات میں بلند آواز سے تلاوت فرمائی۔ پیشترازیں مسلمان تلاوت دھیمی آواز میں کیا کرتے تھے۔ کیونکہ انہیں دشمنوں کا خوف ہوتا تھا۔ لیکن ابوبکرؓ چونکہ (رفاعی) قبیلہ کی موردِ حمایت تھے۔ آواز بھی اُن کی بڑی دلنشیں تھی بڑی اُونچی آواز میں قرآن پڑھا کرتے۔

Marfat.com

تمام وہ لوگ جو عربی زبان سے آشنا ہیں جانتے ہیں کہ قرآن اشعار پر مشتمل نہیں لیکن کچھ آیات موزوں ہیں بالخصوص چھوٹی سورتیں جو مکہ میں نازل ہوئیں مثلاً سورۃ اخلاص (قل ھو اللہ احد) ۔ سورۃ تبت ۔ سورۃ کافرون ۔ سورۃ کوثر ۔ سورۃ قریش سورۃ فیل سورۃ ھمزہ ۔ سورۃ ہائے العصر ۔ تکاثر ۔ قارعہ ۔ زلزلہ ۔ العلق ۔ التین ۔ الم نشرح ۔ والضحیٰ ۔ واللیل ۔ والشمس ۔ والبلد ۔ الفجر ۔ غاشیہ ۔ اعلیٰ ۔ طارق ۔ البروج ۔ الانشقاق ۔ الانفطار تمام سورتیں ہیں جو مکہ میں نازل ہوئیں ۔ انکی آیات موزوں ہیں ۔ بعض جہاں وزن رکھتی ہیں اُن کا قافیہ بھی ایک ہے ۔

اس لیئے کہ یہ آیتیں مکہ میں نازل ہوئی تھیں آیات مسجع ہیں (ابوبکرؓ) انہیں خوش الحانی سے پڑھتے تھے اور ہر شخص کہ ابوبکرؓ کے گھر کے قریب سے گزرتا ٹھہر جاتا اور توجہ سے سُنتا ۔ بدو اعراب کی یہ کمزوری ہے کہ کلام جو ترنم سے پڑھا جائے خصوصاً شعر اس سے صرف نظر نہیں کر سکتے ۔ یورپ کا ایک مفکر جس نے عربوں کا مطالعہ کیا ہے ۔ بدوی عربوں کی طبیعت پر چار چیزوں کو حاوی گردانتا ہے ۔ اوّل (شتر) ۔ دوئم (خیمہ) ۔ سوئم (شمشیر) ۔ چہارم (شعر)

شعر یعنی کلام موزوں ۔ مسجع ۔ مقفی ۔ بدو عرب کے لیئے ایسا ہی جزوِ زندگی ہے جیسے شتر ۔ خیمہ ۔ شمشیر اور اگر یہی کلام ترنم سے پڑھا جائے تو بدو عرب کو بلا تردید مجذوب کر دیتا ہے ۔ پہلا آہنگ جو بدو عرب نے شعر کے لیئے ایجاد کیا وہ (حُدی) تھا ۔ "حُدی" شتربان کے دورانِ سفر اُونٹ کی چال سے ہم آہنگ شعر پڑھنے کا نام تھا ۔ جب انسان صحرا میں اُونٹ کی پیٹھ پر سفر کرتا ہے تو ان ایام میں جب گرمی بہت زیادہ ہوتی ہے اور وُہ سفر نہیں کرنے دیتی تو اُونٹ کی چال میں تکان پیدا ہو جاتی ہے اور اس کے لیئے خستگی کا باعث ہوتی ہے ۔ سوار کے عضلات میں تناؤ پیدا ہو جاتا ہے ۔ جس سے تھکاوٹ کا احساس بہت بڑھ جاتا ہے ۔

بدو عرب جب اُونٹ کی پیٹھ پر بیٹھا صحرا کی راہ لیتا اور شعر پڑھتا ہے یعنی اُونٹ کی ایک ہی سی چال کے سبب وُہ اپنی آواز کو اُونٹ کے قدموں کے ساتھ ہم آہنگ کر لیتا ہے تو یہ آہنگ "حدی" کہلاتی ہے ۔ یا شتربانوں کی آہنگ ۔

اعراب بادیہ ابتداء صرف اس لیئے آہنگ "حدی" میں شعر پڑھتے تاکہ تھکاوٹ کا احساس نہ ہو لیکن انہیں محسوس ہوا کہ اس آہنگ کے پڑھنے سے اُونٹ جو قطار میں سفر کر رہے ہوتے اپنے سروں کو بلند کر لیتے اور اُن کی تھکاوٹ ختم ہو جاتی تھی وُہ سمجھ گئے کہ آواز (حدی) اُونٹ پر بھی اثر انداز ہوتی ہے ۔ آج بھی چودہ سو سال پہلے کی طرح یہ آہنگ (حدی) راہ پیمائی کے دوران اونٹوں کے لیئے مؤثر ہے ۔ اُونٹ وجد و نشاط میں آجاتے ہیں ۔ میں نے خود اس موضوع کا صحرا میں سفر کر کے جائزہ لیا ہے ۔ میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ آج جب کہ صحرا میں دن رات ہوائی جہاز محوِ پرواز ہیں ۔ تیل کی پائپ لائنیں جا بجا بچھی ہوئی ہیں ۔ عرب ثروتمند ہو گیا ہے ۔ امریکی کاریں اُن کے استعمال میں ہیں ۔ ہنوز حُدی خوانی کی رسم جب کہ اونٹوں کی قطار صحرا میں محوِ سفر ہو متروک نہیں ہوئی ۔

جب رات کی تاریکی چھا جاتی ۔ مکہ میں خاموشی طاری ہونے لگتی ۔ لوگ اپنے اپنے گھروں کی راہ لیتے تو ابوبکرؓ بلند و دلنشین آواز کے ساتھ قرآن خوانی شروع کر دیتے ۔

(ابنِ ہشام) ایک مؤرخ لکھتا ہے ۔ ہر آدمی گھر واپس جاتے ہوئے ابوبکرؓ کے گھر کے عقب میں رک جاتا اور آیات قرآنی

کو بغور سنتا۔ بعض اوقات لوگوں کا اجتماع اس قدر بڑھ جاتا کہ گلی میں سے گزرنا محال ہو جاتا۔

جماعتِ قریش نے یہ سب دیکھ کر (رفاعی) کے پاس چند تحائف کے ساتھ پیغام بھجوایا۔ تونے ابوبکرؓ کو اپنی حمایت (جوار) میں لیا ہوا ہے۔ اُسے کہو کہ اُونچی آواز میں قرآن خوانی نہ کیا کرے۔ قرآن خوانی کے وقت لوگ اُس کے گھر کے عقب میں جمع ہو جاتے ہیں اور اس طرح یہ مکہ کا اجتماعی نظام خراب کر رہا ہے۔

(رفاعی) نے تحائف قبول کرنے اور پیغام وصول کرنے کے بعد۔ ابوبکرؓ کو کہلوا بھیجا "تم اُونچی آواز میں قرآن خوانی نہ کیا کرو۔ اگر تم نے یہ وطیرہ جاری رکھا تو میں ناچار حمایت (جوار) واپس لے لوں گا اور پھر تمہیں (ابوبکرؓ) میرے قبیلہ کی حمایت حاصل نہیں ہو گی۔

ابُوبکرؓ نے واپسی پیغام بھجوایا کہ میں اپنے دین سے صرفِ نظر نہیں کر سکتا۔ بلند آواز میں پڑھنے سے جو لذّت مجھے حاصل ہوتی ہے۔ اُسی سے تو میری زندگی ہے اور اگر تُو چاہتا ہے کہ حمایت (جوار) واپس لے تو تمہیں یہ حق حاصل ہے۔ میں اس کے بعد محمدؐ کی طرح خود کو خدا کی حمایت (جوار) میں دے دوں گا۔

Marfat.com

شعب میں فاقہ مستی

ورقہ بن نوفل (جیساکہ پہلے ذکر ہوچکا ہے) نے پیغمبرِ اسلام سے کہا تھا۔ "کاش جب وہ تمہیں قبیلہ سے طرد کریں گے میں مر نہ چکا ہُوں"۔ یہ کلمات ورقہ نے ۶۱۰ء میں محمدؐ سے کہے تھے اور اُس کی یہ پیش بینی ۶۱۶ء میں حقیقی صورت میں سامنے آئی۔

قریش کی جماعت نے جب دیکھا کہ قبیلہ ہاشم (یعنی محمدؐ کا اپنا قبیلہ) محمدؐ کی حمایت سے دستکش نہیں ہوتا اور ہم اُسے قتل نہیں کر سکتے تو محمدؐ اور تمام مسلمانوں کو مکّہ سے طرد کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

اکثر اشخاص جو اصلاحِ جمعیت کے لیئے جب کبھی بھی نئی اصلاحات لائے تو اُن کی سرنوشت یہی ہوئی۔ وُہ طرد کیئے گئے جیلوں میں ڈالے گئے۔ قتل کیئے گئے یا زندہ جلا ڈالے گئے۔

جب بھی کوئی ریفارمر اپنی قوم کی اصلاح کے لیئے نیا پروگرام لاتا ہے جس سے سینکڑوں ہزاروں سال پُرانی رسوم ورواج کو بدل دینا چاہتا ہے تو سوسائٹی کے ایک بڑے طبقہ پر اُس کی زد پڑتی ہے جو کہ اُس نظام سے کئی طرح کے فوائد حاصل کر رہا ہوتا ہے۔ لہٰذا اس طبقہ کے لوگ جب اپنے وُجود کو خطرہ میں پاتے ہیں اُس شخص (ریفارمر یا مصلح) کی راہ حتیّ الامکان روکتے ہیں۔

جس وقت بادشاہِ حبشہ نے جماعتِ قریش کے سفیروں کو نامراد واپس کر دیا اور مسلمانوں کو اُن کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا۔ عین اُس وقت مکّہ میں حضرت محمدؐ کا نفوذ بڑھ رہا تھا۔ ہر طرف سے مایُوس ہو کر قریش نے محمدؐ اور تمام مسلمانوں کو مکّہ سے نکال باہر کرنے کا انتہائی اقدام کرنے کا فیصلہ کیا۔ اُن کا خیال تھا اس اقدام سے اسلام کی مکمّل طور پر جڑ اکھیڑ دی جائے گی۔ لہٰذا اس بارہ میں ایک اعلان خانہ کعبہ کی دیوار پر آویزاں کیا گیا کہ "محمدؐ اور اُن کے پیروکار پلید ہیں اور آج سے وُہ مکّہ سے طرد کیئے ہوئے شمار ہوں گے"۔

یہ اعلان ایک فرمان کی حیثیت رکھتا تھا۔ جسے اُن دِنوں صحیفہ کہا جاتا تھا۔ اُس کا مکمّل متن مندرجہ ذیل ہے:۔

(۱)۔ مکّہ کے کسی فرد کو یہ اجازت نہیں کہ وُہ ایک مسلمان (بزرگ۔ بچّہ۔ مرد یا عورت) سے گفتگو کرے۔

(۲)۔ مکّہ کے کسی فرد کو یہ اجازت نہیں کہ کسی مسلمان کے جسم کو چھوئے (یعنی مصافحہ کرے) اور اگر کسی نے ایسا فعل کیا تو وُہ بھی پلید شمار ہو گا۔

(۳) مکہ کے کسی فرد کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ کسی قسم کی کوئی چیز ایک مسلمان سے خریدے یا فروخت کرے۔

(۴) مکہ کا کوئی فرد مجاز نہیں کہ کسی مسلمان کے ہاں شادی کرے یا مسلمان کو لڑکی دے۔

(۵) مکہ کا ہر وُہ آدمی جو کسی مسلمان کا مقروض ہے وُہ قرض کی رقم واپس نہیں کرے گا۔

یہ مقررات اُس وقت تک کے لیئے لاگو رہیں گے۔ جب تک محمدؐ اپنے دین کو چھوڑ نہ دے یا بنو ہاشم اُس کی حمایت ترک نہ کر دے یا قبائل قریش اُس کو قتل نہ کر دیں۔

۶۱۶ء کو محمدؐ اور تمام مسلمانوں کو مکہ سے خارج کر دیا گیا۔ مسلمانوں کے خروج کے وقت بھی بنی ہاشم محمدؐ کی حمایت سے دستبردار نہ ہُوئے لہٰذا اُن تمام نے بھی مکہ کو محمدؐ اور مسلمانوں کے ساتھ ترک کیا۔ حالانکہ وُہ حضرت محمدؐ کے چچا ابو طالب سمیت بُت پرست تھے۔ ابُوطالب کی غیرت اور حمیّت نے برداشت نہ کیا کہ اپنے بھتیجے کو اس مشکل وقت میں اکیلا چھوڑ دے۔ حالانکہ وُہ خود اسلام قبول نہ کرنے کا عہد کر چکا تھا۔

محمدؐ کے قبیلہ بنی ہاشم کے اس فیصلہ پر صرف ایک آدمی نے عمل نہ کیا اور وُہ ابولہب تھا۔ جس نے اہلِ مکہ کے فیصلہ سے اتفاق کرتے ہُوئے مکہ کو ترک نہ کیا۔ دُوسرے سبھی افراد قبیلہ سے پیوستگی کی وجہ سے مکّہ کو چھوڑ کر شعب میں جو کہ ابوطالب سے متعلق تھی سکونت پذیر ہُوئے۔ شعب کیا ہے؟ اس کے لیئے قدرے توضیح کی ضرورت ہو گی۔

لُغت میں شعب کے معنی ہیں وُہ شگاف جو تختۂ سنگ میں ہو۔ مجازی معنی ہیں پہاڑ کی گھاٹی۔ قریش کے سبھی قبائل جو مکہ میں سکونت پذیر تھے ایک ایک شعب مکہ سے باہر پہاڑوں میں رکھتے تھے۔ پہاڑوں سے مُراد اطراف مکّہ کے کم مُرتفع پہاڑ ہیں جنہیں ہم ٹِبّہ یا ٹیلہ کہتے ہیں۔ لیکن عرب انہیں کوہ (جبل) پکارتے ہیں۔

جب کبھی کوئی خارجی ان دہگانہ قبائل میں سے کسی ایک کی پناہ مانگتا۔ تو وُہ قبیلہ اُسے اپنی پناہ میں لے کر شعب میں رکھتا تھا۔ اس لیئے کہ بدو عربوں میں یہ رسم نہ تھی کہ ایک خارجی یا بیگانہ (پناہ گزین) کو جزوِ افراد قبیلہ تصور کریں۔ ایک خارجی کبھی بھی عضوِ قبیلہ نہیں بنایا جاتا تھا۔ لہٰذا اُسے قبیلہ کے اندر زندگی بسر کرنے کی اجازت نہیں ہوتی تھی۔

صحرا میں ہر قبیلہ اپنے خیمے مخصوص طرز پر لگایا کرتا تھا۔ اگر پہاڑ کی چوٹی سے ایک شخص نگاہ کرے تو وُہ اُس طرز و ترتیب سے فوری سمجھ جائے گا کہ رئیس قبیلہ کا خیمہ کون سا ہے۔ رئیس قبیلہ کا خیمہ ہمیشہ وسط میں ہوتا اور دائیں بائیں اُس کے بیٹوں۔ بھائیوں۔ بیٹیوں اور دامادوں کے خیمے بالترتیب نصب ہوتے تھے اور اگر کوئی رئیس قبیلہ کے خاندان کا دُور کا عزیز ہوتا تو وہ ان سب کے خیموں کے پاس اپنا خیمہ لگاتا۔ شعب کا بہرحال اس ترتیب سے کوئی تعلق نہیں۔

شعبِ ابوطالب اگرچہ پہاڑ کی گھاٹی میں ایک گھر تھا لیکن وُہ تو غریب الوطن اور پناہ گزینوں کے لیئے بنایا گیا تھا۔ نہ کہ ابوطالب یا اُس کا قبیلہ خود اس میں رہے۔ شعب ابوطالب والا گھر ساری جمعیّت کے لیئے کافی نہیں تھا اور شعب کے اطراف میں ٹیلے اور درّے تھے۔

عرب کے کچھ شعراء نے اطرافِ مکہ (اراضی) کی توصیف کی ہے۔ ہم جانتے ہیں مکہ کی سرزمین خشک اور بنجر ہونے کی وجہ سے آج تک کسی اقتصادی تبدیلی کا باعث نہیں بنی۔ بجز تیل کی دریافت کے۔ اور یہ بھی معلوم ہے کہ یہ سرزمین کس ہیئت کی تھی

Marfat.com

پا آج ہے۔

مکّہ کی اراضی اور اطراف کے ٹیلوں پر درخت تو کُجا گھاس کے ایک تنکے تک کا وجود نہیں تھا۔ صرف تختہ ہائے سنگ کہ دن کو خورشید کی حرارت اس شدّت سے منعکس کرتے کہ کوئی چیز دیکھی نہ جا سکتی تھی۔ سارا سال کوئی پرندہ نظر نہیں آتا تھا۔ اس لیئے کہ پرندوں کا رہنا وہاں ہوتا ہے جہاں سبزہ اور پانی ہو۔ آج مکّہ میں پانی قدرے زیادہ ہو گیا ہے اور شہر کے چند نقاط پر درخت و سبزہ بھی اُگایا گیا ہے لیکن اگر آپ شہر سے ذرا دُور ہوں تو وہی خشک سنگلاخ ٹیلوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔

حضرت محمدؐ اور مسلمان جب شعب میں وارد ہوئے تو وُہ زیادہ سامان خورد و نوش اپنے ساتھ نہیں لے جا سکے تھے۔ اسلیئے کہ یہ نقل مکانی ناگہانی اور ہنگامی طور پر ہوئی تھی۔ اور بفرض محال اگر زیادہ سامانِ خورد و نوش ساتھ لے بھی جاتے تو وہ کب تک ساتھ چلتا۔ (صحیفہ) میں درج یہ پابندی کہ کسی شخص کو اختیار نہیں کہ کوئی چیز مسلمانوں کو بیچے بھی ایک وجہ تھی کیونکہ مسلمان مکّہ کے لوگوں سے خریداری نہیں کر سکتے تھے۔

مسلمانوں نے اس شعب میں خوفناک ترین بھوک برداشت کی۔ اس حالت سے ان کے زندہ بچ رہنے کا فقط ایک ہی سبب تھا اور وُہ ماہ ہائے حرام۔ ان چاروں مہینوں میں جنگ و جدل بند ہوتی تھی۔ اس لیئے مسلمان شہر چلے جاتے تھے اور قافلوں سے خورد و نوش کی اشیاء خرید کر لیتے تھے۔ ضمناً جب زائرین قربانی کرتے تو مسلمان قربانی کی کھالیں جمع کر کے شعب میں لے آتے اور بقایا آٹھ مہینے ان کھالوں کو پانی میں اُبال کر کھاتے تھے۔

مسلمانوں کے شعبِ ابی طالب کے قیام کے دوران ایک بار حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے نے ایک بوری کھانے پینے کی اشیاء اپنی پھپی اور حضرت محمدؐ کے لیئے بھجوائیں۔ واضح رہے کہ حضرت خدیجہؓ بھی محمدؐ کے ساتھ ہی تھیں۔ قریش کے افراد اس بات کی نگرانی کر رہے تھے کہ بنی ہاشم کو کوئی چیز بھی کسی طرف سے نہ بھجوائی جا سکے۔ لہٰذا وُہ سامان چھین لیا اور لانے والے کو اس قدر زد و کوب کیا کہ تین دن بعد تک اُس کے زندہ بچنے کی اُمید نہ تھی۔

بعض مسلمان تذکرہ نویسوں نے حضرت محمدؐ کے احترام کی وجہ سے ان سالوں کی تاریخ کو جس میں حضرت محمدؐ۔ اُن کی بیوی اور دُوسرے مسلمان شعب میں رہے کو ساقط کر دیا ہے۔ شاید اس لیئے کہ اگر وُہ اِن حالات کا جس میں محمدؐ اور اُن کے ساتھیوں نے شدید گرسنگی برداشت کی (انہوں نے حضرت محمدؐ کی شخصیت کے موافق نہیں جانا) ذکر مناسب نہیں سمجھا۔ حالانکہ میرے عقیدہ کے مطابق ان حالات پر روشنی ڈالنے سے حضرت محمدؐ اور اُن کے ساتھیوں کی شخصیت اور اُجاگر ہوتی ہے۔

ان تین سالوں میں مکّہ کے بعض بزرگوں نے مصالحت کی کوششیں کیں اور قریش پر زور بھی دیا کہ وہ حضرت محمدؐ اور اُنکے تابعین کے مکّہ واپس آ جانے پر رضامند ہو جائیں۔ قریش جواب میں یہی کہتے رہے کہ محمدؐ اپنے دین سے صرف نظر کریں تو شہر واپس آ سکتے ہیں۔ ہم کو اُن سے کوئی سروکار نہیں۔ ماضی کی طرح اپنی زندگی بسر کریں۔

حضرت محمدؐ اگر ایک مردِ بے ارادہ ہوتے تو اپنے مذہب سے صرفِ نظر کر جاتے چاہے جز وقتی ہی سہی اور حالات کے بدلنے پر پھر تبلیغ شروع کر دیتے۔

لیکن وہ مومن مرد تھے اُن کا ایمان پختہ تھا۔ خُدا کے رسُولؐ دین سے صرفِ نظر نہیں کیا کرتے اور ہر امر و امورِ رسالت

Marfat.com

میں ظاہر و باطن کو ایک جیسا رکھتے ہیں۔ عارضی یا وقتی طور پر بھی اُس کی نفی نہیں کیا کرتے۔

آپؐ نے مصلحت سے کام نہ لیا۔ تین سال کی مدت پہاڑ کی گھاٹی میں بھوک سے گزار دی۔ جھاڑ بکری کی گھاس پھونس کھاتے رہے مگر خود اپنی رسالت کا انکار نہ کیا اور نہ ہی متردد ہوئے۔ یہ شعب ابی طالب میں تین سال کا عرصہ آپؐ کے لیے ایک اور آزمائش تھا کہ آپؐ اُس سے سرخرو نکلے بھوک کی سختی اور رنج انہیں متزلزل نہ کر سکے۔

شعب کے اندر تین سال کے عرصہ میں مسلمانوں کے پاس کوئی گھریلو سامان اور برتن بھی نہ تھے۔ حضرت خدیجہؓ کے پاس ایک ہنڈیا اور ایک کوزہ تھا۔ ایک دن کوزہ ٹوٹ گیا نیا نہیں لایا جا سکتا تھا۔ چند دن صبر کیا تا اینکہ وہاں سے ایک برتن جوڑنے والا گزرا۔ حضرت خدیجہؓ نے شکستہ کوزہ برتن جوڑنے والے کو دیا کہ جوڑ دے۔

حضرت محمدؐ اور مسلمانوں کے قیام شعب کے ذکر میں بعض مسلمان تذکرہ نویسوں نے جو اختصار برتا ہے میں اُسے کوتاہ اندیشی سمجھتا ہُوں۔

میں سمجھتا ہُوں کہ شعب میں تین سالہ نظر بندی کی زندگی یا اجباری قیام حضرت محمدؐ کو ان حالات سے نمٹنے کے لیے جو بعد میں درپیش تھے ایک تربیتی کیمپ کی حیثیت رکھتا تھا۔ یہ دور جملہ مسلمانوں کے ارادوں میں بے پناہ پختگی پیدا کر گیا۔ اور وُہ جان گئے کہ آئندہ حالات سے انہیں کس نوع مقابلہ کرنا ہے۔

شعب میں بھوک کے دائمی رنج کے علاوہ ایک اور دُکھ دیکھنا پڑا وہ یہ کہ حضرت خدیجہؓ مسلسل بھوک، تنگ دستی اور مشقت کی وجہ سے بیمار ہو گئیں۔ اُن کے علاج کے لیے نہ دوائی تھی نہ غذا۔ لہٰذا پیغمبرؐ اسلام کی اہلیہ محترمہ ۶۱۹ سن عیسوی میں اس دُنیا سے کُوچ فرما گئیں۔ مسلمان اس سال کو (عام الحُزن) یعنی غموں کا سال کہتے ہیں۔

جس وقت حضرت خدیجہؓ نے وفات پائی اُن کی عمر پینسٹھ (۶۵) سال تھی اور حضرت محمدؐ اس وقت ۵۰ سال کے ہو چکے تھے۔ حضرت محمدؐ مسلسل دو دن خدیجہؓ کی وفات پر روتے رہے اور زندگی کے آخری لمحہ تک جب کبھی بھی خدیجہؓ کی یاد آتی آپ کی آنکھیں پُرنم ہو جاتیں۔

ایسی وفا کیشی کی تاریخ میں مثال نہیں ملتی کہ ایک نوجوان مرد ایک عورت کو جو اُس سے پندرہ سال عمر میں زیادہ ہو ایسا عزیز رکھتا ہو کہ زندگی کے آخری لمحہ تک اُسے فراموش نہ کر سکے۔

اس تمام ازدواجی زندگی کے دَوران باوجود اختلافِ سن کے محمدؐ اور خدیجہؓ میں کبھی کوئی اختلاف رُونما نہ ہُوا۔ اور اس پچیس ۲۵ سالہ ازدواجی زندگی میں وُہ ایک عاشق اور معشوق کی طرح جیئے۔

جب حضرت خدیجہؓ شعب میں وفات پا گئیں تو مسلمانوں کے پاس کفن تک نہیں تھا۔ حضرت خدیجہؓ کو اُن کی صوقعہ ہی میں دفن کیا گیا۔ صوقعہ (بروزنِ حوصلہ) ایک بڑی سی اوڑھنی ہوتی تھی کہ عرب عورتیں سر پر اوڑھتی تھیں۔ ہمسرِ پیغمبرِ اسلام اپنی اوڑھنی ہی میں دفن کی گئیں۔

حضرت خدیجہؓ بڑے مضبُوط ارادے والی تھیں۔ اُن کی مالی مدد اسلام کے لیے خاصی تقویت کا باعث ہوئی۔ شروع سالوں میں جب کہ حضرت محمدؐ کے پاس کچھ نہ تھا انہوں نے ہی مدد کی۔ اس دَور میں وُہ محمدؐ اور اسلام کی تنہا غمخوار تھیں۔

ہر روز حضرت محمدؐ جب زخمی گھر آتے اور ہر روز خدیجہؓ زخموں کو دھوتیں۔ پٹی باندھتیں۔ لباس تبدیل کرواتیں۔ تسلی دیتیں اور دلداری فرماتیں۔

حضرت خدیجہؓ کی وفات کے دو روز بعد مسلمانوں کو دوسرا صدمہ پہنچا یعنی ابوطالب۔ پیغمبرؐ اسلام کے چچا فوت ہو گئے۔ اُن کی عمر اس وقت ۸۶ چھیاسی سال کی تھی۔ وہ بھی حضرت خدیجہؓ کی طرح شعب میں مسلسل فاقوں کی وجہ سے بیمار ہُوئے اور دوا دارو نہ ہونے کی وجہ سے بیماری کی حالت میں ہی اس جہاں کو خیرباد کہا۔ یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ ابوطالب مسلمان نہ ہُوئے۔ اور آخری وقت تک اجداد کے دین سے انحراف نہ کیا۔

جب ابولہب کو خبر دی گئی کہ تمہارا بھائی شعب میں حالتِ مرگ میں ہے تو وُہ فوری وہاں پہنچا اور ابوطالب کی پائنتی کھڑے ہو کر کہا۔ قسم کھاؤ کہ تم نے دینِ محمدؐ کو قبول نہیں کیا اور یہ کہ تم اجداد کے دین پر مر رہے ہو؟ ابوطالب نے قسم کھائی کہ میں نے محمدؐ کے دین کو قبول نہیں کیا اور اجداد کے دین پر اس جہان سے کوُچ کر رہا ہوں۔

اگر حضرت خدیجہؓ اور ابوطالب آپؐ کے ساتھ شعب میں نہ جاتے تو ممکن تھا اس روز و شب کی فاقہ مستی کے نہ ہونے کی وجہ سے وُہ کچھ زیادہ زندہ رہتے۔

حضرت خدیجہؓ کی پیغمبرؐ اسلام کے لیئے فداکاری اتنی تعجب خیز نہیں کیونکہ وہ ان کے شوہر تھے لیکن ابوطالب کی اپنے بھتیجے کے لیئے فداکاری حیرت انگیز اور ساتھ ہی ساتھ قابلِ ستائش بھی ہے۔ اسلیئے کہ ابوطالب اسلام پر عقیدہ نہیں رکھتا تھا باوجود اس کے اس نے اپنی جان بھتیجے کے لیئے فدا کر دی۔ یوں قبائلی عصبیت کے وظیفہ کو نبھایا۔

بدوی عربوں میں عصبیت اس قدر زیادہ تھی کہ ایک رئیس قبیلہ مثل ابوطالب ایک ایسے شخص کی خاطر جس کی پیغمبری کا وہ معتقد ہی نہیں مکہ کی شہری زندگی کو ترک کر دے اور اس سن کہولت میں شعب کی فاقہ زدہ زندگی بسر کرے۔ یہ محض اس لیئے کہ قبیلہ کا ایک فرد بدون پشت پناہ نہ رہ جائے۔

ابوطالب کی وفات کے بعد قبیلہ کو دوسرا رئیس چُننا تھا۔ قاعدہ اور ضابطہ کے مطابق (ابولہب) ابوطالب کے بھائی کو قبیلہ کا رئیس منتخب کیا گیا یعنی ابولہب کو جو پیغمبرؐ اسلام کا سب سے بڑا دشمن تھا۔

قضا و قدر کے اپنے کام ہوتے ہیں۔ جب ابوطالب فوت ہوُا۔ قریش کے لوگوں نے دیکھا۔ خانہ کعبہ میں فرمان (صحیفہ) کو دیمک چاٹ گئی ہے اور (صحیفہ) کا صرف ایک کلمہ باقی رہ گیا ہے اور وہ کلمہ تھا "— اس گھر کے مالک تیرے نام"۔ گھر سے مراد خانہ کعبہ مالک سے مُراد خداوند یعنی مطلب یہ ہوُا کہ خانہ کعبہ کا مالک (جیسے کوئی انسان اپنے گھر کا مالک ہو)۔ جماعت قریش احکام از طرف مالکِ خانہ کعبہ صادر کیا کرتی تھی۔

آس پاس کے گرم علاقوں کی نسبت دیمک تمام عربستان میں بہت زیادہ ہے۔ کاغذ اور لکڑی دیمک کی مرغوب غذا ہے آج بھی مکہ میں اگر آپ ایک کتاب کو کچھ مدت کے لیئے ایک جگہ پڑا رہنے دیں تو آپ دیکھیں گے کہ جلد کے علاوہ باقی کچھ بھی نہیں بچا۔ دیمک تمام صفحات کو چٹ کر گئی ہے۔

جماعتِ قریش نے جب دیکھا کہ دیمک نے صحیفہ کا تمام مضمون جو محمدؐ اور پیروانِ محمدؐ کو طرد کرنے کے بارے میں تھا کھا لیا

لیکن اہم صاحب خانہ کو نہیں چھیڑا تو اُن کے دل میں اندیشہ پیدا ہُوا۔ اس واقعہ کی طرف اُن کی توجہ اُس وقت ہُوئی۔ جب ابوطالب فوت ہُوا اور ابولہب رئیس قبیلہ بنی ہاشم منتخب ہُوا۔

ابولہب رئیس قبیلہ منتخب ہُوا تو ریاست کے فرائض کی انجام دہی کے سلسلہ میں اُسے اپنے قبیلہ نے کہا کہ محمدؐ کی حمایت کرو تاکہ وظیفۂ ریاست کی ادائیگی میں رخنہ نہ پڑے۔

جماعت قریش کے دنوں میں بھی فرمان کو دیمک کے چاٹ جانے سے بجز اہم صاحب خانہ کے خوف گزر گیا۔ جب ابولہب نے کہا کہ محمدؐ اور اُن کے ساتھی شعب کو چھوڑ کر مکہ واپس آجائیں تو جماعت قریش مزاحم نہ ہوگی۔ پس تین سال بعد مسلمان مکہ شہر میں دوبارہ داخل ہُوئے۔

ظاہر ہے کہ اس مدت میں مسلمان سوداگروں کا بہت نقصان ہُوا تھا۔ اُن کے کاروبار تباہ ہو کر رہ گئے تھے اور وہ بالکل نادار ہو گئے تھے۔ ابوبکرؓ کے متعلق کہتے ہیں کہ اُن کی دولت باندازہ قارون تھی مگر اُن کے پاس بھی صرف پانچ ہزار درہم باقی بچا تھا۔

جب مسلمین شعب سے واپس آئے تو مسلسل فاقوں کی وجہ سے اُن کے چہروں کی ہڈیاں نکل آئی تھیں۔ انتہائی لاغر اور کمزور ہو چکے تھے اور دھوپ کی وجہ سے اُن کی جلد سیاہ ہو چکی تھی۔

ابولہب سے لوگوں نے پوچھا کہ تُو تو محمدؐ کے سخت دشمنوں میں سے تھا تو کیسے راضی ہُوا کہ وہ شعب سے واپس آگیا۔

ابولہب نے کہا۔ میں رئیس قبیلہ ہُوں۔ اُس کی حمایت مجھ پر واجب ہے لیکن میں اُس کے دین کی مخالفت کروں گا میری حمایت اُس وقت تک ہوگی۔ جب تک وُہ (محمدؐ) قبیلہ سے خیانت نہیں کرتا۔ اور اگر اُس (محمدؐ) نے قبیلہ سے خیانت کی تو اُسے طرد کر دوں گا۔ میں ابوطالب کے مثل نہیں ہوں کہ شعب میں بھی (محمدؐ) کے ساتھ چلا جاؤں اور اُسکی (محمدؐ) حمایت کر [illegible] جاؤں۔

زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ ابولہب نے جو حضرت محمدؐ کا مخالف تھا۔ آپؐ کو طرد کرنے کا بہانہ پیدا کر لیا اور جس کے [illegible] محمدؐ کی زندگی میں بہت اہمیت رکھتے تھے۔

واقعہ اس طرح ہے کہ ایک دن ابولہب نے قبیلہ ہاشم کے مردوں کو بشمول محمدؐ دعوت پر اپنے گھر بلایا۔ حضرت محمدؐ بھی تشریف لائے۔ جب سب لوگ اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ گئے تو ابولہب آپؐ سے مخاطب ہُوا۔ اور کہا کہ میں تم سے ان سب کی موجودگی میں عبدالمطلب (جدّامجد) کے متعلق تمہارا نظریہ جاننا چاہتا ہُوں۔ تم (محمدؐ) کہتے ہو کہ مشرک جہنم میں جائیں گے۔ اب تم (محمدؐ) بتاؤ عبدالمطلب ہمارے جدّامجد جہنم میں جائیں گے یا بہشت میں؟

حضرت محمدؐ نے اُس کے جواب میں سورۂ نہم کی آیت ۱۱۴ کو پڑھا۔

"مَا کَانَ لِلنَّبِیِّ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَنْ یَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِکِیْنَ وَلَوْ کَانُوْا اُولِیْ قُرْبٰی ...... الی آخرہ۔ یعنی پیغمبرؐ اور دُوسرے لوگ جو ایمان لے آئے ہیں یعنی مسلمان ہو گئے ہیں خداوند سے مشرکوں کے لیئے مغفرت طلب نہ کریں۔ خواہ وُہ مشرکین پیغمبرؐ و مسلمانوں کے خویش ہی کیوں نہ ہوں"۔

تمام مسلمان علماء یہی عقیدہ رکھتے ہیں۔ اس آیت اور آیت بعدی کے مطابق اگر مسلمان کو علم ہو کہ نزدیک ترین عزیز مشرک ہے تو اُس کی

Marfat.com

مغفرت کے لیئے خداوند سے دُعا نہ کرے۔ کیونکہ مشرک کے لیئے کوئی معافی نہیں وہ یقیناً جہنم کا ایندھن ہے۔

پھر وہب نے اپنے بھائی ابوطالب کے متعلق پُوچھا۔ اُس کی بخشش ہے یا نہیں؟

محمدؐ نے فرمایا جب ابوطالب نے اس جہاں سے رحلت فرمائی ایمان نہیں لائے تھے اور اپنے اجداد کے دین کو نہیں چھوڑا تھا لہٰذا وُہ جنتی نہیں ہے۔ ابولہب نے چند اور افراد کے نام لیئے جو ابولہب اور محمدؐ کے اجداد میں سے تھے اور پوچھا یہ جنتی ہیں یا نہیں؟

محمدؐ نے پھر وہی آیت پڑھی اور فرمایا کہ یہ حکم قطعی ہے اور اس میں کوئی استثنا نہیں۔ چند لمحے سکوت رہا۔ سبھی خاموش محمدؐ کے کلام سے متحیر تھے۔

بدوی عربوں کے نزدیک اجداد کی بہت زیادہ قدر ومنزلت تھی۔ اجداد کو عرب قبائل میں محترم شمار کیا جاتا تھا۔ بلکہ اہل عرب کے تمام قوانین، رسوم وآداب کا سرچشمہ اُن کے اجداد تھے۔ جب کبھی کسی قضیہّ کا تصفیہ نہ کر پاتے تو وُہ اجداد کی روش کی طرف رجوع کرتے کہ انہوں نے اس طرح کے متشابہ مسائل میں کیا حل پیش کیا ہے۔ اجداد کو جھٹلانا علاوہ بر اینکہ ان کی بے حرمتی تھی۔ اسے عربوں کے رسوم وقوانین سے انکار مطلق تصوّر کیا جاتا تھا۔

یہ صحیح ہے کہ محمدؐ ایک جدید دین لائے تھے اور عربوں کو اس دین کو قبول کرنے کی دعوت بھی دی جا رہی تھی۔ لیکن آج تک اُن کے اجداد کو اس صراحت سے جھٹلایا نہیں گیا تھا اور اس محفل میں تو ہاشمی قبیلہ کے تمام اجداد کو صریحاً جھٹلایا گیا تھا۔

حضرت محمدؐ ایک عرب تھے اور ڈپلومیسی سے نابلد اگر وُہ ڈپلومیٹ ہوتے تو اتنے رنج نہ اُٹھاتے۔ پیغمبرؐ اسلام اپنے عقیدہ کا برملا اظہار کرتے تھے۔ انہیں کسی کا پاس خاطر نہیں ہوتا تھا۔ کوئی رنجور ہو یا شاداں۔

دُنیا کی قدیم اقوام میں سے کسی کا بھی لب ولہجہ بدوی عربوں کی طرح صریح نہیں تھا۔ عرب جو کچھ کہتا خالصتاً وُہی اُس کا انداز فکر ہوتا تھا۔ وہ اپنی زبان پر اپنے افکار کے علاوہ کچھ لا ہی نہیں سکتا تھا۔ آج کی دُنیا میں صراحتاً بیان کرنا عیب سمجھا جاتا ہے۔ کیونکہ صدیوں کی تربیت نے ہمیں اس کا عادی کر دیا ہُوا ہے کہ ہم اپنے مافی الضمیر کے اظہار کے موقع پر دوسروں کے جذبات اور اقدار کا خیال رکھیں اور الفاظ کچھ اس طرح زبان پر لائیں کہ کسی سے مستقیماً ٹکراؤ نہ ہو اور کوئی مخالفانہ تاثر نہ لے۔

جب ہم زبان سے یا قلم سے اپنے خیالات بیان کرتے ہیں تو کئی ایک کلمات (جن میں عورت ومرد کے بعض اعضا بھی شامل ہیں) زبان پر نہیں لاتے اور بیان میں استعارہ کا سہارا لیتے ہیں۔ برعکس اس کے اعراب بادیہ ان کلمات کو زبان پر لاتے تھے اور قرآن میں بھی وُہ کلمات ہیں اور بعض بدوی عرب قبیلہ کا نام بعض اعضاء پر رکھتے تھے۔ جو لوگ عربی زبان جانتے ہیں وہ مطلع ہیں کہ گزشتہ ادوار میں عرب قبائل اپنے نام مرد کے اعضاء بدن کی مناسبت سے رکھتے تھے۔

جب محمدؐ نے قبیلہ ہاشم کے اجداد کو تمام سرکردہ افراد کی موجودگی میں جھٹلایا تو ابولہب نے جو رئیس قبیلہ تھا حاضرین سے مشورہ مانگا کہ کیا اب میں محمدؐ کو قبیلہ سے طرد کر دوں یا نہ؟

سب حاضرین نے تائید کی کہ اب ابولہب کو یہ حق حاصل ہے کہ محمدؐ کو قبیلہ سے طرد کر دے۔ کیونکہ ضابطہ کے مطابق اُس (محمدؐ) نے اُن سب کو جنائتکار اور ناقابلِ بخشش کہا تھا۔

اُبولہب نے کہا ٹھیک ہے میں اسے (محمدؐ کو) قبیلہ سے طرد کرتا ہوں۔ مجلس ختم ہوگئی لوگ منتفرق ہوگئے۔

پہلی بار جو محمدؐ کو طرد کیا گیا — وُہ قبائل قریش کا اقدام تھا نہ کہ خود ان کے اپنے قبیلہ بنی ہاشم کا۔ اسی وجہ سے قبیلہ کی حمایت برقرار رہی تھی اور ابو طالب بھی شعب میں چلے گئے اور وہیں وفات پائی تھی۔

لیکن اس دفعہ خود قبیلہ ہاشم نے کہا کہ محمدؐ کو قبیلہ سے نکال باہر کرو۔ جس گھڑی رئیس قبیلہ ہاشم نے طرد کا ارادہ کیا اُسی لمحہ محمدؐ کی حیثیت یک لخت تبدیل ہوگئی اور انہیں (محمدؐ کو) قبیلہ کے قانونی تحفظ سے محروم کر دیا گیا۔ یعنی محمدؐ نے چونکہ قبیلہ کے دستور اساسی کی مخالفت کی۔ لہٰذا وہ دستور اُس کی حمایت نہیں کرتا اور اُسے اپنے دائرہ سے خارج قرار دیتا ہے۔

مطرود ہونے کے بعد محمدؐ کی وضع ان لوگوں سے بھی وخیم تر ہوگئی جنہیں انقلاب فرانس میں اشتہاری قرار دیا گیا تھا۔ اس لیئے کہ ان اشتہاری مجرموں کے قضیہ کی سماعت اور سزا فقط انقلابی عدالتوں کے اختیار میں تھی۔ اس کے برعکس مکہ میں جب کبھی کسی کو قبیلہ سے نکالا جاتا تھا اُس کا خون ہر ایک کے لیئے مباح ہو جاتا۔ کوئی بھی شخص اُسے قتل کر سکتا تھا۔ پکڑ کر بیچ سکتا تھا یا اُسے اپنا غلام بنا سکتا تھا۔

حتیٰ کہ ایک مطرود کو زندہ بھی جلا دیا جاتا تھا تو جلانے والے کو نہ مجرم گنا جاتا نہ مستوجب سزا۔ قصہ کوتاہ جو آدمی قبیلہ سے مطرود ہوتا تھا۔ اُس کی کوئی حقیقت۔ کوئی رفعت نہیں رہتی تھی۔ حتیٰ کہ یہ کہنا زیادہ صحیح ہوگا کہ اُس کا اپنا وجود ہی ختم ہو جاتا تھا۔ اُس کا شمار جانوروں میں بھی نہیں ہوتا تھا۔ وہ اس طرح کہ جانور کو مارنے پر سزا ملتی تھی مگر اُس مطرود سے آپ کوئی بھی سلوک روا رکھیں آپ پر کوئی مجازات (مواخذہ) نہیں تھا۔

پُرانے وقتوں میں ہندوستان (اب بھارت) کے شودر طبقہ سے جو سلوک روا رکھا جاتا تھا اور اب بھی جس سلوک کی جھلک کہیں کہیں نظر آجاتی ہے۔ عرب کے مطرود افراد سے بہرحال بہتر تھا۔ اس لیئے کہ شودروں سے معاشرتی اور مجلسی مقاطع تھا لیکن وہ بھوکوں نہیں مرتے انہیں کام کرنے کی اجازت ہوتی ہے۔ وُہ روٹی کما کھاتے ہیں۔

ابولہب نے جو محمدؐ کو طرد کیا یعنی یک لخت آپؐ کو زندہ لوگوں کی فہرست سے خارج کر کے بیابان خشک و لم یزرع کے سپُرد کر دیا۔ طرد ہونے کے بعد محمدؐ کُلًّا تنہا رہ گئے تھے۔

پچھلے دنوں میں جب کبھی رُوحانی یا جسمانی زخم پہنچتے تو حضرت خدیجہؓ زخموں کو دھوتی تھیں پٹی باندھتی تھیں روحانی آلام کا مداوا کرتی تھیں۔ چچا ابو طالب پشت پناہی اور دلداری کیا کرتے تھے لیکن اب تو نہ حضرت خدیجہؓ تھیں اور نہ ہی ابو طالب۔

پیغمبرؐ نے خود کو کُلی تنہا پایا تو وُہ ایک بار پھر متوسل خداوند ہوئے اور خُدا سے دُعا کی۔ "مجھے (محمدؐ کو) اپنی پناہ میں لے لیں۔" اور اس مرتبہ خداوند نے نہ صرف آپؐ کو اپنی حمایت و پناہ میں لیا۔ بلکہ آپؐ کو اپنے پاس بُلایا۔ پیغمبرِ اسلامؐ زمین سے آسمان پر گئے۔ مسلمان اس سفر کو "معراج" کہتے ہیں۔

معراج کی علمی توضیح کیا ہے؟

پیغمبرِ اسلامؐ کے معراج کے واقعہ پر اپنے نظریہ کا اظہار کرنے سے پہلے میں ضروری سمجھتا ہوں کہ مسلمانوں نے جو اس بابت تذکرہ کیا ہے اُس کا خلاصہ عرض کر دوں!

یہ خلاصہ ابن ہشام۔ بخاری۔ حمید اللہ۔ سہیل۔ طبری۔ کتانی اور اسد بیگ کی کتابوں سے ماخوذ ہے: وُہ لکھتے ہیں کہ معراج کا واقعہ ماہِ رجب میں پیش آیا۔ رجب قمری سال کا ساتواں مہینہ ہے۔

حضرت محمدؐ رات کو آسمان پر تشریف لے گئے اور وُہ رات ماہِ رجب کی ستائیسویں رات تھی۔ مسلمانوں کی روایات کے مطابق محمدؐ کا اس آسمانی سفر جس کو معراج کہا جاتا ہے کے دو مراحل تھے۔ پہلا مرحلہ مکّہ سے بیت المقدس تک کا سفر اور دوسرا مرحلہ بیت المقدس سے آسمانوں کا سفر۔

مسلمان تذکرہ نویس اُس رات کے کُچھ واقعات خود آپؐ کی زبانِ مبارک سے اس طرح نقل کرتے ہیں:۔

"اُس رات میں مکّہ میں سویا ہُوا تھا۔ ابھی میرے طرد کرنے کے ارادے کا اجراء نہیں ہُوا تھا۔ دیکھتا ہُوں کہ گھر کی چھت میں شگاف پڑ گیا ہے اور اُس شگاف سے جبریلؑ تشریف لائے۔ میرے سینہ کو چاک کیا۔ آبِ زمزم سے دھویا بعد ازاں ایک ابریق لائے کہ پُر از حکمت تھی جو کُچھ اس میں تھا نکال کر میرے سینہ میں رکھا اور چاک بند کر دیا۔ میرے ہاتھ کو پکڑ کر کہا "اُٹھو" اور پھر مجھے بُراق (پَروں والا گھوڑا) پر سوار کیا۔ بُراق مرکّب تھا اسپ و استر کا۔ اور اُس کا چہرہ مثلِ زن تھا۔ وُہ بجلی کی سی سُرعت سے حرکت کرتا تھا۔ جب میں اُس پر سوار ہُوا تو میری حالت نیم بیداری اور نیم خواب کی سی تھی۔"

جب آپؐ براق پر سوار ہو گئے تو بُراق چل پڑا اور شہر (ہیبرون) میں توقف کیا اس لیئے کہ ابراہیمؑ کی قبر وہاں پر ہے۔ آپؐ نے ابراہیمؑ کی قبر پر دُعا مانگی۔

پیغمبرِ اسلامؐ دُعا کے بعد پھر سوارِ بُراق ہوئے تو براق چل پڑا اور اس مرتبہ (بیت اللحم) میں ٹھہرا کہ یہ مقامِ تولّدِ مسیحؑ ہے۔ وہاں بھی دُعا مانگی اور پھر سوارِ بُراق ہوئے۔ اس دفعہ براق نے بیت المقدس میں جا توقّف کیا۔

Marfat.com

یہاں قسمتِ اوّل مسافرتِ یعنی مسافرتِ خاکی کا خاتمہ ہوا اور قسمتِ دوئم یعنی مسافرتِ آسمانی مسجد الاقصیٰ سے سے شروع ہوئی۔ (مسجد الاقصیٰ بیت المقدس میں واقع ہے)۔

اس سے قبل کہ محمدؐ اُس رات آسمان کی طرف سفر شروع کریں۔ آپؐ نے (قبۃ الصخرہ) معنی پتھر یلا گنبد پر اپنے پاؤں کا نشان چھوڑا۔ بالکل ایسے ہی جیسے ابراہیمؑ کے پاؤں کا نشان مقام ابراہیم پر رہ گیا ہوا ہے۔

محمدؐ براق پر سوار آسمان کی طرف چل دیئے اور پہلے آسمان پر پہنچے جو تمام آسمانوں کی نسبت نزدیک ترین آسمان ہے۔ آسمانِ اوّل پر محمدؐ حضرت آدمؑ سے ملے اور مشاہدہ کیا کہ آدمؑ انسانوں کے دو گروہوں کے درمیان ہیں جو زمین سے آئے ہوئے ہیں۔ اُن میں کا ایک گروہ آدمؑ کے دائیں طرف اور دُوسرا گروہ بائیں طرف ہے۔ جو داہنی طرف والے تھے اُن کا شمار بہشت میں جانے والوں میں ہوتا تھا اور جو بائیں طرف والے تھے وہ جہنم میں جانے والے تھے۔

آدمؑ بالآخر انسان تھے جب راست والوں کو دیکھتے تبسم فرماتے اور جب چپ والوں کو دیکھتے تو رونے لگتے اسلئے کہ آدمؑ تمام افراد کے باپ ہیں۔ ایک باپ کی طرح بچّوں کی خوشی پر خوش اور اُن کی بدبختی اور بدحالی پر غمزدہ ہوتے۔

حضرت محمدؐ آسمانِ اوّل سے گزر کر آسمان دوئم پر پہنچے۔ وہاں حضرت عیسیٰؑ سے ملاقات کے بعد آپؐ نے تیسرے آسمان کی راہ لی۔ وہاں آپؐ نے حضرت یوسفؑ کو موجود پایا۔ آپؐ نے آسمانِ چہارم میں ادریسؑ اور آسمان پنجم میں ہارونؑ اور آسمانِ ششم میں حضرت موسیٰؑ کو دیکھا۔ آسمان ہفتم پر آپؐ کی ملاقات حضرت ابراہیمؑ سے ہوئی۔ یہ بلند ترین آسمان ہے۔ اور اس سے آگے کسی آسمان کا وجود نہیں۔

حضرت ابراہیمؑ ایک گھر کی دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔ یہ گھر فرشتوں کا تھا اور معلوم ہوا اس گھر نقشہ خانہ کعبہ کے ہو بہو ہے اور ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔

آسمانِ ہفتم کے بعد ایک منطقہ ہے مثل اطراف خانہ کعبہ یعنی حرم اور حرم کی انتہا پر (سدرۃ المنتہیٰ) کا وجود ہے۔ وہ ایک درخت ہے کہ اُس سے آگے مجہول مطلق واقع ہوا ہے۔ اور کوئی نہیں جانتا کہ اس درخت کے آگے وضع ملکوت کیسی ہے۔

اُس جگہ پیغمبرؐ خداوند تعالیٰ کے اس قدر قریب ہوگئے کہ خداوند کی قلم کی آواز سنائی دیتی تھی اور آپؐ سمجھے کہ خداوند افراد بشر کی تقدیر کی نگاہداری میں مشغول ہے۔ آپؐ صدائے قلم تو سُنتے رہے مگر کچھ دیکھ نہیں رہے تھے اس لیئے کہ اُسے کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ چاہے وہ پیغمبر ہی کیوں نہ ہو یعنی کسی کو تاب ہی نہیں۔

جب آپؐ آسمانوں کی مسافرت پر نکلے تو پہلے آسمان پر آپؐ نے دیکھا کہ کچھ نگہبان فرشتے اعلان کرتے ہیں تاکہ سب کو معلوم ہو کہ کون عازم افلاک ہے۔ حالانکہ آپؐ پیغمبر تھے پھر بھی آپؐ کو یہ تاب نہ تھی کہ خدا کی آواز کو بلا واسطہ سُن سکتے۔ خداوند کی صدا جبریلؑ کے توسط سے کانوں تک پہنچتی تھی نیز کوئی کان چاہے وہ پیغمبرؐ ہی کا کیوں نہ ہو۔ یہ توانائی نہیں رکھتا کہ وہ خُدا کی آواز کو مستقیماً سُن سکے۔

(سدرۃ المنتہیٰ) پر خدا نے بوسیلۂ جبریلؑ جناب محمدؐ سے گفتگو فرمائی اور کہا۔ میں جانتا ہوں تمہیں قبیلہ سے

Marfat.com

طرد کر دیا گیا ہے۔ تم حوصلہ رکھو اور جان لو کہ تم سے قبل بھی پیغمبر گزرے ہیں جنہوں نے تم سے زیادہ مصائب برداشت کیے ہیں اُن میں بعض شکنجوں پر کھینچے گئے اور مر گئے۔ پھر خداوند نے آپؐ کے آئندہ فرائض کی بابت گفتگو فرمائی۔ کہا جس طرح موسیٰؑ نے قوم کو اکٹھا کیا اور مصر سے ہجرت کی اسی طرح تم بھی اپنے پیروؤں کو جمع کرو اور مکہ سے ہجرت کر جاؤ۔

طبیعی ہے کہ ایسے اقدام کے لیئے ارادہ اور استقامت چاہیئے۔ تمہارے ارادہ کو قوی کرنے اور تم میں استقامت بڑھانے کے لیئے ہم تمہیں یہاں تک لائے ہیں۔

جب حضرت محمدؐ کو زمین پر واپسی کی اجازت ملی تو انہیں چودہ فرمان دیئے گئے (موسیٰؑ کو دسؔ فرمان عطا ہوئے تھے) اور انہیں مامور فرمایا کہ ان کی تبلیغ فرمادیں۔ یہ چودہؔ فرمان حسب ذیل ہیں:۔

۱۔ تم لوگ کسی کی عبادت نہ کرو مگر صرف خُدائے واحد کی۔

۲۔ والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو۔ اگر تمہارے پاس ان میں سے ایک یا دونوں بوڑھے ہو کر رہیں تو انہیں اُف تک نہ کہو۔ نہ انہیں جھڑک کر جواب دو بلکہ اُن سے احترام کے ساتھ بات کرو۔ اور نرمی اور رحم کے ساتھ اُن کے سامنے جُھک کر رہو اور دُعا کیا کرو۔ پروردگار ان پر رحم فرما جس طرح انہوں نے رحمت وشفقت کے ساتھ مجھے بچپن میں پالا تھا۔

۳۔ رشتہ دار کو اُس کا حق دو اور مسکین اور مسافر کو اُس کا حق۔

۴۔ فضول خرچی نہ کرو۔ فضول خرچی کرنے والے لوگ شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے ربّ کا ناشکرا۔

۵۔ اگر اُن سے (یعنی حاجتمند رشتہ داروں، مسکینوں اور مسافروں سے) تمہیں کترانا ہو اس بنا پر کہ تم بھی اللہ کی اُس رحمت کو جس کے تم اُمیدوار ہو تلاش کر رہے ہو تو انہیں نرم جواب دے دو۔

۶۔ نہ تو اپنا ہاتھ گریبان سے باندھ رکھو (بخل نہ برتو) نہ اُسے بالکل ہی کھُلا چھوڑ دو (فضول خرچ نہ بنو) کہ ملامت زدہ اور عاجز بن کر رہ جاؤ۔ تیرا رب جس کے لیئے چاہتا ہے رزق کشادہ کرتا ہے اور جس کے لیئے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے وُہ اپنے بندوں کے حال سے باخبر ہے اور انہیں دیکھ رہا ہے۔

۷۔ اپنی اولاد کو افلاس کے اندیشہ سے قتل نہ کرو۔ ہم انہیں بھی رزق دیں گے اور تمہیں بھی۔ درحقیقت اُن کا قتل ایک بہت بڑی خطا ہے۔

۸۔ زنا کے قریب نہ پھٹکو۔ وہ بہت بُرا فعل ہے اور بہت بُرا راستہ۔

۹۔ قتلِ نفس کا ارتکاب نہ کرو جسے اللہ نے حرام کیا ہے مگر حق کے ساتھ اور جو شخص مظلومانہ قتل کیا گیا ہو اُس کے ولی کو ہم نے قصاص کے مطالبہ کا حق عطا کیا ہے۔ پس چاہیئے کہ وُہ قتل میں حد سے نہ گزرے۔ اُس کی مدد کی جائیگی۔

۱۰۔ یتیم کے مال کے پاس نہ پھٹکو مگر احسن طریقہ سے یہاں تک کہ وہ شباب کو پہنچ جائے۔

۱۱۔ عہد کی پابندی کرو۔ بے شک عہد کے بارے میں تم کو جواب دہی کرنی ہوگی۔

۱۲۔ پیمانے سے دو تو پورا بھر کر دو اور تولو تو ٹھیک ترازو سے تولو۔ یہ اچھا طریقہ ہے اور بلحاظ انجام بھی بہتر ہے۔

۱۳۔ کسی ایسی چیز کے پیچھے نہ لگو جس کا تمہیں علم نہ ہو۔ یقیناً آنکھ، کان اور دل سب کی ہی بازپرس ہوگی۔

۱۴۔ زمین پر اکڑ کر نہ چلو تم نہ زمین کو پھاڑ سکتے ہو نہ پہاڑوں کی بلندی کو پہنچ سکتے ہو۔

حضرت محمدؐ نے واقعہ معراج کے بعد اُن تمام لوگوں کا ذکر کیا جنہیں انہوں نے آسمانوں میں دیکھا تھا۔ سفرِ معراج میں محمدؐ نے آسمانوں میں نوعِ بشر کے تمام سرکردہ افراد کو دیکھا اور انہیں پہچان لیا۔ محمدؐ نے اُن اشخاص کو بھی دیکھا جو (حادی بین البراع والاسل) تھے یعنی صاحب سیف و قلم۔ محمدؐ نے تمام بڑے بڑے پیغمبروں، عالموں کو جو قرن ہائے گزشتہ میں اس جہاں سے رخصت ہو چکے تھے، آسمان میں دیکھا۔ یہ اُنؐ کے لیئے ایک بہت بڑا موقع تھا کیونکہ آپؐ نے سب کو نزدیک سے دیکھا اور پہچانا۔

بعض تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ محمدؐ نے ساتوں آسمانوں کی راہ طے کر لی۔ سدرۃ المنتہیٰ پہنچے خداوند سے گفتگو کی اور پھر واپس ہوئے۔ جب اپنے گھر میں داخل ہوئے تو گھر کے دروازہ یا کمرہ کے دروازہ کے کواڑ کی زنجیر جس حالت میں آپؐ کھول کر گئے تھے ابھی ہل رہی تھی۔

یہ واقعہ مفروضۂ نسبیٔ (انشٹائن) کے مفروضہ نسبتی اصولوں کے عین مطابق ہے جو کہ آج کل بہت معروف ہیں۔ اور یہ موضوع کوئی بہت عجیب نہیں اس لیئے کہ ان اصولوں کے مطابق دو انسانوں کو جن میں سے ایک ساکن اور دوسرا متحرک ہو، "زمان" ایک سا جلوہ نہیں دے گا۔ بنابرایں یہ قبول کیا جا سکتا ہے کہ ایک شخص گھر سے نکلے آسمانوں کی سیر کے بعد واپس آئے اور ہنوز گھر کے کواڑ کی زنجیر ہل رہی ہو۔ اس مفروضہ میں خصوصیت سے (نسبی بودن زمان) (Relativity of Time) پر بہت زیادہ بحث ہو چکی ہوئی ہے اور اس سے سب مطلع ہیں ہم اس پر کچھ نہیں کہیں گے۔

محمدؐ کے واقعہ معراج میں اس لحاظ سے کوئی عجیب بات نہیں ہے۔ البتہ جو سوال ذہن میں آتا ہے وہ یہ کہ آیا محمدؐ نے یہ مسافرت اسی جسم کے ساتھ جو گوشت، خون اور پوست کا بنا ہے انجام دی؟ یعنی آسمانوں پر گئے۔

علماءِ اسلام معراج محمدؐ کے متعلق دو نظریات کے قائل ہیں۔ ایک یہ کہ آپؐ خاکی جسم کے ساتھ آسمانوں پر تشریف لے گئے اور اس کے برعکس دوسرا نظریہ یہ ہے کہ آپؐ کی روح پرواز کر کے آسمانوں پر گئی۔ اور علمائے اسلام میں سے کسی نے بھی یہ نہیں کہا کہ آپؐ خواب کی حالت میں آسمان پر گئے اور رؤیا میں سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچے۔ وہ جو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ محمدؐ جسم خاکی کے ساتھ آسمان پر تشریف لے گئے۔ دلیل یہ دیتے ہیں چونکہ آپؐ پیغمبر تھے یہ سب کچھ ممکنات میں سے ہے۔ مختصر یہ کہ آپؐ قادر تھے یا آپؐ کو یہ قدرت دی گئی کہ وہ اسی جسم خاکی کے ساتھ آسمان پر تشریف لائیں یا لے جائیں۔ حتیٰ کہ ساتویں آسمان سے بھی آگے چلے جائیں۔

دوسرے علماء جو یہ کہتے ہیں کہ محمدؐ نے جسم خاکی کے ساتھ یہ سفر نہیں کیا اور پھر یہ لازم بھی نہیں تھا کہ وہ جسم خاکی کے ساتھ آسمانوں کو تشریف لے جاتے۔ آپؐ کا یہ روحانی سفر تھا آپؐ کی روح نے سفر کیا۔ ساتوں آسمانوں کو دیکھا سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچی اور خداوند تعالیٰ سے گفتگو کی۔ ان علماء کے عقیدہ کے مطابق ہم بغیر اس کے کہ پیغمبر ہوں نیند کی حالت میں ایسی جگہوں پر پہنچ جاتے ہیں کہ اُن جگہوں کا ہم سے ہزاروں کلومیٹر فاصلہ ہوتا ہے۔ اُن لوگوں سے باتیں کرتے ہیں جو مُردہ ہوتے ہیں۔ ہم خواب میں

Marfat.com

فقط ان مُردہ لوگوں سے صحبت نہیں کرتے جو ہمارے سامنے فوت ہُوئے ہوں بلکہ اُن سے بھی گفتگو ہوتی ہے جو صدیوں پہلے مر چکے ہوتے ہیں۔

ہم یہ جانتے ہوئے کہ یہ مر چکے ہیں اُن مُردوں سے گفتگو کرتے ہیں لیکن پھر بھی متحیّر نہیں ہوتے۔ ہماری نظر میں یہ ایک عادی امر ہے۔ خواب میں ہم انہیں مُردہ نہیں کہتے۔ جب ہم خواب دیکھتے ہیں ہمارا خاکی جسد ہچکولے نہیں کھاتا۔ اپنی اصلی حالت میں بستر پر پڑا رہتا ہے لیکن ہم ایک پر کی طرح سبک ہوتے ہیں جہاں چاہیں جائیں۔ اُس حالت میں قدیم قول کے مطابق رُوح بدن سے جُدا ہو جاتی ہے اور ہوا میں جولانیاں کرتی ہے۔ دُور دراز شہروں کو جاتی ہے۔ ایسے لوگوں سے جو ہم سے صدہا سال مر چکے ہوتے ہیں رابطہ پیدا کرتی ہے۔ خوشی محسوس کرتی ہے اس لیئے کہ اس ربط سے ہم اُن لوگوں سے جو ہم سے قبل دُوسری مملکتوں میں زندگی بسر کر چکے ہوتے ہیں اور جو ہماری زبان نہیں سمجھتے اور ہم اُن کی زبان نہیں سمجھتے ہوتے۔ گفتگو کرتے ہیں۔ زبان کا نہ جاننا مانع نہیں آتا۔ وہ ہماری زبان سمجھتے ہیں اور ہم اُن کی یا پھر ایسے ہے کہ رُوح بدن سے خارج نہیں ہوتی بلکہ خواب کی حالت میں ایک کیفیت طاری ہو جاتی ہے کہ تمام حجاب ہماری آنکھوں سے دُور ہو جاتے ہیں۔ طویل فاصلے چھوٹے ہو جاتے ہیں اور ہم خود کو ایک ایسا شخص محسوس کرتے ہیں کہ جو ہر جگہ کو جانتا اور پہچانتا ہے۔ اور ہر ایک سے آشنا۔

حالت بیداری میں ہمیں ایک چوڑی نالی کو پھلانگنا مشکل ہوتا ہے مگر حالت خواب میں درّوں کے اُوپر سے پرواز کر جاتے ہیں۔ پہاڑوں پر سے گزر جاتے ہیں۔ اور ہماری یہ پروازیں ہماری نظر میں ایسے ہی ایک عادی امر ہوتی ہیں جیسے شہر کی ایک سڑک کو عبور کر رہے ہوں۔ حالت خواب میں اُمورِ محال آسان اور عادی نظر آتے ہیں۔ ہم حالتِ خواب میں ایک ہی وقت میں اپنے گھر اور ہزارہا میل دور کا بھی احساس کر سکتے ہیں۔

خواب کی حالت میں ہم وُہ قوتیں ہوتے ہیں کہ ہم دوسروں کی زبان سمجھ سکتے ہیں۔ اُن کی زبان میں بات چیت کر سکتے ہیں۔ اور اگر حالت خواب میں کسی غیر ملک کو جائیں تو ہر چیز کو آشنا تصوّر کرتے ہیں جیسے وہیں پیدا ہوئے ہوں اور وہیں نشوونما پائی ہو۔)

ہم رؤیا میں۔ واقف کار۔ دوست اور دشمن بھی رکھتے ہیں اور اُن میں سے کسی کو بھی حالتِ بیداری میں نہیں پہچانتے۔ لیکن جب سو جائیں تو رؤیا کی شگرفی دُنیا میں وُہ ہمارے اردگرد نمایاں ہو جاتے ہیں۔ بعض اُن میں سے ہمیں محبت کرتے ہیں اور کچھ وحشت انگیز ہوتے ہیں کہ ہم اُنہیں دیکھتے ہی چیخ اُٹھتے ہیں اور خواب سے بیدار ہو جاتے ہیں خوابوں کی دُنیا میں ہم میں استقامت ہوتی ہے۔ آتش فشاں کے دہانہ میں داخل ہو سکتے ہیں۔ دہانہ سے واپس نکل سکتے ہیں اور جلتے بھی نہیں۔ اسی طرح خواب میں ہم قتل بھی کیئے جاتے ہیں مگر زندگی ہاتھ سے نہیں جاتی۔

خواب کی حالت میں وقت و زمانہ کی پیمائش کی حس زندہ ہوتی ہے۔ ہم خواب کے زمانہ میں ساعت و روز کا اندازہ کر سکتے ہیں۔

بہت سے اشخاص کو اتفاق ہُوا ہو گا کہ اُنہوں نے رؤیا میں رات یا کسی دن خود کو کسی دُوسرے ملک میں پایا ہوگا اُس ملک میں سالہا سال بسر کیئے ہوں گے کئی ایک حوادث پیش آئے ہوں گے اور ہر حادثہ ایک طویل مدّت کے لیئے ہو گا۔

Marfat.com

جیسے ہی وہ بیدار ہوں گے۔ دیکھیں گے کہ یہ تو میں چند لمحے نیند کی حالت میں رہا ہوں۔ یہ تمام مسائل ثابت شدہ ہیں۔ زیادہ بحث کی احتیاج ہی نہیں۔ ہر شخص اپنی زندگی میں ان مسائل سے گزرا ہے۔ اور جانتا ہے کہ رؤیا کی حالت میں "فاصلہ" کی کوئی حقیقت نہیں رہتی۔ انسان آنِ واحد میں ہر جگہ ہوتا ہے۔ ہر چیز کو سن سکتا ہے۔ ہر غیر زبان کو سمجھ سکتا ہے اور ہر غیر زبان میں تکلم کر سکتا ہے۔

انسان حالتِ خواب میں ایسے ایسے آہنگ سنتا ہے کہ زندگی میں اس کی نظیر نہیں ملتی اور بیداری میں ان کا سننا محال۔ گویا یہ نغمے کسی دوسری دنیا سے کانوں تک پہنچے ہوں۔ بعض موسیقاروں نے انتہائی دلربا سُر اور نغمے خواب کی حالت میں سنے اور بیدار ہو کر انہیں نوٹ کر لیا کہ بھول نہ جائیں۔

خواب کی دنیا میں ماضی۔ حال۔ مستقبل انسان کے لیئے ایک ہی ہے۔ بعض اوقات اپنے میلان طبع کی بنا پر دو ہزار سال پیچھے چلا جاتا ہے۔ اور کبھی ہزار یا دو ہزار سال آگے مستقبل میں چلا جاتا ہے اور گزرے ہوئے لوگوں سے یا جو ابھی تک اس دنیا میں آئے ہی نہیں۔ ان سب سے کلام کرتا ہے۔ بعض دانشور اپنے علمی مسائل کو حالتِ بیداری میں حل نہ کر سکے مگر حالتِ رؤیا میں وہ حل ہو گئے۔ دراصل بیداری کی حالت میں مغز پر کئی قسم کے قیود اور حجاب کا دباؤ ہوتا ہے۔ جو آڑے آتا ہے مگر حالتِ خواب میں یہ دباؤ نہیں ہوتے۔

ان فوق العادۃ نکات پر غور کرتے ہوئے یہ تسلیم کر لینا کوئی مشکل نہیں اور یہ نتیجہ نکالنا بھی بعید از قیاس نہیں کہ محمدؐ پیغمبر اسلام جیسی شخصیت اس قابل ہوئی ہو کہ انہوں نے حالتِ بیداری میں اپنی روح کو اس جہاں میں بھیج دیا کہ ہم اسے فقط رؤیا میں دیکھ سکتے ہیں؟

کیا یہ قبول نہیں کیا جا سکتا کہ وہی پدیدہ جو حالتِ خواب میں ہمارے مغز کے اسلول و اعصاب میں وجود پکڑتا ہے۔ حضرت محمدؐ کے مغز میں حالت بیداری میں وجود پکڑ گیا ہو۔

اس لیئے کہ حالتِ خواب میں روح ہمارے بدن سے خارج ہو جاتی ہے اور دوسری دنیاؤں کا چکر لگاتی ہے (قدیم عقیدہ یہی تھا) یا ہمارے مغز کے سلول و اعصاب میں پدیدہ ظاہر ہوتا ہے کہ ہم کو زمان و مکاں کی قید سے خارج کر دیتا ہے اور ہم خود کو ازلی و ابدی دیکھتے ہیں اور احساس ہوتا ہے کہ ہم جہاں کی ہر چیز میں شریک ہیں۔ کبھی کبھی تو جمادات و گیاہ کی آواز سنتے اور سمجھتے ہیں۔

یہی پدیدہ اگر حالتِ بیداری میں محمدؐ کے مغز کے سلول و اعصاب میں ظاہر ہو گیا ہو۔ تو معراج کا سفر عقلی لحاظ سے بھی قابلِ قبول ہو جاتا ہے۔ یہ بھی قبول کرنا ہوگا کہ آپؐ کی مسافرت اتنی سریع تھی کہ جب آپؐ واپس تشریف لائے تو کواڑ کی زنجیر ابھی ہل رہی تھی۔ کواڑ کا ہلنا ایک ضرب المثل کے طور پر استعمال ہوا ہے جس سے سننے والوں کے لیئے سرعت مسافرت کا تعین مقصود ہے۔

لیکن چند ایک اسلامی مفکر یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ محمدؐ کی روح آسمانوں پر نہیں گئی تھی۔ بلکہ آپؐ کا جسم خاکی بھی فوق العادہ سرعت کے ساتھ آسمانوں پر گیا اور واپس آیا۔

اگر اس روایت کو زیر غور و فکر لایا جاوے تو از نظر طبیعات (PHYSIC) دو حالتیں سامنے آتی ہیں۔ ایک

Marfat.com

سُرعت کا مسئلہ اور دُوسرے یہ کہ آخر یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک جسدِ خاکی نور کی رفتار سے زیادہ یا اُس کے مساوی سفر کر سکے۔

جیسا کہ روایت سے ظاہر ہے سفرِ معراج میں محمدؐ کی سُرعتِ مسافرت نور کی رفتار سے زیادہ تھی اور یہ رفتار تقریباً اندازاً "سرعت تاثیر امواج نیرو‌ی جاذبہ" کے مساوی تھی کہ محمدؐ چند لمحوں میں فضائے بیکراں کے دُور ترین نقطہ پر پہنچے اور واپس آنے پر قادر ہوئے۔ آج ہم یہ جانتے ہیں۔ اس فضائے بیکراں کی وسعت (قطر) (آئنسٹائن کے فرضی نظریہ کے مطابق) تین ہزار ملیون نوری سال پر مشتمل ہے یعنی اگر نور کی رفتار تین لاکھ کلومیٹر فی سیکنڈ ہو اور فضائے بیکراں کے ایک طرف سے سفر شروع کیا جاوے تو تین ارب سال بعد اُس کے دوسری انتہا کو پہنچے گا۔

صرف ایک ہی ایسی سُرعت کا وجود ہے جو "آنی" ہے اور ایک لمحہ میں کائنات کی ایک طرف کی ابتداء سے دوسری انتہا تک اثر پذیر ہو جاتی ہے اور وُہ ہے "سُرعت تاثیر امواج نیرو‌ی جاذبہ"۔

اگر اس لمحہ کائنات کی انتہا پر ایک کہکشاں جس میں کہ کروڑوں خورشید ہیں۔ ناگہاں تفکیک ہو جائے اور امواج میں تبدیل ہو جائے تو دنیا میں نیرو‌ی جاذبہ کا عکس العمل اس طرح ظاہر ہوگا کہ اُسی لمحہ نظام جہاں متعادل ہو جائیگا اور اگر اس طرح نہ ہُوا تو اُسی لمحہ جب وہ کہکشاں تفکیک و تبدل بہ امواج ہوئی ہمارا آفتابی نظام نابود ہو جائیگا۔

"قانون نیرو‌ی جاذبہ" جو کہ نیوٹن نے کشف کیا (حالانکہ یہ اُس کا اپنا فکر نہیں تھا بلکہ اُس نے کوپرنیک لہتانی کی تحقیقات سے استفادہ کیا تھا) کا اثر تمام جہاں میں فوری ہے اور "سرعت عکس العمل نیرو‌ی جاذبہ" آنی ہے۔

روایات کے مطابق اسلامی تذکرہ نویسوں نے جیسا بیان کیا ہے محمدؐ کی سُرعتِ مسافرت آسمانوں میں سرعت نور سے زیادہ ہے۔

ہاں اگر یہ سمجھ لیا جاوے کہ محمدؐ نے حالتِ بیداری میں رُوحؓ کے ساتھ آسمانوں کا سفر کیا تو پھر طبیعات پر بحث کی مطلقاً ضرورت پیش نہیں آتی۔

اور اگر یہ کہا جاوے کہ آپؐ نے جسم خاکی کے ساتھ آسمانوں کا سفر کیا تھا تو پھر یہ سوال پیدا ہوگا کہ آیا ایک جسم نور کی سی یا اس سے زیادہ رفتار پہ سفر کرنے کا متحمل ہو سکتا ہے؟ علم طبیعات کہتا ہے کہ مادہ اس پر قادر نہیں ہے کہ سُرعت نور کا متحمل ہو سکے مگر یہ کہ نور میں تبدیل ہو جائے اور نور کی انتہائی رفتار بھی تین لاکھ کلومیٹر فی سیکنڈ ہے۔

لیکن بعض اسلامی تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ محمدؐ سرعتِ نور سے زیادہ سرعت کے ساتھ سفر کرنے پر قادر ہوئے تھے اور اپنا سفر با سرعتی معادل "سرعت عکس العمل نیرو‌ی جاذبہ" سے شروع کیا اور انجام پر پہنچایا۔ گرچہ علم طبیعات (موجودہ) اس نظریہ کو قبول نہیں کرتا۔ اور مجھے مسلمانوں کے مذہبی عقائد کا بہت احترام ہے اس نظریہ کو قبول کرتا ہوں اس لیئے کہ ہم مسیحی بھی اپنے مذہبی معتقدات میں ایسے مسائل پاتے ہیں کہ علم طبیعات یا علم حیاتیات اُس کو قبول نہیں کرتا اور ہم حکماً اور عقیدتاً" اسے قبول کرتے ہیں۔

Marfat.com

وہ مخلوق جو ظاہر نہ ہوئی مگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا اور ایمان لے آئی

محمد جب معراج سے واپس تشریف لائے تو خود کو اسی طرح دشمنوں میں گھرا ہوا پایا اور اب یہ دشمن وہ تھے جنہیں آپ کو قتل کرنے کا اختیار مل چکا تھا اور قصاص کا بھی کوئی خوف نہ تھا۔

اس موقع پر کچھ لوگ قبیلہ بنو حنیفہ سے برائے حج (عمرہ) مکہ آئے اور طائفہ قریش نے اس قبیلہ کے ایک فرد سے محمد کے قتل کا سودا ٹھہرایا۔

محمد کو اس منصوبہ کا علم ہوگیا اور امر خداوندی بھی یہی تھا کہ مکہ سے نکل جاؤ۔ آپ رات کو مکہ سے نکلے اور طائف کی راہ لی۔ طائف ایک شہر مکہ کے جنوب میں واقع ہے۔ ان دنوں اونٹ سے یہ مسافت دو روز میں طے کی جاتی تھی اور اگر خچر سے یہ سفر کیا جائے تو ایک دن میں طے ہو جاتا تھا۔

طائف سطح سمندر سے ایک ہزار آٹھ سو میٹر بلندی پر واقع ہے اس وجہ سے وہاں پانی بکثرت تھا اور باراں بھی ہوتی تھی۔ یہ شہر سرسبز و شاداب ہے اور مکہ کے امیر لوگ اس شہر میں اپنا ایک ایک باغ رکھتے تھے۔

آج بھی جب انسان عربستان کے بیابانوں کو عبور کرتا ہوا جب طائف پہنچتا ہے تو اس کے بڑے بڑے باغوں کو دیکھتا اور اس کی ٹھنڈی ٹھنڈی فضاؤں میں سانس لیتا ہے تو محسوس کرتا ہے کہ کسی اور دنیا میں آ گیا ہے۔

طائف کے لوگ ثروت مند تھے اور ان کا اصلی شغل سود خوری تھا۔ وہ روپیہ قرض پر چڑھاتے۔ اپنی زمینوں کی کاشت کے لیئے انہوں نے غلام رکھے ہوتے تھے۔

طائف کے لوگوں کا طرہ یہ تھا کہ وہ گندم کی روٹی کھاتے تھے اور اسی بنا پر انہیں اونٹ کے دودھ کو غذا کے طور پر استعمال کی عادت نہ تھی۔

بدوی عرب جن کی غذا اونٹ کا دودھ تھی اور اب بھی ہے۔ جب کسی اونٹ کا دودھ پیتے تھے تو بتا دیتے تھے کہ اس مادہ شتر کی عمر کیا ہے اس نے کونسی گھاس یا جڑی بوٹی کھائی ہے۔

میں نے خود ایک عرب بادیہ کو آزمایا جو دودھ وہ پی رہا تھا اس کی بابت دریافت کیا تو اس نے بغیر کسی تاخیر یا سوچ و بچار کے مادہ شتر کی عمر کا تعین کیا اور یہ بھی بتا دیا کہ اس (شتر) نے کس علاقہ میں چرا ہے۔ صحرا کے مختلف علاقوں میں

Marfat.com

مختلف گھاس اور جڑی بوٹی ہوتی ہے اور دوسری جگہوں پر اُس کا وجود نہیں ہوتا اور اعراب بادیہ مختلف مناطق کے گھاس و جڑی بوٹیوں کو خوب پہچانتے ہیں۔ طائف کے لوگ ثروتمند ہونے کے باعث اپنا کچھ وقت ہنر و علم و ادب کی تحصیل میں صرف کرسکتے تھے۔ شمالی جزیرۃ العرب کا واحد طبیب طائف ہی میں رہتا تھا اور اُس کا نام تھا حارث بن کلدہ۔ ایک مشہور مؤرخ ابن خلکان کہتا ہے۔ اس طبیب نے علم طب ایرانیوں سے سیکھا تھا اور اُن دنوں طب ایرانی معروف تھا اور بڑے بڑے اطباء اُن دنوں ایران میں ہی گزرے ہیں۔

شمالی جزیرۃ العرب کا (واحد) منجم کہ علم نجوم کا ماہر اور ستاروں کی حرکات سے مطلع تھا وہ بھی طائف ہی میں رہتا تھا اور اُس کا نام تھا عمرو بن امیہ۔ طائف عربی زبان کا لفظ ہے اور اس کے معنا ہیں "دیوار"۔ یہ عربستان کا واحد شہر تھا جس کے اردگرد حصار تھا۔ اور اس دیوار کو عربوں نے تعمیر نہیں کیا تھا۔ بلکہ ایران کے ایک مہندس اور چند معماروں نے اس کی تعمیر کی تھی۔

طائف کے ایک شخص نے شاہ ایران کی ایک خدمت بجالائی۔ شاہ ایران نے اُس سے پوچھا۔ تمہیں کیا صلہ دوں؟ اُس مرد نے کہا تم ہمارے لیئے ایک مہندس اور چند معمار بھیجو تاکہ وُہ ہمارے شہر (واج) کے گرد حصار تعمیر کردیں (طائف میں جب تک حصار نہیں تعمیر ہوا تھا۔ اُس کا نام واج تھا۔ حصار تعمیر ہونے کے بعد اُس کا نام طائف ہوگیا) شاہ ایران نے اُس کی درخواست قبول کی اور شہر واج کے اردگرد حصار بنا دیا گیا۔

اس شہر طائف میں ایک پتھریلا ٹیلا تھا جس پر لات کا مجسمہ نصب کیا گیا تھا۔ لات عربوں کے تین بڑے بتوں میں سے یک تھا۔ ٹیلے اور اُس کے اطراف کے علاقے کو "بست" کا نام دیا جاتا تھا۔ اور کوئی شخص جو اس علاقہ میں داخل ہوجاتا چاہے وُہ قاتل ہی کیوں نہ ہو۔ اُس کا تعاقب نہیں کیا جاتا تھا۔

محمدؐ طائف پہنچنے کے بعد اپنے ایک عزیز کے گھر گئے (یہ عزیز عبدالمطلب کا چچیرا بھائی عبد یالیل تھا)۔

جب اس شخص (عبد یالیل) نے سُنا کہ محمدؐ تشریف لائے ہیں تو اُن کی پذیرائی سے نہ صرف دستکش ہوا بلکہ اپنے چند غلاموں کو حکم دیا کہ جاؤ اور محمدؐ پر سنگباری کرو۔ اُسے معلوم تھا کہ محمدؐ کو قبیلہ قریش نے برادری سے نکال باہر کیا ہوا ہے۔ عبدیالیل کے غلاموں نے محمدؐ کا تعاقب کیا اور اس قدر پتھر مارے کہ محمدؐ ایک باغ میں چھُپ جانے پر مجبور ہوگئے اور عبدیالیل کے اوباش غلاموں کی نظروں سے اوجھل ہوگئے۔ غلام ان کی تلاش میں طائف کے گلی کوچوں میں چکر لگاتے رہے اور حضرت محمدؐ اُسی باغ میں رہ گئے۔ یہ باغ مکہ میں رہنے والے دو بھائیوں کا تھا اور وہ نہیں چاہتے تھے کہ محمدؐ کو پناہ دیں۔ لیکن جب دیکھا کہ وُہ پتھروں کی ضربات سے مجروح اور خوُن آلود ہیں۔ انہوں نے آپؐ پر رحم کھایا اور اپنے غلام کو جو کہ عیسائی تھا کہا کہ ایک خوشہ انگور آپؐ کو دو کہ وُہ کھالیں۔

غلام انگور کی بیل سے خوشہ توڑ کر محمدؐ کی طرف گیا اور خوشہ انہیں دیا کہ وُہ کھالیں۔ آپؐ نے کھانے سے پہلے بسم اللہ پڑھا۔ عیسائی غلام بڑا حیران ہوُا اور کہا اسے زخمی کیا تو عیسائی ہے؟

محمدؐ نے فرمایا نہیں۔ غلام نے کہا یہ کلام جو تو زبان پہ لایا ہے یہ تو عیسائی کھانا شروع کرنے سے پہلے پڑھتے ہیں اور اگر تم عیسائی نہیں تو تم یہ کلمات زبان پر کیوں لائے ہو؟

Marfat.com

محمدؐ نے فرمایا۔ میں خدا کا پیغمبر ہوں۔ جس خدا نے مجھے مبعوث کیا وہ وحدہٗ لاشریک ہے۔ اسی بنا پر یہ مجھے پتھر مارتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ مجھے قتل کر دیں کیونکہ میں فرستادۂ خداوند ہوں۔

غلام نے کہا میں خدائے واحد کی پرستش کرتا ہوں اور عیسائی ہوں۔ پیغمبرِ اسلام اور عیسائی غلام (جس کا نام عداس تھا) میں رفاقت ہو گئی۔ اُس نے پیغمبرِ اسلامؐ سے کہا۔ یہ باغ جس میں تم پناہ گزین ہو۔ یہ مکّہ کے دو بھائیوں کا ہے ایک کا نام عتبہ اور دوسرے کا نام شیبہ ہے۔ یہ دونوں ربیعہ کے فرزند ہیں جو قبیلہ قریش سے ہے۔ میرے آقا عتبہ نے مجھے تمہیں انگور کھلانے کا حکم دیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں تمہیں اس باغ میں ٹھہرنے نہیں دیگا لہذا میں تمہیں آج رات اس باغ اور طائف سے اس طرح نکال لے جاؤں گا کہ وہ لوگ جو تمہیں قتل کرنے کے لیئے گلی کوچوں میں گھات لگائے بیٹھے ہیں تمہیں نہ دیکھ سکیں گے۔

(عداس) عیسائی نے جیسا کہا تھا ویسا ہی کر دکھایا۔ رات گئے وہ پیغمبرِ اسلام کو اس باغ سے اور پھر طائف سے باہر نکال لے گیا اور آپؐ سے کہا۔ اے مردِ خدا اس شہر سے دُور چلا جا کیونکہ یہاں تمہاری جان کو خطرہ ہے۔

محمدؐ نے طائف سے باہر آنے کے بعد مکّہ کی راہ لی یعنی پھر اُسی شہر کی طرف چل دیئے جہاں سے سفر کر کے آپؐ آئے تھے۔

ان کے تمام اعضائے بدن پتھروں کی ضربات سے درد کر رہے تھے۔ بھوک اور پیاس بھی تھی لیکن وہ درد۔ بھوک اور پیاس کو نظر انداز کر کے راہ چلتے رہے۔

ایک عرب بادیہ نشین کی جسمانی اور روحانی خصوصیات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ دُکھ تکلیف پر صبر و تحمل کرتا ہے۔ اگر عرب صبر اور تحمل کے خوگر نہ ہوں تو ان کے لئے ممکن ہی نہیں کہ وُہ صحرا میں زندہ رہ سکیں۔ عربی کی مشہور ضرب المثل ہے کہ (الصبر مفتاح الفرج) یہ مثل عرب کے بادیہ نشینوں پر صادق آتی ہے۔ جب ایک عرب اپنے دائیں اور بائیں ہاتھ کی پہچان کر لیتا ہے۔ اس ضرب المثل کے مطلب سے پوری طرح آشنا ہو جاتا ہے اور اُس پر عمل شروع کر دیتا ہے۔

عربستان میں جو لڑکے بھیڑ بکریاں چراتے ہیں وہ کبھی کبھی تو ایک ایک ماہ کے لیئے بھیڑ بکریوں کے ساتھ والدین سے بچھڑ جاتے ہیں اور اگر اس مدت میں بھیڑ بکریوں سے دودھ حاصل نہ ہو تو وُہ بھوکے ہی رہتے ہیں۔

ایک دس[۱] سالہ لڑکا پینتالیس[۴۵] شب و روز والدین سے بچھڑ کر صحرا میں گم ہو گیا۔ اس مدت میں کوئی سامانِ خورد و نوش اُس تک نہ پہنچ سکا۔ لیکن پینتالیس روز بعد جب وُہ والدین کو مل گیا تو نہ اُس کے چہرے پر وحشت تھی اور نہ شکایت۔ اُس نے بڑی سادگی سے کہا بس میں نے صبر کیا۔ مجھے یقین تھا کہ والدین مل جائیں گے۔

ایک بدوی عرب اگر صابر نہ ہو عرب نہیں۔ اور محمدؐ اس لیئے کہ ایک بدوی عرب تھے جسمانی و رُوحانی رنج کو بڑے تحمّل سے برداشت کرتے تھے۔

محمدؐ۔ بیابان میں ایک جگہ بطنِ نخلہ میں سستانے ٹھہر گئے۔ اور بڑی پرسوز آواز میں آیاتِ قرآنی کی تلاوت شروع کر دی ایک جنوں کا گروہ تلاوتِ قرآن سے اس قدر متاثر ہُوا کہ محمدؐ پر ایمان لے آیا اور مسلمان ہو گیا۔ قرآن کی سورہ" الاحقاف" کی تیسویں[۳۰] آیت میں بشرطیکہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو پہلی آیت شمار کریں۔ اس موضوع کا ذکر کیا ہے۔

Marfat.com

"واذ صرفنآ الیك نفرا من الجن یستمعون القرآن فلما حضروہ قالوا .... الی آخرہ"

یعنی موقع آیا کہ ہم نے ایک گروہ جنوں کا تمہاری طرف موڑ دیا تاکہ قرآن کو سنیں اور جب تمہارے نزدیک پہنچے تو ایک دوسرے کو کہنے لگے چپ، چاپ آرام سے سنو .... الخ۔ یہاں جنّوں سے مراد سکنۂ بیابان ہیں کہ رات کو دیکھے نہیں جا سکتے اور دن کو اہلِ شہر کی نظر سے دُور رہتے ہیں۔

مشرق کے بیابانوں میں (جن میں جزیرۃ العرب بھی شامل ہے) کئی بار اتفاق ہوتا ہے کہ دو گروہ رات کے اوقات میں ایک ہی مقام پر سکونت کرتے ہیں۔ بدون اینکہ ایک دُوسرے کو دیکھ سکیں۔

اگر اونٹ کی گھنٹی کی آواز کانوں میں نہ آئے اور رات کو جلتی آگ نشاندہی نہ کرے یا قافلہ کے کُتّے نہ بھونکیں تو مسافروں کے گروہ ایک دُوسرے کے چند میٹر کے فاصلے پر قیام کرنے کے باوصف ممکن ہے۔ ایک دوسرے کو نہ دیکھ سکیں۔ محمدؐ اُس رات اکیلے سفر کر رہے تھے۔ جب بطن نخلہ پہنچے کافی رات گزر چکی تھی۔ اُس مقام پر جو دوسرے لوگ قیام کر رہے تھے بیدار نہیں تھے اور اگر بیدار تھے تو وُہ اس اکیلے مسافر کو نہیں دیکھ سکتے تھے لیکن انہوں نے آواز سنی اور کلام کے بیابان سے بہت متاثر ہوئے اور جیسا کہ روایت ہے مسلمان ہو گئے۔

قرآن کی آیات اور روایات سے سمجھا نہیں جا سکتا کہ اُس شب وہ لوگ یعنی (جن) جو نظر نہیں آ رہے تھے۔ وہ قافلہ والے تھے یا بطن نخلہ کے رہنے والے۔ قدرِ مسلم یہ ہے کہ وہ لوگ اُس رات تاریکی میں محمدؐ کو نظر نہیں آئے۔ صرف انہوں نے محمدؐ کی صدا سنی۔ کلام سے متاثر ہوئے اور مسلمان ہو گئے۔

(جن)، کا عربی زبان میں اطلاق ہوتا ہے۔ اُس چیز پر جو پوشیدہ اور مستور ہو۔ اور دیکھی نہ جا سکے۔ اسی بنا پر بچہ جو شکم مادر میں ہوتا ہے اُسے (جنین) کہتے ہیں کہ وہ بھی جن یعنی پوشیدہ اور مستور ہے۔ اس معنی کے علاوہ لفظ "جن" کا عربی زبان میں دُوسرا مفہوم ہے "وحشت"، یعنی دوسروں سے خوف کھانا اس لحاظ سے اس لفظ (جن) کو (انس) کے مقابل استعمال کرتے ہیں۔ (انس) یعنی وہ جماعت جو ایک دوسرے سے موانست اور الفت رکھتی ہو۔ اور (جن) یعنی جو ایک دوسرے سے خوف رکھتے ہوں۔ اور جو ایک دُوسرے سے گریز کریں۔

شہروں کے ساکنین متمدن ہونے کی وجہ سے ایک دُوسرے سے موانست اور الفت رکھتے ہیں اور اسی لیئے عرب کے قدیم لوگ شہریوں کو (انس)، اور بیابان والوں کو (جن) کہا کرتے تھے۔ اور آج ہم ان کلمات کو تبدیل کر کے یہ بھی کہہ سکتے ہیں۔ یعنی متمدّن اور وحشی۔ ہمیں یہ خیال رکھنا ہوگا کہ بدوی عرب جو چودہ سو سال پہلے ان الفاظ (انس۔ جن) کے معانی میں فرق کرتا تھا وہ آج کے انسان کی ان دو قسموں میں بھی فرق کرتا ہے۔

آج وحشی انسان ہماری نظر میں بھی وُہ ہے جو شہروں میں زندگی بسر نہیں کرتا۔ اور ہماری مثل لباس نہیں پہنتا۔ اتومبیل۔ ٹیلیفون۔ ٹیلیگراف اور بے تار برقی سے استفادہ نہیں کرتا اور خود کو ہمارے جامع نظام معاشرت کے تابع نہیں رکھتا۔

لیکن آج سے چودہ سو سال پہلے عرب ... میں ساکنین مکہ و بیابان کی طرز زندگی میں اس قدر تفاوت نہیں تھی جو آج ہے۔ اس لیئے کہ بطور کلی تمام عرب بادیہ ... تھے۔ سبھی ایک ہی سلسلۂ قانون کے تابع تھے کہ یہ سلسلۂ قوانین مختلف قبائل

میں کچھ زیادہ متفاوت نہیں تھا۔

اہلِ مکہ اور بادیہ نشینوں کی زندگی میں جو تفاوت محسوس کی جاسکتی تھی وہ یہ کہ مکہ والے کبھی کبھی گوشت کھا لیا کرتے تھے اور کبھی کبھار روٹی (گندم کی روٹی) نصیب ہو جایا کرتی تھی اور گاہے لباس تبدیل کر لیا کرتے تھے۔ تجارت سے منافع کماتے تھے۔ ان چند چیزوں سے اگر صرف نظر کیا جائے تو ساکنانِ مکہ کی زندگی عرب بادیہ نشینوں جیسی ہی تھی۔ اُن کے معتقدات میں باہم کوئی فرق نہیں تھا۔

اہلِ مکہ صحرا کے لوگوں کو وحشی نہیں سمجھتے تھے کہ اُن کا نام وحشی گرد دانتے لیکن اس لیئے کہ اُن کو دیکھ نہیں سکتے تھے۔ اور کبھی ناگہانی طور پر عرب بادیہ نشین شہر میں آتے۔ لہٰذا انہیں جن کہتے تھے۔ بہرحال یہ توضیح ان آیات قرآنی سے کوئی مغایرت نہیں رکھتی جن میں کہا گیا ہے کہ (جن) موجودات میں سے ہیں اور انہیں آتش (نار) سے پیدا کیا گیا ہے۔

آج کے نظریات (جو کرۂ خاکی کی آتش سے تکوین سے مربوط ہیں) اس بات کے حاکی ہیں کہ بہت ساری چیزیں۔ اس کرۂ ارض پر آگ سے وجود میں آئیں۔ پھر ایک لمبے عرصے کے بعد جو چار ہزار یا پانچ سو ملیون سال پر محیط ہے۔ زمین یہ شکل اختیار کر گئی جو آج ہم دیکھ رہے ہیں۔

ہمارا یہ کام نہیں ہے کہ ہم قرآن کا دفاع کریں۔ ہمارا اس بحث سے مدعا یہ ہے کہ ہم اُن اشخاص کے لیئے جو عربی زبان پر عبور نہیں رکھتے اور قرآن کے اصلی متن کو پڑھ یا سمجھ نہیں سکتے اطلاع بہم پہنچائیں۔ یہ اشخاص وہ ہیں جو قرآن کا ترجمہ پڑھتے ہیں نیز وہ لوگ جو عربی زبان کے رموز سے واقفیت نہیں رکھتے۔ اس لیئے یہ ممکن ہے کہ وہ مغالطہ میں پڑ جائیں اور یہ سمجھیں کہ آخر یہ کیسے ممکن ہے کہ (جن) قرآن کو سننے پر توجہ دیں۔ اُن لوگوں کے اس شبہ کو رد کرنے کے لیئے یہ توضیح دی گئی ہے۔ پیغمبرِ اسلام پھر مکہ کی طرف چل دیئے حتیٰ کہ مکہ کے نزدیک پہنچ گئے جنات کے بارے میں یہ بحث جملہ معترضہ تھی (مترجم)

اُس دن سے دس سال پیشتر محمدؐ اس شہر میں اشراف کی سی زندگی بسر کرتے تھے اور صاف لباس پہنتے تھے۔ کھاتے پیتے تھے۔ لیکن اب جب وہ مکہ کے نزدیک ہوئے تو وہ خستہ حال، زخمی اور بھوک سے نڈھال تھے۔ ممکن ہے آپ کے ذہن میں یہ سوال آئے کہ جب محمدؐ کو مکہ سے نکال دیا گیا اور بنو ہاشم نے انہیں برادری سے نکال باہر کر دیا تھا تو پھر کیوں وہ مکہ کے نزدیک آئے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ محمدؐ ایک عرب تھے اور ایک عرب کے لیئے قبیلہ سے جُدا زندگی بسر کرنا ممکن نہ تھی اور جب اُس کا اپنا قبیلہ اُسے طرد کر دیتا تھا تو اُس کے لیئے ناگزیر تھا کہ وہ کسی دوسرے قبیلہ میں اپنے لیئے جگہ بنائے۔

عرب بادیہ نشین (ATOM) کی طرح تنہا نہیں رہ سکتے تھے۔ ہر ایٹم کے لیئے جس طرح لازم ہے کسی دوسرے ایٹم سے وحدت پیدا کرے تاکہ ایک مالیکیول تشکیل پائے اور زندگی کو تسلسل بخشے۔

عرب بادیہ ایک شہد کی مکھی کی طرح ہوتا تھا اور قبیلہ اُس کے لیئے چھتے کی حیثیت رکھتا تھا۔ شہد کی مکھی بغیر چھتے کے زندہ نہیں رہ سکتی اور اگر کچھ مدت اُسے چھتے سے دُور رہنا پڑے تو وہ مر جاتی ہے۔

خداوند نے محمدؐ سے فرمایا تھا کہ مکہ سے باہر چلے جاؤ۔ لہٰذا وہ مکہ سے طائف چلے گئے تاکہ یہ جائزہ لیں کہ آیا وہاں

Marfat.com

رہ سکتے ہیں یا نہیں ؟ لیکن معلوم یہ ہوا کہ شہر طائف مسلمانوں کو برداشت نہیں کرے گا لہٰذا آپؐ مکہ واپس آگئے کہ مسلمانوں کو وہاں سے نکالنے کی کوئی اور تدبیر کریں۔

ان حالات میں کسی نہ کسی قبیلہ سے تعلق پیدا کرنا ناگزیر تھا لہٰذا آپؐ نے ایک شخص کو قبیلہ (ذھیرہ) کے رئیس (اخنس بن شریف) کے پاس بھیجا تاکہ اُس سے حقِ جوار کا خواہاں ہو۔ جوار کے متعلق ہم پہلے عرض کر چکے ہیں۔

اخنس بن شریف نے جواباً کہلا بھیجا ۔میری یہ خواہش ہے آپ کو حقِ جوار دُوں لیکن میں ایسا کر نہیں سکتا اس لیئے کہ میں قبیلہ قریش کا اتحادی ہُوں لہٰذا میرے پاس وُہ اختیار نہیں ہیں کہ میں راندۂ قریش کو اپنی حمایت (جوار) میں لے سکوں۔

اس کے بعد آپؐ نے (سہیل بن عمرو) کو پیغام بھجوایا اور خواہش کی کہ وہ اُسے اپنے قبیلہ میں قبول کرلے (سہیل بن عمرو) قبیلہ قریش سے تھا مگر قریش کی اصلی شاخ سے نہیں تھا بلکہ فرعی شاخ سے شمار ہوتا تھا اُس نے بھی محمدؐ کو پناہ نہ دی۔ محمدؐ مکہ سے باہر بیابان میں پڑے رہے۔

یہ رجب کا مہینہ تھا اور اس موقع پر اہلِ عرب مکہ میں عمرہ کے لیئے آئے ہوئے تھے۔ رجب میں اہلِ عرب عمرہ کیا کرتے تھے اور یہ عمرہ حج ذوالحج کی نسبت حجِ اصغر گنا جاتا تھا۔

قبائل عرب کے گروہ عمرہ کے لیئے آئے ہُوئے تھے۔ محمدؐ صرف اس لیئے کہ کسی قبیلہ میں شامل کر لیئے جاویں رُوسا سے ملاقاتیں کر رہے تھے۔ ہر بار کہ محمدؐ کسی رئیس قبیلہ سے ملتے اُسے کہتے کہ مجھے اپنے جوار میں قبول کر لو۔ میری بات سنو۔ میں تمہیں اطمینان دلاتا ہُوں کہ تُو آنے والے حالات میں ایک مملکت کا فرمانروا ہوگا لیکن کوئی بھی آمادہ نہ ہوتا کہ محمدؐ کی درخواست قبول کرے بعض نے اُن پر خندہ کیا اس لیئے کہ وُہ محمدؐ کو دیوانہ سمجھتے تھے۔ ویسے بھی (ابولہب) و (ابوسفیان) اور (ابوجہل) نے یہ پراپیگنڈہ کیا ہوا تھا کہ محمدؐ مجنون ہیں ان کی بات پر کان نہ دھریں۔

محمدؐ نے پندرہ رُوسا سے منفی جواب سُننے کے بعد سولہویں رئیس قبیلہ سے رجوع کیا۔ اب جس رئیس سے آپ نے رجوع فرمایا وہ اپنے قبیلہ کے پانچ افراد کے ساتھ یثرب سے (جو بعدازاں مدینہ کہلایا) عمرہ کرنے مکہ آیا ہوا تھا۔ اُس شخص نے محمدؐ کا مسخر نہ اڑایا بلکہ بڑی توجہ سے آپؐ کی بات کو سُنا اور جب محمدؐ نے آیات قرآنی کی تلاوت فرمائی تو اُس شخص کی قلبی کیفیت تبدیل ہوگئی۔ اُس نے باقی پانچ ساتھیوں کو آواز دے کر بلایا اور محمدؐ نے دوبارہ چند آیات اُن کے لیئے پڑھیں۔ وُہ پانچوں افراد بھی اپنے رئیس کی طرح منقلب ہو گئے۔ یہ ہر چھ افراد مسلمان ہو گئے اور عمرہ کی ادائیگی کے بعد مدینہ (یثرب) روانہ ہوگئے۔ جاتی دفعہ آپؐ سے عرض کی کہ ہم کوشش کریں گے کہ دوسرے لوگ بھی مسلمان ہو جائیں۔

آپؐ کو مکہ سے باہر زندگی بسر کرتے ہوئے چند دن ہی ہوئے تھے کہ قبیلہ (نوفل) کا رئیس (یہ قبیلہ قریش کے دس قبائل میں سے ایک تھا) اسپر راضی ہوا کہ آپؐ کو پناہ دے۔ اس قبیلہ کی حمایت کے ساتھ ہی آپؐ مکہ میں واپس آگئے اور اپنے گھر تشریف لے گئے۔ اس موقع پر ایک عورت (سودہ) کو اپنے نکاح میں لائے۔ (یہ وہی عورت تھی جو حبشہ سے مراجعت کر آئی تھی)۔

(سودہ) اور اُس کا شوہر دونوں مسلمان تھے۔ مسلمانوں کے ایک گروہ کے ساتھ ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے تھے۔ حبشہ میں اُس کے شوہر (عبیداللہ بن حجش) نے عیسائی مذہب قبول کر لیا۔ (سودہ) نے خیال کیا کہ اگر وہ حبشہ میں رہی تو ممکن ہے اُس کا

شوہر اُسے بھی عیسائی بنا لے۔ لہٰذا شوہر سے طلاق لے کر مکہ واپس آگئیں۔ اور آپؐ کی زوجیت اختیار کر لی۔ زوجہ نہ نوجوان تھیں اور نہ ہی خوبصورت۔ محمدؐ فرمایا کرتے میں اسے اس لیئے حبالۂ نکاح میں لایا ہوں کہ بغیر ماں (خدیجہؓ) کے بچوں کا کوئی سرپرست نہ ہوگا۔

(سودہؓ) کے نکاح میں آنے کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے (جو آپؐ کے صمیمی دوست تھے) آپؐ سے درخواست کی کہ میری دختر عائشہ کو قبول فرمائیں۔

ابوبکرؓ نے محمدؐ سے عرض کی کہ عائشہ میری بچی (اولین) پیدائشی مسلمان ہے اور وہ اس لائق ہے کہ آپؐ کی ہمسر ہو۔

محمدؐ نے فرمایا۔ تمہاری لڑکی ابھی خورد سال ہے اور ابھی سات سال سے زیادہ اُس کی عمر نہیں ہوئی۔

ابوبکرؓ نے عرض کی۔ آپؐ نامزد کر لیں۔ میں صبر کر دوں گا۔ جب بڑی ہو جائے گی آپؐ سے ازدواج ہو جائے گا۔ یہ نامزدگی ۶۲۰ سن عیسوی کو ہوئی اور پہلی عورت کہ پیدائشی مسلمان تھی پیغمبرؐ اسلام سے نامزد ہوئی۔

Marfat.com

مذہب اسلام میں "اُمّت" کا مفہوم

محمدؐ مزید ایک سال مکہ میں رہے اور ہر اُس مشقت کو جو اُن پر وارد ہُوئی برداشت کرتے رہے۔ انہیں موت کا کوئی خوف نہ تھا۔ بدوی عرب اُس وقت بھی اور آج بھی کہتے ہیں: "جب ہمارا اس دُنیا میں آنا قرار پایا تھا تو ہم سے کسی نے نہیں پُوچھا تھا کہ آیا تمہاری یہ خواہش بھی ہے یا نہیں؟ اگر ہم سے پوچھا جاتا تو شاید ہمارا جواب نفی میں ہوتا کہ ہم تو اس دنیا میں قدم رکھنے کے خواہشمند ہی نہیں۔"

جس روز ہمیں لے جانا ہوگا کوئی ہم سے نہیں پُوچھے گا کہ آیا تم دنیا سے واپس جانے کے خواہش مند ہو یا نہیں؟ ہماری زندگی خدا کے ہاتھ میں ہے۔ جس وقت وُہ چاہتا ہے ہمیں اس دُنیا میں بھیج دیتا ہے اور جب وہ مائل ہوتا ہے کہ ہمیں یہاں سے لے جائے وہ لے جاتا ہے۔ ہمیں یہ اختیار نہیں دیا گیا کہ ہم اپنی رضا سے اس جہاں میں آئیں اور اپنی رضا سے جائیں۔

زندگی ایک سرمایہ ہے جو خداوند ہمیں عطا فرماتے ہیں۔ اس طرح کہ ہم اس کے منافع سے فائدہ حاصل کرنے کے حقدار ہیں نہ کہ اصل سرمایہ سے۔ اس لیئے کہ خود سرمایہ ہم سے متعلق ہی نہیں لہذا موت کا تمنائی نہیں ہونا چاہیئے۔ اس لیئے کہ مرگ ہمارے اختیار میں نہیں ہے۔ دُوسرے جب موت کا وقت آجائے تو ہمیں خوفزدہ نہیں ہونا چاہیئے۔ اس لیئے موت سے خوف کھانا موت کی راہ نہیں روک سکتا۔

محمدؐ بحیثیت ایک عرب کے یہی عقیدہ رکھتے تھے اور موت سے خوفزدہ نہ تھے۔ لیکن موت کی تمنا بھی انہیں نہیں تھی۔ وُہ جور و مشقت سہتے رہے۔

ایک سال بعد یعنی ۶۲۱ سن عیسوی میں (عمرہ) کے لیئے ایک گروہ مدینہ والوں کا مکہ آیا تو معلوم ہُوا کہ گروہ کے ساتھ جو مسلمان آئے ہیں اُن کی تعداد "بارہ" ہو چکی ہے۔ دس نفر اُن میں سے ایک قبیلہ اور دو دُوسرے قبیلہ سے تھے۔

ان "بارہ" افراد نے مکہ پہنچنے کے بعد محلہ عقبہ (یعنی دو پہاڑوں کے درمیان گھاٹی) میں آپؐ سے ملاقات کی اور مشورہ کیا۔ یہ گھاٹی جو مکہ اور (منیٰ) کے درمیان ہے۔ قدیم وقتوں میں ایک ایسا مقام سمجھا جاتا تھا۔ جہاں سے ابلیس اور خبیث رُوحوں کا گزر ہوتا تھا۔ کہتے ہیں۔ جب ابراہیمؑ اپنے فرزند کو خدا کی راہ میں قربان کرنے کے لیئے لے جا رہے تھے یہ ثابت کرنے کے لیئے کہ وُہ

Marfat.com

اطاعت گزاروں میں سے ہیں۔ تو شیطان اسی گھاٹی میں اُن کے پاس آیا اور چاہا کہ ابراہیمؑ کو خدا کی راہ سے فرزند کی قربانی سے باز رکھے۔ ابراہیمؑ نے شیطان کو پتھر مارے کہ وُہ بھاگ جائے اور اُس کا شر اُن سے دُور ہو۔ آج بھی جو لوگ حج پر جاتے ہیں جب اُس مقام پر پہنچتے ہیں تو (رمی) کرتے ہیں یعنی پتھر مارتے ہیں۔

یہ مدینہ کے بارہ مسلمان افراد (تاریخ میں ان کو اور مدینہ کے دُوسرے مسلمانوں کو انصار کا نام دیا گیا ہے) جب اس گھاٹی میں محمدؐ سے ملے تو اطلاع دی کہ سال گزشتہ کی نسبت مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہوئی ہے اور اس افزائش کا سبب قرآن کریم ہے۔

(انصار) کہتے تھے کہ یہودی تھوڑی مدت پہلے پیش بینی کر رہے تھے کہ ایک پیغمبرؐ آیا چاہتا ہے اور ہم خوش نصیب ہیں کہ اُن کی پیش بینی صحیح ثابت ہوئی ہے اور اس دفعہ پیغمبر قوم یہود سے نہیں بلکہ ہماری قوم (عربوں) سے مبعوث ہُوا ہے اور وُہ بھی بنو قریش سے جن کی اصالت میں شک کی گنجائش ہی نہیں۔

ہم عرب آج تک یہودیوں اور عیسائیوں کو رشک سے دیکھ کرتے تھے کہ ان کی مانند کاش ہمارے پاس بھی کتاب ہو آج ہم خوش ہیں کہ ہمیں میں سے ایک پیغمبرؐ ہُوا ہے اور ہمارے لیئے کتاب لایا ہے۔ اور وُہ کتاب بھی مثل قرآن کہ جب اُس کا کلام کانوں سے ٹکراتے تو انسان پر لرزہ طاری ہوجائے اور اُس کا قلب دگرگوں ہوجائے۔

اس وقت ان بارہ افراد نے جو گھاٹی میں موجود تھے آپؐ کو مدینہ کی سیاسی حالت سے آگاہ کیا اور کہا کہ مدینہ کے قبائل کے درمیان ایک بادشاہ کے انتخاب پر اختلاف پیدا ہوگیا ہے۔ گرچہ ایک زرگر نے مدینہ کے سرکردہ افراد میں سے (عبداللہ بن ابی) کے سر کا (ناپ) لیا ہے اس مقصد کے لیئے کہ اس کے لیئے تاج تیار کیا جائے۔ لیکن مدینہ کے قبائل کے مختلف گروہ اس سے موافق نہیں ہیں۔ برعکس انہوں نے یہ تجویز کیا ہے کہ رفع اختلاف کے خیال سے بجائے ایک بادشاہ کے ایک پیغمبرؐ کو منتخب کریں اور چونکہ محمدؐ قریش میں سے ہیں اور اُن کے والد (عبداللہ) مدینہ کے نزدیک مدفون ہے اور خود وہ پیغمبر ہیں۔ اہل مدینہ اس بات پر آمادہ ہو رہے ہیں کہ آپؐ کو دعوت دیں۔ نیز وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ ایک پیغمبر بادشاہ پر فضیلت رکھتا ہے۔ پیغمبر سعادت خداوندی سے بھی برخوردار ہوتا ہے۔

محمدؐ نے ان انصار سے فرمایا۔ کیا تم آمادہ ہو کہ میرے سے (بیعت النساء) کرو۔ بیعت النساء جزیرۃ العرب میں حلف وفاداری سے عبارت تھی۔ جب چند قبیلے ایک قبیلہ سے وفاداری کا اظہار کریں تو اس اعلان وفاداری کا رسمی نام بیعت النساء تھا۔

اس گھاٹی میں دو قبیلوں کے نمائندوں نے محمدؐ سے (بیعت النساء) کی۔ اسے بیعت النساء اس لیئے کہا جاتا تھا کہ بیعت کنندہ حلف اٹھاتا کہ اُس شخص (جس سے بیعت کی گئی ہو) سے وفاداری کی راہ میں اس طرح فدا کاری کروں گا۔ جس طرح اپنے بچوں اور عورتوں کی حفاظت کے لیئے فدا کاری کی جاتی ہے۔ ان بارہ افراد کے حلف وفاداری کے بعد محمدؐ نے اُن سے فرمایا اگر تم اپنے حلف پر ثابت قدم رہے تو بہشت تمہارا مقام ہوگا۔ اور اگر تم حلف پر قائم نہ رہے تو یہ خدا پر ہے کہ تمہیں مجازات کرے یا بخشش دے۔

وُہ بارہ افراد اس کے بعد مدینہ جانے کے خواستگار ہوئے تو محمدؐ نے ایک مسلمان بنام (ابن عمیر) ان کے ساتھ بھیج دیا تاکہ وہ مدینہ میں مسلمانوں کو قرآن سکھائے (ابن عمیر) بہت بوڑھا تھا لیکن خوش بیان اور قرآن پڑھنے میں خوش الحان تھا۔ مدینہ

Marfat.com

آنے کے بعد اُس نے بہت سے مشرکین کو مسلمان کیا۔

مدینہ میں اسلام نے اس طرح پیش رفت کی کہ ۶۲۱ سن عیسوی کے اختتام تک یہودیوں کے علاوہ تمام سکنۂ مدینہ مسلمان ہو چکے تھے۔ یہودی گو اسلام کو قبول کرنے پر آمادہ نہیں تھے لیکن انہوں نے بھی محمدؐ کے مدینہ آنے سے موافقت کی۔ زیرا یہ ایک سبب تھا کہ وہ دُوسروں سے اپنے اختلافات بھی حل کروا لیتے۔

محمدؐ مکہ میں مدینہ کے حالات سے واقفیت کے بعد خود کو مدینہ ہجرت کے لئے آمادہ کرتے رہے۔ آپؐ کو یہ بھی احساس تھا کہ یہ فیصلہ ایک بہت بڑا کام ہوگا۔

اس وقت تک محمدؐ نے مکہ میں تمام مشقتیں برداشت کی تھیں مگر آج تک قریش سے جُدا نہیں ہوئے تھے نیز یہ بھی احساس تھا کہ اگر ایک بار مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے تو تمام ارتباط اپنے قبیلہ سے ہمیشہ کے لئے قطع ہو جائینگے۔ عربی زبان میں اسطرح کے قطع ربط کے لیئے ایک اصطلاح ہے کہ جس کو دوسروں نے اصلی معنی کی بجائے غلط انداز میں استعمال کیا ہے۔ اور وہ اصطلاحی کلمہ ہے "(فتنہ)" عربی زبان میں فتنہ یعنی (قطع ارتباط) یہ ہے کہ کوئی شخص تمام قدروں اور وابستگیوں کو اپنے قبیلہ یا طائفہ سے ختم کر دے۔ یہ اصطلاح جب دُوسرے غلط انداز اور غلط معنی میں استعمال ہوئی تو لوگوں نے اس کے معنی (تولید فساد) لیا۔ دراصل ایسا نہیں ہے۔

پیغمبرؐ سمجھتے تھے کہ مکہ سے اُن کی مدینہ کو ہجرت یعنی قطع ارتباط کے نتیجہ میں جو اثرات مرتب ہوں گے اس سے اہلِ عرب میں ایک جدید جمعیت وجود پکڑے گی جو کہ کلی طور پر قدیم یا موجودہ جمعیتوں سے مختلف ہوگی۔ اس نئی جمعیت میں حسب ونسب و ثروت اور نسلی امتیاز وجہ تفاخر نہیں۔ بلکہ گورے اور کالے، غنی اور فقیر، شریف اور عامی سب برابر ہیں۔ اس اجتماع کو "اُمت" کہا گیا۔

اس نئی جمعیت یعنی (امت) کا رئیس "خدا" ہے جو ہمیشہ رہنے والا ہے۔ اس لیئے خدا کی ریاست دائمی ہے۔ اس نئی جمعیت یعنی اُمت میں خدا کا نمائندہ پیغمبرؐ ہے۔

نئی جمعیت (امت) کے تمام افراد خدا کے سامنے ایک دُوسرے کے مقابلہ میں مساوی ہیں۔ حتیٰ کہ زن و مرد میں تفاوت نہیں ہے اور مساوی حقوق سے بہرہ ور ہیں۔

امت ایک قبیلہ کے مثل نہیں ہے کہ مبنی بر حسب ونسب ہو اور اُن کا خون دُوسرے افرادِ بشر سے جُدا ہو۔ جو چیز امت کو دُوسرے افراد بشر سے جدا کرتی ہے وہ قانون ہے صرف قانون۔

اُمت اور دُوسرے افراد بشر کے درمیان ایک دیوار ہے اور وہ قانون کی دیوار ہے لیکن یہ دیوار کسی کے لیئے ناقابلِ عبور نہیں ہے چاہے وہ شخص کسی بھی نسل، قوم، قبیلہ و طائفہ کا کیوں نہ ہو۔ سب لوگ اس امت کا جزو ہو سکتے ہیں۔ فقط خداوند کی ریاست کو قبول کر لیں یعنی مسلمان ہو جائیں۔

خدا کی ریاست کو قبول کرنے کے بعد وہ فرد فوری امت کا جزو ہو جاتا ہے اور یکایک اجتماع اسلامی کے افراد سے مساوی ہو جاتا ہے۔ اگر ہم اس انقلاب کا مطالعہ جو اس موقع پر محمدؐ عربستان میں لانا چاہتے تھے اس لحاظ سے کریں کہ اہلِ عرب کے رسوم و

Marfat.com

شعائر کی معاشرہ پر چھاپ نہایت گہری تھی اور قبائل میں رسوم کا اثر و رسوخ فوق العادہ تھا۔ ہر قبیلہ بجائے خود اجتماعی وحدت تشکیل دیتا تھا۔ تو یہ ایک کلی انقلاب تھا۔ یہ انقلاب۔ انقلاب فرانس سے بزرگتر تھا۔

فرانسیسیوں کا انقلاب اُن کے مابین مساوات نہ لا سکا۔ لیکن محمدؐ کے انقلاب سے مسلمانوں کے مابین مساوات قائم ہوئی۔ اور ہر طرح کی خاندانی۔ طبقاتی اور مادی بالاتری ختم ہو کر رہ گئی۔ ۶۲۲ سن عیسوی میں ایک بار پھر اہل مدینہ (عمرہ) کے لیئے مکہ آئے اور محمدؐ سے مذکورہ درہ میں رات کے وقت ملاقات کی۔

اس موقع پر اُن بارہ ۱۲ افراد کے علاوہ جنھوں نے سال قبل حلف وفاداری اٹھایا تھا۔ مدینہ کے مسلمانوں کا دُوسرا گروہ پچھتر ۷۵ افراد (مرد و زن) پر مشتمل اُسی گھاٹی میں ملاقات کے لیئے حاضر ہوا۔ وہاں محمدؐ نے چند آیاتِ قرآنی اُن کے لیئے تلاوت کیں اور بعد ازاں نئے آنے والے لوگوں نے (مسافرین سال گزشتہ کی طرح) درخواست کی کہ اُن سے بھی حلفِ وفاداری (بیعت النساء) لیں۔ پس اُن نئے لوگوں نے بھی حلف وفاداری اُٹھایا۔

حلف کے بعد محمدؐ نے فرمایا۔ آپؐ لوگوں نے مجھ سے بیعت کی ہے کہ جب کبھی بھی میں خطرہ میں ہوں گا تو آپ لوگ میرا اسی طرح دفاع کریں گے جس طرح اپنے بیوی بچوں کا کرتے ہیں۔

لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ ایسے حالات پیش آئیں اور ہم مجبور کر دیئے جائیں کہ ہمیں اسلام کی پیش رفت کے لیئے جنگ کرنی پڑے۔ آیا تم آمادہ ہو کہ خدا کی راہ میں جنگ کرو۔ اور آمادہ ہو کہ مجھ سے بیعت حرب کرو؟

بیعت حرب اور بیعت النساء میں ایک فرق ہے۔ بیعت النساء ایک دفاعی معاہدہ تھا جب کہ بیعت حرب ایک جارحانہ پیمان تھا۔

بیعت النساء اس مفروضہ یا شرط پر مبنی ہوتی کہ وہ شخص جس کا دفاع مقصود ہے وہ لڑائی میں نہیں جائیگا اور اگر وہ مورد حملہ قرار پاتا تو بیعت النساء کرنے والے اپنی تمام قوت سے اُس شخص کے دفاع کی کوشش کرتے۔

محمدؐ نے مدینہ کے مسلمانوں کو سمجھایا کہ بعض حالات میں یہ ممکن ہے کہ ہمیں مجبوراً چارۂ جنگ کرنا پڑے اور اسی لحاظ سے بیعت الحرب کا مطالبہ کیا گیا۔ بیعت الحرب مفہوم کی وسعت کے لحاظ سے بیعت النساء سے بڑی بیعت تھی۔ آدمی کہ جب کسی دوسرے سے بیعت الحرب کرتا تو پھر اُسے جارحانہ و مدافعانہ دونوں جنگوں میں شریک ہونا پڑتا۔ مدینہ کے مسلمان بیعت الحرب پر رضامند ہو گئے یعنی آپؐ سے جارحی و دفاعی پیمان باندھنے پر تیار ہو گئے۔ لیکن قبل از بیعت الحرب انہوں نے اس خدشہ کا اظہار کیا کہ جب آپ فاتح ہو جائیں گے تو ہمیں چھوڑ کر مکہ واپس آ جائیں گے۔

بدیں وجہ محمدؐ نے بھی اُن کے لیئے وفاداری کا حلف اُٹھایا اور فرمایا "اے مدینہ کے مسلمانوں تمہارا خون میرا خون ہے اور میرا خون تمہارا خون۔ میں تم میں سے ہوں اور تم مجھ سے ہو۔ جو کوئی بھی تم سے جنگ کرے میں اُس سے جنگ کروں گا اور ہر اُس شخص سے کہ تم خدا کی راہ میں جنگ کرو گے میں بھی اُس سے برسر پیکار ہوں گا"۔

یہ سُنکر ان تہتر افراد نے بیعت الحرب کی (دو عورتیں اِن کے علاوہ تھیں کل موجود افراد کی تعداد پچھتر تھی) اور محمدؐ نے اِن پچھتر افراد کے لیئے بارہ ۱۲ رئیس منتخب کیئے۔

Marfat.com

محمدؐ نے ان بارہ افراد سے کہا۔ تم میرے نمائندے ہو۔ مدینہ مراجعت کرنے کے بعد احکام خداوندی مسلمانوں کو سمجھاؤ اور ان سے کہو کہ مسلمانوں کے درمیان کسی قسم کا امتیاز نہیں ہے۔ خداوند نے اس بابت فرمایا ہے "اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ" ۱۰ الحجرات

"یعنی مسلمان بایکدیگر بھائی بھائی ہیں۔ اگر کوئی نزاع پیدا ہو تو دوسرے بھائی اُن کی صلح کروائیں" ۱۰ الحجرات

سورۂ حجرات مدینہ میں نازل ہوئی۔ اس لیئے محمدؐ اس آیت کو اس موقع پر نہیں پڑھ سکتے تھے لیکن یہ کہا جا سکتا ہے۔ اس آیت کا مضمون پڑھا نہ کہ خود آیت۔

محمدؐ نے یہ آیت پڑھی ہو یا اس کا مضمون۔ یہ محقق ہے کہ محمدؐ جب مدینہ کی طرف ہجرت کے لیئے آمادہ ہوئے تو ہر طرح کا طبقاتی اور خاندانی امتیاز ختم کر دیا۔

اسی طرح سورۂ "حجرات" کی تیرھویں آیت کہ مدینہ میں نازل ہوئی کا مضمون حسب ذیل ہے:۔

"يَا اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَائِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ"

یعنی اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد (آدم) اور ایک عورت (حوّا) سے پیدا کیا۔ بنا برایں نسب کے لحاظ سے ایک دوسرے سے برابر ہو اور کوئی بالاتر نہیں باپ وماں تمہاری ایک ہی ہیں بعد ازیں کہ تمہاری تعداد زیادہ ہو گئی تم کو قبیلوں اور برادریوں کی شکل میں تقسیم کر دیا تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو اور اپنی احتیاجات۔ آشنائی و معاشرت کی وجہ سے رفع کر سکو۔ تم میں سے خداوند کے نزدیک برگزیدہ شخص وُہ ہے جو زیادہ پرہیز گار ہے۔

ہر وہ شخص جو عربی زبان پر عبور رکھتا ہے سمجھتا ہے کہ آیت کا منظور یہ ہے کہ تقسیم نوع بشر (خاندانوں اور قبیلوں میں) اسلیئے نہیں کی گئی کہ بعض دوسروں پر اپنی نخوت کا اظہار کریں اور برتری کا رُعب جمائیں بلکہ یہ تقسیم اس لیئے کی گئی ہے کہ جمعیت باہم معاشرت کرے۔ کلمہ (تعارفوا) جو اس آیت میں مذکور ہے مجازی معنی رکھتا ہے اور اس سے عام سی شناسائی منظور نہیں بلکہ شناسائی دوسروں کے مکمل اوضاع و احوال سے تا باہم دگر رفع احتیاجات کر سکیں۔

محمدؐ نے بارہ رؤسا کو سمجھایا کہ یہ عربستان میں ایک بڑے پروگرام کا ابتدائیہ ہے۔ اور انہیں کوشش کرنی چاہیئے کہ اس پروگرام پر عمل کے لیئے اپنے اندر لیاقت وصلاحیت پیدا کریں۔

اُس دن تک محمدؐ ایک پیغمبر تھے لیکن اُس دن کے بعد مقام رسالت کے علاوہ ایک ملّت کی زمامداری کا بھی رُتبہ حاصل ہُوا اسی بابت قرآن میں محمدؐ سے فرمایا گیا کہ مُوسٰیؑ کی زمامداری سے سبق لو مُوسٰیؑ ایک لائق زمامدار تھا۔

یہ گھاٹی جہاں دونوں سال محمدؐ نے مدینہ سے آئے ہوئے مسلمانوں سے بیعت لی آج اُس کا وُجود نہیں ہے۔ اُس جگہ پر ایک مسجد بنادی گئی ہوئی ہے۔

ہجرت

تاریخ اسلام کا ایک فیصلہ کُن واقعہ

بیعت الحرب ماہ رجب ۶۲۲ سن عیسوی کو انجام پائی۔ ازآں بعد دو اصطلاح عربی زبان میں اور بالخصوص مسلمانوں میں رواج پذیر ہوئیں۔ ایک انصار اور دوسری مہاجر۔ (انصار) سے مُراد مدینہ کے وُہ مسلمان تھے جنہوں نے ماہ رجب سال ۶۲۱ء اور ۶۲۲ عیسوی کو محمدؐ سے بیعت کی اور مہاجرین سے مراد مکّہ کے وہ مسلمان تھے جنہوں نے محمدؐ کے حکم کے مطابق قریش کے آزار سے رہائی پانے کے لیئے مدینہ کی راہ لی۔

اسلام کے تاریخ دانوں کے مطابق کوئی ایک بھی اِن دو میں سے دُوسرے پر برتری نہ رکھتا تھا نیز انصار و مہاجرین دونوں نے اسلام کی راہ میں بہت رنج اُٹھائے۔

اصطلاح (انصار) کا اطلاق آغاز میں اُن لوگوں کے لیئے محدود تھا جنہوں نے ماہ رجب سال ۶۲۱ و ۶۲۲ سن عیسوی کو محمدؐ سے بیعت کی لیکن بعد ازاں مدینہ میں رہنے والے تمام مسلمانوں پر اس کا اطلاق ہوُا۔

(بیعت الحرب) جو ماہ رجب سال ۶۲۲ عیسوی میں انجام پائی خفیہ رکھی گئی تھی۔ لیکن قریش کو کسی طور خبر ہوگئی کہ محمدؐ اور مدینہ سے آنے والے گروہ کے درمیان مذاکرات ہوئے ہیں اور معاہدہ قرار پا گیا ہے۔ اس خبر کی تصدیق کے لیئے وہ مدینہ والوں کے کیمپ میں آئے اور اُن سے پُرسش کی کہ تم نے کس موقع پر اور کس جگہ محمدؐ سے ملاقات کی اور تُم نے اسے کیا کہا اور تُم نے اُس سے کیا سُنا؟

مدینہ کے زائرین جو ابھی تک بُت پرست تھے اور بُتوں کی زیارت کے لیئے مکّہ آئے تھے ان مذاکرات کی کوئی خبر نہ رکھتے تھے اور وہ یہ کہنے میں حق بجانب تھے کہ انہیں کوئی علم نہیں۔

نیز وہ پچھتر مسلمان جنہوں نے محمدؐ سے مذاکرات و بیعت کی تھی صبحدم مدینہ کی طرف چل دیئے تھے اور چونکہ انہیں احساس تھا کہ قبائل قریش اُن کا تعاقب کریں گے اس لیئے وُہ اپنی راہ کو بدل بدل کر سفر کر رہے تھے۔

Marfat.com

مسلمانانِ مدینہ کے مکّے سے چلے جانے کے تین دن بعد بالآخر قریش کو علم ہو گیا کہ محمدؐ اور مدینہ کے مسلمانوں کے درمیان (معاہدہ حرب) طے پا چکا ہے۔ پس انہوں نے ارادہ کیا کہ مدینہ کے مسلمانوں کے اس گروہ کو واپس پکڑ لائیں۔

کاروان مکّہ سے مدینہ کی راہ عموماً گیارہ روز میں طے کرتے تھے لیکن سفید شتر اس ساری راہ کو تین دن اور تین رات میں طے کرتے تھے۔ قریش کے کچھ لوگوں نے سفید شتر فراہم کیے۔ سوار ہوئے اور چل دیئے تاکہ مدینہ کے مسلمانوں کو مدینہ پہنچنے سے پہلے ہی پکڑ کر واپس لے آئیں۔

مدینہ کے مسلمانوں کا گروہ چونکہ راہ کو بدل بدل کر سفر کر رہا تھا۔ قریش کے سریع السیر سوار اُن کو تلاش نہ کر سکے اُس گروہ کے عوض مدینہ کے ایک تاجر کو پکڑ لیا جو مسلمانوں کے کاروان کا ایک حصّہ تھا اور ان کو واپس مکّے لے آئے۔

مدنی تاجر سے پرسش کی گئی تو اُس نے کہا: میں مدینہ کے کاروان کے ساتھ تھا مگر میں نے کاروان کے کسی فرد سے محمدؐ سے ملاقات یا مذاکرات کے بارے میں کچھ نہیں سُنا۔ مدنی تاجر صحیح کہہ رہا تھا۔ کاروان والوں نے راز چھپائے رکھا اور فاش نہ کیا تھا۔

تاجر مذکور مرفع الحال اور ایک معزز قبیلہ کا فرد تھا۔ قریش اگر اُس کو اذیت یا شکنجہ دیتے تو اس کے قبیلہ کو اپنا دشمن بناتے۔

وہ تاجر مکّہ میں بھی با اثر افراد کو اپنا دوست رکھتا تھا۔ لہٰذا جماعتِ قریش نے اُسے رہا کر دیا۔ اور دو جاسوس مدینہ بھیجے کہ وہاں مسلمانوں سے کسب اطلاعات کریں اور معلوم کریں کہ محمدؐ اور اُن کے درمیان کیا قرارداد ہوئی ہے۔ ممکن ہے آپ پوچھیں کہ جماعت قریش مکّہ میں محمدؐ کو کیوں نہیں پکڑتے تھے اور اُن سے کیوں تحقیق نہیں کرتے تھے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ محمدؐ مکّہ میں ایک رئیس قبیلہ کے تحتِ حمایت تھے (جس کا پہلے ذکر ہو چکا ہے) جماعت قریش اس پس منظر میں آپؐ پر ہاتھ نہیں ڈال سکتی تھی کہ آزار پہنچا کر آپؐ سے پوچھ سکیں کہ مسلمانانِ مدینہ سے کیا معاہدہ طے پایا ہے؟

جب یہ پچھتّر[۵] افراد مدینہ پہنچے۔ محمدؐ نے مکّہ کے مسلمانوں کو حکم دیا کہ مکّے سے نکل جائیں اور مدینہ پہنچیں اور انصار کے گھروں میں قیام کریں۔

مکّے کے مسلمان چھوٹے چھوٹے دستوں میں شہر سے نکلتے اور مدینہ کی راہ پکڑتے اور بہت زیادہ احتیاط برتتے کہ قریش کو ہجرت کا علم نہ ہو جائے۔ لیکن مکّہ میں جہاں ہر شخص ایک دوسرے کو پہچانتا تھا۔ (آج بھی عربستان کے شہروں، حتّیٰ کہ مکّہ و جدّہ کے لوگ ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں) چند لوگوں کا چلے جانا قریش کو متوجّہ کیے بغیر نہ رہ سکا۔ جماعتِ قریش سمجھ گئی کہ مسلمان مکّہ سے جا رہے ہیں لہٰذا انہوں نے ان کی راہ روکنے کا فیصلہ کیا۔

تین مسلمانوں نے جن میں سے ایک (عیاش بن ربیعہ) اور دو بھائی بنام ہاشم و اُمیّہ جو کہ عاص کے فرزند تھے مکّے سے اکٹھے ہی ہجرت کا ارادہ کیا۔ جس رات انہوں نے عازمِ سفر ہونا تھا (ہاشم بن عاص) گم ہو گیا۔

دوسرے دونوں مسلمان مجبوراً (ہاشم بن عاص) کے بغیر ہی عازمِ مدینہ ہوئے۔ دوسرے دن تمام مکّہ والوں کو علم ہو گیا

Marfat.com

کہ ہاشم مسلمان ہونے کی وجہ سے مکّہ سے گریز کا قصد رکھتا تھا۔ اُسے قریش نے پکڑ لیا۔ اُن دنوں مکّہ میں زندان نہیں ہوتا تھا عربستان میں پہلا زندان محمدؐ کی رحلت کے سالہا بعد کوفہ میں بنایا گیا۔ عرب اُن دنوں جس کسی کو پکڑتے زنجیریں پہنا کر صحرا میں چھوڑ دیتے تھے۔ نیز ہاشم سے بھی انہوں نے یہی سلوک کیا۔ قریش کے افراد نے دوسرے دونوں مسلمانوں کا تعاقب کیا لیکن انہیں پکڑنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔

قریش کے جاسوس جب مدینہ میں داخل ہوئے تو عائشہ کے پاس گئے اور اُسے کہا کہ تیری ماں مکّہ میں بستر مرگ پر قریب المرگ ہے اور اگر تم اپنی ماں سے ملنا چاہتی ہو تو اُٹھو ہمارے ساتھ مکّہ چلو کیونکہ ہم مکہ جا رہے ہیں۔

عائشہ نے محسوس کیا کہ یہ جھوٹ کہہ رہے ہیں لیکن چونکہ اُن کے سچّا ہونے کا بھی احتمال تھا لہٰذا اس خیال سے کہ شاید والدہ کو موت سے پہلے پھر نہ دیکھ سکوں اُن کے ساتھ چل دی۔ مکّہ پہنچتے ہی اُسے بھی زنجیریں پہنا کر صحرا میں چھوڑ دیا گیا۔

(ہاشم بن عاص) اور عائشہ کی یہ خوش بختی تھی کہ اُن دنوں گرمی کا موسم ختم ہو چکا تھا اور آفتاب میں وہ حدّت نہ تھی ورنہ یہ دونوں آفتاب کی گرمی سے مر گئے ہوتے۔

جب ان دونوں کے پکڑے جانے اور پا بہ زنجیر ہونے کی خبر مدینہ پہنچی تو کچھ (انصار) سریع السیر شتروں پر سوار ہو کر مکّہ پہنچے۔ راتوں رات اُن دونوں کی زنجیریں کھولیں۔ شتر پر سوار کیا اور واپس مدینہ کی راہ لی۔ ہاشم اور عائشہ ہڈیوں کا ڈھانچہ بن کر رہ گئے تھے۔

ایک ثروت مند مسلمان (بنو جاش) نے مکّہ سے مہاجرت کی۔ جب قریش کو اُس کی ہجرت کا علم ہؤا تو اُس کے بہت بڑے گھر پر (ابوسفیان) نے تصرّف کر لیا۔

مکّہ کے ایک اور مالدار مسلمان نے ہجرت کا قصد کیا اُس کا نام (حبیب بن سنان الرومی) تھا۔ قریش نے اُسے روک لیا اور اُس سے کہا۔ اے (حبیب) جس دن تو مکّہ میں آیا تھا ایک فقیر تھا۔ اس شہر میں تم نے سوداگری شروع کی۔ ہماری مدد اور اس شہر کی سہولتوں سے تو دولت مند ہو گیا اور اب قصد رکھتے ہو کہ اس دولت کو جو تم نے یہاں رہ کر کمائی ہے، یہاں سے لے جاؤ۔ ہم تمہیں ایسا نہیں کرنے دیں گے کہ تو اس شہر سے نکل کر مدینہ چلا جائے۔

(حبیب) نے اپنے تمام اموال سے صرفِ نظر کیا اور مدینہ کی راہ لی۔ اسی واقعہ کی بنا پر قرآن نے سورۂ بقرہ میں اسے (حبیب کا نام لیئے بغیر) مثال قرار دیا۔ تمام دانشمندانِ اسلامی نے اس کی تصدیق کی ہے کہ اس سورت میں مراد (حبیب کا عمل) ہی تھا۔ اس آیت میں اس طرح فرمایا گیا ہے۔

"ومن الناس من یشری نفسہ ابتغاء مرضات اللہ واللہ رؤف بالعباد" (بقرہ)۔ یعنی "مکّہ کے مہاجرین میں ایسے افراد بھی ہیں۔ جنہوں نے خداوند کی رضا کی تحصیل کے لیئے مال دنیا کو چھوڑ دیا۔ ایسے بندوں پر اللہ بہت مہربان ہے" (۲۰۷) البقرہ۔

قریش (حبیب) کے اس عمل پر بہت متعجّب ہوئے کیونکہ اُن کا ذہن کسی طور یہ قبول کرنے کو تیار نہیں تھا کہ ایک آدمی مالِ دُنیا سے صرف اس لیئے صرفِ نظر کر جائے کہ دین سے وفادار رہے۔ قریشِ مکّہ کے لیئے جائداد اور نقدی سے زیادہ

کوئی چیز اہمیت نہیں رکھتی تھی۔ کیونکہ اُن کی تو زندگی ہی یہی تھی۔ دولت پیدا کریں اور اپنی جاہ و ثروت میں اضافہ کریں۔ جماعتِ قریش نے حبیب کو دیوانہ گردانا۔ اس لیئے کہ اُن کے خیال میں تاوقتیکہ انسان دیوانہ نہ ہوگیا ہو۔ دین کے لیئے دولت سے صرف نظر نہیں کر سکتا۔

یہ حبیب کے بعد کئی ایک دُوسرے مسلمانوں نے گھروں کو چھوڑا اور عازم مدینہ ہوئے۔ جبکہ انہیں یقین تھا کہ اُن کے جانے کے بعد قریش اُن کے گھروں پر قابض ہو جائیں گے۔

مسلمانوں کی مکّہ سے ہجرت نے ایسا عروج پکڑا کہ قریش نے کہا یہ مثل دریا ہے کہ اُس میں سیلاب آیا ہو۔ پانی کناروں سے باہر نکل جانے اور اطراف کو پراگندہ کرتا چلا جائے اور کسی رکاوٹ کو خاطر میں نہ لائے۔

اس صورت حال کے پیشِ نظر قریش نے کچھ نہ کچھ کر گزرنے کا ارادہ کیا اور محمدؐ کی پیدا کردہ اس خطرناک صورتِ حال سے نجات پانے کا فیصلہ کیا۔ جیسا کہ ذکر ہو چکا ہے۔ جمعیتِ قریش دس(۱۰) قبیلوں پر مشتمل تھی اور یہ دس قبیلے مکّہ ہی میں زندگی بسر کرتے تھے۔ مکّہ اُس وقت دوسو مربع کیلومیٹر پر پھیلا ہوا تھا اور یہی مکّہ کی حدود تھیں۔ روایت میں ہے کہ اس دوسو مربع کیلومیٹر علاقہ کو ابراہیمؑ نے کعبہ کے لیئے منتخب کیا تھا۔ حدود کی نشاندہی کی ہوئی ہے (واضح رہے کہ اُس وقت مقیاس طول کیلومیٹر نہیں تھا۔ میں نے سہولت کے لیئے اس پیمانہ کو ذریعہ اظہار بنایا ہے)

قریش کے دس قبیلوں میں سے ہر ایک مکّہ کے مخصوص حصّے میں رہتا تھا۔ اس کے علاوہ ہر قبیلہ مکّہ سے باہر پہاڑی علاقہ میں ایک ایک شعب رکھتا تھا۔ جہاں خارجی اور قبیلہ کے غلام زندگی بسر کرتے تھے۔ ہر قبیلہ میں ارکان قبیلہ کے علاوہ تین طبقے اور ہوتے تھے:۔

اوّل: مولیٰ جسکے لغوی معنی خریدار کے ہیں ویسے مجازاً ارباب کے لیئے بھی استعمال کر لیا جاتا تھا "مولیٰ" کہ جمع اس کی "موالی" ہوتی ہے ارکان قبیلہ کے بھائیوں پر اُس کا اطلاق ہوتا تھا۔ اصلی بھائیوں پر نہیں "رضاعی" بھائیوں پر۔ اس لیئے کہ قریش میں رواج تھا اُن کی عورتیں اپنے بچوں کو دودھ نہیں پلایا کرتی تھیں۔ بچوں کو دایہ کے سپرد کیا جاتا تھا۔ اور اگر اُس وقت دایہ کا بچہ بھی ہوتا تو وُہ بچّہ قریش کا برادر رضاعی شمار ہوتا تھا۔

دوئم: طبقہ دوئم حلیفوں پر شمار ہوتا تھا۔ حلیف وُہ شخص ہوتا تھا جو خارجی ہو لیکن قبیلہ نے اُسے پناہ دی ہوئی ہو اور وُہ مستقلاً اُس قبیلہ میں زندگی بسر کرنے کا خواہشمند ہو۔

سوئم: طبقہ سوئم کو (جار) کا نام دیا گیا تھا۔ یہ وہ لوگ ہوتے تھے جو قبیلہ کی پناہ میں آکر عارضی طور پر قبیلہ کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے۔

یہ اشخاص ہر دس قبیلوں کے جزو تھے لیکن یہ سب غلام اور کنیزیں شعب میں رکھے جاتے تھے۔ قبیلہ میں اُن کی پذیرائی نہیں کی جاتی تھی۔

"بردگان" ان تینوں طبقوں کے علاوہ تھے۔ انہیں اس قابل نہیں سمجھا جاتا تھا کہ وہ ان تینوں طبقوں کا جزو بنائے جائیں کیونکہ قریش غلاموں کو گھر کے سامان یا جانور کی حیثیت سے دیکھتے تھے۔

Marfat.com

ہر قبیلہ اپنی ایک مجلس مشاورت تشکیل دیتا تھا۔ جسے (نادی) کہا جاتا تھا اور پھر ہر دس قبیلوں کی ایک مجلس شوریٰ ہوتی جسے "دارالندوہ" کہا جاتا تھا۔

(دارالندوہ) میں صرف ممبرانِ نادی شرکت کر سکتے تھے۔ اس کے علاوہ قبائل قریش کا ہر وہ فرد جس کی عمر ۴۰ سال سے تجاوز کر چکی ہو شریک ہو سکتا تھا لیکن (ابولہب) اس شرط سے مستثنا تھا۔ وہ سن چہل سالگی سے پہلے ہی دارالندوہ کے اجلاسوں میں شرکت کیا کرتا تھا۔ اسلیئے کہ وُہ ایک ہوشمند اور با استعداد آدمی تھا اور جماعتِ قریش کی یہ خواہش ہوتی تھی کہ وہ شرکت کرے تاکہ وہ اُس کی استعداد سے مستفید ہو سکیں۔ مجلس (دارالندوہ) کے اجلاس ایک بہت بڑے ہال میں ہوا کرتے تھے اور یہی ہال بیاہ شادی کے موقعوں پر بھی استعمال ہوتا تھا۔

بیاہ شادی کے موقعوں پر قریش کی عورتیں بہترین زیور پہن کر جو کہ بیشتر سونے اور جواہرات کے بنے ہوتے تھے اُس بڑے ہال میں آتیں۔ جن عورتوں کے پاس زیورات نہیں ہوتے تھے وُہ (خیبر) جا کر جوہریوں سے کرایہ پر حاصل کرتیں۔ خیبر میں جوہری سامان آرائش کرایہ پر مہیا کرتے تھے، یہ بحث بہرحال آگے آئیگی کہ خیبر کہاں ہے اور وہاں کیا اتفاق پیش آیا تھا۔

جب قریش کو فکر دامنگیر ہوئی کہ مسلمانوں کی ہجرت نے ایک خطرناک صورت اختیار کر لی ہے تو انہوں نے (دارالندوہ) کا اجلاس بُلایا تاکہ کوئی چارہ جوئی کریں۔ پہلے یہ تجویز ہوُا کہ محمدؐ کو بھی عائشہ اور ہاشم کی طرح پا بہ زنجیر کریں اور صحرا میں چھوڑ آئیں۔ لیکن مشکل یہ تھی کہ مدینہ کے مسلمانوں کو اس واقعہ کا علم ہو جائے گا اور وہ آ کر عائشہ اور ہاشم کی طرح محمدؐ کو آزاد کر کے ہمراہ لے جائیں گے۔ پھر تجویز ہوُا کہ محمدؐ کو مکّہ سے نکال دیں لیکن اس میں بھی خطرہ تھا۔ اگر محمدؐ کو مکّہ سے نکالا جاتا تو لامحالہ وُہ مدینہ ہی جاتے اور وہاں ایک لشکر تیار کر کے مکّہ پر حملہ آور ہوتے اور مکّہ کو فتح کرنے کی کوشش کرتے

بالآخر وُہ سب اس نتیجہ پر پہنچے کہ محمدؐ کو قتل کیئے بغیر اس خطرہ سے نہیں نمٹا جا سکتا۔ یعنی وہی فیصلہ جو پہلے کیا گیا تھا لیکن اُس پر عمل نہ ہوُا اور بر موقعہ اُس کا اجراء نہ کیا جا سکا۔

عربستان میں ایک آدمی کا قتل نہ مذہبی نقطہ نظر سے مذموم تھا نہ اخلاقی لحاظ سے۔ اُس میں فقط مادی نقصان کا احتمال ہوتا تھا۔ انسان کا قتل اسلام کے بعد ہی گناہ متصوّر ہوُا ہے اور از نظرِ مذہبی و اخلاقی مذموم سمجھا جاتا ہے۔

عرب چونکہ ایک فرد کو مالِ دُنیا سمجھتے تھے اس لیئے جب ایک آدمی قتل ہوتا تو قاتل اُس کے خون کے بدلے نقد رقم یا شُتر یا بھیڑیں دے دیتا اور بری الذمہ ہو جاتا تھا۔ خون بہا کی شرح چھوٹے اور بڑے اشخاص اور اسی طرح چھوٹے اور بڑے قبیلہ کے اشخاص کے لیئے مختلف ہوتی۔

محمدؐ کا قتل قبائل قریش کے لیئے کوئی مشکل پیدا نہیں کرتا تھا لیکن خطرہ صرف یہ تھا کہ ابولہب کی وفات کے بعد اُس کا جانشین (جو بھی رئیس قبیلہ ہاشم منتخب ہوتا) کہیں مطالبۂ خوں بہا نہ کر دے۔

جیسا کہ ذکر ہو چکا ہے (ابولہب) نے محمدؐ کو قبیلۂ ہاشم سے طرد کر دیا تھا۔ نتیجتاً آپؐ کا قتل مباح تھا۔ اگر جماعت قریش محمدؐ کو قتل کر دیتی تو خوں بہا لازم نہیں تھا لیکن اب (طرد ہونے کے بعد) محمدؐ ایک مقامی فرد کے زیرِ حمایت تھے جبتک

Marfat.com

وہ شخص حمایت سے دستبردار نہ ہوتا قریش آپؐ کو قتل نہیں کر سکتے تھے۔

جس شخص نے محمدؐ کو اپنی حمایت میں رکھا ہوا تھا وہ قریش سے موافقت کر گیا کہ اب وہ محمدؐ کی حمایت نہیں کرے گا یہ وقت تھا کہ مجلس شوریٰ (دارالندوہ) نے محمدؐ کے قتل کا قطعی ارادہ کر لیا۔ مستقبل میں بعد از مرگ (ابولہب) نئے رئیس قبیلہ کے مطالبہ کی صورت کے مداوا کے لیئے یہ طے پایا کہ محمدؐ کے قتل میں تمام قبائل مل کر حصہ لیں اور رئیس قبیلہ ہاشم (ابولہب) بھی شرکت کرے۔

مقصود یہ تھا کہ جب سب قبیلوں کے ساتھ (ابولہب) بھی شریک ہوگا تو پھر آئندہ کے لیئے کوئی طاقت خوں بہا کا مطالبہ نہیں کر سکے گی۔

نیز جب سب اکھٹے (بلوہ کی صورت میں) یہ اقدام کریں گے تو قاتل کا تعین کرنا مشکل ہوگا اور اس کی نشان دہی نہ ہو سکے گی اور اگر بفرض محال کسی فرد نے نشاندہی کر بھی دی تو اس کے لیئے دس قبائل کی متحدہ قوت کا سامنا کرنا محال ہوگا۔ قطعی فیصلہ ہو جانے پر محمدؐ کے قتل میں شرکت کے لیئے قبیلوں کے نمائندوں کے ناموں کا اعلان کیا گیا۔ اس میں تمام قبیلوں کے بزرگوں کے نام شامل تھے۔ ان کا خیال تھا قاتلوں کی تعداد جتنی زیادہ ہوگی (اگر کل کو خون بہا دینا ہی پڑا) اتنا ہی ہر ایک کا مالی نقصان کم ہوگا۔

آج ہم اس دور اندیشی پر تعجب کریں گے۔ لیکن ہمیں یہ نہ بھولنا چاہیئے کہ اہلِ مکہ تاجر تھے اور تاجروں کے ذہن مآل اندیش ہوتے ہیں اور ہر حالت میں حسابِ سود و زیاں ان کے پیش نظر ہوتا ہے۔ محمدؐ کے منصوبۂ قتل میں بھی انہوں نے یہ پہلو ملحوظ رکھا کہ اگر کبھی خون بہا کی پرداخت پر مجبور ہو جائیں تو یہ ہر دس قبیلوں کو ادا کرنا پڑے۔

محمدؐ کی ایک پھوپھی کو جن کا نام (رقیہ بنت ابی سیف) تھا یہ اطلاع مل گئی کہ جماعت قریش نے اگلی شب محمدؐ کے قتل کا منصوبہ بنایا ہے۔

قتل کا منصوبہ اس طرح مرتب ہوا کہ ہجوم کی صورت میں آپؐ کے گھر پہنچیں اور محمدؐ جہاں بھی ہوں تلواروں سے اُن کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیں۔

(رقیہ) محمدؐ کی پھوپھی فوراً آپؐ کے پاس آئیں اور کہا کہ اپنے بچاؤ کی تدبیر کر لو اگر کل رات تک تم نے کوئی بندوبست نہ کیا تو تم قتل کر دیئے جاؤ گے۔

آپؐ نے محسوس کیا کہ اب صورتِ حال سنگین تر ہو چکی ہے۔ یہ سننے کے ساتھ ہی کہ کل رات مجھے قتل کر دیا جائیگا۔ (ابوبکرؓ) کے گھر کو چل دیئے۔ اور تمام واقعہ ان کو سنایا۔ ابوبکرؓ نے اسی رات (یعنی قتل کی رات سے ایک رات پہلے) آپؐ کو مکہ سے نکال کر کوہِ (ثور) کی ایک غار میں چھپا دیا اور عرض کی کہ یہاں سے باہر نہ جائیں اور کہا کہ میرے دو تیز رفتار سفید مادہ شتر ہیں ان دونوں سے میں آپؐ کو مکہ سے دور لے جاؤں گا۔

اگر ابھی اونٹوں کو شہر سے لاؤں تو لوگ متوجہ ہو جائیں گے میں کچھ اس طرح کروں گا کہ قریش کو خبر نہ ہونے پائے کہ میں آپؐ کو مکہ سے دور لے جا رہا ہوں یا لے جانے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ محمدؐ نے ابوبکرؓ سے کہا شہر جاؤ اور علیؓ کو میرے

پاس بھجوا دو۔

علیؑ غار میں آپؐ کے پاس پہنچے تو آپؐ نے بھتیجے سے فرمایا۔ تم میری چادر اوڑھ کر آج رات میرے سونے کی جگہ تمام مدت پیٹھ کھڑکی کی طرف کر کے لیٹے رہنا۔ اور کل رات بھی اسی طرح لیٹ جانا تاکہ قریش یہی سمجھیں کہ میں گھر پر ہی ہوں۔

علیؑ نے ابوبکرؓ کی موجودگی میں عرض کی۔ اے محمدؐ آپ نے میرے ساتھ بڑی شفقت کا برتاؤ اور بڑی نیکیاں کی ہوئی ہیں۔ مجھے اپنے فرزند کی طرح پرورش کیا ہے۔ اگر آپؐ کی نجات کے لیئے میری جان چلی جائے تو میں خود کو خوش بخت سمجھوں گا۔

محمدؐ اور علیؑ کی مشورت سے یہ پروگرام بنا کہ اگلی رات محمدؐ اور ابوبکرؓ دونوں اس غار ثور سے نکل کر ایک دور افتادہ غار جو مکہ سے زیادہ فاصلہ پر ہے میں منتقل ہو جائیں گے۔ اور چند روز و شب وہیں بسر کریں گے۔

جب محمدؐ کے فرار کی خبر پھیلی تو بلاتاخیر جماعتِ قریش تیز رفتار اُونٹوں پر سوار ہو کر اطرافِ مکہ کے بیابانوں میں پھیل گئے۔ تاکہ محمدؐ کو تلاش کر سکیں۔

اب محمدؐ اور ابوبکرؓ اس غار سے اُس وقت تک کوچ نہیں کر سکتے تھے جب تک کہ جماعتِ قریش تلاش سے تھک کر صحرا سے واپس نہ چلی جائے اور قریش کے تھک ہار کر بیٹھ جانے کے بعد جب تک علیؑ دو بااعتماد افراد کے ساتھ دو نوں مادہ اونٹوں کو غار میں نہ لے آئیں تاکہ محمدؐ اور ابوبکرؓ اُن پر سوار ہو کر عازم مدینہ ہوں۔

اُس روز علیؑ۔ محمدؐ کے حکم کے مطابق پیغمبرؐ اسلام کی چادر اوڑھے پیٹھ کھڑکی کی طرف کیئے پڑے رہے تاکہ قریش کی جماعت دیکھ لے۔ اُسی روز صبحدم محمدؐ اور ابوبکرؓ غارِ ثور سے خارج ہوئے اور بیابان میں ایک دُوسری غار کی طرف چل دیئے۔ ابوبکرؓ پیغمبرؐ اسلام کو اصلی راہوں سے ہٹ کر لے جا رہے تھے۔ تاکہ کسی کاروان یا مسافر سے سامنا نہ ہو جائے۔

اُس روز رات گئے تک یہ دونوں سفر کرتے رہے یہاں تک کہ ایک دُوسری غار میں پہنچے۔ راہ چونکہ سنگلاخ تھی آپؐ کے پاؤں زخمی ہو گئے لیکن آپؐ نے پاؤں کے زخموں یا درد کی پرواہ نہ کی۔ ابوبکرؓ دیکھ رہے تھے کہ پیغمبرؐ فکر مند ہیں۔ اس لیئے خاموش رہے لیکن انہیں یہ علم تھا کہ محمدؐ کس بابت فکر مند ہیں۔

Marfat.com

محمدؐ کی بزرگ ترین فداکاری

پیغمبرِ اسلامؐ کو جو فکر لاحق تھی وُہ یہ تھی کہ آج کے بعد شجرۂ حسب ونسب اور عزیزوں سے ان کا تعلق ختم ہو گیا ہے۔

درصورتیکہ عرب میں اجداد کے مجموعہ سے شجرۂ حسب ونسب مرتب ہوتا تھا اور ایک بدوی عرب کے لیئے آج کے شناخت نامے سے زیادہ قابلِ قدر تھا۔

آج اگر ہم اپنا شناخت نامہ گم کر دیں تو دُوسرا حاصل کر سکتے ہیں لیکن جب ایک بدوی عرب اپنے خاندانی شجرہ سے قطع تعلق ہو جاتا تھا۔ تو وسیلہ معاش کیا خود کو بھی سالم نہیں دیکھتا تھا۔ شجرۂ خانوادگی اور قبیلہ ایک ہی چیز تھے۔ جو شخص اپنا رابطہ قبیلہ سے منقطع کر دیتا تھا مفلس ترین شخص گردانا جاتا تھا اور وہ مادی و معنوی لحاظ سے خود کو اس جہان ہی سے نابود سمجھتا تھا۔

میں اس موضوع کو اس لیئے زیادہ طول دے رہا ہوں کیونکہ مَیں نے محسوس کیا ہے کہ اسلامی مؤرخوں نے محمدؐ کی اس فداکاری کو کوئی اہمیت نہیں دی۔

میرے خیال میں محمدؐ کی سب سے بڑی فداکاری ایمان کی راہ میں یہی تھی کہ اپنے قبیلہ سے رابطہ قطع کیا اور مکہؔ سے بطرف مدینہ ہجرت کی۔

شجرۂ خانوادگی ایک بدوی عرب کو اجداد و عزیزوں سے مربوط رکھتا ہے اور وُہ اجداد سے زندگی بسر کرنے کے طریقے یا قوانین اور خویشوں سے مدد حاصل کرتا ہے لیکن جب یہ تعلق ٹوٹ جائے تو نہ اجداد کی گزشتہ زندگی راہنمائی کرتی ہے نہ خویش مدد کرتے ہیں۔ بدوی عرب کو خداوند نے ایک خصوصیّت بخشی ہے وہ یہ کہ وہ ایثار کر کے لذّت حاصل کرتا ہے اور محمدؐ بہت بڑی فداکاری کر رہے تھے اور خوش تھے کہ مَیں نے خدا کے حکم کی اطاعت میں قبیلہ سے قطع ربط کیا ہے لیکن اس موضوع پر جو افکار ذہن میں دَر آتے تھے اُن سے ابھی خود کو چھڑا نہیں سکے تھے۔

رات کی تاریکی ہر طرف پھیل گئی۔ محمدؐ اور ابوبکرؓ ابھی تک راہ چل رہے تھے۔ سنگلاخ راستہ ختم ہو چکا تھا۔

Marfat.com

لہٰذا راہ چلنے میں اب آسانی ہوگئی تھی۔

بالآخر صبح کی پہلی کرنوں کے ساتھ وہ اُس غار تک پہنچ گئے۔ جہاں ابوبکرؓ محمدؐ کو چھپانا چاہتے تھے۔ ابوبکرؓ محمدؐ سے تین سال بڑے تھے اور جیسا کہ ذکر ہو چکا ہے۔ مکّہ کے مالدار افراد میں شمار ہوتے تھے۔ چونکہ اپنی مال و جائیداد کو خدا کی راہ میں خرچ کر چکے تھے اور دولت میں اب کمی واقع ہو چکی تھی۔ ابوبکرؓ عمر میں محمدؐ سے بڑے تھے اور بزرگ و مذہبی سمجھے جاتے تھے۔ جب وہ غار میں پہنچے تو غار کو اپنے ہاتھوں صاف کیا اور اپنی چادر پھاڑ کر مختلف سوراخ بند کئے کہ سوراخوں سے سانپ نکل کر محمدؐ کو ڈس نہ لیں۔ جب ہر طرح سے مطمئن ہو گئے تو محمدؐ کو غار میں داخل ہونے کی دعوت دی۔

جب محمدؐ غار میں داخل ہوئے تو آپؐ کے پاؤں زخمی تھے۔ چنانچہ پاؤں پر ابوبکرؓ نے کپڑا باندھا۔ کوئی ایسی چیز موجود نہیں تھی جس پر آرام کرنے کے لیئے آپؐ تکیہ کرتے لہٰذا ابوبکرؓ نے خواہش کی آپؐ سر میری گود میں رکھ کر استراحت فرمالیں۔

لیکن محمدؐ جانتے تھے کہ ابوبکرؓ بھی تھکے ہوئے ہیں اور انہیں بھی آرام کی ضرورت ہے۔ ابوبکرؓ کی خواہش کو پذیرائی نہ بخشی اور اسی طرح سر کو زمین پر رکھ کر استراحت فرمانے لگے۔

روایت ہے کہ ابوبکرؓ نے سونے سے پہلے ایک سوراخ پر جسے بند کرنے کو کپڑا کافی نہیں ہوا تھا اور وہ کھلا رہ گیا تھا اپنا پاؤں رکھ کر سو گئے۔ سانپ جو اُس سوراخ میں تھا باہر نکلنا چاہتا تھا مگر سوراخ کا منہ ابوبکرؓ کی ایڑی سے بند تھا۔ پھر اُس نے ایڑی پر ڈس لیا۔ درد کی وجہ سے ابوبکرؓ اُٹھ کر بیٹھ گئے۔ چہرہ پسینہ سے تر ہو گیا اور محمدؐ جو کہ ساتھ ہی سوئے ہوئے تھے۔ چہرہ پر پسینہ کے قطرے گرنے سے بیدار ہو گئے۔

بیدار ہونے پر محمدؐ نے جب ابوبکرؓ کی حالت متغیر دیکھی پوچھا تمہیں کیا ہوا ہے۔ جب معلوم ہوا کہ سانپ نے ڈس لیا ہے تو جس جگہ سانپ نے ڈسا تھا اُس جگہ کو چوس کر زہر نکال دیا۔ ابوبکرؓ نے آرام محسوس کیا اور سو گئے۔

اُس رات جب کہ محمدؐ اس سانپوں والے غار (غار مار) تک پہنچنے کے لیئے سفر کر رہے تھے۔ بنو قریش کے افراد نے محمدؐ کے گھر پر حملہ کیا تاکہ آپؐ کا کام تمام کر دیں۔

لیکن محمدؐ کو گھر میں نہ پا کر علیؓ سے پوچھا کہ آیا محمدؐ مکّہ سے جا چکا ہے؟

علیؓ راست گو آدمی تھے اور جھوٹ نہیں بول سکتے تھے لہٰذا کہا "ہاں" جا چکے ہیں۔

جماعت قریش اُسی لمحہ آپؐ کی جستجو میں مکّہ سے نکل کھڑی ہوئی اور اطراف کے بیابانوں میں پھیل گئی۔ ضمناً مکّہ میں اعلان کر دیا گیا کہ ہر اُس شخص کو جو محمدؐ کے متعلق مصدقہ اطلاع فراہم کرے گا تاکہ ہم اُسے گرفتار کر سکیں۔ ایک سو شتر انعام دیا جائے گا۔

قبائل قریش کا ایک گروہ جن کے پاس تیز رفتار اونٹ تھے دوسرے روز (غار مار) والے علاقہ میں پہنچ گئے۔ (غار مار) کے سامنے سے گزرے۔ غار کو دیکھا مگر اُس میں داخل نہ ہوئے۔ نیز ایک روایت ہے کہ خداوند کے حکم سے ایک مکڑی نے غار کے دہانہ پر اپنے تاروں سے پردہ بُن دیا تھا۔ افراد قریش نے جب تاروں کا پردہ دیکھا تو سمجھے کہ اس غار

Marfat.com

میں کوئی داخل ہی نہیں ہوا۔ اگر کوئی داخل ہوا ہوتا تو مکڑی کے جالے کا پردہ ٹوٹ چکا ہوتا۔ پس پہلا گروہ گذر گیا۔ دُوسرا گروہ پہنچا تو کیا دیکھتا ہے کہ غار کے دہانہ میں پرندوں نے اپنے گھونسلے میں انڈے دیئے ہوئے ہیں۔ لہٰذا انہوں نے ایک دُوسرے سے کہا۔ حتماً محمدؐ اس غار میں داخل نہیں ہوئے۔ اس لیئے کہ پرندوں کا گھونسلہ اور تارِ عنکبوت کا پردہ دونوں صحیح وسالم حالت میں ہیں۔ اگر کوئی غار میں داخل ہوا ہوتا تو دونوں تباہ ہو چکے ہوتے۔

بعض روایت دُوسرے گروہ کے گزر جانے کے بعد بحکم خداوندی ایک پتھر پہاڑ کے اُوپر سے سرکا اور غار کے دہانہ پر آ ٹھہرا کہ اُس میں کوئی داخل نہ ہو سکے۔

غار کے اندر ابوبکرؓ پر جو تھکے ہُوئے اور سانپ کے ڈسنے سے تکلیف میں تھے۔ دحشت وخوف طاری ہُوا جاتا تھا۔ پیغمبرؐ نے انہیں تسلی دی اور خُدا کی مدد کے اُمیدوار ہوئے۔

سورۂ نہم (توبہ) کی آیت ۴۰ میں اسی بابت خداوند نے فرمایا ہے:۔

"الا تنصروہ فقد نصرہ اللہ اذ اخرجہ الذین کفروا ثانی اثنین اذ ھما فی الغار اذ یقول لصاحبہ لا تحزن ان اللہ معنا فانزل اللہ سکینتہ علیہ .... الی آخرہ۔

یعنی: اگر تم لوگ پیغمبر کی مدد نہیں کروگے (تو کوئی پرواہ نہیں) اللہ نے تو آپؐ کی اس وقت بھی مدد کی تھی جب کفار نے آپ کو (مکہ سے) جلاوطن کر دیا تھا۔ اور دو نفر میں سے ایک آپ تھے جو غار میں بسیرا کیئے ہوئے تھے۔ پیغمبرؐ نے اپنے رفیق سے کہا غم نہ کر اسلیئے کہ خداوند ہمارے ساتھ ہے اور ایسا ہُوا کہ خداوند نے اُس پر سکینت نازل کی یعنی (ابوبکرؓ کو قرار آگیا) .... الی آخر (۴۰) توبہ

محمدؐ اور ابوبکرؓ تین دن رات اُس غار میں رہے۔ ان تین دنوں میں ایک روایت کے مطابق غار کے مقابل ایک درخت بھی اُگ آیا تھا۔

جب محمدؐ اور ابوبکرؓ غار سے باہر آنے لگے تو پردۂ عنکبوت۔ پرندوں کا گھونسلہ، انڈے اور پتھر دیکھ کر انہیں یقین حاصل ہوا کہ خداوند ان کا نگہبان ہے۔

تین روز کی مسلسل تلاش کے بعد قریش تھک ہار کر مکہ واپس چلے گئے تو (ابوبکرؓ) کا غلام (عامر بن فہیرہ) دو سفید اونٹوں کے ساتھ غار پر پہنچا۔

محمدؐ اور ابوبکرؓ اونٹوں پر سوار ہو گئے اور مدینہ کی راہ لی۔ اس خطرہ سے کہ تعاقب کرنیوالوں کے ہتھے نہ چڑھ جائیں بہتر سمجھا کہ ساحل کے ساتھ ساتھ سفر کریں۔

ابوبکرؓ کے پاس چادر نہ تھی۔ محمدؐ بھی مکہ میں جب جلدی سے ابوبکرؓ کے گھر گئے تھے تو اتنی فرصت ہی نہ ملی کہ لباس ساتھ لے لیتے۔

دونوں کے جسموں پر لباس میلا چکٹ ہو چکا تھا جو کوئی بھی انہیں راہ میں دیکھتا متعجب ہوتا کہ یہ کیسے گندے لباس والے انسان ہیں جو عربستان کی بہترین سواری یعنی سفید مادہ اونٹوں پر سوار ہیں۔ قریش نے ہر جگہ اپنے ڈھنڈورچیوں کے ذریعے اعلان کروا دیا تھا کہ جو کوئی بھی محمدؐ کو پکڑوائے گا یا پکڑ کر ہماری تحویل میں دیگا۔ اُسے یکصد شتر انعام ملیگا۔

Marfat.com

اُسی دن قبیلہ (بنی مدیج) کا رئیس (سراقہ بن مالک) کچھ افراد قبیلہ کے ساتھ اپنے خیمہ میں بیٹھا ہوا تھا کہ دو افراد آئے اور کہا کہ آج ہم نے دو شتر سوار دیکھے ہیں جو سفید اونٹوں پر سوار تھے اور ساحل کے ساتھ ساتھ جا رہے تھے۔ ہمارا خیال ہے اُن میں سے ایک محمدؐ تھا۔ (سراقہ بن مالک) رئیس قبیلہ (بنی مدیج) سنتے ہی سمجھ گیا کہ اُن دو میں ایک محمدؐ ہے کہ جس کے سر کی قیمت ایک صد اونٹ مقرر ہوئی ہے۔ اور چونکہ (رئیس قبیلہ) نہیں چاہتا تھا کہ وہ دونوں بھی انعام کی رقم میں شریک ہوں اُن سے کہا کہ تمہیں اشتباہ ہوا ہے وہ دونوں سوار کل رات میرے مہمان تھے اور آج یہاں سے گئے ہیں۔

جب وہ دونوں اشخاص چلے گئے۔ سراقہ بن مالک اپنے قبیلہ کے چند افراد کے ساتھ (قبیلہ بنی مدیج طائفہ قریش کے متفقین میں سے تھا) گھوڑوں پر سوار ہو کر محمدؐ کو پکڑنے کے لیئے نکل پڑا تاکہ انہیں قریش کے حوالے کر کے انعام حاصل کر سکے چونکہ وہ گھوڑوں پر سوار تھے اس لیئے جلد ہی محمدؐ اور ابوبکرؓ کو جا لیا۔ گھوڑے کی لگام کھینچی کہ محمدؐ کے نزدیک ہو مگر گھوڑے نے اگلے پاؤں اٹھا لیئے۔

(سراقہ بن مالک) نے تین بار گھوڑے کو ایڑھ لگائی۔ مگر وہ اگلے پاؤں اٹھا لیتا۔ اعراب اُس جاہلیت کے دور میں فال پر بہت عقیدہ رکھتے تھے۔ جب گھوڑے نے تین بار یہی حرکت کی تو سراقہ نے فال نکالی کہ محمدؐ کو پکڑ کر قریش کے حوالے کرے یا نہ فال بُری نکلی۔

لیکن پھر بھی چوتھی بار گھوڑے کو ایڑھ لگائی مگر اس بار بھی گھوڑے نے وُہی حرکت کی اور اونٹوں کے نزدیک نہ ہوا۔ بعض تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ ابوبکرؓ کا غلام (عامر بن فہیرہ) اور ایک دوسرا غلام (کہ آزاد کردہ غلام تھا) محمدؐ اور ابوبکرؓ کے ہمراہ تھے۔ عامر رہنما تھا۔ ابوبکرؓ اسی لیئے اُسے ساتھ لائے تھے کہ وہ اس راہ سے آشنا تھا۔

جس وقت (سُراقہ) نے دیکھا کہ چوتھی بار بھی گھوڑے نے وہی حرکت کی ہے اور ساتھ نہیں دیا اور فال بھی بد نکلی ہے گھوڑے سے اُترا اور محمدؐ کو آواز دی۔ یا محمدؐ ٹھہرو میں تم سے بات کرنا چاہتا ہوں۔

(سراقہ) نے اپنا گھوڑا ایک ساتھی کو دیا۔ پیادہ پا محمدؐ اور ابوبکرؓ کے نزدیک گیا اور کہا یا محمدؐ میں قریش کا اتحادی ہوں اور چاہتا ہوں کہ تمہیں گرفتار کر کے قریش کے حوالے کروں اور یکصد اونٹ حاصل کروں۔ لیکن مجھے یقین ہو گیا ہے کہ تو مرد برحق ہے اس لیئے کہ میرا گھوڑا چار بار رُک گیا اور تیرے نزدیک نہیں آیا۔ میں پیشگوئی کرتا ہوں کہ ایک دن تو قریش پر تسلط حاصل کرلے گا۔ اور اُس دن کے لیئے میں تم سے امان چاہتا ہوں۔

محمدؐ نے پوچھا۔ تمہارا عندیہ کیا ہے؟

(سراقہ بن مالک) نے کہا میرا عندیہ یہ ہے کہ اُس روز جب تم قریش پر غلبہ حاصل کرو۔ مجھے اُن سے متفق ہونے کے ناطے طائفہ قریش کے ساتھ قتل نہیں کروگے اور میرے قبیلہ کو تباہ نہیں کروگے۔ محمدؐ نے جواب میں فرمایا۔ تُو اُس دن امان میں ہوگا اور تیرے قبیلہ کو کوئی آسیب نہیں پہنچے گا۔ سراقہ بن مالک اس سے اگلے روز تک کہ محمدؐ کے تعاقب میں آیا تھا جس کسی کو محمدؐ کے تعاقب میں آتے دیکھتا۔ گمراہ کر دیتا اور کہتا کہ محمدؐ کسی دوسرے راستے سے چلے گئے ہیں (سراقہ بن مالک) بعد میں مسلمان ہو گیا تھا اور اسلام کے نامور سرداروں میں سے ہوا۔

Marfat.com

دو روز بعد محمدؐ اور ابوبکرؓ کا ایک کاروان سے سامنا ہوا۔ اس کاروان کے ساتھ آپؐ کا چچا زاد بھائی (زبیر بن العوام) بھی سفر کر رہا تھا۔ محمدؐ نے اُس سے لباس اور کھانے کا سامان حاصل کیا۔

دو روز اور گزرنے پر وُہ قبیلہ اسلم میں پہنچے تو اُن کے ایک ذیلی قبیلہ اوس نے رضا کارانہ طور پر ایک رہنما جس کا نام مسعود تھا آپؐ کے ہمراہ کر دیا کہ آپؐ کو مدینہ کی راہ پر لے جائے۔

صحرائے عربستان میں ایک راہنما فقط راہ ہی نہیں پہچانتا تھا بلکہ ایک طرح کا پاسپورٹ ہوتا تھا۔ اور وہ بھوک پیاس کے وقت بھی کام آتا تھا۔ وہ شخص کہ صحرا میں رہنما کی معیت میں سفر کرتا۔ راہ کو گم نہیں کرتا تھا۔ راہزنوں سے محفوظ اور بھوکا و تشنہ نہیں رہتا تھا۔

اس لیئے کہ صحرا میں راہنما کو سبھی پہچانتے ہوتے ہیں۔ وہ جب دُور سے ہی آواز دیکر اپنا تعارف کرواتا راہ روکنے والے راہ چھوڑ دیتے تھے لہذا جو شخص صحرائے عرب میں راہنما کے ساتھ سفر کرے اُسے کوئی مشکل پیش نہیں آتی تھی اور کوئی شخص اُس کی جان و مال کے درپے نہیں ہوتا تھا۔

یہی وجہ تھی کہ آپؐ نے (رئیس قبیلہ اوس) کی پیشکش قبول فرمائی مسعود کو بطور راہنما ساتھ لیا۔ مسعود نے آپؐ سے کہا کہ وہ صرف اپنے قبیلہ کی حُدود تک آپ کی راہنمائی کر سکتا ہے۔ اُس کے بعد واپس چلا جائے گا۔ اور مدینہ تک کی بقیہ راہ تمہیں بغیر راہنما کے طے کرنا ہوگی۔

محمدؐ نے اس بات کو بھی قبول کیا۔ مسعود کی راہنمائی میں سفر شروع کر دیا۔ مسعود اپنے قبیلہ کی حدود تک ساتھ آیا اور آخری حد پر کہا اس سے آگے وُہ نہیں جا سکتا۔ اس لیئے کہ قبیلہ کی حدود یہاں ختم ہیں۔ محمدؐ و ابوبکرؓ نے اُسے واپسی کی اجازت دے دی۔

آپؐ قبیلہ اوس کی حدود سے نکلنے کے بعد قبا کی حدود میں داخل ہوئے۔ قبا پہنچ کر محمدؐ ٹھہر گئے اور ابوبکرؓ سے کہا یہ مادہ شتر جس پر میں سوار ہوں میرے ہاتھ بیچ دو۔ ابوبکرؓ نے عرض کی۔ میں آپؐ کے ہاتھ کیوں بیچوں۔ میں یہ قصبہ آپؐ کو دیتا ہوں (قصبہ عربی میں شتر اصیل کو کہتے ہیں اور اس سے بارکشی کا کام نہیں لیتے بلکہ سواری اور دوڑ کے مقابلوں میں شرکت کے لیئے رکھتے تھے)۔

آپؐ نے ابوبکرؓ کے جواب میں فرمایا میں جانتا ہوں تم نے اپنا تمام مال و اسباب خدا کی راہ میں اسلام کی پیش رفت کے لیئے خرچ کیا ہے لیکن یہ مادہ شتر میں اپنے لیئے چاہتا ہوں کہ اس پر سواری کروں تم اس کو بہر حال ھبہ نہ کرو بلکہ اس کی قیمت بتاؤ۔ تاکہ میں تمہیں ادا کر دوں۔

عربستان میں مادہ شتر اصیل جو کہ سواری یا دوڑ کے لیئے رکھی جاتی اُس کے کان تھوڑے سے کاٹ دیا کرتے تھے۔ اس لیئے کہ اُن کا خیال تھا کہ تھوڑے کان کٹ جانے سے وُہ تیز تر دوڑتے ہیں۔

اس قسم کے کان کٹے اونٹ کو (قصوہ) کہتے تھے۔ محمدؐ جس مادہ شتر پر سوار تھے وہ گوش بریدہ تھی۔ اسی لیئے اس کو گفتگو میں (قصوہ) کا نام دے رہے تھے۔

ابو بکرؓ نے جب محسوس کیا کہ آپؐ اسے بطور ہدیہ قبول کرنے پر تیار نہیں ہیں۔ تو اس (قصوہ) کو بعوض چہار صد درہم محمدؐ کو بیچ دی۔ مادہ شتر محمدؐ کی ملکیت ہوگئی۔ اور اسی مادہ شتر کا نام تاریخ اسلام میں (مرکوب) مشہور ہوا اور باقی رہا۔ تمام وہ مسلمان جو آپؐ کی ہجرت کے حالات سے واقفیت رکھتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ محمدؐ ایک شتر باسم (قصوہ) پر سوار ہو کر مکہ سے مدینہ تشریف لائے تھے۔

Marfat.com

تاریخِ اسلام اور دُنیا میں ہجرت کی اہمیت کیوں؟

محمدؐ کی ہجرت تاریخِ اسلام کا اہم ترین واقعہ ہے۔ ہجرت کے بعد ہی اسلامی جمعیت نے ایک اُمت کی شکل اختیار کی لہٰذا طبقاتی اختلافات مٹ گئے۔ خصوصاً اشراف کی بڑائی اور رؤسا قبائل کے حقوق اور اسی طرح مختلف قبائل سے وابستگیاں ختم ہو گئیں۔ تمام مسلمان حقوق میں مساوی ہو گئے۔

ہجرت قدیم اور جدید کے درمیان حدِ فاصل ثابت ہوئی اور عہدِ جاہلیت کو اسلامی دور سے جُدا کر گئی اور اس طرح طبقاتی و قبائلی تفاوت کی بیخ کنی کی کہ جب محمدؐ نے (قبا) میں قیام فرمایا (عمرؓ بن الخطاب) جیسا شخص کہ مکہ کے درجہ اوّل کے افراد میں سے تھا۔ اور جو قامت میں دو میٹر تھا اور جس کی آواز میں بجلی کی سی کڑک تھی (لوگوں میں مشہور تھا کہ ابلیس بھی آپؓ سے وحشت زدہ رہتا ہے) وہ مسجد کی تعمیر کے لیئے مٹی اور پتھر اٹھاتے تھے۔ محمدؐ اور ابو بکرؓ جو مٹی فراہم لاتے اُس سے گارا تیار کر کے دیتے تھے۔

قبل از اسلام کیسی ہی صورت کیوں نہ ہوتی۔ عمرؓ بن الخطاب کو تمام عرب کی دولت ہی کیوں نہ دے دی جاتی وُہ بھی ایک پتھر بھی اُٹھا کر دُوسری جگہ لے جانے پر آمادہ نہ ہوتے کجا یہ کہ وہ مٹی ڈھوئیں۔ اس لیئے کہ تمام تعمیراتی کام مکہ کے اشراف کے گھروں میں غلاموں کے ذمہ ہوتا تھا۔ اور اشراف خود کو اس سے بہت بالاتر سمجھتے تھے کہ اپنے ہاتھ گارے سے آلودہ کریں۔ قبا مدینہ کے جنوب میں واقع تھا اور جزو مدینہ شمار ہوتا تھا۔

مغرب کے مؤرخین کہتے ہیں کہ محمدؐ ۲ ستمبر سنہ ۶۲۲ عیسوی کو وارد قبا ہوئے تھے لیکن مؤرخین اسلامی قبا میں ورود کی تاریخ ۱۶ جولائی سنہ ۶۲۲ عیسوی بتاتے ہیں اور چونکہ وُہ دن ماہِ محرّم کا تھا۔ لہٰذا مسلمانوں نے اوّل ماہِ محرّم کو ہجری سال کی ابتدا قرار دیا۔ تمام مسلمان قومیں اسی سن سے ہجری سن شمار کرتی ہیں۔

مسلمان مؤرخین کے مطابق اگر محمدؐ ۱۶ جولائی کو وارد قبا ہوئے تو اُن دنوں موسمِ گرما کی مناسبت سے ہوا بہت گرم تھی۔

قبا کے لوگوں کو اطلاع مل چکی تھی کہ محمدؐ اُس دن قبا کی حدود میں داخل ہوں گے وہ صبحدم گھروں سے

Marfat.com

باہر جمع ہو کر آپ کا انتظار کر رہے تھے۔ جب آفتاب بلند ہوا۔ ہوا گرم ہو گئی تو لوگ گرمی کو برداشت نہ کر سکے اور گھروں کو چلے گئے۔

جب آفتاب نصف النہار پر پہنچا۔ زمین آفتاب کی تپش سے اس قدر گرم ہو چکی تھی کہ ننگے پاؤں گھر سے باہر نکلنا محال تھا۔ اس گرم دوپہر میں آپؐ اور ابوبکرؓ قبا میں داخل ہوئے۔ کوئی شخص گلیوں میں نہیں تھا کہ آپؐ کے ورود کا شاہد ہوتا۔ بجز ایک یہودی کے جس کا تاریخ نے نام ثبت نہیں کیا ہے اُس موقع ایک گلی میں موجود تھا۔

دوسرے لوگوں کی طرح یہ یہودی بھی جانتا تھا کہ آج محمدؐ وارد قبا ہوں گے۔ جیسے ہی اُس نے دو مادہ شتر سفید دیکھے اور دونوں سواروں کا مشاہدہ کیا تو وُہ جان گیا کہ محمدؐ آ گئے ہیں۔ اُس وقت وہ قبا کی گلیوں میں آوازیں لگاتا ہوا دوڑا "اے یہودیو آگاہ رہو تمہارا اقبال آگیا ہے۔"

جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں مسلمانوں کی طرح مدینہ کے یہودی بھی آپؐ کی آمد کے منتظر تھے تاکہ اُن اختلافات کا خاتمہ ہو جنہوں نے اُن کی زندگی اجیرن بنا رکھی ہے۔

لوگوں نے جب اُس کی آواز سُنی تو گھروں سے دوڑتے ہوئے باہر آئے۔

نہ فقط مرد و زن بلکہ بچے بھی اس گرم دوپہر میں گھروں سے باہر آ گئے کہ محمدؐ کا دیدار کر سکیں اور مشاہدہ کریں کہ خدا کے پیغمبر کی شکل وشباہت کیسی ہے۔

آپؐ اور ابوبکرؓ نے دو کھجور کے درختوں کے مقابل دونوں اُونٹوں کو بٹھایا اور نیچے تشریف لے آئے اور کھجوروں کے سایہ میں بیٹھ گئے۔

قبا کے تمام لوگ کیا مسلمان کیا یہودی محمدؐ و ابوبکرؓ کے مقابل اکٹھے ہو گئے مگر یہ نہ جانتے تھے کہ دونوں میں سے پیغمبرؐ کون ہے۔

ابوبکرؓ چونکہ تین سال عمر میں بڑے تھے اس لیئے انہوں نے خیال کیا ممکن ہے کہ لوگ اشتباہ میں پڑ جائیں اور مجھے پیغمبرِ اسلام تصور کریں۔ لہٰذا محمدؐ کے پیچھے ہو گئے اور ایک چادر کو جو دوران سفر (زبیر بن العوام) سے لی تھی سایہ بان کی طرح محمدؐ کے سر پر پھیلا کر کھڑے ہو گئے کہ آفتاب کی تپش آپؐ تک نہ پہنچے۔

ویسے بھی کھجور کے دونوں درختوں کا سایہ اس قدر نہ تھا کہ اُن دونوں کو آفتاب سے محفوظ رکھ سکے۔ لہٰذا چادر کے تن جانے سے سایہ بہتر ہو گیا۔

تب لوگوں نے محمدؐ کو پہچان لیا اور عربوں کی رسم کے مطابق ہلہلہ کیا۔

وُہ جگہ جہاں محمدؐ اور ابوبکرؓ نے ورُود فرمایا۔ اُس محلّہ کا نام (بنی عمرو بن عوف) تھا۔ محمدؐ نے پوچھا یہ جگہ کس کی ہے ہجوم میں سے ایک نوجوان آگے بڑھا اور کہا یہ زمین میری ہے اور ان دونوں درختوں کو میں نے لگایا تھا۔ محمدؐ نے فرمایا میرا مطلب صرف صاحب زمین (جو معلوم ہوا کہ تم ہو) سے اجازت حاصل کرنا تھا کہ آیا ہم دونوں ان دونوں نخل (درختوں) کے نیچے سکونت کر لیں۔

Marfat.com

نوجوان نے عرض کی۔ "ہاں" یا محمدؐ آپ جب تک چاہیں یہاں ٹھہر سکتے ہیں لیکن اس دوران قبا کے مسلمانوں میں سے ایک فرد جس کا نام کلثوم تھا آگے بڑھا اور محمدؐ وابوبکرؓ کو دعوت دی کہ آپ میرے گھر تشریف لائیں اور آرام فرمائیں محمدؐ اس کی دعوت کو قبول نہیں کرنا چاہتے تھے پس فرمایا۔ہم تمہارے لئے باعث زحمت ہوں گے۔ لیکن کلثوم نے عرض کی یا محمدؐ میرے گھر میں ایک حجرہ خالی ہے اور اس میں ہماری سکونت نہیں ہے۔ہم اُس سے کچھ استفادہ بھی نہیں کر رہے۔ آپؐ اور ابوبکرؓ وہاں قیام کر سکتے ہیں۔ میں آپؐ کے اونٹوں کی حفاظت کرتا ہوں اور چارہ وغیرہ ڈالتا ہوں۔

محمدؐ نے کلثوم کی دعوت قبول فرمائی۔ اُس کے گھر تشریف لے گئے اور اُس حجرہ میں قیام فرمایا۔ اُسی دن مدینہ والوں کو خبر ہو گئی کہ محمدؐ تشریف لا چکے ہیں۔ تو سب سے پہلے جو شخص آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہ عمرؓ بن الخطاب تھے عمرؓ بن الخطاب کے بعد باقی سب مسلمان آنے شروع ہو گئے۔ لوگ اتنی تعداد میں جمع ہو گئے کہ حجرہ ناکافی ثابت ہوا۔ لہٰذا ایک دوسرے مسلمان سعد بن حیثمہ نے اپنا گھر خالی کر دایا جو کہ کافی وسیع تھا اور محمدؐ کی تحویل میں دے دیا تاکہ آپؐ وہاں مسلمانوں کی پذیرائی فرمائیں۔ محمدؐ اُس وسیع مکان میں مسلمانوں کی پذیرائی میں مصروف ہو گئے لیکن وقت خواب واستراحت کلثوم کے گھر چھوٹے حجرے میں واپس تشریف لے جاتے۔

قبا میں تشریف لانے کے تیسرے دن بعد پیغمبرؐ اسلام نے ارادہ فرمایا کہ اس جگہ ایک مسجد تعمیر کی جائے۔ ایک مسلمان نے زمین تقدیم کرنا چاہی لیکن آپؐ نے اُس کے ہدیہ کو قبول نہ فرمایا اور فرمایا کہ یہ زمین میں تم سے خریدونگا اور پھر خرید کر لی۔

زمین کی قیمت کا اسلامی تاریخوں میں ذکر نہیں ہے لیکن اس پر تمام متفق ہیں کہ محمدؐ نے مسجد قبا کی زمین خرید کی تھی۔

مسجد قبا پہلی مسجد ہے جو مسلمانوں نے تعمیر کی اور اس مسجد کی تعمیر میں تمام مسلمانوں نے کیا انصار کیا مہاجر سب نے شرکت کی۔ خود محمدؐ ابوبکرؓ کے ساتھ مل کر گارا اور اینٹیں بناتے تھے۔ عمرؓ بن الخطاب کندھوں پر پتھر اُٹھا کر لاتے یا مٹی کی ٹوکریاں بھر بھر کر لاتے تاکہ گارا اور اینٹیں تیار ہوں۔

مسجد قبا اس لحاظ سے بھی اوّلین مسجد ہے کہ اس کی تعمیر میں تمام مسلمانوں نے شرکت فرمائی اور وہ بھی اشراف مثل ابوبکرؓ۔ عمرؓ۔ حبیب بن سنان رُومی مزدوروں کی طرح مسجد کی تعمیر کے لیئے پتھر ڈھوتے اور محمدؐ بھی دوسروں کی طرح صبح سے شام تک برابر کام کرتے تھے۔

محمدؐ نے بیسؓ دن قبا میں توقف کیا یہاں تک کہ مسجد مکمل ہو گئی۔ پھر مدینہ شہر میں قدم رکھا۔ اُس وقت مدینہ کا نام یثرب تھا۔

(یثرب) عربی زبان میں اس جگہ کو کہتے ہیں جو انسان کو آزار پہنچانے والی ہو یا وہ جگہ جہاں انسان صحت مند نہ رہ سکتا ہو۔

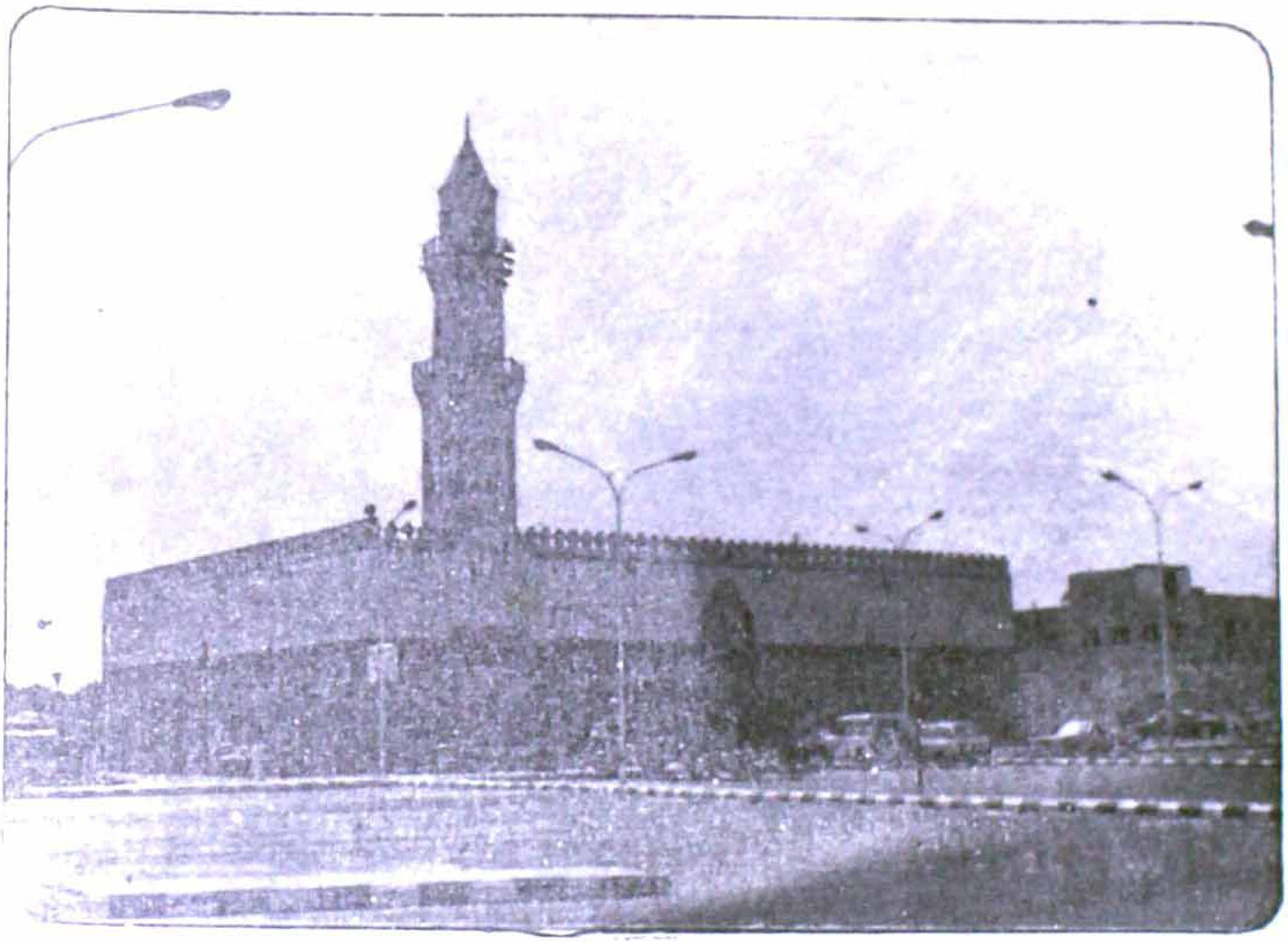

مسجدِ قبا (مدینہ منوّرہ)۔ (فوٹو ۱۹۷۹ء)

Marfat.com

بدوی عربوں نے اس شہر کا یہ نام رکھا تھا۔ عربوں نے چونکہ صحرا میں بارش نہیں دیکھی تھی کبھی کبھار وہ بھی فصلِ بہار میں۔ عرب جب مدینہ میں داخل ہوتے تو اس کی بارشوں کی وجہ سے ناراحت ہو جاتے۔ اسی وجہ سے بدوی عرب اس شہر کو بری آب و ہوا والا شہر سمجھتے تھے اور اسے یثرب کہتے تھے۔ حالانکہ مقامی لوگ اسے (طیبہ) کہتے تھے یعنی (شہر مطلوب)۔

شہر مدینہ کا پہلا نام (طیبہ) تھا۔ جب انسان عربستان کے بیابانوں سے اس شہر میں قدم رکھتا تو محسوس کرتا جیسے دارِ بہشت ہو گیا ہو۔

بدوی لوگ جو بیابان کی خشک ہواؤں میں زندگی بسر کرتے تھے۔ جب (طیبہ) میں داخل ہوتے تو اس کی مرطوب آب و ہوا میں بیمار ہو جاتے تھے لیکن کچھ مدت قیام کے بعد عادی ہو جانے پر یہاں کی آب و ہوا ان کیلئے مزید بیماری کا باعث نہ بنتی تھی۔

اکثر مہاجرین جو مکہ سے آئے تھے اسی وجہ سے بیمار ہو گئے تھے۔ حتیٰ کہ محمدؐ اور ابوبکرؓ اور آزاد کردہ غلام (عامر بن فہیرہ) بھی مدینہ میں آنے کے بعد بیمار ہوئے۔ یہی وجہ تھی کہ اس شہر کے متضاد نام انتخاب کئے گئے۔

محمدؐ جب اس شہر میں مقیم ہوئے تو ان دو ناموں کے تضاد کو ختم کرنے کے لیئے (کہ کسی وقت انصار اور مسلمین مکہ (مہاجروں) کے مابین اختلاف کا باعث نہ ہو) دونوں ناموں کو ختم کر کے اس کا نام مدینہ رکھا۔ (مدینہ) سے یہ نہیں ظاہر ہوتا کہ یہ نام خوبیوں والا ہے نہ ہی یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ شہر بری آب و ہوا والا ہے۔

محمدؐ کے ورودِ مدینہ کے وقت اس شہر کی مساحت تیس[۳۰] کیلومیٹر مربع تھی۔ شہر مدینہ میں معمولی گھروں کے علاوہ بہتر[۷۲] قلعے تھے۔ جن میں سے انسٹھ یہودیوں کے اور تیرہ[۱۳] قلعے عربوں کے تھے۔

قلاع مذکور دیوارہائی متین شمار ہوتے اور بروقتِ خطر ان کے مکین دشمن کے حملہ سے محفوظ رہتے تھے۔

مدینہ ایک مرتفع وادی (فلات) میں واقع ہے کہ ان دنوں اس کا طول ایک دن میں طے کیا جاتا تھا اور عرض بھی اونٹ سے ایک دن کی راہ تھی۔

دو پہاڑ شمالاً جنوباً واقع ہیں اور تین دشت آتش فشانی مادہ کے شرقاً غرباً اور جنوباً واقع ہیں۔ مدینہ کی آب و ہوا آج کی طرح ان دنوں بھی معتدل تھی۔ بارشیں دوسرے سائر نقاط کی نسبت زیادہ ہوتی ہیں۔ شہر کے کنارے ایک جوہڑ (برکہ) تھا کہ اس میں بارش کا پانی جمع رہتا اور یہ سارا سال خشک نہیں ہوتا تھا۔ محمدؐ جب خردسال تھے (آغاز میں ذکر آچکا ہے) تو تیرنا اسی جوہڑ میں سیکھا تھا۔ وہ طفل جن کے لیئے مکہ میں ایسے مواقع میسر نہ تھے اس جوہڑ میں تیرنے اور نہانے میں بڑی لذت حاصل کی۔ سکنۂ مدینہ بھی مثل سکنۂ مکہ طائف و قبیلہ سے منسوب تھے اور ہر شخص کسی نہ کسی قبیلہ سے منسوب تھا۔ مدینہ میں بھی مثل مکہ نہ پولیس، نہ زنداں اور نہ ہی عدالت تھی۔ اگر کسی پر ظلم ہوتا تو وہ اپنے قبیلے سے رفع ظلم کے لیئے مدد مانگتا۔

مدینہ میں بھی مکہ کی مثل قتل کوئی گناہ شمار نہیں ہوتا تھا۔ صرف ایک نقصان تصور ہوتا تھا۔ اور دستور یہی تھا کہ قاتل

Marfat.com

کا تبیلہ مقتول کے قبیلہ کو خون بہا ادا کرے۔

ایک عام آدمی کا خون بہا کم ازکم ایک سو اُونٹ ہوتا تھا لیکن بڑے لوگوں یعنی اشراف، امراء اور رؤسا کا خونبہا بہت زیادہ مانگا جاتا تھا۔

مدینہ میں عربوں اور یہودیوں کی آبادی تقریباً مساوی تھی۔

مدینہ میں یہودیوں کے تین بڑے قبیلے تھے اور اسی طرح عربوں کے بھی تین ہی بڑے قبیلے مدینہ میں رہائش پذیر تھے

مدینہ کے عرب زراعت پیشہ تھے یا جانور پالتے تھے۔ بہت تھوڑے افراد نے تجارت کو بطور پیشہ اپنایا ہوا تھا یہودیوں کے تینوں قبیلے پیشہ کے لحاظ سے مختلف تھے ان میں سے ایک زراعت پیشہ دُوسرا زرگر اور تیسرا قبیلہ دباغ (کھالوں سے چمڑہ تیار کرنیوالا) تھا۔

عرب قبائل گاہے بگاہے آپس میں برسرِ پیکار ہوجایا کرتے تھے۔ اُن میں ایک بنیادی نزاع (قبل از اسلام) زمین تھی۔ لیکن اس نزاع سے کسی کو کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوا تھا۔ بجز ایک شخص (عبداللہ بن ابی) کے۔ اس کے لیئے قبیلوں کا لڑائی جھگڑا سُود مند تھا۔ اس لیئے کہ کچھ ساکنانِ مدینہ نے یہ طے کیا کہ اُسے اپنا بادشاہ بنالیں۔ حتیٰ کہ زرگر اُس کے سر کا ماپ بھی لے گئے تاکہ اُس کے لیئے تاج بنائیں لیکن جب انہیں معلوم ہوا کہ محمدؐ مدینہ آجائیں گے اور ہم سب کے داور ہوں گے اور وہ جھگڑوں اور اختلافات کو ختم کردیں گے تو وہ (عبداللہ بن ابی) کے انتخاب سے صرفِ نظر کر گئے۔

محمدؐ کے مدینہ تشریف لانے سے قبل اس شہر میں ایک شخص بنام (اشنق) قتل کی نوعیت کے لحاظ سے خونبہا کا تعین کیا کرتا تھا نیز جرائم کے سلسلہ میں قصاص کا تعین کیا کرتا تھا۔

ہجرت سے قبل مکّہ میں یہی عہدہ ابوبکرؓ کو تفویض کیا گیا ہوا تھا۔ جب کبھی قتل۔ آنکھ کا ضائع ہونا یا دانت کا ٹوٹ جانا یا کوئی اور جُرم وقوع پذیر ہوتا تو لوگ ابوبکرؓ کی طرف رجوع کیا کرتے اور وہ میزانِ خونبہا یا دِیَہ کا تعین فرماتے۔

میزانِ دیہ و خونبہا مدینہ میں بھی مثلِ مکّہ تھی اور اس میں کوئی تفاوت نہیں تھی۔ ہر دُو جگہ ایک عام شخص کے قتل کا خونبہا ایک سو شتر تھا۔ ایک آنکھ کے ضائع ہونے پر پچاس اونٹوں کا مطالبہ کیا جاتا۔ لیکن دانت توڑنے کا بدلہ یا قصاص یہی تھا کہ ضارب کا دانت توڑ دیا جائے۔

یہودی محمدؐ کے مدینہ تشریف لانے پر بہت خوش تھے۔ اسلیئے کہ اُن کی ایک بہت بڑی اُمید آپؐ سے وابستہ تھی اور وُہ یہ کہ محمدؐ اُن کے دین کو پذیرائی بخشیں گے۔ محمدؐ حسب الحکم خداوندی مدینہ میں تشریف لائے اور جو روش اختیار کی اُس سے یہودیوں کو اُمید برآتی نظر آئی۔

حتےٰ کہ جب مسجد قبا تعمیر کی گئی تو اُس کا محراب بیتُ المقدس کے رُخ تھا۔

یہودیوں نے جب دیکھا کہ مسجدِ قبا کا محراب بیت المقدس کے رُخ ہے اور قرآن میں گزشتہ پیغمبروں (جن پر

Marfat.com

کتاب اُتری تھی) مثل ابراہیمؑ، موسیٰؑ، عیسیٰؑ کا ذکر بڑے احترام سے کیا گیا ہے تو یقین پیدا کر لیا کہ محمدؐ دینِ موسوی کو پذیرائی بخشیں گے۔

یہودی تو اعتقاد رکھتے تھے کہ دُنیا میں وہی ایک ملّت ہے جو یہ لیاقت رکھتی ہے کہ اُن میں سے پیغمبر خدا پیدا ہوں یعنی ملّتِ یہودیہ۔

جس وقت محمدؐ قبا میں دُوسرے مسلمانوں کے ساتھ مل کر مسجد تعمیر کرنے میں مشغول تھے تو یہودیوں کے چند علماء نے محمدؐ سے مذاکرہ کیا تھا تاکہ وُہ جان سکیں کہ کب اور کس وقت یہ دینِ موسیٰؑ کو اپنائیں گے۔ محمدؐ کے جوابات سے جب یہودی علماء سمجھ گئے کہ محمدؐ یہودی ہونا پسند نہیں کرتے۔ تو اُن سے کہا یاد رکھو اگر تم پیغمبر بننا چاہتے ہو تو پہلے یہودی مذہب اختیار کرو۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ جو بھی پیغمبر آج تک مبعوث ہوا ہے یہودی قوم سے پیدا ہوا ہے۔ اس لیئے کہ فقط ایک قوم یہود ہی ہے جس کے برگزیدہ اس قابل ہوئے کہ خدا سے کلام کریں۔

ممکن ہے خداوند کبھی کسی اور ملّت سے بھی کلام کریں لیکن اس قسم کا واقعہ ہوگا تو قوم یہود ہی کے توسط سے۔ نیز یہودی درجہ اوّل کی قوم ہے اور باقی اقوام جہاں دُوسرے، تیسرے اور چوتھے درجہ پر ہیں۔ محمدؐ نے یہودی علماء سے فرمایا پیغمبر ہونا میری خواہش سے نہیں ہے بلکہ خداوند نے مجھے پیغمبری پر مبعوث کیا ہے اور خداوند کریم کی نظر میں کوئی قوم کسی دُوسری سے بالاتر نہیں ہے اور تمام اقوام و افراد خداوند کی نظر میں مساوی ہیں۔ خداوند جب چاہے اور جس قوم سے چاہے کلام کر سکتا ہے۔

پہلی مرتبہ جب مسجدِ قبا میں نماز با جماعت ادا کی گئی وُہ جمعہ کا روز تھا لہٰذا پیغمبرِ اسلام نے جمعہ کا دن عبادت کے لیئے معیّن فرمایا۔

یہ فیصلہ بھی یہودیوں پر گراں گزرا۔ اس لیئے کہ وُہ تو منتظر تھے کہ محمدؐ ہفتہ کے دن کو جو یہودیوں کا عبادت کا دن ہے مسلمانوں کی عبادت کے لیئے مقرر کریں گے۔

(قبا) میں کسی یہودی نے دینِ اسلام کو قبول نہ کیا مگر ایک نفر نے یہ وہی شخص تھا کہ جب محمدؐ نے قبا میں وُرود فرمایا تو وُہ گلیوں میں اُن کی آمد کی پکار کرتا پھرا۔

پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ تاریخ میں اُس آدمی کا نام نہیں آیا لیکن کچھ تذکرہ نویسوں نے اُس کا نام (شلوم) لکھا ہے اُس روز جمعہ کو کہ مسلمان عبادت کے لیئے مسجد قبا میں جمع تھے تو کچھ یہودی افراد بھی مسجد میں حاضر تھے۔ اُس روز مسجد میں محمدؐ نے یہودیوں کی بابت بھی کلام کیا۔ اور چاہا کہ انہیں سمجھائیں کہ وُہ دُوسری قوموں کی نسبت کوئی امتیازی حثیت نہیں رکھتے خداوند نے کوئی قوم کسی دوسری قوم سے ممتاز پیدا نہیں کی۔ تمام اقوام خداوند کی نظر میں یکساں ہیں۔ فقط پرہیزگاری ہی سے قربِ خداوندی حاصل ہوتا ہے۔

یہودی یہ کلام سُن کر جب مسجد سے خارج ہوئے تو انہیں یقین ہو چکا تھا کہ محمدؐ کبھی بھی یہودی نہیں بنیں گے اور اُسی دن تہیّہ کر لیا کہ پیغمبرِ اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت کریں گے اور مخالفت کا آغاز افواہ سازی سے ہوگا۔ لہٰذا یہ

Marfat.com

افواہ پھیلائی گئی کہ مسلمانوں کی تمام عورتیں عقیم (بانجھ) ہو جائیں گی اور اگر کسی دوسری عورت نے بھی اسلام قبول کیا تو وہ بھی عقیم ہو جائے گی۔ یہ افواہ جب پھیلی تو مسلمان مکہ سے مدینہ ہجرت کر چکے تھے اور آب و ہوا کی تبدیلی کی وجہ سے بیمار ہو گئے تھے۔

مسلمان مردوں کی طرح مسلمان عورتیں بھی تبدیلیٔ آب و ہوا کی وجہ سے بیمار پڑ گئی تھیں۔ جب و نفت سُنا کہ وہ عقیم ہو جائیں گی تو خوفزدہ ہو گئیں۔

محمدؐ نے مسلمانوں کو مسجد قبا میں جمع ہونے کے لیئے کہا اور وہاں یہ وضاحت فرمائی کہ مسلمان عورتوں کے متعلق جو افواہ پھیلائی گئی ہے یہ فرمانِ خدا نہیں۔ تم مردوں کو چاہیئے کہ اُن کی دلداری کرو اور انہیں سمجھاؤ کہ یہ افواہ اُن لوگوں کی پھیلائی ہوئی ہے جو نہیں چاہتے کہ دینِ اسلام کی پیش رفت ہو۔ اور جان لو کہ اچھی گفتگو سے جو عورتوں کے لیئے سکونِ قلب فراہم کرے گا۔ خداوند اُسے اجر دیں گے۔

بعد آں خداوند نے اپنے پیغمبرؐ کو حکم دیا کہ مسلمانوں کا قبلہ جو اب تک بیت المقدس تھا۔ تبدیل کر دو اور اب قبلہ خانہ کعبہ ٹھہرا۔ پس مسجدِ قبا کا بھی محراب خانہ کعبہ کے رُخ ہوا۔ اس لیئے کہ مسجدِ قبا کا قبلہ ابتدا میں بیت المقدس کی طرف تھا۔ اسلامی تذکرہ نویسوں نے اُسے دو قبلوں والی مسجد بھی کہا ہے۔

Marfat.com

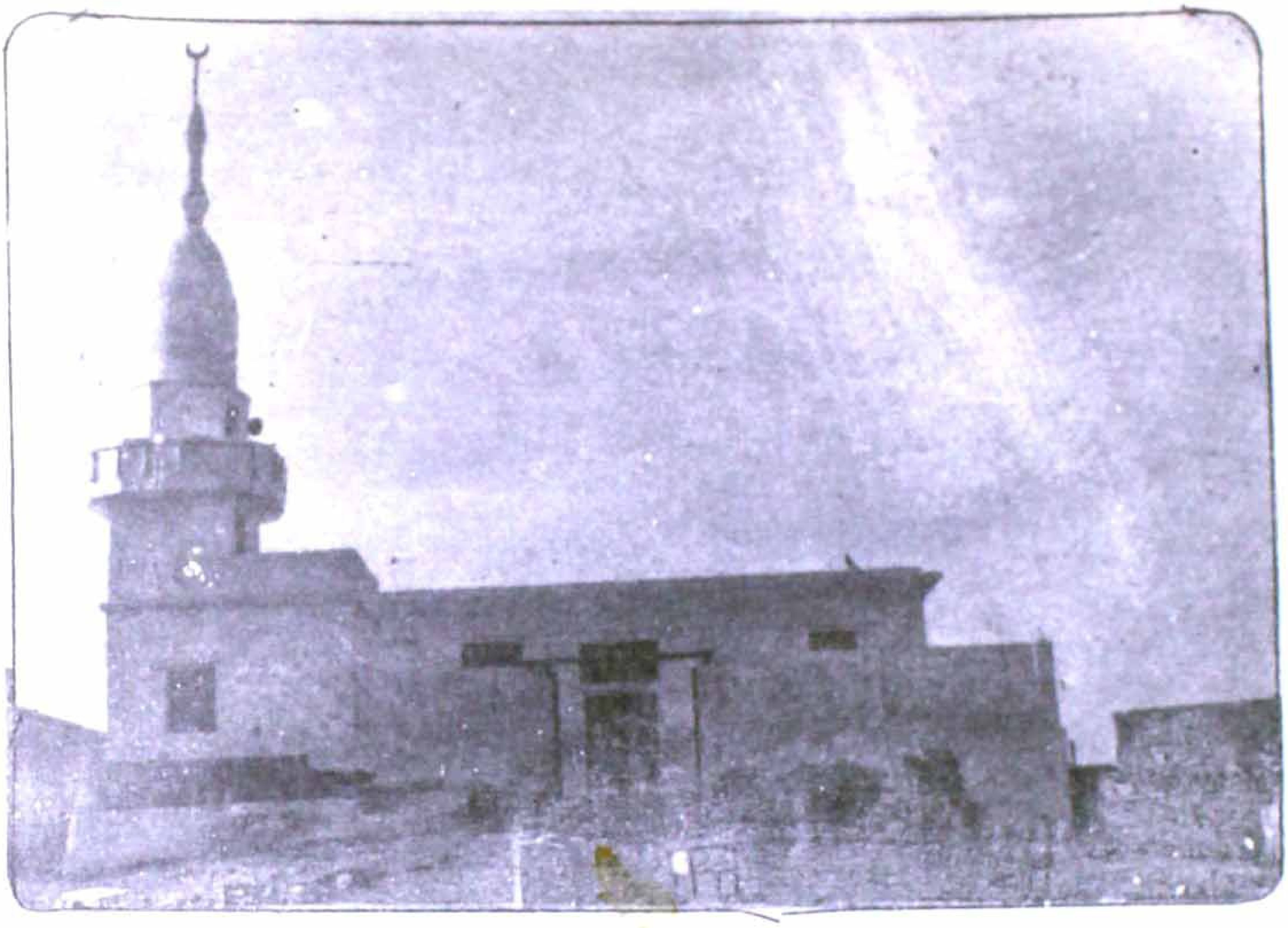

(سامنے کا منظر) دو قبلوں والی مسجد (مسجد قبلتین) مدینہ منورہ (نومبر ۱۹۷۹ء)

(شمالی منظر) دو قبلوں والی مسجد (قبلتین) مدینہ منورہ (نومبر ۱۹۷۹ء)

Marfat.com

Marfat.com

قبا سے مدینہ میں آمد

محمدؐ مسجدِ قبا کی تعمیر کے بعد عازمِ مدینہ ہوئے۔ اپنی اُونٹنی موسوم بہ (قصوہ) پر سوار ہوئے اور مدینہ کی راہ پر چل دیئے۔ جس دن محمدؐ مدینہ میں داخل ہوئے تمام مسلمانانِ مدینہ گلی کوچوں میں نکل آئے تھے اور تمام مرد جو استقبال کے لیئے شہر سے باہر آگئے تھے۔ پیغمبرِ اسلام کی اُونٹنی کی طرف بڑھتے اور اس کی عنان کو پکڑ کر درخواست کرتے کہ میرے گھر تشریف لے چلیئے یا بعض عرض کرتے ہمارے محلّہ میں تشریف لے چلیئے۔

محمدؐ نے جب یہ جوش اور محبت کا مظاہرہ دیکھا تو سوچا کہ اگر اب میں کسی مسلمان کے گھر جاؤں یا کسی محلّہ میں اُونٹ سے جاؤں تو ممکن ہے یہ عمل کدورت کا باعث بنے اور تصوّر کریں کہ محمدؐ اُن میں سے ایک پر خصوصی نظرو محبت رکھتے ہیں۔

اسی چیز کو مدنظر رکھتے ہوئے آپؐ نے کہا میری اُونٹنی کی عنان چھوڑ دو۔ اسے آزادانہ جانے دو میں جانتا ہوں کہ یہ مجھے وہاں پہنچا دیگی جہاں میرے خدا کی رضا ہوگی۔

(قصوہ) محمدؐ کی اُونٹنی مدینہ کے چند محلّوں سے گزرتی ہوئی محلہ (النجار) میں پہنچی تو دُور سے ایک سفید عمارت نظر آئی۔ محمدؐ نے اُس عمارت کو پہچان لیا۔ عبدالمطلب کی والدہ یعنی ہاشم کی بیوی اُس مکان میں رہتی تھیں مسلمان اس بات سے آگاہ تھے اور خیال کر رہے تھے کہ (قصوہ) اُسی گھر کے سامنے ٹھہرے گی لیکن ناقہ وہاں نہ ٹھہری اور آگے بڑھ گئی۔ مدینہ کے سبھی مسلمان اونٹنی کے عقب میں آرہے تھے کہ دیکھیں یہ حیوان کہاں ٹھہرتا ہے۔

ناقہ اُس جگہ پہنچ گئی جہاں محمدؐ کے والد عبداللہ کی قبر تھی۔ لوگوں کو علم تھا کہ پیغمبرؐ کی والدہ ماجدہ کی قبر وہاں نہیں ہے۔ (آمنہ) پیغمبرؐ کی والدہ کو مدینہ سے باہر دفن کیا گیا تھا۔ بعض مسلمانوں نے یہ سوچا کہ (قصوہ) عبدُاللہ کی قبر کے پاس ٹھہرے گی لیکن وہ اس قبر کے پاس سے بھی گزر گئی۔ اور ایک جگہ پہنچی جہاں ایک عورت (اُنیسہ) کا گھر تھا۔ جب محمدؐ کی والدہ حیات تھی اور محمدؐ مدینہ میں اُن کے پاس تھے تو (اُنیسہ) ایک خرد سال لڑکی تھی اور محمدؐ سے کھیلا کرتی تھی۔ لیکن اب وہ ایک بے نیل ومرام عورت شمار ہوتی تھی۔ پیغمبرؐ کی ناقہ اُس کے گھر کے سامنے بھی نہ ٹھہری مگر محلّہ النجار سے باہر نہ گئی۔

Marfat.com

محمدؐ نے جب مشاہدہ کیا کہ اونٹ اس محلّہ سے باہر نہیں جا رہا تو انہیں اپنی والدہ ماجدہ کا خانوادہ یاد آ گیا۔ اسلیئے کہ شجرہ خانوادگی والدہ کی طرف سے قبیلہ (النجار) سے جا ملتا تھا۔ اور ہم کہہ چکے ہیں کہ اعراب بادیہ کے نزدیک شجرہ خانوادگی بہت اہمیت رکھتا تھا۔ اگرچہ محمدؐ نے والد کے خانوادہ سے قطع تعلق کر لیا تھا۔ لیکن مدینہ میں تشریف لانے اور سکونت اختیار کرنے کی وجہ سے والدہ کے خانوادہ سے ارتباط رہا۔

(قصوہ) کافی دیر تک محلّہ (النجار) میں سرگرداں رہی۔ اور پھر ایک قطعہ زمین (موات) کے پاس رُکی پھر تھوڑی آگے بڑھی۔ توقف کیا اور بیٹھ گئی۔

محمدؐ نے اپنے اطمینان کے لیئے کہ اونٹنی کہیں ایسے ہی نہ بیٹھ گئی ہو۔ کوشش کی کہ اُسے اٹھائیں لیکن قصوہ بیٹھی ہی رہی۔

جس جگہ ناقہ بیٹھی تھی وہاں کوئی گھر نہیں تھا یہ ایک میدان سا تھا جسے کھجوریں سکھانے کے لیئے استعمال کیا جاتا تھا۔ وہاں سے نزدیک ترین گھر بھی خاصی دُور تھا۔ اور مسلمان جو محمدؐ کے ساتھ تھے انہوں نے بتایا کہ وُہ گھر ابو ایوب کا ہے۔

اُونٹ کے بیٹھنے کی وجہ سے مسلمانوں میں ہیجان پیدا ہو چکا تھا۔ اس لیئے کہ وُہ سمجھ رہے تھے کہ پیغمبرِ اسلام عبادت کے لیئے مسجد اور اپنا گھر وہیں بنائیں گے اور وُہ جگہ آج کی اصطلاح میں مرکزِ سیاستِ اسلام ہوگی۔ محمدؐ نے پُوچھا یہ زمین کس کی ہے؟ ایک مسلمان نے آگے بڑھ کر عرض کی۔ اے محمدؐ یہ زمین دو یتیم بھائیوں کی ہے۔ میں اُن کا قیم ہوں۔ میرا نام (اسعد بن زرارہ) ہے۔ میں یہ زمین تقدیم کرتا ہوں کہ آپ اس جگہ مسجد و گھر بنائیں۔ محمدؐ نے فرمایا اگر یہ زمین تمہاری بھی ہوتی تو میں اسے مفت قبول نہ کرتا کجا یہکہ یہ زمین دو بچوں کی ہے۔ میں بچپن میں یتیم و لتیم تھا۔ میرے ماں اور باپ دونوں ہی نہیں تھے اس لیئے میں جانتا ہوں کہ یتیم کتنے دُکھ اُٹھاتا اور غمزدہ ہوتا ہے میں اس زمین کو ایک شرط پر تم سے حاصل کرونگا کہ زمین کی قیمت عام قیمت سے زیادہ لگائی جائے (اسعد بن زرارہ) نے کہا اس زمین کی قیمت سات دینار ہے۔

محمدؐ نے قیمت کی بابت مسلمانوں سے مشورہ کیا۔ انہوں نے اسعد بن زرارہ کی تصدیق کی اور پھر فرمایا۔ میں اس زمین کی قیمت دسؔ دینار ادا کروں گا۔ تاکہ (اسعد بن زرارہ) اس رقم سے ایک بہتر قطعہ زمین اُن دو یتیم بھائیوں کے لیئے خرید کرے۔

ابوبکرؓ خزانہ دارِ اسلام نے جو عقب میں کھڑے تھے فوراً اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا اور دسؔ عدد سکۂ زر گن کر صاحب زمین کو دے دیئے۔

یہ بات قابل توجہ ہے کہ اس وقت دسؔ دینار یعنی دسؔ سکۂ طلائی ایک خطیر رقم تھی۔

اُس دور میں نہ مکّہ کا . . . . اور نہ ہی مدینہ کا کوئی اپنا سکّہ تھا۔ ان دونوں شہروں میں ایرانی اور رُومی سکوں سے کاروبار ہوا کرتا تھا۔ (رُومۃ الصغریٰ) جس کا پایۂ تخت (بیزانس) تھا کے سکوں کو پایۂ تخت کی مناسبت سے (بیزانس) کہتے اس شہر (بیزانس) کا موجودہ نام استنبول ہے۔

دینار ایک طلائی سکّہ تھا۔ ایرانی اُسے شاہ خسرو کے نام کی مناسبت سے دینار خسرو کہتے تھے۔ دُوسرا دینار

Marfat.com

زدی تھا۔ اور یہ نام ...... بھی ہرقل بادشاہِ رُوم کی نسبت سے تھا۔ خرید کے دُوسرے دن محمدؐ نے مسلمانوں کی مدد سے مسجد کی تعمیر شروع کردی۔ تمام مرد از جملہ خود محمدؐ اپنے ہاتھوں مٹی اور پتھر لاتے۔ گارا تیار کرتے اور مسجد کی بنا کرتے مسجد کی طرزِ تعمیر ایک نمونہ کے طور پر کی گئی اور صدرِ اسلام میں دوسری تمام مساجد اسی نمونہ و اسلوب پر تعمیر ہوئیں ترتیب ایسے تھی کہ زمین تہ پتھروں کی بنیادوں میں چُنی گئیں اور دیواروں کی چنائی اینٹوں سے کی گئی۔ مسجد کی چھت میں شہتیر کھجور کے تنوں کے ڈالے گئے اور کھجور کے پتے چھت پر ڈال کر چھت ڈھانپ دی گئی۔

مسجد مذکور کی تعمیر میں سات ماہ صرف ہُوئے۔ مسجد کو مستحکم بنیادوں پر بنایا گیا۔ اس لیئے کہ مدینہ میں برسات بہت ہوتی تھی۔ اگر مسجد کو مستحکم بنیادوں پر نہ بنایا جاتا تو وہ بارشوں کی وجہ سے جلد گر جاتی۔ اس مسجد کا قبلہ بھی بیت المقدس ہی تھا۔ کیونکہ ابھی تک خداوند کا حکم نہیں آیا تھا کہ قبلہ کعبہ رُخ کرلو۔

مکہ سے مدینہ ہجرت کرنے والے کچھ مسلمانوں کے پاس رات گزارنے کو جگہ نہیں تھی۔ لہٰذا پیغمبرؐ نے مدینہ کی مسجد میں ایک بہت بڑا چبوترہ یعنی ایک طرح کا برآمدہ بنایا کہ مذکورہ بے گھر افراد وہاں رات کو آرام کرسکیں۔ اُس برآمدہ پر سایہ کے لیئے کھجور کی شاخیں اور پتے ڈال دیئے گئے کہ یہ فقراء بارش اور آفتاب کی گرمی سے محفوظ رہیں۔ چونکہ یہ جگہ موسوم بہ (صفہ) ہوئی اس لیئے یہاں جو لوگ سوتے تھے انہیں (اہل الصفہ) کہا جانے لگا۔ یہ اشخاص جو اس وقت فقیرانہ حالت میں تھے بعد میں مشاہیرِ اسلام ہُوئے اور ہر وہ شخص جو (اہل الصفہ) میں سے تھا بزرگانِ اسلام میں شمار ہوتا تھا۔

یہ صفہ جو اوّل فقراء کی خواب گاہ تھی۔ اسلام کا دارالعلوم بن گیا اور سب سے پہلی اسلامی دانش گاہ نے سلسلہ تدریس صفہ ہی میں شروع کیا۔

محمدؐ نے مدینہ میں جب ناقہ سے زمین پر قدم رکھا۔ اپنے اُونٹ سے اپنا سامان خود اتارا۔ وہ چاروں طرف نگاہ دوڑائی کہ رہائش کہاں رکھی جائے۔

ایوب کا پورا نام (ابو ایوب خالد بن زید) تھا۔ اُس کا گھر اُس جگہ سے نزدیک تر تھا۔ وُہ محمدؐ کی خدمت میں حاضر ہُوا اور سامان کو اُنؐ کے ہاتھوں سے لے لیا اور عرض کی۔ یا محمدؐ میرے گھر میں سکونت فرمایئے۔

محمدؐ نے اُن سے پُوچھا۔ کیا تمہارے گھر میں اتنی گنجائش ہے کہ تو مجھے جگہ دے سکے۔

اُس نے جواب دیا۔ "ہاں" یا محمدؐ۔

محمدؐ نے فرمایا۔ تمہارے گھر میں ایک شرط پر سوؤں گا کہ خورد و نوش کا بوجھ تم پر نہیں ہوگا۔

ابو ایوب نے کہا۔ یا محمدؐ آپ اکیلے کتنی غذا کھالیں گے کہ مجھ پر بوجھ بنیں گے۔

محمدؐ نے فرمایا ہر چند کہ میری غذا کم ہے۔ بہرحال تم پر بوجھ نہیں بنوں گا۔

جب ایوب نے دیکھا کہ آپؐ مُصر ہیں کہ غذا اپنی کھائیں گے تو سرِ تسلیم خم کیا۔ محمدؐ رات کو اُس کے گھر جاکر سو جاتے۔ اس دوران مسجدِ مدینہ کی تعمیر جاری تھی اور جمعیتِ اسلام کو ایک ترتیب دینے کے لیئے اقدام کیئے جارہے تھے

Marfat.com

زیادہ تر لوگ جو مکہ سے مدینہ ہجرت کر کے آئے تھے۔ فقیر ہو چکے تھے اس لیئے کہ اپنا سب کچھ لٹا کر آئے تھے اپنے قبیلوں سے جُدا ہوئے تھے اور مدینہ میں انتہائی مشکل حالات میں رہ رہے تھے۔ نیز یہودیوں کی اس افواہ سے کہ مسلمان عورتیں عقیم ہو گئی ہیں سے بھی متفکر تھے۔

لیکن انہی دنوں (عبداللہ بن زبیر) کی زوجہ نے کہ وُہ مسلمان تھیں ایک خوبصورت صحتمند بچہ کو جنم دیا۔ مسلمان اس واقعہ پر خوش ہو گئے اور سمجھ گئے کہ یہ ایک فقط افواہ تھی۔

مسلمان جو مکہ سے مدینہ ہجرت کر کے آئے تھے نقیر ہو چکے تھے۔ پیغمبرؐ نے انصار کو فرمایا کہ ہر ایک مدنی مسلمان ایک مکی مسلمان سے عہدِ اخوت باندھے اور اُس کو اپنے گھر میں جگہ دے اور اکٹھے کام و تحصیل معاش کریں تاکہ مکی مسلمانوں کی زندگی بہتر وضع اختیار کر جائے اور وُہ اپنے لیئے جائے رہائش فراہم کر سکیں اور اس قابل ہوں کہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہو جائیں۔ پھر وہ تم (مسلمانانِ مدینہ) سے جُدا رہائش کریں گے۔

محمدؐ کے اس حکم کو مدینہ والوں نے بسر و چشم قبول کیا اور (۱۸۶) مہاجر افراد سے انصار نے عہدِ اخوت باندھا۔ اور اُن کو اپنے گھروں میں سکونت کے لیئے جگہ دی۔ خداوند نے سورۂ (انفال) کی پندرھویں[۵] آیت میں اُن انصار مسلمانوں کی قدر افزائی کی فرمایا:

"والذین آمنوا وھاجروا وجاھدوا فی سبیل اللہ والذین آووا نصروا اولٓئک ھم المومنون حقا لھم مغفرۃ و رزق کریم"

"یعنی وہ لوگ کہ ایمان لائے اور ہجرت کی انہوں نے خدا کی راہ میں جہاد کیا اور جن لوگوں نے انہیں مسکن فراہم کیا اور مدد کی وہ حقیقی مومنوں میں سے ہیں اور خداوند انہیں موردِ مغفرت قرار دیگا اور اُن کا رزق کشادہ کرے گا"؛

مُسلمان چونکہ مسجد کی تعمیر میں بھی حصہ لے رہے تھے اس لیئے عہدِ اخوت کے بعد کام کی ترتیب اس طرح دی گئی۔ ہر وُہ شخص کہ ایک انصار کے گھر میں رہتا ہے۔ ایک دن مسجد میں بلا اُجرت کام کرے اور دُوسرے دن اپنے اور جس کے گھر میں رہتا ہو اُس کی تامین معاش کے لیے کام کرے

مسلمانانِ مدینہ (انصار) جنہوں نے مہاجرین کو اپنے گھروں میں جگہ دی تھی انہوں نے بھی یہی طریقہ اپنا لیا کہ ایک دن وُہ مسجد کی تعمیر میں حصہ لیتے اور دُوسرے دن تامینِ روزگار کرتے۔

محمدؐ نے خود کسی انصار سے عہدِ اخوت نہ باندھا۔ دوسرے یہ بھی زیرِ نظر تھا کہ اگر وہ کسی ایک سے یہ عہد باندھ لیتے تو ممکن تھا دوسرے مسلمانوں کے لیئے باعثِ رنج ہوتا۔ اور وہ یہ خیال کریں کہ پیغمبرؐ نے ہمیں اس قابل نہیں سمجھا۔ لہٰذا آپؐ نے کسی سے بھی عہدِ اخوت استوار نہ کیا۔

بدیں حالات محمدؐ نے اپنے چچا زاد (علیؑ بن ابوطالب) سے تحصیل معاش کے لیئے عہدِ اخوت استوار کیا۔ اور اُس سے کہا اے علیؑ! ایک دن تم ہم دونوں کے لیئے تامینِ معاش کرو گے اور دوسرے دن میں یہ کام کروں گا۔

علیؑ نے عرض کی یا محمدؐ آپ کی موجودگی مسجد میں تعمیری کاموں کی پیش رفت کے لیئے بہت ضروری ہے اسکے

Marfat.com

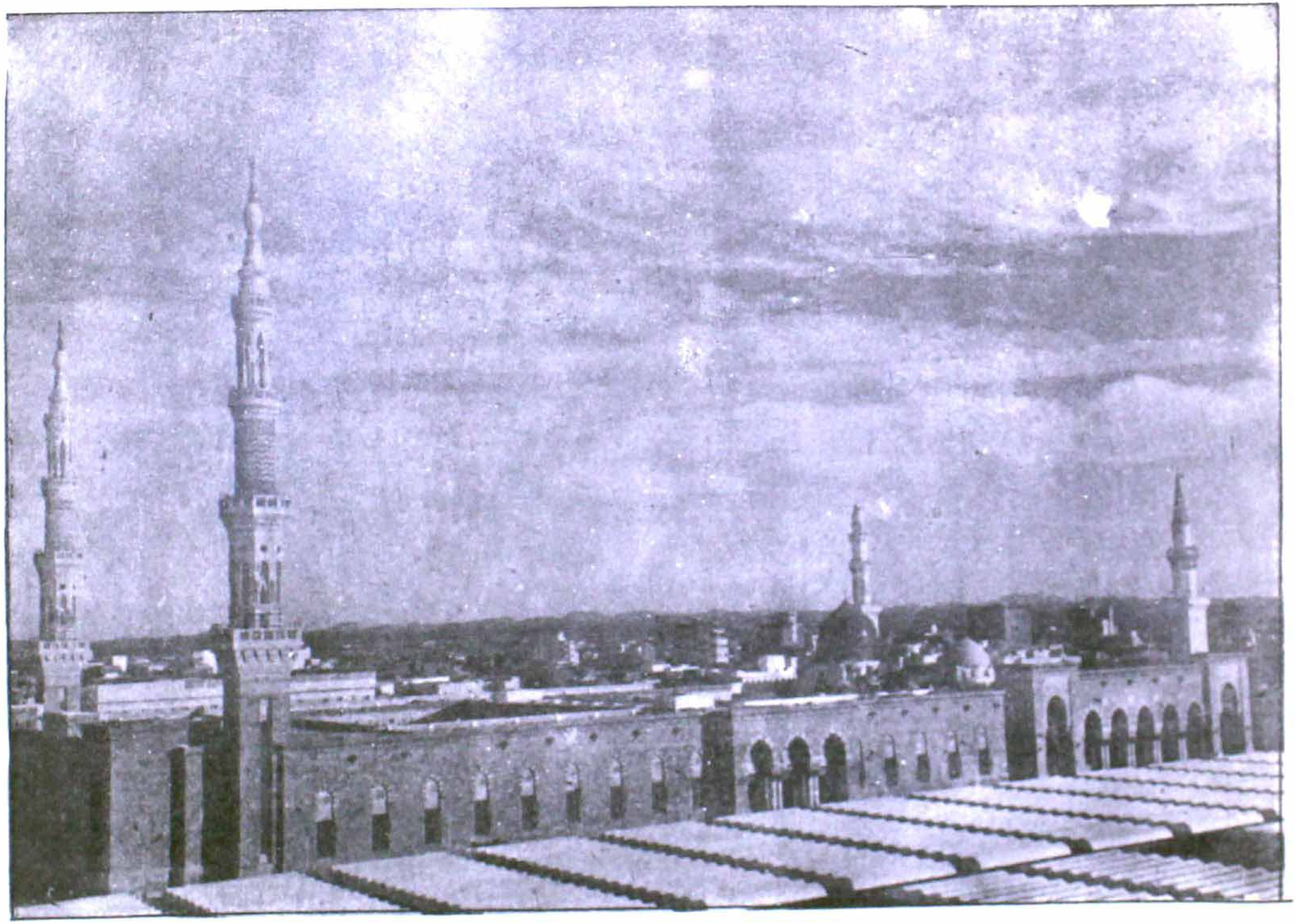

مسجدِ نبوی اور گنبدِ خضریٰ (فوٹو ۱۹۷۹ء)

Marfat.com

Marfat.com

علاوہ کوئی دن نہیں جاتا کہ مسلمان کسی نہ کسی کام کے لیئے آپؐ کے پاس نہ آتے ہوں۔ اور اپنے ضروری مسائل آپؐ کے سامنے پیش نہ کرتے ہوں۔ لہٰذا آپ روزانہ مسجد میں رہیں تعمیراتی کام کی نگرانی کریں اور مسلمانوں کے مسائل کا جواب دیں۔ میں آپؐ کے لیئے بھی تامین معاش کے لیئے کام کروں گا۔

محمدؐ نے علیؑ کی یہ پیش نہاد قبول فرمائی۔ پیغمبرؐ اسلام کے چچازاد صبحدم کام کے لیئے روانہ ہو جاتے۔

ممکن ہے آپ خیال کریں کہ علیؑ جو کام کرتے تھے وُہ اُن کے خانوادہ کے شایانِ شان تھا۔

علیؑ بھی مثل محمدؐ قبیلۂ ہاشم سے تھے مکہ کے بزرگوں میں شمار ہوتے تھے۔ مدینہ میں تامین معاش کے لیئے پانی بھر کر لایا کرتے تھے۔ مدینہ میں ایک شخص اپنا مکان بنا رہا تھا۔ علیؑ پانی بھر کر لاتے اور دُوسرے مزدُور تعمیر کے لیئے گارا اور اینٹیں تیار کرتے تھے۔ منبع آب اور زیرِ تعمیر مکان میں فاصلہ اس قدر تھا کہ علیؑ صبح سے شام تک سولہ ڈول پانی کام تک پہنچاتے اور ہر ڈول پانی کے عوض ایک دانہ کھجور سے زیادہ مزدوری نہیں ملتی تھی۔ لہٰذا علیؑ کی مزدوری دن بھر میں سولہ کھجوریں ہوتی کہ آٹھ کھجوریں محمدؐ کی خدمت میں دے دیتے اور آٹھ کو خود کھاتے۔ ایک مدت تک دونوں نے روزانہ آٹھ کھجوروں پر بسر کی۔

ایسے تھے وُہ لوگ جنہوں نے اسلام کی بنیادوں کو استوار کیا۔ لیکن یہ خصلت جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے۔ ایک بدوی عرب کے بچپن سے ہی اُس کی فطرت کا جزو ہو جاتی تھی۔ بچپن ہی سے وُہ بھوک اور پیاس کے عادی ہو جایا کرتے تھے۔ بھوک اور پیاس اُن پر شاق نہیں گزرتی تھی۔

مدینہ کی نصف آبادی یہودیوں پر مشتمل تھی۔ مدینہ میں تشریف آوری کے بعد محمدؐ کی یہ کوشش رہی کہ انہیں اسلام سے مساعدانہ رویّہ پر آمادہ کر سکیں۔

علماءِ اسلام نے بھی تحریر کیا ہے اور کہتے بھی ہیں۔ اسلام کی آمد کے بعد قوانین اسلامی ایک ہی مرتبہ نازل نہیں ہوتے تھے بلکہ بتدریج تیئیس ۲۳ سال نازل ہوتے رہے۔

علماءِ اسلام کے کہنے کے مطابق جس کسی مسئلہ میں خداوند کے احکام موجود نہ ہوتے تو محمدؐ اس کے مکلف تھے کہ قوانین توریت سے اخذ کریں تاوقتیکہ خداوند کی طرف سے جدید قانون نازل ہو۔ اس تدریجی عمل کی علت سمجھ میں آتی ہے۔ اگر یک مرتبہ تمام سابقہ قوانین مسلمانوں پر منسوخ ہو جاتے اور جدید قوانین نازل ہوتے تو وہ خود کو گم کر بیٹھتے اور قوانین جدید کا بروقت اجراء نہ کر پاتے۔ تازہ قوانین بتدریج لاگو ہونے چاہئیں۔ تاکہ لوگ آہستہ آہستہ بتدریج اُن قوانین سے مانوس ہوتے چلے جائیں۔

آج جب کہ مغربی ممالک جزیرۃ العرب کے دورۂ جاہلیت کی بہ نسبت بہت زیادہ متمدن اور تعلیم یافتہ ہیں وسائل مخابرات اور ذرائع ابلاغ مثل اخبارہا۔ کتب و رسائل۔ ریڈیو۔ ٹیلیویژن اس قدر زیادہ ہیں۔ پھر بھی کوئی ملک اس پر قادر نہیں کہ چند دنوں کے اندر اندر جدید قانون وضع کرے اور بروقت اس کا اجرا کر سکے اور اگر اس پر عمل کا ارادہ کر بھی لے تو لوگوں کے اعصاب جواب دے جائیں گے اور سررشتۂ زندگی اُن کے ہاتھوں سے نکل جائے گا اور اجتماعی مفاسد جگہ پکڑ جائیں گے۔

جزیرۃ العرب کے صحرانشین اس قدر استعداد نہیں رکھتے تھے کہ یک لخت اور تھوڑی سی مدت میں اسلام کے جدید قوانین کو درک کر سکیں اور قبول کرلیں۔

یہی وجہ تھی کہ بعثت رسالت کے بعد بھی سابقہ قوانین منسوخ نہیں ہوئے تھے۔ اسی لحاظ سے نماز ادا کرتے وقت بیت المقدس کی طرف رُخ کرنے کا طریقہ باقی رہا۔ خداوند نے ابھی اس قانون کو منسوخ نہیں کیا تھا۔

قوانین سالفہ کے ساتھ رعایت کی وجہ ہی سے یہودی اس خوش فہمی میں مبتلا تھے کہ محمدؐ یہودی ہو جائیں گے۔ یہودی آپؐ کو کہا کرتے "یا محمدؐ تم پیغمبر نہیں ہو اسلئے کہ تم ابھی تک عرب ہو اور یہودی نہیں ہوئے۔ تمام سابقہ انبیاء یہودی قوم سے اُٹھے ہیں۔ تمہارا پیغمبر ہونا بھی ممکن ہے اگر تم یہودیوں کے درمیان آجاؤ۔ تمہارے مقدر میں پیغمبری اُس وقت ہوگی جب تو دین موسیٰ کا پیروکار ہو جائے گا۔

قبلۂ مسلمین تبدیل ہونے سے تھوڑی دیر پہلے قرآن کی دُوسری سورۃ کی آیت (۱۱۰) محمدؐ پر نازل ہوئی۔ جس میں خداوند نے فرمایا "مشرق و مغرب خدا کے ہیں اور جس طرف بھی رُخ کرو گے تمہیں خدا کا وجود ہی نظر آئیگا"۔

جب یہ تحقیق ہو گیا کہ یہودی مسلمانوں سے پیوستہ نہیں ہوں گے۔ خداوند نے اسی دوسری سورت کی آیات ۱۴۲۔۱۴۳۔۱۴۴۔۱۴۵ میں مسلمانوں کو حکم دیا۔ نماز پڑھنے کے وقت اپنا رُخ خانہ کعبہ کی طرف کر لیا کرو اور نماز پڑھو۔

سورہ بقر (سورۂ دوئم قرآن) کی آیت ۱۴۲ میں خداوند نے فرمایا:۔

سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلَّاهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِي كَانُوا عَلَيْهَا قُلْ لِلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ"

یعنی کم فہم لوگ کہتے ہیں کہ کیا چیز باعث ہوئی کہ قبلہ کو تم اُس کی جانب نماز پڑھتے تھے کو تغیر دو۔ انہیں کہہ دو کہ مشرق ہو یا مغرب سب اللہ کا ہے اور اللہ جس کو چاہتا ہے راہِ راست کی ہدایت کرتا ہے؟

مسلمان عارفوں نے ان آیات کی بابت جن میں خداوند نے مشرق و غرب کو از لحاظ منزلت مساوی کہا ہے۔ یہ نتیجہ نکالا ہے کہ خداوند کے لئے ہر سمت ایک ہی ہے۔ شیخ عطار، شیخ بہائی اور دُوسرے مسلمانوں کے عارفانہ کلام میں ان آیات سے استدلال کیا گیا ہے کہ صومعہ و بیت خانہ و خانہ کعبہ میں کوئی فرق نہیں ہے لیکن ان آیات میں ایک اور نکتہ واضح کیا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ مشرق و غرب خدا کی نظر میں ایک ہے لیکن جس وقت خداوند نے اپنے بندوں کو حکم دیا کہ کعبہ رُخ نماز ادا کرو تو مشرق و غرب کے ایک ہی ہونے پر اعتراض وارد نہیں ہوتا۔

انہی آیات میں خداوند نے یہودیوں اور عیسائیوں کو مخاطب کر کے کہا "ہم نے جہتِ قبلہ کو بدل دیا ہے۔ تاکہ مشخص دے سکیں کہ کون لوگ رسولؐ کی پیروی کرتے ہیں۔ قبلہ کو بدل دیا کہ وہ اشخاص جو رسولِ خدا کی پیروی پر آمادہ نہیں وہ کفر میں ہی آلودہ ہو جائیں۔

تحویل قبلہ کا حکم خداوندی تاریخ اسلام میں بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ اسلئے کہ مسلمان کلی طور پر یہودیوں اور عیسائیوں سے جُدا ہو گئے اور اسلام کو اُن آلودگیوں بخصوص دین یہودی سے ممیّز کر دیا۔

Marfat.com

اسلام دین تھا کہ زبان عربی میں ایک عربی پیغمبر پہ نازل ہوا اور کعبہ بھی ایک خانۂ عربی تھا جسے ابراہیم بد اعراب نے بنا کیا۔ جس وقت خداوند نے حکم دیا کہ مسلمان اپنا رُخ کعبہ کی طرف موڑ لیں تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ بعد ازیں دین اسلام دینِ مسیحی و یہودی سے کوئی وابستگی نہیں رکھتا۔ بلکہ اسلام ایک مستقل اور کامل دین ہوگا۔

اسلام کا پہلا اساسی قانون

خداوند نے قرآن میں ملتِ ابراہیم کا متعدد بار نام لیا ہے اور ابراہیمؑ۔ موسیٰؑ اور عیسیٰؑ سے پہلے گزرے ہیں۔ وہی تھا جس نے موسیٰؑ و عیسیٰؑ سے پہلے خانہ کعبہ کی بنیاد رکھی لہٰذا ملتِ ابراہیمؑ کہ اساس دینِ اسلام کو تشکیل دیتی ہے۔ دینِ موسیٰؑ و عیسیٰؑ میں شامل ہو سکتی تھی۔ چونکہ اساس دینِ اسلام ملتِ ابراہیمی تھی لہٰذا دینِ اسلام عمومی و جہانی ٹھہرا۔

یہودی مذہب کی اساس نسلی برتری پر تھی۔ یہودی کہتے تھے کہ بنی اسرائیل ہی دُنیا کی مالک و آقا ہے۔ فقط یہود ہی اس لائق ہیں کہ خداوند ان سے ہمکلام ہو۔ لہٰذا دینِ یہود پورے عالم کا دین نہ بن سکا۔

دینِ مسیحی کہ یہودی دین کی تکمیل کے لیئے آیا تھا۔ عالمگیر نہ ہوا۔

مگر دینِ اسلام جو کُلّی طور پر کلیمی اور عیسائی دین سے جُدا ہو گیا۔ اور جس نے اپنا مستقل قبلہ اپنا لیا۔ اور اپنے اندر عمومی اور آفاقی رنگ پیدا کر لیا۔ اس کے اندر یہ صلاحیت رہی کہ دنیا کے کسی خطہ میں رہنے والا انسان چاہے وہ کسی بھی رنگ و نسل کا ہو حلقۂ دینِ اسلام میں شامل ہو سکتا تھا۔

عرب اور خصوصاً مسلمان جو مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ گئے تھے۔ تحویل قبلہ سے اور کعبہ کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھنے کے حکم سے بہت مسرور تھے۔

علاوہ بر این کعبہ تمام عربوں کے لیئے مقدس تھا۔ مسلمان جو مکہ سے ہجرت کر گئے تھے۔ کعبہ کو فراموش نہیں کر سکتے تھے۔

اس کے علاوہ تحویل قبلہ کے بعد کعبہ رُخ نماز کی ادائیگی سے مسلمانوں نے گویا اپنے اجداد کو موردِ تجلیل گردانا۔

دورۂ جاہلیت میں اسلام سے قبل ایک قصیدہ (فخر) کے نام سے پڑھا جاتا تھا جس میں اجداد کی مدح سرائی اور انکی تجلیل بیان کی جاتی تھی۔ پس بعد ازینکہ خداوند نے مسلمانوں کو کعبہ رُخ نماز پڑھنے کا حکم دیا ہر مرتبہ کہ وہ نماز پڑھتے انہیں اپنے اجداد ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ کی تجلیل کا احساس ہوتا (اس لیئے کہ خانہ کعبہ کی بنا اسمٰعیلؑ کے والد ابراہیمؑ نے رکھی تھی اور خود کو اسمٰعیلؑ کی اولاد سے سمجھتے تھے) اور ان کی تکریم سے تمام اجداد خویش کی تجلیل ہوتی ہے۔

محمدؐ مسلمانوں کی مدد سے مسجدِ مدینہ کی تعمیر میں مشغول ہونے کے ساتھ ساتھ مسجد کے جوار میں چھوٹے چھوٹے

Marfat.com

گھر مسلمانوں کے لیئے بنا رہے تھے۔

مسلمانوں میں سے بعض (از جملہ خود پیغمبرِ اسلام) نے مکہ سے ہجرت کے وقت اپنے افرادِ خاندان کو وہیں مکہ میں چھوڑ دیا تھا۔ انہیں بھی بہرحال مدینہ آنا تھا تاکہ خاندان کے سربراہ سے پیوستہ ہوں نیز اعضائے خانوادہ درخت کی شاخوں کی طرح ہوتے ہیں۔ تمام شاخیں درخت کے تنے سے متصل ہوتی ہیں۔ اور اگر کوئی شاخ تنے سے جدا ہو جائے تو اس طرح ہوتا ہے جیسے ہاتھ بدن سے جدا ہو جائے۔ محمدؐ کا ارادہ تھا کہ اپنے خاندان کے افراد کو مکہ سے مدینہ لے آئیں۔ لیکن اس سے قبل چھوٹے گھروں کی تعمیر مکمل ہونا ضروری تھی۔ اتفاقاً آپؐ ایک دن ابوبکرؓ کے ہمراہ مدینہ کے بازار میں گئے اور تین مادہ شتر خرید کر لیئے۔ ان اونٹوں کی قیمت ابوبکرؓ نے ادا کی۔

محمدؐ اور ابوبکرؓ جب مدینہ میں آئے تو دو مادہ شتر رکھتے تھے ان تین اونٹوں کی خرید کے بعد ان کے پاس پانچ اونٹ ہو گئے۔

پیغمبرِ اسلام نے اپنے چچازاد بھائی علیؓ کو طلب کیا اور فرمایا۔ اے علیؓ تمہیں علم ہے کہ میری بیٹیاں اور میری بیوی (سودہ) اور عائشہ، مکہ میں ہیں۔ اب تم جاؤ اور انہیں اونٹوں پر سوار کر کے مدینہ لے آؤ۔ زید (آزاد شدہ غلام جو آپؐ کا متبنیٰ تھا) کو اپنے ہمراہ لے جاؤ۔ اور واپسی پر (ام ایمن) زید کی بیوی کو بھی ہمراہ لیتے آنا۔

جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ آپؐ کی چار بیٹیاں تھیں۔ فاطمہؓ۔ ام کلثومؓ۔ رقیہؓ اور زینبؓ۔ ان چاروں میں سے رقیہؓ اپنے شوہر عثمانؓ کے ساتھ مدینہ آچکی ہوئی تھیں لیکن باقی تینوں مکہ ہی میں تھیں۔

علیؓ زیدؓ کے ساتھ عازمِ مکہ ہوئے اور واپسی پر (سودہؓ) و (عائشہؓ) ہر دو زوجہ پیغمبرؐ دو بیٹیوں فاطمہؓ، ام کلثومؓ اور (ام ایمن) زوجہ زید کو لے آئے۔ چوتھی بیٹی زینبؓ نہ آسکیں اس لیئے کہ اُن کا شوہر (ابوالعاص) مسلمان نہ ہوا تھا۔ اُس نے اجازت نہ دی کہ اُس کی ہمسر مکہ سے جائے۔

خانوادۂ پیغمبرِ اسلامؐ میں سے فقط زینبؓ مکہ میں رہ گئیں تھیں۔ باقی سارا خاندان مدینہ میں اکٹھا ہو گیا تھا۔ مسلمانوں کے بعض دوسرے خاندانوں میں بھی اس طرح کے واقعات پیش آئے تھے۔ زن و شوہر چونکہ باہم ایک مذہب نہیں رکھتے تھے اسلیئے اکٹھے نہ ہو سکے۔

بعض دوسرے افراد جنکی بیویاں مسلمان تھیں اپنی ہمسروں کو مدینہ لے آئے۔ نتیجتاً مدینہ میں مسلمانوں کی تعداد میں مزید اضافہ ہو گیا۔

محمدؐ نے پانچوں اونٹ مکہ سے مسلمانوں کے گھرانوں کو مدینہ منتقل کرنے کے لیئے مخصوص کر دیئے تھے۔ لہٰذا ہر چند کہ مذکورہ اونٹ مدینہ میں ہوتے موردِ اکرام مسلمین ٹھہرتے یعنی کوئی مسلمان اُن اونٹوں کی راہ نہیں روکتا تھا وہ جہاں چاہتے چرتے جہاں چاہتے پانی پیتے۔

مسجدِ مدینہ کی تعمیر مکمل ہو جانے کے بعد مسلمان اپنے بیوی بچوں کو مکہ سے مدینہ لے آئے تو آپؐ نے مدینہ شہر کے لیئے پہلا قانونِ اساسی وضع کیا۔

Marfat.com

یہ قانون اساسی باون[۵۱] نقاط پر مشتمل تھا۔ محمدؐ کی طرف سے تدوین ہوا (یعنی یہ مشل آیاتِ قرآن وحی نہیں ہے)۔
ان باون[۵۲] نقاط میں سے (۲۵) نقاط مسلمانوں سے متعلق تھے اور ستائیس نقاط دُوسرے مذاہب کے پیرووان کے لیئے تھے وُہ یہودی ہوں یا بُت پرست۔

اس قانون اساسی کی اس طرح تدوین کی گئی کہ دُوسرے ادیان کے پیرووان مسلمانوں کے ساتھ مدینہ میں زندگی بسر کر سکتے تھے۔ اور ہر ایک اپنے مذہبی وظائف کی بجا آوری میں آزاد تھا۔ بدون اینکہ کوئی ایک دوسرے کے مزاحم ہو۔
یہ قانون اساسی ہجرت کے پہلے سال (۶۲۳ء) میں جب کہ محمدؐ کو مدینہ ہجرت کیئے ایک برس گزر چکا تھا۔ اعلام ہُوا۔

قانون اساسی کے مطابق مدینہ شہر کا رہنے والا ہر قبیلہ مجاز تھا کہ اپنی دینی اقدار کی حفاظت کرے۔ کوئی شخص اعتراض نہیں کر سکتا تھا کہ کیوں وہ اپنے دینی وظائف کی ادائیگی کر رہا ہے۔
لیکن تمام مختلف ادیان کے پیرو کار جو مدینہ کے شہری تھے ہنگام جنگ اُن پر فرض ہُوا کہ مدینہ پر حملہ کی صُورت میں باہم مل کر اپنی قوت کو دشمن کا مُنہ توڑنے کے لیئے استعمال کریں۔
ہم اس قانون اساسی کا مواد جو محمدؐ نے مدینہ میں وضع کیا۔ خوانندگان کی دلچسپی کے لیئے پیش کرتے ہیں ہمیں یہ ماننا پڑے گا کہ محمدؐ نے اس قانون اساسی میں جو تمام مذاہب کو آزادی دی ہے وُہ قرآن سے الہامی طور پر اخذ کی گئی ہے۔ خداوند سورہ بقرہ (آیت ۶۳) میں فرماتے ہیں:۔

"اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰی وَالصَّابِئِیْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ
وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ"

یعنی وہ جو ایمان لائے اور وُہ جو یہودی۔ عیسائی اور صابئی ہو چکے ہیں۔ درصورتیکہ اللہ پر ایمان رکھتے ہوں اور روز جزا پر یقین رکھتے ہوں اور انہوں نے صالح عمل کیئے ہوں۔ اُن کا اجر اللہ کے پاس ہے اور انہیں کوئی خوف نہیں اور انہیں کوئی غم نہیں ہونا چاہیئے"

صابئین جن کا آیت مذکورہ میں ذکر آتا ہے۔ وہ لوگ تھے جو ستاروں اور فرشتوں کی پرستش کرتے تھے۔ اور خدا پر بھی عقیدہ رکھتے تھے۔
جیسا کہ اس آیت سے معلوم ہے۔ خداوند نے یہودیوں۔ عیسائیوں حتیٰ کہ صابئین کو بھی اپنی رحمت کے سایہ سے محروم نہیں کیا۔ بشرطیکہ ایمان رکھتے ہوں۔ صالح عمل کرتے ہوں یعنی اُن کا ایمان واقعی ہو نہ کہ ریاکارانہ۔ خداوند ایک اور آیت کہ سُورۃ مائدہ کی (۶۶) آیت ہے یہودیوں اور عیسائیوں کے بارے میں یُوں فرماتا ہے:۔

"ولو انہم اقامت التورٰۃ والانجیل وما انزل الیہم من ربہم لاکلوا من فوقہم
ومن تحت ارجلہم منہم امۃ مقتصدۃ وکثیر منہم ساء ما یعملون"

یعنی "اگر آنہاں (یہودی۔ عیسائی) توریت اور انجیل کے احکام پر عمل کریں۔ اس طرح جیسا کہ خدا نے اُن پر نازل فرمائی، وہ بیشک

یہودی مسیحی رہیں۔ ان کو حق ہوگا کہ خدا کی نعمتوں سے اوپر سے نیچے تک بہرہ مند ہوں اور کھائیں۔ ان یہودیوں اور عیسائیوں میں کچھ لوگ ہیں جو عدل و انصاف کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ لیکن اُن میں کثرت بُرے اعمال والوں کی ہے۔

ان آیات کا ذکر کرنے سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ قانون اساسی جو مدینہ میں تدوین ہوا اور ہجرت کے پہلے سال مشتہر ہوا۔ احکام قرآنی سے الہامی طور ماخوذ تھا۔ لیکن جزو آیاتِ آسمانی نہیں تھا۔ کسی بھی سابقہ ادیان کے بانیوں میں سے کوئی بھی محمدؐ کی مثل دوسرے ادیان کی نسبت رواداری اور مدارات کا قائل نہیں گزرا۔ آپؐ کی یہ ایک اعلیٰ کوشش تھی کہ دوسرے مذاہب کے لوگ مدینہ میں مسلمانوں کے ساتھ پوری مذہبی آزادی سے رہ سکتے ہیں۔ مزید اطمینان انہیں دلایا گیا کہ کوئی اُن کے مزاحم نہ ہوگا۔ محمدؐ جانتے تھے کہ اُن کا مذہب آزادی اور مساوات پر استوار ہوا ہے۔ اس لیئے انہیں دوسرے مذاہب سے کوئی خوف و بیم نہیں تھا۔ ممکن ہے دین اسلام دوسروں پر اپنی ضیا پاشی کرے لیکن دوسرے دین۔ اسلام کو عقب نشین نہیں کر سکتے۔ ہم نے ذکر کیا ہے کہ اس قانون اساسی کی پچیس شقیں مسلمانوں سے متعلق ہیں اور ستائیس شقیں دوسرے مذاہب کے پیروکاروں کے بارے میں ہیں۔

شق اوّل و دوم۔ میں مدینہ کے قبائل کے نام شمار کرنے کے بعد محمدؐ پیغمبرِ اسلام نے فرمایا: مومنین ایسا کبھی نہ ہونے دیں کہ اُن میں سے کسی ایک پر عہد ناموں کے ایفا کی ذمہ داریوں کا بوجھ اتنا پڑے کہ اس کی کمر ہی ٹوٹ جائے۔

مومنین کا یہ فرض ہے کہ وہ صمیم قلب کے ساتھ ہر مومن کی بھاری ذمہ داریوں مثل فدیہ۔ دیت یا خونبہا کی ادائیگی میں مدد کریں۔

اسلام سے قبل جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں۔ عربستان میں ہر کس قبیلہ کا عضو تھا۔ اگر کوئی قتل کر دیتا تو خونبہا کی ادائیگی کی ذمہ داری قبیلہ پر ہوتی تھی۔

محمدؐ نے اسلام میں سب کو مساوی قرار دیا اور قبیلہ کے تعصب اور اس سے وابستگی سے پیدا شدہ سب امتیازات بھی مٹا دیئے۔

مگر قانون اساسی کے تحت ان امتیازات کی جگہ ایک اور امتیاز نے لے لی۔ یعنی انسان کا مومن ہونا اور امتِ مسلمہ سے وابستہ ہونا۔

اگر ایک شخص جو عضوِ امت یعنی مسلمان ہے اور گرفتار ہو جاتا ہے اور حریف اُس کی آزادی کے لیئے فدیہ مانگتے ہیں تو تمام مسلمین اُس کا فدیہ ادا کر کے اُسے آزاد کرائیں۔ اور ہرگاہ کہ کسی شخص کو قتل کرے (بشرطیکہ یہ قتل جنایت نہ ہو)۔ مسلمان باہم مل کر خونبہا ادا کریں۔

مادہ (۱۳) قانون اساسی اس طرح ہے:۔

ہرگاہ کوئی مومن اگر قہر و ظلم یا جنایت کرے یا کسی کا حق پامال کرے یا مومنین میں تولیدِ نفاق کرے۔ مادہ اوّل و دوم میں جو حق اُسے حاصل ہے اُس سے محروم ہو جائے گا۔ اس نوعیت کے مواقع پر تمام مسلمانوں کا ہاتھ اُسے سزا دینے کے لیئے اُٹھے گا۔ چاہے گنہگار اُن میں سے کسی کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔ مادہ (۱۵) قانون اساسی میں مرقوم ہے:۔

Marfat.com

ایک نقیر ترین مومن کا حق ایک غنی ترین مسلمان کے حق کے مساوی ہے۔

مادہ (۱۴) میں قاتل کی بابت لکھا ہے:۔

" جو کوئی عمداً قتل کا ارتکاب کرے پس قتل کیا جاوے اور کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ ایک قاتل کی حمایت کرے"

مادہ (۲۳) میں مذکور ہے:۔

" ہر نوع اختلافات پر خدا سے رجوع کرو اور بوسیلۂ نمائندۂ خدا یعنی پیغمبرؐ ان اختلافات کو حل کرو"

مادہ (۲۶) میں لکھا ہے:۔

" یہودیوں کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنے دینی اقدار کی حفاظت کریں اور مسلمان اپنے دین کی نگہداری کریں ان اشخاص کی بابت جو اُن کے مولا یا آقا ہیں یا اُن کی پناہ میں ہیں۔ اسی ترتیب سے عمل ہوگا"

مولا۔ آقا یا پناہ ہندگان کے متعلق گزشتہ ابواب میں توضیح کر دی گئی ہے۔

ایک اور مادہ میں لکھا ہوا ہے:

" جزیہ جو یہودیوں کے ذمہ ہوگا وہ خود ادا کریں گے اور جو جزیہ مسلمانوں کے ذمہ ہوگا۔ اس کی ادائیگی مسلمان کریں گے۔ جو کوئی اس نوشتہ کے برعکس عمل کرے گا۔ یہودی اور مسلمان مل کر اس سے جنگ کریں گے۔ مسلمان اور یہودی مکلف ہیں کہ ایک دوسرے سے نیک رفتار کریں اور باہم حد سے تجاوز نہ کریں"

مادہ (۴۳) میں مرقوم ہے:۔

" ساکنین مدینہ (مسلمان اور یہودی) افراد قبیلہ قریش اور اُن کے حلیفوں کی حمایت کا ارتکاب ہرگز نہیں کریں گے"

اس شق میں قبیلہ قریش سے وہ لوگ مقصود ہیں جو مکہ میں مسلمانوں کو رنج پہنچاتے ہیں۔ اور اسلام کو قبول نہیں کرتے۔

ایک اور مادہ قانون اساسی یہ ہے:۔

" کہ سرزمینِ شہر مدینہ (یثرب) حرم تصور ہوگی اور اس میں جدال نہ کیا جائے گا"

مدینہ کے عوام اس قانون اساسی سے خوش ہوئے۔ اس لیئے کہ اس قانون کی وجہ سے مدینہ کے رہنے والے سب افراد کی حیثیت مساوی ہوگئی تھی۔

عرب جو مدینہ میں زندگی بسر کرتے تھے۔ تمام مسلمان تھے۔ بجز عبداللہ بن ابی اور اس کا گروہ کہ قرآن نے انہیں منافق گردانا ہے۔

منافقون یا منافقین برخلاف اس کے کہ بعض تذکرہ نویسوں نے تصور کیا۔ بہ معنائی مخالف اسلام نہیں ہے منافقین مخالفِ اسلام نہیں تھے لیکن وہ اسلام کی طرفداری میں سنجیدہ بھی نہیں تھے اور خود کو وسط قرار دیا ہوا تھا۔

Marfat.com

خداوند نے سورۃ (نسا‌ء) کی آیت (۱۳۷) منافقین کی نسبت فرمایا:-

"اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ کَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ کَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا کُفْرًا لَّمْ یَکُنِ اللّٰہُ لِیَغْفِرَ لَھُمْ وَلَا لِیَھْدِیَھُمْ سَبِیْلًا"

یعنی "یہ (منافقین) وہ لوگ ہیں۔ جو ایمان لائے بعد میں کافر ہوئے۔ پھر ایمان لائے اور بازہم کافر ہوئے اور یہ حالت کفر پر ثابت رہے۔ ایسے لوگوں کی خداوند مغفرت نہیں کرے گا۔ انہیں رشد و ہدایت نہیں کرے گا۔"

اسی سورۃ (نسا‌ء) کی (۱۴۵) آیت میں دوبارہ منافقین کی بابت فرمایا:

"اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ فِی الدَّرْکِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ وَلَنْ تَجِدَ لَھُمْ نَصِیْرًا" یعنی "منافقین کو جہنم کے سب سے نچلے درجے میں رکھا جائے گا۔ اور اے محمدؐ تو کسی کو ان کا مددگار نہ پائیگا۔"

یہاں اس چیز کی توضیح ضروری ہے کہ خداوند نے منافقوں کے لیئے معمولی عذاب نہیں رکھا۔ یعنی ایک منافق نہ طرفدار اسلام اور نہ مخالف اسلام یعنی جو مسلمان ہو کر بھی بے طرف رہے۔ کے لیئے ایسا عذاب مقرر کیا گیا ہے جو ایک ایسے کافر کے عذاب سے بدرجہا شدید تر ہے جو اسلام کا صریح مخالف ہے۔

(دانتے) ایک اٹلی کے دانشور نے اپنی کتاب (DIVINE COMEDY) کو قرآن سے اخذ کیا ہے۔ قرآنی فیصلہ کے مثل وہ بھی ایسے بے طرف (منافق) انسانوں کو جہنم کے نچلے ترین طبقہ میں جگہ دیتا ہے۔

خداوند کا جو فرمان محمدؐ پر نازل ہوا اس پر توجہ کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ دین کے معاملہ میں بے طرفی۔ انصاف کے لحاظ سے خداوند کے نزدیک بدترین گناہوں میں سے ہے۔

محمدؐ کے مکہ سے مدینہ ہجرت کر جانے کے بعد قبائل قریش کا بغض اور کینہ اور زیادہ ہو گیا۔ اور قریش کے دو سرداروں (ابوسفیان۔ ابی بن خلف) نے مسلمانان مدینہ کو ایک الٹی میٹم دیا۔ جس کی عبارت درج ذیل ہے:-

"تم سے ہمارے روابط کا منقطع ہونا بہت زیادہ افسوسناک ہے۔ یہاں تک کہ اگر قبائل عرب کا کوئی بھی قبیلہ ہم سے قطع روابط کرتا تو ہمارے لیئے اس قدر اہم نہ تھا۔ لیکن جو قدم تم نے اٹھایا ہے۔ اس سے آپ کے اور ہمارے تعلقات خراب تر ہو گئے ہیں۔ تم نے اُس شخص کو پناہ دی ہے جو مکہ کے بزرگوں میں سے ایک تھا۔ تمہارا اُسے پناہ دینے کے سبب ہم مداخلت پر مجبور ہوئے ہیں اور تمہیں متنبہ کرتے ہیں کہ ہمارے اور اُس کے درمیان مت آؤ۔ اگر وہ شخص نیکوکار ہے تو اس صورت میں ہم اُسے بہتر پہچانتے ہیں کہ کیسے اُس کی شخصیت سے فائدہ اُٹھایا جائے اور اگر بدکار ہے تو اس طرح اُسے اُس کے عملوں کی سزا دیں۔"

انصار کو جب یہ الٹی میٹم ملا تو انہوں نے ایک شاعر (کعب بن مالک) سے قریش کی ہجو لکھنے کے لیئے کہا۔ ہم نے کہا ہے کہ کلام خواہ منثور ہو یا منظوم۔ عربستان میں قدر اور تاثیر رکھتا تھا۔ حتیٰ کہ مسلمانوں کا عقیدہ تھا۔ ہجو ایک پیکان (تیر) کا کام کرتی تھی۔

(کعب بن مالک) نے قریش کی شان میں ہجو لکھی اور انہیں بھجوا دی۔ لیکن قریش پھر بھی باز نہ آئے اور دوسری

Marfat.com

بار پھر ایک نامہ مدینہ والوں کو بھجوایا۔ لیکن اس دفعہ اُن کا مخاطب عبداللہ بن اُبّی (منافقوں کا سردار) تھا۔ اس خط میں قریش نے عبداللہ بن اُبّی کو خطاب کرکے کہا کہ تم نے ہم میں سے ایک فرد کو جو مکّہ سے بھاگ کر مدینہ گیا ہے اور وہاں سکونت اختیار کرلی ہوئی ہے پناہ دی ہوئی ہے۔ اگر تم اُسے ہماری تحویل میں نہ دو گے تو ہم مدینہ پر ہجوم کی صُورت میں چڑھ آئیں گے اور تمہیں قتل کردیں گے اور تمہاری عورتوں کو اپنے تصرّف میں لے لیں گے۔

عبداللہ ابن اُبّی اور اُس کے ساتھیوں نے اس خط کے جواب میں کوئی قدم نہ اٹھایا اور اگر وُہ کوئی قدم اٹھاتے تو منافق نہ رہ پاتے۔

یوں کا قول ہے کہ منافق وہ لوگ ہوتے ہیں جن کا کردار آغاز سے آخرِ عمر تک نہ مثبت ہو اور نہ منفی۔ اور فقط بحث کرتے ہیں کہ کیا قدم اٹھایا جائے تاکہ ظاہراً وُہ سوسائٹی میں اچھے دکھائی دیں۔

لیکن بوقت ضرورت شماری خاموش ہو جاتے ہیں۔

جب قریش نے دیکھا کہ دونوں خطوط لاحاصل ثابت ہوئے ہیں تو ایک خط یہودیوں کے نام لکھا اور اُن سے مدد چاہی۔

یہودیوں نے صریحاً تو جواب نہ دیا کہ وہ محمدؐ سے برسرِپیکار ہوں گے اور اُن کو دستگیر کرکے قریش کے حوالے کریں گے۔ لیکن یہ وعدہ کرلیا کہ ضرورت پڑنے پر ممکن ہے وُہ قریش کی مدد کریں۔

قریش نے جب دیکھا کہ تینوں خطوط کا نتیجہ حسبِ منشاء نہیں تو انہوں نے ارادہ کیا کہ محمدؐ کے خلاف اقتصادی جنگ کا آغاز کیا جائے۔

قریش سب تاجر تھے اور ایک تاجر کا مؤثر ترین ہتھیار اقتصادی جنگ ہی ہو سکتا ہے۔ جس میں اقتصادی محاصرہ لازمی ہوتا ہے۔

قریش دس قبیلوں پر مشتمل تھا اور تمام شمالی جزیرۃ العرب کے تجارتی راستوں پر اُن کا کنٹرول تھا۔ اس لیئے وُہ مدینہ کا اقتصادی محاصرہ کرنے کی پوزیشن میں تھے کہ کسی قسم کی اشیاء مدینہ نہ پہنچ سکیں۔

اگر ایسا واقعہ مکّہ والوں کو پیش آیا ہوتا تو وُہ سب بھوکوں مرجاتے اس لیئے کہ مکّہ میں زراعت نہیں تھی مگر مدینہ کا علاقہ سرسبز تھا وہاں سے غوار بار مکّہ میں آتا لیکن پھر بھی مدینہ کے لوگوں کو دشواری پیش آرہی تھی۔ کھانے پینے کی چیزوں کے نرخ بہت بلند ہو گئے تھے۔

پیغمبرِ اسلامؐ مسجدِ مدینہ سے ملحق حجرہ میں رہتے تھے۔ اس اقتصادی محاصرہ سے بہت متاثر اور فکرمند تھے اس لیئے کہ وہ محسوس کرتے تھے کہ قریش صرف میری ذات سے دشمنی کی وجہ سے پورے شہرِ مدینہ کے لوگوں کو بھوکوں مار رہے ہیں۔

پیغمبرِ اسلامؐ مدینہ میں بڑی سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ آپؐ کا گھر کھجور کی شاخوں اور پتوں سے بنا ہوا تھا۔ اس خیال سے کہ گزرنے والوں کی اندرونِ خانہ نگاہ نہ پڑے کھجور کے تنوں پر کھال لٹکادی گئی تھی۔ پیغمبرِ اسلامؐ نے

Marfat.com

گھر میں بھیڑ کی ایک کھال بچھائی ہوئی تھی جس پر وُہ سوتے بھی تھے اور اُسی سے دسترخوان کا کام لیتے۔ اُن کی خوراک جو کی روٹی تھی یا کھجوریں لیکن کبھی بھی دونوں کو اکٹھا نہ کھایا کرتے تھے۔

حضرت عائشہؓ زوجہ پیغمبرِ اسلامؐ فرماتی ہیں۔ جب مدینہ اقتصادی محاصرہ میں تھا کھانے پینے کی اشیاء کی قیمتیں بہت چڑھ گئی تھیں ہم گھر میں پکانے کے لیئے آگ نہیں جلاتے تھے اس لیئے کہ پکانے کے لیئے کچھ تھا ہی نہیں۔ اور کبھی دو روز متواتر روٹی نہیں کھائی تھی۔

پیغمبرِ اسلامؐ کے گھر میں بیوی تھیں مگر پھر بھی آپؐ گھر کے کام کاج میں عار نہ فرماتے۔ گھر میں جھاڑو دے لیتے۔ جب کبھی گھر میں کچھ پکانے کے لیئے ہوتا تو چولہے میں آگ جلاتے۔ اس گھر کی مطبوخ غذا ایک قسم کی حلیم (آش) ہوتی تھی اور چونکہ اہلِ خانہ کو کبھی گوشت کھانے کی بھی خواہش ہوتی تھی لہٰذا کبھی کبھی اس گھر میں گوشت بھی پکتا تھا۔

پیغمبرِ اسلامؐ اپنا لباس خود ہی سی لیتے۔ جوتا خود بنا لیتے یا مرمت کر لیتے اور چونکہ طبیعت میں بہت نظافت تھی لہٰذا لباس کو خود ہی دھو لیتے۔ مسواک ہر روز کا معمول تھا۔ آپؐ کا قول ہے کہ "نظافت آدھا ایمان ہے۔"

پیغمبرِ اسلامؐ کی زندگی میں اگر کسی قسم کی شان و شوکت کو دخل تھا تو وُہ صرف تولیہ تھا کہ غسل یا وضو فرمانے کے بعد اس سے ہاتھ صاف فرماتے۔ اس کے علاوہ کوئی ایسی چیز نہ تھی جو تجمّل کی تعریف میں آتی ہو۔

آپؐ اور آپؐ کی ازواجِ مطہرات کھجور کی بنی ہُوئی چٹائی پر ہی بیٹھا کرتی تھیں اور دسترخوان بھی کھجور کے پتوں کا ہی بنا ہُوا ہوتا تھا۔

جب اقتصادی محاصرہ شدّت اختیار کر گیا اور لوگوں کو کھانے پینے کی اشیاء کی دستیابی مشکل ہو گئی تو پیغمبرِ اسلامؐ بھی مجبور ہوئے کہ ایک سیاسی زمامدار کے وظائف بھی اپنے سر لیں۔ اور کوئی اقدام کریں۔

جس دن سے زمامداری وجود میں آئی ہے۔ ایک زمامدار کی روش ایک حریف کے مقابلے میں دو طرح کی رہی ہے۔ ایک سیاست دُوسرے جنگ۔

تاریخ کے آغاز سے آج تک رئیس حکومت کے پاس اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہوتا کہ دشمن کا مقابلہ کرتے وقت ان دو وسیلوں میں سے کسی ایک سے کام لے۔

بالکل اسی طرح جیسے آغازِ تمدّن سے آج تک ہر وُہ شخص جو لباس بنانا چاہتا ہو مجبور رہتا ہے کہ سُوئی، دھاگہ اور قینچی کا وسیلہ اختیار کرے۔ کوئی دُوسرا طریقہ لباس دوزی کے لیئے ہے ہی نہیں۔

محمدؐ نے سوچا کہ قریش سے سیاسی مقابلہ بہت مشکل ہے لہٰذا دُوسرا طریقہ یعنی جنگ کو ترجیح دی۔ اور ارادہ کر لیا کہ اب تلوار نیام سے نکالنی ہوگی۔

ایک عرب شاعر نے تلوار کی یُوں تعریف کی ہے:۔

"لوہار نے تمہیں مُرغ کے پَر کی طرح سُبک۔ بید کی طرح لچک دار اور مانندِ سنگ خارا بنایا ہے اور ایک دلیر جنگجو کی رُوح بھی تم میں رکھدی ہے" اور تیری آواز ایسی ہے جیسے کوئی چشمہ بہہ رہا ہو

Marfat.com

یا کوئی سانپ پھنکار رہا ہو۔

ایک عرب شاعر تلوار کی صفت میں یُوں گویا ہُوا:۔

"اے مری شمشیر تمہاری دھار کو جب میں چھوتا ہُوں تو احساس ہوتا ہے کہ ایک جوان لڑکی کے نرم بازؤں کو چھُو رہا ہُوں اور تمہارا قبضہ میری انگلیوں میں ایک پکے ہوئے پھل کی طرح ہے"۔

اُس دن کے بعد آپؐ نے تہیّہ کر لیا کہ جہاں لازم ہوا خدا کی راہ میں تلوار کا استعمال کرنا ہو گا۔

قریش کی تجارتی شاہراہ

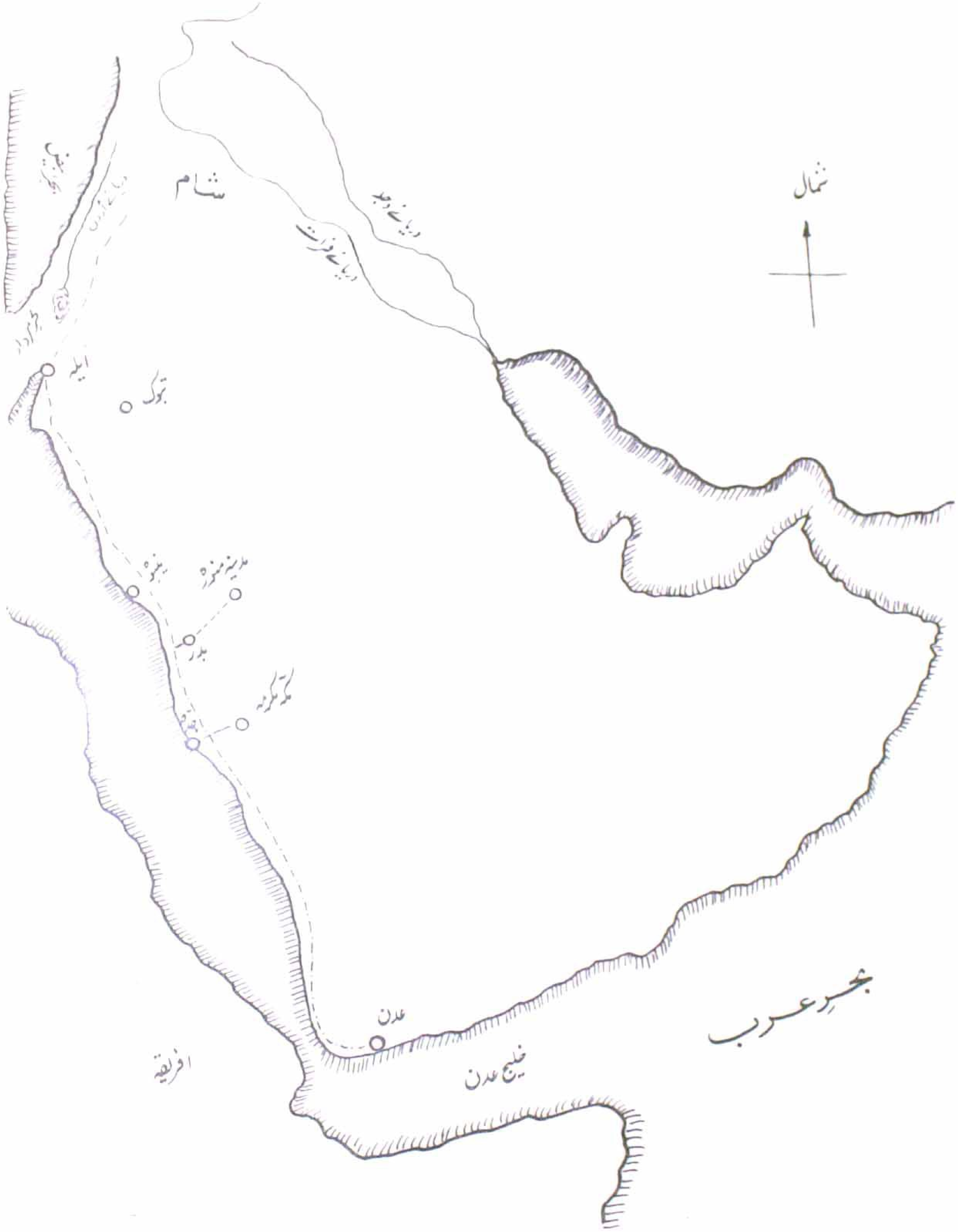

Marfat.com

Marfat.com

اقتصادی و تجارتی محاصرہ اور مکہ کے تجارتی قافلوں کیخلاف کارروائیاں

پیغمبرِ اسلام نے قریش کو پیغام بھجوایا "چونکہ تم نے مدینہ کا اقتصادی محاصرہ کیا ہوا ہے۔ اسلئے اس کے بعد تمہارے کاروانوں کو اجازت نہیں کہ وہ مسلمانوں کے علاقہ سے گزریں اور اگر تم نے ایسی کوشش کی تو ہم مزاحمت کریں گے"۔

اس نوٹس کے بعد محمدؐ نے چالیس ۴۰ مسلمان رضاکاروں کا انتخاب کیا۔ اُن کی کمان حمزہؓ کو سونپی جو کہ اپنے وقت کا رستم تھا۔

محمدؐ نے انہیں بیس ۲۰ اُونٹ دیئے اور ماموریت سونپی کہ وہ حمزہؓ کی کمان میں مدینہ اور بحیرہ احمر کے درمیانی علاقہ میں مکہ کے کاروانوں کی مزاحمت کریں۔

ان چالیس ۴۰ افراد میں سے کوئی بھی تنخواہ کا طالب نہیں تھا اور یہ سب مہاجر تھے۔ ان کے پاس گھوڑے نہیں تھے۔ حالانکہ محمدؐ جانتے تھے گھوڑا جنگی امور میں شتر سے بہتر ہے۔

مسلمان مالدار نہیں تھے کہ گھوڑے خرید کر رضاکاروں کو فراہم کرتے۔ جزیرۃ العرب میں ایک خطہ بنام حجاز ہے۔ حجاز کا علاقہ بحیرہ احمر کی پٹی پر شمالاً جنوباً ایک ہزار کلومیٹر طویل ہے اور یہ علاقہ زیادہ تر پہاڑی ہے۔

سرزمینِ حجاز میں دُنیا کے بہترین گھوڑے پائے جاتے ہیں۔ یہاں کا عربی گھوڑا دوڑ میں اپنا ثانی نہیں رکھتا۔

حجاز میں بھی گھوڑا ایک حیوانِ تجملی سمجھا جاتا ہے اور سب لوگ اس کی خرید کے متحمل نہیں ہو سکتے دُوسرے یہ کہ گھوڑا صحرا میں زندگی نہیں گزار سکتا۔ گرسنگی اور تشنگی اسکی برداشت سے باہر ہے۔

جب کبھی اعراب کی خواہش ہوتی کہ گھوڑوں کو صحرا میں جنگ کے لیئے لے جائیں تو وہ مجبور ہوتے تھے۔ کہ اضافی اُونٹوں پر اُن کے لیئے پانی و خوراک حمل کریں تاکہ گھوڑے صحرا میں بھوکے پیاسے نہ رہیں۔ اسی بنا پر گھوڑے کا استعمال نہ فقط مالی لحاظ سے مشکل تھا بلکہ اس کے لیئے پانی و خوراک کی حمل و نقل بوسیلۂ شتر نیز ایک دردِ سر تھی

اُونٹ صحرا میں خشک کانٹے دار جھاڑیاں بھی کھا کر اپنے معدہ کو تسکین دے لیتا ہے اور اگر چند روز

Marfat.com

میں ایک مرتبہ ہی پانی پی لے اور اگر کسی ایسی جگہ ہو جہاں سبزہ میسّر آجائے تو اُسے چند دن بعد بھی پانی پینے کی احتیاج نہیں رہتی۔

جس کسی کاروان کے ساتھ گھوڑے ہوتے پانی کی کمی واقع ہوجانے کی صورت میں کاروان والے مجبور ہو جاتے کہ اپنے حصّہ کا پانی بھی گھوڑوں کے لیئے مخصوص کردیں۔ کیونکہ انہیں علم تھا کہ گھوڑا تشنگی پر قادر نہیں۔

لیکن جب میدانِ کارزار میں پہنچتا تو گھوڑا ایک بے نظیر سواری ثابت ہوتا۔ سواری والے جانوروں میں سے کوئی بھی اسپ کی سی سُرعت اور فرمانبرداری نہیں رکھتا۔

عربوں کی روایات میں مذکور ہے:۔

کہ خدانے جب آدمؑ کو پیدا کیا تو اُسے تمام جانور دکھائے کہ جسے چاہو انتخاب کرلو۔ آدمؑ نے اُن سب میں سے گھوڑے کو پسند فرمایا۔ خداوند آدمؑ کے انتخاب پر راضی ہوا۔ اس لیئے کہ خداوند بھی گھوڑے کو دوسرے جانوروں پر ترجیح دیتا تھا۔ عرب شُعَراء گھوڑے کی تعریف یوں کرتے ہیں

"کوئی ایسی عورت ڈھونڈ سکتے ہو جس کے گیسو میرے گھوڑے کے بالوں سے نرم تر ہوں۔ کیا تم نے کوئی ایسی عورت دیکھی ہے جس کے پستان میرے گھوڑے کی زین کے آرائشی لٹوؤں سے زیبا تر ہوں۔ کون سی عورت تم نے دیکھی ہوگی جس کی آنکھیں میرے گھوڑے کی آنکھوں سے درخشندہ تر ہوں"۔

"کوئی ایسی عورت وجود نہیں رکھتی جو (میدانِ جنگ میں) میرے گھوڑے کی سی بے تابی دکھائے اور تمام وجود اس کا ہیجان زدہ ہو"۔

حمزہؓ اور دُوسرے چالیس رضاکار گھوڑے نہ ہونے کی وجہ سے غمگین تھے۔ وہ سوچتے تھے کہ اگر گھوڑے سواری میں ہوتے تو وہ اپنا وظیفہ بہتر طور پر انجام دے سکتے تھے۔

جیسا کہ ایک حدیث میں کہا گیا ہے:۔

"ہر مسلمان اپنی امکانی حدتک اسپ نر اور مادہ پرورش کرے اور ہرگز گھوڑوں کو مخنّث نہ کریں" اسپِ نر اور مادہ کی پرورش سے منظور یہ ہے کہ اس مفید و نجیب جانور کی نسل بڑھے۔

حمزہؓ اور ان کے دستہ کی نگہبانی میں جو علاقہ دیا گیا وُہ بحرِاحمر اور مدینہ کے درمیان کا علاقہ تھا جس کا عرض ۱۳۰ کیلومیٹر تھا۔ مکّہ کے کاروان مجبور تھے کہ اس علاقہ سے گزریں۔

نگہبانی شروع ہونے کے چند روز بعد ہی مکّہ کا ایک کاروان دکھائی دیا اور جلد ہی معلوم ہوگیا کہ اس کاروان کا سالار (ابوجہل) رسول اللہؐ کا سب سے بڑا دشمن ہے۔

ابوجہل وہی تھا جو محمدؐ کو قتل کرنا چاہتا تھا۔ پیغمبرؐ کے سَر کی قیمت مقرر کی تھی اور جس نے محمدؐ کے سَر کو اوجھڑی میں باندھا تھا کہ وُہ دم گھٹ کر مرجائیں۔

مسلمانوں کو جب معلوم ہُوا کہ (ابوجہل) رئیس کاروان ہے تو وُہ حملہ کے لیئے تیار ہوگئے۔ اس موقع پر

Marfat.com

اُس علاقہ کے قبیلہ کا رئیس (جہاں سے کارواں گزر رہا تھا) کہ نام اُس کا (محمد بن عمرو) تھا۔ سامنے آگیا۔ اور حمزہؓ سے کہا کہ کاروان کو لُوٹنے سے باز رہیں۔ اس لیئے کہ ہمارا قبیلہ قریش سے متعہد ہے کہ قریش کے کاروان بغیر کسی دستبرد کے ہمارے علاقہ سے گزریں گے۔ پس نہ ہم خود قریش کے کاروان کو لوٹیں گے اور نہ ہی کسی کو ایسا کرنے کی اجازت دیں گے کہ وہ ہمارے علاقہ میں ان قافلوں کو لُوٹے۔ اس معاہدہ اور حمایت کے عوض ہم قریش کے کاروانوں سے سال میں دو مرتبہ باج وصول کرتے ہیں

(محمد بن عمرو) نے کہا ایسا ہی ہمارا معاہدہ تاجران مدینہ سے بھی ہے۔ مدینہ کے کاروان بھی بغیر کسی خطرہ کے ہمارے علاقہ سے گزر سکتے ہیں اور ہم کسی کو اجازت نہیں دیں گے کہ کوئی مزاحم ہو۔ اس کے عوض کہ ہم مدینہ والوں سے باج لیتے ہیں۔ ہم متعہد ہیں کہ مدینہ کے قافلوں کی حمایت کریں۔ ہر عہد و میثاق مقدس ہے اُس کا احترام ہونا چاہیئے۔

حمزہؓ خود عرب تھے اس لیئے جانتے تھے کہ قول و عہد کی بے حرمتی نہیں کی جا سکتی۔ اور اگر ہم نے کاروان پر حملہ کیا تو ایک تو اس قبیلہ سے جنگ کرنی ہوگی دُوسرا آئندہ اس علاقہ سے مدینہ کے قافلوں کا گزر محال ہو جائیگا

(ابوجہل) نے مکہ پہنچ کر یہ واقعہ بیان کیا۔ قریش نے اس واقعہ کو کوئی اہمیت نہ دی اور یہ فیصلہ کیا کہ آئندہ قافلوں کو حفاظتی دستوں کی مدد سے مدینہ کے علاقہ سے گزاریں گے۔

اگر کوئی متبادل راستہ ہوتا تو مکہ والے اُس راہ سے نہ گزرتے۔ لیکن متبادل راستہ نہ ہونے کی وجہ سے مجبوراً انہیں اس باریک پٹی سے گزرنا پڑتا تھا یعنی مدینہ اور سمندر کے درمیان کا علاقہ۔

دُوسری دفعہ مسلمانوں نے مکہ کے کاروان کو روکا تو ان کے دستہ کی تعداد ساٹھ ۶۰ تھی اور تمام شُتر سوار تھے۔ اِس دفعہ (عبید بن حارث بن عبدالمطلب) کہ یہ بھی پیغمبرِ اسلام کے ایک چچا تھے۔ اس چھوٹی سی مسلمان فوج کے سربراہ تھے۔ یہ ساٹھ افراد بھی اُن چالیس ۴۰ افراد کی طرح تمام مہاجرین میں سے تھے اور تمام رضاکار۔ انہیں مدینہ اور سمندر کے درمیانی علاقہ میں نگہبانی کرتے ہوئے دو ہفتے گزرے تھے کہ مکہ کا ایک کاروان اس علاقے میں آداخل ہوا۔ معلوم ہوا کہ عکرمہ پسر ابوجہل اس قافلہ کا سالار ہے۔ کاروان کے ساتھ (۱۴۰) ایک سو چالیس مرد تھے اس چھوٹی سی فوج سے دوگنا۔ لیکن افراد قافلہ مسلمانوں کو دیکھتے ہی فرار ہوگئے۔ صرف دُو افراد اُن میں سے پیچھے رہ گئے اور فرار نہ ہوئے بلکہ وہ مسلمانوں سے مل گئے اس لیئے کہ وہ مسلمان تھے۔

ایک اُن میں سے (مقداد بن عمرو) اور دوسرا (عتبہ) فرزند (غزوان) تھا۔ یہ دونوں افراد ہجرت حبشہ کے وقت حسب دستور محمدؐ حبشہ چلے گئے تھے۔ تھوڑی مدت حبشہ میں رہ کر مکہ واپس آگئے۔ مکہ پہنچ کر انہیں معلوم ہوا کہ محمدؐ مدینہ ہجرت کر چکے ہیں تو دونوں نے چند بار کوشش کی کہ مدینہ ہجرت کر جائیں مگر کامیاب نہ ہو سکے تا اینکہ انہیں خبر ہوئی کہ ایک کاروان مکہ سے (عکرمہ) کی ریاست میں سفر پر جا رہا ہے اور یہ کاروان جوارِ مدینہ سے گزرے گا۔ اس لیئے کہ وُہ مدینہ پہنچ سکیں۔ اس کاروان کے ہمراہ ہو لیئے۔ اور جب کاروان کے لوگ فرار ہوئے یہ مسلمانوں سے آملے۔

ان دُو مسلمانوں کی مدینہ میں آمد۔ مدینہ والوں کیلئے خوشی کا باعث ہوئی۔ ان دُو مسلمانوں کی آمد کے بعد رضاکاروں کا تیسرا دستہ جو کہ بیس ۲۰ رضاکاروں پر مشتمل تھا (سعد بن ابی وقاص) کی سرکردگی میں روانہ ہوا۔

Marfat.com

ہر دستہ میں نئے رضا کار لینے کی وجہ یہ تھی کہ ہر مسلمان اسلام کی خدمت کرنا چاہتا تھا اور اس لیئے کہ کوئی بھی اس خدمت سے محروم نہ رہے محمدؐ ہر بار نئے رضا کاروں کا دستہ بھجواتے پر رضا مند ہو گئے تھے۔ (سعد بن ابی وقاص) محمدؐ کے ماموں کے فرزند تھے۔ جیسا کہ ذکر ہو چکا ہے یہ پہلے مسلمان تھے جنھوں نے اسلام کی راہ میں ایک کافر کا خون بہایا تھا۔

(سعد بن ابی وقاص) نے علاقہ (فراز) میں ایک مکی قافلہ کو جا لیا۔ چاہتے تھے کہ حملہ کریں کہ ایک بار پھر مقامی قبیلہ کا رئیس مانع آیا۔ اور کہا کہ میرا علاقہ دارالامان ہے۔ ہم اپنے علاقہ میں مکہ و مدینہ کے قافلوں پر حملہ نہیں کرتے اور نہ کسی دوسرے کو اجازت دیتے ہیں کہ ان دو شہروں کے قافلوں پر حملہ کرے۔ اس لیئے کہ ہم باج وصول کرتے ہیں۔

یہ مقامی قبیلے نہ صرف قافلوں سے باج وصول کرتے بلکہ اشیاء کی خرید و فروخت سے بھی خاصا فائدہ اٹھاتے تھے اور اگر ان قافلوں میں سے کوئی بھی قافلہ موردِ حملہ قرار پاتا تو ایک تو یہ قبیلے باج سے محروم ہو جاتے دوسرے اشیاء کی خرید و فروخت نہ کر سکتے تھے۔

ایک مرتبہ پھر مسلمان رضا کار بغیر حملہ کیئے مدینہ واپس چلے گئے۔ (سعد بن ابی وقاص) نے محمدؐ سے عرض کی کہ اس موضوع پر کوئی تدبیر کرنا ہوگی۔

محمدؐ نے (سعد بن ابی وقاص) اور دوسرے مسلمانوں سے فرمایا۔ صحرا کے بدو چونکہ مکہ والوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں اسلیئے وہ ہمارے اقدامات کی حمایت نہیں کریں گے کہ ہم مکہ کے کاروانوں کو روک سکیں۔ وہ مکہ والوں سے باج اور اشیاء کی فروخت سے جو دوہرا فائدہ حاصل کرتے ہیں ان دونوں فوائد کے مقابلہ میں ہیں جو ان اعراب بادیہ کو دینا چاہتا ہوں۔ اس کی ان کے سامنے کوئی اہمیت نہیں ہوگی۔

مسلمانوں نے محمدؐ سے عرض کی انہیں آپؐ کیا دیں گے؟

پیغمبرِ اسلام نے فرمایا۔ مبلغ ناچیز جو یہ صحرا نشین مکہ والوں سے وصول کرتے ہیں کے مقابلہ میں انہیں بہشت دوں گا۔

محمدؐ اسی فکر میں تھے اور انہوں نے موقع محل دیکھ کر اپنے ارادہ کا اجراء کیا اور بدوی عربوں سے مذاکرات شروع کر دیئے۔ اُن سے کہا۔ تم یہ مبلغ ناچیز جو مکہ والوں سے وصول کرتے ہو اسے چھوڑ دو عوض میں میں تمہیں بہشت دوں گا۔

ہم یورپ والے اپنے نظریہ و منطق سے قضاوت کریں تو کہیں گے کہ بدوی عربوں نے محمدؐ کی پیشکش رد کر دی ہوگی کیونکہ ہم خود کو عقلمند سمجھتے ہیں نقد موجود کو بہشت موعود کے لیئے کبھی نہیں چھوڑیں گے۔

لیکن بدوی عربوں نے محمدؐ کی پیشنہاد قبول کی اور آمادہ ہو گئے کہ سکنہ مکہ سے جو منفعت حاصل ہوتی ہے اُس سے صرف نظر کریں۔ اور اس کے عوض بعد از مرگ جنت میں جائیں۔

صحرا نشین عربوں کی قبولیت کی دو وجوہات تھیں۔ ایک تو قرآن کی بہشت کے متعلق آیتیں از جملہ آیات کہ جو سورہ (الدھر) میں ہیں۔

اس سورۃ کی (۱۲) آیت میں خداوند نے فرمایا ہے:-

Marfat.com

"وجزاھم بما صبروا جنۃ وحریرا" یعنی" اس لیئے کہ بھوک اور پیاس پر صبر کیا۔ خداوند اس عمل کی پاداش میں انہیں جنت میں داخل کرے گا اور انہیں حریر (ابریشم) پہنائے گا۔"

اور آیت (۱۳) میں فرمایا:

"متکئین فیھا علی الارائک لا یرون فیھا شمساً ولا زمھریرا"

یعنی جو لوگ بہشت میں جائیں گے وہاں وہ مسہریوں پر تکیہ لگائے ہوں گے اور نہ انہیں گرمی کا احساس ہوگا اور نہ سردی کا۔"

اور آیت (۱۴) میں فرمایا:۔

"ودانیۃ علیھم ظلالھا وذللت قطوفھا تذلیلا"

یعنی" وہاں بہشت میں درختوں کے سائے اُن پر جھکے ہوں گے اور پھلوں کا حصول اُن کے اختیار میں ہوگا۔"

اِن آیات کی فصاحت کو ہم یورپین ادراک نہیں کرسکتے فقط ایک عرب سمجھ سکتا ہے کہ ان چند کلموں میں کس قدر فصاحت سے کام لیا گیا ہے۔ جب خوش الحانی سے اسے پڑھا جائے تو عرب صحرانشین جو فطرتاً سخن شناس ہے اور فصاحت کا ادراک رکھتا ہے کلام کی زیبائی اور برجستگی سے متاثر ہوتا تھا۔ اللہ کا کلام ان کی روح میں اس طرح جگہ پکڑتا کہ اُسے فراموش کرنا اُن کے لیئے محال ہوتا۔

آیت (۱۹) میں فرمایا ہے:۔

"ویطوف علیھم ولدان مخلدون اذا رأیتھم حسبتھم لؤلؤاً منثورا" یعنی بہشت میں لوگوں کی خدمت کے لیئے غلمان موجود ہونگے کہ ہمیشہ جوان رہیں گے اور تو (اے محمدؐ) اگر اُن پر نگاہ کرے تو تصور کرے گا کہ یہ جوان مانند مروارید ہیں تازہ صدف سے نکلے دمکتے ہوئے۔"

اگر وہ تمام آیتیں جو اس سورۃ میں بہشت کی نعمتوں سے متعلق ہیں اور اسی طرح قرآن میں دوسری جگہوں اس موضوع سے متعلقہ آیات کا ذکر کیا جائے تو یہ بہت طول پکڑ جائے گا۔

خداوند ان آیات میں تمام مسلمانوں کو یہ کہتا ہے کہ تم بہشت میں حریر کے ملبوسات پہنو گے اور شراب مانند کافور کہ خاصیت اُس کی سرد ہے عطر زنجبیل (سونٹھ) سے معطر کی ہوئی تمہیں پلائی جائے گی اور زن ہائے زیبا کہ ہمیشہ دوشیزہ رہیں گی تمہارے ساتھ بسر کریں گے۔

زنِ زیبا بدوی عربوں کی زندگی میں خاص اہمیت رکھتی ہے۔ لذت شکم سیری و رفع پیاس کے بعد بزرگترین لذت وسعادت بدوی عرب کے لیئے یہ تھی کہ ایک زنِ زیبا اُس کی ہمسر ہو۔

بعض عربوں کے لیئے عورت گرانبہا تر از آب وشتر تھی وہ چونکہ بیابانوں میں رہتے تھے۔ شہروں میں نہیں آیا کرتے تھے لہٰذا ازدواج نہیں کرسکتے تھے اور کچھ تو شہر آنے پر بھی اپنی بے بضاعتی کی وجہ سے ازدواج نہیں کرسکتے تھے عربستان میں بعض بدوی مرد بجز ماں کے کسی دوسری عورت کو نہیں دیکھ سکتے تھے۔ وہ تصور بھی نہیں کرسکتے

Marfat.com

تھے کہ دوسری عورت کس طرح کی ہوگی اور کئی ایسے اتفاق ہوئے کہ کچھ صحرا نشین اپنی بے بضاعتی کی وجہ سے ازدواج ہی نہ کر سکے۔ (یہ بھی ممکن نہ تھا کہ بدون ازدواج کسی عورت تک دسترس حاصل ہو جائے)۔ حتیٰ کہ بُڈھے ہوئے اور مجرّد ہی مر گئے۔

پس اس میں کوئی حیرت نہیں ہونی چاہیئے کہ ہر وقت کیوں بہشت کی نعمتوں کا ذکر ہوتا ہے اور خداوند زیبا عورتوں (مردوں کے لیئے) اور پسرانِ زیبا (عورتوں کے لیئے) کی بات کرتا ہے۔

بہرحال قرآن کی معجزانہ تاثیر ایک مرتبہ پھر ظاہر ہوئی۔ اور بدوی عرب بہشت کی اُمید پر سکنۂ مکّہ سے باج نہ لینے پر آمادہ ہو گئے۔ اور مسلمانوں کے اتحادی ہو گئے۔ چونکہ یہ موضوع از لحاظ تاثیر قرآن اور محمدؐ کی شخصیت کے بہت اہمیت کا حامل ہے۔ ہم اگلے صفحات میں اس پر مزید گفتگو کریں گے۔

محمدؐ بدوی قبائل کو مسلمانوں سے متحد کرنے کے لیئے ساتھ مسلمان رضاکاروں کے دستہ کو ساتھ لے کر مدینہ سے نکل پڑے۔

اس مرتبہ اس چھوٹی سی فوج کے کمانڈر خود محمدؐ تھے اور اس دفعہ بھی مسلمانوں کے پاس گھوڑے نہیں تھے۔ بلکہ اونٹوں پر ہی سوار تھے۔

محمدؐ مدینہ سے نکل کر قبیلہ (غفار) کے علاقہ کی طرف بڑھے۔

قبیلہ (غفار) پہلا قبیلہ تھا جس نے اسلام قبول کیا۔

اس روز سے دس سال قبل (ابوذر غفاری) کہ ایک راہزن تھا اپنے عمل پر پشیمان ہو کر ایمان لایا تھا اور راہزنی چھوڑ دی تھی۔ محمدؐ نے اُسے قبیلہ میں واپس بھجوا دیا تھا کہ وہ اپنے قبیلہ کو اسلام کی دعوت دے۔ اس دس سال کی مدت میں تمام قبیلہ (غفار) مسلمان ہو چکا تھا اور راہزنی ترک کر دی تھی۔

قبیلہ غفار کا مسکن مدینہ اور (یمبوعہ) کا درمیانی علاقہ تھا۔ محمدؐ نے قبل اس کے کہ (غفاریوں) کے علاقہ تک پہنچیں راستہ میں "ابوہ" نامی ایک مقام پر توقف فرمایا۔ اس لیئے کہ والدہ محترمہ (بی بی آمنہ) کی قبر وہاں پر تھی۔ محمدؐ پیغمبرِ اسلام جب والدہ کی قبر کے نزدیک پہنچے تو اُونٹ سے اُتر آئے۔

مسلمان جنہیں علم تھا کہ آپؐ کی والدہ یہاں مدفون ہیں کچھ دور ہی ٹھہر گئے۔ فقط عمرؓ بن الخطاب کہ وُہ بھی رضاکاروں کے دستہ میں شامل تھے آپؐ کے ساتھ قبر تک گئے۔ محمدؐ قبر کے مقابل دو زانو ہوتے قبر پر سر رکھا اور رو پڑے۔ اُس تاریخ تک والدہ محترمہ کو فوت ہوئے پچاس سال ہو چکے تھے۔ مگر محمدؐ مانند یک طفل کہ اُس کی والدہ ابھی ابھی دفن کی گئی ہو رو رہے تھے۔

آپؐ کی والدہ محترمہ نے جو رنج اُن کی پرورش کے سلسلہ میں اُٹھائے تھے۔ محمدؐ ان کو یاد کرنے لگے۔

جب محمدؐ متولّد ہوئے تو والد وفات پا چکے تھے اور والدہ محترمہ (بی بی آمنہ) کا نہ اب شوہر تھا اور نہ ہی کوئی روٹی کما کر دینے والا۔ انہوں نے محمدؐ کی یتیمی ہی میں پرورش کی تاآنکہ آپ وفات پا گئیں۔ محمدؐ قبر پر بیٹھے اپنے بچپن کی سختیوں کی یاد میں کھو گئے جو انہوں نے بچپن میں جھیلی تھیں۔ انہیں یاد آیا کہ جب تک والدہ زندہ تھیں ہر قسم کی سختی کا جھیلنا آسان تھا۔

Marfat.com

نیز جب آپؐ بچے تھے تو اُن کی والدہ گھر واپس آنے پر ہاتھ پاؤں دھوتیں اور انہیں جو بھی کھانا میسّر ہوتا تھا کر کھلاتیں اور بڑے پیار سے غذا کھانے کی تلقین کرتیں۔

لیکن والدہ کی وفات کے بعد محمدؐ بکلّی تنہا رہ گئے تھے اور جب صحراسے ننگے پاؤں واپس آتے تو کوئی نہ تھا جو ہاتھ پاؤں اور مُنہ دُھلاتا اور دستِ شفقت اُنؐ کے سر پر رکھتا۔ حتیٰ کہ کوئی نہیں تھا جو اُن کی واپسی ہی کا منتظر ہو۔

کون ہے جو ایک یتیم اور بغیر ماں کے بچّے کی واپسی کا انتظار کرتا ہے اور گھر واپسی پر اُس کے لیے کھانا پانی فراہم کرے۔ کہ وہ یتیم کھانا کھا اور پانی پی کر مطمئن اور خوش ہوجائے۔

محمدؐ اس قدر والدہ کی قبر پر روئے کہ عمرؓ بن الخطاب جو بڑے سخت مزاج تھے نے عرض کی۔ اب بس کیجئے ورگرنہ نزدیک ہے کہ میں بھی رو دوں۔

کچھ مؤرخین اسلامی مثلاً ابن سعد۔ بخاری و ابن ہشام نے لکھا ہے کہ جب محمدؐ نے قبر سے سر اُٹھایا تو عمرؓ بن الخطاب نے اُن سے پُوچھا۔ اے محمدؐ آپ اس قدر کیوں روئے کہ میری بھی آنکھیں پُرنم ہوگئی ہیں۔ بہرحال پیغمبرِ اسلام والدہ کی قبر پر اس قدر روئے کہ عمرؓ بن الخطاب جیسا آدمی بھی متاثر ہوکر رو دیا یا رونے والا سا ہو گیا تھا۔

والدہ محترمہ کی قبر سے رُخصت ہونے کے بعد بیشتر اس کے آپ قبیلہ (غفار) کے پاس پہنچیں علاقہ (ودان) میں گئے کہ (بنو دمرہ) کا مسکن تھا اور کوئی بھی اس قبیلہ سے ابھی تک مسلمان نہیں ہوا تھا۔

قبیلہ (بنو دمرہ) غفاریوں کی ایک شاخ شمار ہوتا تھا۔ محمدؐ نے وہاں ایک ہفتہ توقف کیا اور قبیلہ کے سرکردہ لوگوں سے مذاکرات کیئے۔

ایک ہفتہ کے مذاکرات میں جو قبیلہ کے سرکردہ لوگوں سے ہوئے قرآن کی آیات بھی پڑھ کر سنائی گئیں اور اس کے نتیجہ میں ایک پیمان دفاعی دونوں (محمدؐ اور قبیلہ بنو دمرہ) کے درمیان لکھا گیا۔ اس پیمان میں محمدؐ فرستادۂ خداوند اور مسلمانوں کے پیغمبر نے عہد کیا کہ مسلمان قبیلہ (بنو دمرہ) پر حملہ کی صورت میں اُس کی حمایت میں اُٹھ کھڑے ہوں گے اور درصورتیکہ محمدؐ کو اس قبیلہ کی مدد و حمایت کی ضرورت ہوئی تو قبیلہ مذبور محمدؐ کی حمایت میں اُٹھ کھڑا ہوگا۔

پیمان کے مطابق قبیلہ (بنو دمرہ) اب مجاز نہیں تھا کہ مکہ کے کاروانوں کو اپنے علاقہ سے گزرنے دے۔ قبیلہ (بنو دمرہ) کا علاقہ مدینہ سے تین روز کی مسافت تھی اور مکہ سے نو روزہ فاصلے پر تھا۔

ہمارا خیال ہے کہ محمدؐ سے قبیلہ مذبور کے متحد ہونے کا ایک سبب یہ بھی ہوگا کہ مکہ اُن سے دُور اور مدینہ نزدیک تھا۔

باوجودیکہ مکہ دُور تھا قبیلہ (بنو دمرہ) قریش کو طاقت ور سمجھتا تھا اور وُہ سبب کہ قبیلہ مذبور قریش کو چھوڑ کر محمدؐ سے متحد ہؤا۔ وعدے تھے جو محمدؐ نے اعضاءِ قبیلہ سے کیئے۔ کہا۔ اگر تم لوگ ہم مسلمانوں سے متحد ہوئے تو تمہیں بہشت میں جگہ ملے گی۔ قبیلۂ (بنو دمرہ) کے لوگوں نے جب یہ سُنا کہ بہشت ایک سرزمین سعادت جاودانی ہے۔ جو شخص وہاں جائے گا۔ سعادت مند ہوجائے گا تو محمدؐ سے دفاعی اتحاد کر لیا۔

نیز بہشت وُہ جگہ ہے کہ اگر انسان وہاں ایک بار داخل ہوگیا تو ہمیشہ کے لیئے خوشی و کامرانی سے بسر کرے گا۔ لہٰذا

Marfat.com

بہشت کے حصول کے لیئے ہر قربانی جو انسان دے سکے جائز ہے۔

اس جہان میں انسان کی زندگی بہت کوتاہ ہے۔ اس کوتاہ زندگی میں بھی مسلسل مشقت اٹھانا پڑتی ہے لیکن بہشت میں عمر جاوید اور ہمیشہ کی سعادت ہوگی۔ اس دنیا کو اگلے جہان کے عوض بیچ دینا ایک سودا ہے جو انسان کے لیئے ہمہ جہت نفع بخش ہے۔

اس پیمان کی تکمیل کے بعد آپ قبیلہ غفار کی طرف عازم سفر ہوئے۔ جس کے افراد محکم ارادہ کے مالک اور باغیرت اور جری مسلمان ہیں

قبیلہ (غفار) آج بھی موجود ہے اور کرنل لارنس (المعروف بہ لارنس آف عریبیہ) کی پہلی جنگ جہانی میں کوشش تھی کہ عربوں کی ایک متحدہ مملکت قائم کرے اور وہ اس جنگ کے دوران قبیلہ (غفار) کے علاقہ ہی میں سکونت پذیر رہا۔ (عربوں کی ایک متحدہ اور بڑی مملکت: یہ ایک سازش تھی مسلمانوں کے خلاف۔ عرب قومیت کو بھڑکا کر عثمانی حکومت کے خلاف بغاوت پر آمادہ کیا گیا۔ اس بغاوت میں انگریزوں نے عربوں کی مدد کی۔ کرنل لارنس اسی عمل کے سبب (HERO) گردانا گیا۔ کہ اس نے حکومت عثمانیہ سے عربوں کو جدا کر کے مسلمان حکومت کو کمزور کر دیا اور پھر عربوں اور عثمانیوں کو اپنے مذموم ارادوں کی تکمیل کے لیئے استعمال کیا۔ کرنل لارنس ایک بہت بڑا مسلم دشمن تھا) مترجم

کرنل لارنس نے اپنی یادداشتوں میں لکھا ہے۔ قبیلہ (غفار) کے افراد آج بھی وہی روح اور اخلاق رکھتے ہیں جو اوائل اسلام میں تھا۔ وہ یا سیاہ کو اختیار کریں گے یا سفید کو۔ یا خوب کو یا بد کو۔ یا صدق کو اپنائیں گے یا کذب کو۔ انکی عملی زندگی میں اور سوچ کے پیمانوں میں کوئی درمیانی راستہ نہیں۔

کرنل لارنس قبیلہ (غفار) کو بدوی قبائل میں سے ایک خالص ترین قبیلہ لکھتا ہے اور افراد قبیلہ کی زندگی میں چونکہ (حد وسط) منافقت کا فقدان تھا۔ قبل از اسلام راہزن تھے۔ بعد از اسلام تمام مرد و زن پرہیزگار حتی کہ انکے خیال میں بھی کبھی نہیں گزرا کہ کسی کا حق دبا لیں یا کسی پر ظلم کریں۔

قبیلہ (غفار) کے افراد احکام اسلامی کی بجاآوری میں اس قدر دقیق اور سخت گیر تھے کہ اگر ان میں سے کوئی مرتکب گناہ ہوتا از خود پیغمبر اسلام کے پاس چلا جاتا اور اعتراف گناہ کرتا قبل اس کے کہ کوئی اور فرد اس کے گناہ سے مطلع ہو۔

قبیلہ غفار کے سرداروں میں سے ایک شخص مسلمان ہونے کے بعد ایک محصنہ (شادی شدہ عورت) سے زنا کا مرتکب ہوا۔ کسی شخص نے بھی اس کے اس عمل کو نہیں دیکھا تھا کہ اس پر مجازات شرعی لگائی جائیں۔ اور اگر کوئی ایک فرد دیکھ بھی لیتا اور تہمت لگا دیتا پھر بھی کافی نہ تھی کیونکہ چار افراد کی شہادت درکار تھی کہ انہوں نے اسے درحین ارتکاب عمل دیکھا ہے یعنی اس مرد اور عورت کو گناہ کرتے ہوئے دیکھا ہے تو جرم کے لیئے شہادت مکمل ہوتی۔ لیکن جس نے زنا کا ارتکاب کیا تھا اس پر کوئی شاہد نہیں تھا اسے یہ بھی علم تھا کہ وہ سنگسار کر دیا جائے گا۔ نیز ہر فرد کہ محصنہ سے زنا کا مرتکب ہو۔ یہودیوں اور مسلمانوں میں اس کی سزا سنگسار کرنا ہے۔ وہ شخص پیغمبر کی خدمت میں حاضر ہو

خود کو متہم کیا اور عرض کی مجھ سے یہ گناہ ہوا ہے۔ مجھے سزا دی جائے۔ پس جب تحقیق کر لی گئی کہ اس کے دماغ میں خلل نہیں ہے اور جنون و دیوانگی کی وجہ سے خود کو متہم نہیں کر رہا تو اُسے سزا دے دی گئی۔

ایک مرتبہ ایک جنگ کے موقع پر اونٹوں کی کمی کی وجہ سے تمام مسلح افراد سوار نہ ہو سکے تو محمدؐ نے قبیلہٗ غفار کے مسلمان جنگجو افراد کو رخصت دے دی اور فرمایا کہ تم قبیلہ میں واپس چلے جاؤ کیونکہ تمہیں میدانِ جنگ میں لے جانے کے لیئے سواری نہیں ہے۔

قبیلہ (غفار) کے افراد اپنی اس محرومی کی وجہ سے رونے لگے اور وُہ بھی اس شدت سے کہ معلوم ہوتا کہ شاید اُن کے بچے اور عورتیں وفات پا گئی ہیں۔ پس ازیں روز مسلمانوں نے قبیلہ غفار کا نام (بنوابرکہ) رکھ دیا یعنی رونے والوں کا قبیلہ۔

محمدؐ نے قبیلہ غفار سے بھی ایک دفاعی معاہدہ کیا اور اس معاہدہ میں دونوں فریق اس بات پر متفق ہوئے کہ اگر قبیلہ مذکور پر حملہ کیا جاوے گا تو مسلمان اُن کا دفاع کریں گے اور جب کبھی مسلمانوں کو قبیلہ (غفار) کی مدد و حمایت کی ضرورت ہوئی تو قبیلہ مذکور دشمنانِ اسلام کا مقابلہ مسلمانوں سے متحد ہو کر کریں گے۔

بتدریج قبیلہ (غفار) نے پیغمبرؐ اسلام کا اس قدر اعتماد حاصل کر لیا کہ ایک مسافرت میں محمدؐ نے اپنی جگہ (ابوذر غفاری) کو مسلمانوں کے نظم و نسق پر مامور فرمایا تھا۔

قبیلہ (غفار) سے جنگی پیمان استوار کرنے کے بعد محمدؐ نے اُس جگہ سے کوچ کیا اور قبیلہ (جہینیہ) کے علاقہ کی طرف چل دیئے۔ قبیلہ مذکور ینبوہ کے پہاڑی علاقہ "وددہ" میں سکونت پذیر تھا۔ یہ قبیلہ بھی مسلمانوں کا نحی دی بن گیا افرادِ قبیلہ پکے مسلمان ثابت ہوئے۔ مدینہ میں اپنے خرچ سے ایک مسجد تعمیر کی۔

پیغمبرؐ اسلام نے اپنا سفر جاری رکھا اور قبیلہ (مدلیج) کے علاقہ میں جا پہنچے۔ یہ وہی قبیلہ تھا جس کا رئیس (سراقہ بن مالک) محمدؐ کو بوقتِ ہجرت راہ میں گرفتار کرنے آیا تھا تاکہ گرفتار کر کے قریش سے انعام حاصل کرے۔ تین کوششوں میں اُس کے گھوڑے نے اُس کا ساتھ نہ دیا تھا۔ ہر چند کہ وُہ گھوڑے کو ایڑھ لگا کر آگے بڑھانا چاہتا مگر گھوڑا اپنی جگہ سے جنبش نہ کرتا۔

قبیلہ (بنی مدلیج) نے بت پرست ہونے کے باوجود آپؐ کی بڑی محبت و اکرام سے پذیرائی کی اور ایک جنگی معاہدہ کرنے پر اظہارِ آمادگی ظاہر کی۔ بعد میں یہی (سراقہ بن مالک) اسلام کے برجستہ سرداروں میں سے ہوا۔

پیغمبرؐ اسلام کو ان چاروں قبیلوں سے جنگی معاہدوں کے استوار ہو جانے پر دلی اطمینان حاصل ہوا اس لیئے کہ چاروں قبیلوں کا علاقہ وہی تھا۔ جہاں سے قریش کے قافلے گزرا کرتے تھے۔ اب جب کہ وہ مسلمانوں کے اتحادی تھے انہوں نے قریشی کاروانوں کے عبور کی ممانعت کر دی اور مسلمانوں کی مدد بھی کرتے تھے۔

جب محمدؐ مدینہ واپس تشریف لائے تو ایک ناگوار خبر اُن کو دی گئی۔ وُہ یہ کہ محمدؐ کی غیر حاضری میں کچھ شتر سوار جو سریع السیر سفید اونٹوں پر سوار تھے مدینہ پر (ابنِ جُبَیر) کی قیادت میں حملہ آور ہوئے۔ کچھ گھروں کو جلایا

اور کچھ مسلمانوں کی اموال غارت کر گئے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ انہیں قریش نے بھجوایا تھا۔

اِس حملہ سے محمدؐ نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ جلد ہی مسلمانوں اور بُت پرستوں میں جنگ ہوا چاہتی ہے۔

Marfat.com

مکہ سے شام جانیوالے قافلوں کا راستہ اور مدینہ

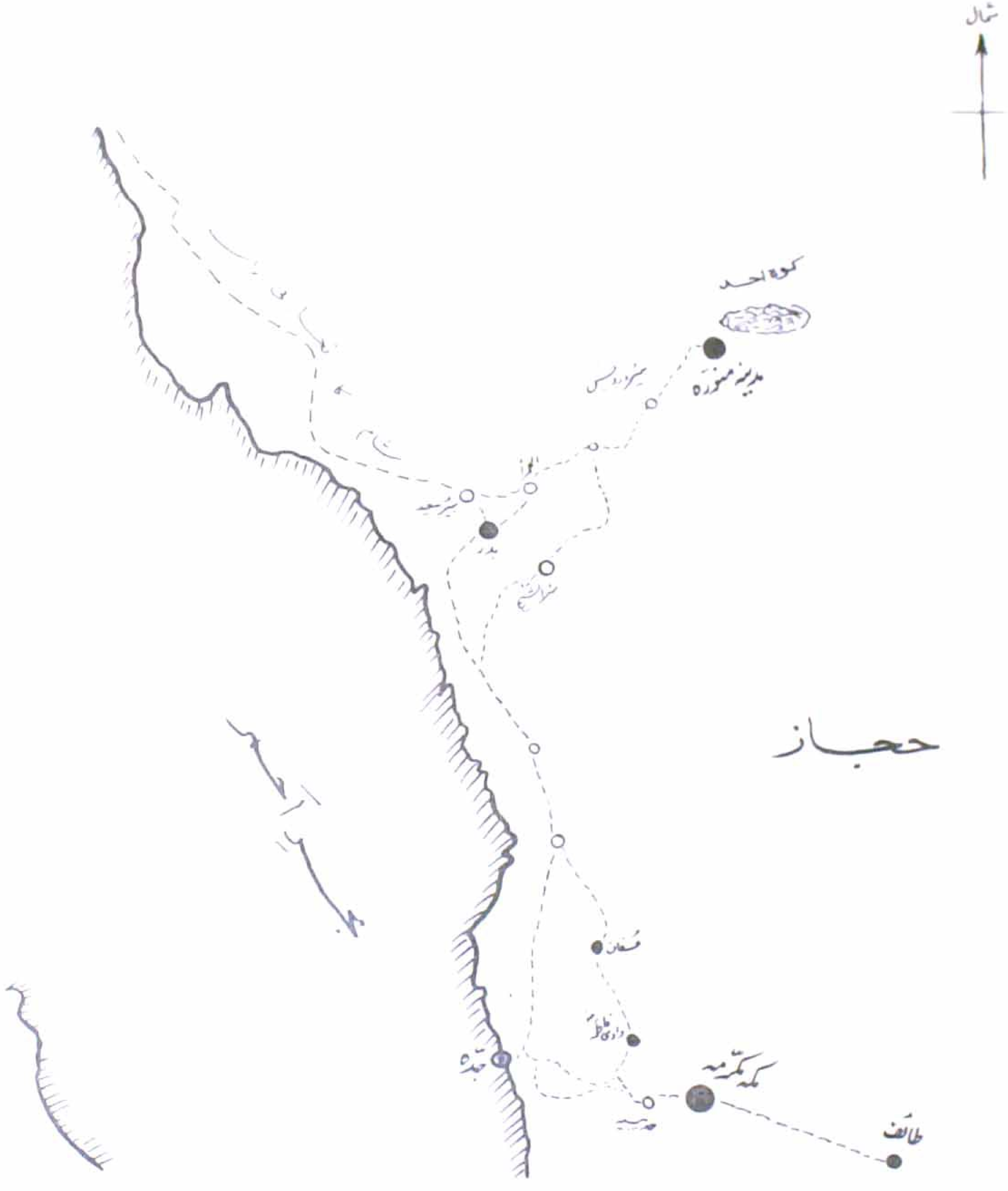

عبداللہ بن جحش کا حملہ اور ماہِ حرام

ہجرت کے دُوسرے سال یعنی نومبر ۶۲۳ء عیسوی میں پیغمبرِ اسلام نے ارادہ فرمایا کہ قریش پر غیر متوقع جگہ پر حملہ کیا جائے۔

مکہ کے کاروان جو سرزمینِ مدینہ سے گزرتے تھے اب طاقت ور ہوتے تھے۔ ان حالات میں اتحادی بدّی قبائل اس قابل نہیں تھے کہ اُن کی راہ روک سکیں۔ اس لیئے کہ ہر ایک قافلے کے ساتھ اوسطاً دو ہزار یا پانچسو جنگی افراد سفر کیا کرتے تھے۔

لہٰذا محمدؐ نے نومبر ۶۲۳ عیسوی میں آٹھ افراد کا انتخاب فرمایا کہ اُن میں سے ایک عبداللہ بن جحش تھا جو اُن کا کماندار بھی تھا۔ محمدؐ نے ایک لکھا ہوا (ملفوف) حکم (عبداللہ بن جحش) کو دیا اور فرمایا کہ نجد (یعنی اُونچی جگہ) کی طرف جاؤ اور اُس جگہ جب پانی کے کنوئیں پر پہنچو اور اپنے اونٹوں کو پانی پلا چکو تو اس حکم کو کھول کر پڑھنا اور اس پر عمل کرنا۔

(عبداللہ بن جحش) دُوسرے مسلمانوں کی طرح احکامات نبوی پر بڑی دقت سے عمل کیا کرتے تھے۔ دُو دن تک مغرب کی سمت سفر کرنے کے بعد وُہ ایک کنوئیں پر پہنچے۔ اُونٹوں کو پانی پلایا۔ خود بھی پیا۔ پھر حکمنامہ کو کھول کر پڑھا۔

(عبداللہ بن جحش) نے دیکھا کہ پیغمبرِ اسلام نے حکم دیا ہے کہ مکہ سے طائف کی راہ میں (نخلہ) کے مقام پر مکہ کے کاروان کو روکو۔

(عبداللہ بن جحش) حکم سے مطلع ہونے کے بعد باقی سات افراد کے ہمراہ دُو ہفتہ کی راہ پیمائی کے بعد ماہِ رجب کے آخر میں "نخلہ" پہنچا۔

میرا خیال ہے آپ اس جگہ کو بھُولے نہیں ہوں گے۔ یہ وہی جگہ ہے جہاں ابراہیمؑ نے شیطان کو پتھر مارے تھے کہ اُسے بھگا دیں وہاں سے دُور کریں۔ اُن دِنوں ایک معروف بُت (منات) کا مجسمہ وہاں نصب تھا۔

نخلہ وُہی جگہ ہے جب محمدؐ کو طائف سے زخمی حالت میں نکالا گیا تو رات کے وقت آپؐ وہاں پہنچے اور تلاوت قرآن میں مشغول ہو گئے۔ خداوند سے راز و نیاز کیا۔ آپؐ کا انداز کلام اس قدر مؤثر تھا کہ جن یعنی نامرئی افراد صحرا اسلام لے آئے جس رات محمدؐ وہاں پہنچے تو وُہ مطرود شخص تھے۔ اعراب ایسے شخص کو (خل) کہتے تھے۔

Marfat.com

جب (عبداللہ بن جحش) کا دستہ وہاں (نخلہ) میں پہنچا تو چھ۶ افراد رہ گئے تھے۔ دو۲ افراد راہ میں گم ہو گئے تھے اور وُہ دو۲ افراد تھے (سعد بن ابی وقاص) اور (عتبہ بن غزوان)۔

ان چھ۶ افراد کی ماموریت یہ تھی کہ کاروان جو طائف سے مکّہ جا رہا ہو کو نخلہ میں روکیں۔ لیکن جب یہ لوگ نخلہ پہنچے تو ماہِ رجب تھا جو ماہ ہائے حرام میں سے ایک تھا۔

ہم یہ وضاحت کر دیں کہ تمام عرب میں ماہ ہائے حرام یکساں نہیں تھے۔ ہر علاقہ نے بازارِ عمومی کے آغاز کی مناسبت سے اپنے لیئے ماہ ہائے حرام مخصوص کر لیئے ہوئے تھے۔

مکّہ میں ماہ ہائے حرام ذیقعد۔ ذی الحجہ (یعنی گیارھواں اور بارھواں مہینہ) اور سال کا پہلا مہینہ محرم اور پھر ساتواں مہینہ رجب المرجب مخصوص کیئے ہوتے تھے۔

ماہِ رجب ماہِ حرام ہونے کے علاوہ حج اصغر یا عُمرہ کا مہینہ بھی شمار ہوتا تھا۔ عرب اس مہینہ میں باطمینان مکّہ جانے اور زیارت کرتے تھے۔

عبداللہ بن جحش جب (نخلہ) پہنچا تو ایک دن ماہِ رجب سے باقی تھا۔ اُسی دن ایک کاروان جو طائف سے مکّہ جا رہا تھا وارِدِ نخلہ ہؤا۔ اُس کا سامان تجارت کشمش۔ شراب اور پوست پر مشتمل تھا۔

جب کاروان والے وارِدِ (نخلہ) ہوئے تو ارادہ کیا کہ تھوڑی دیر آرام کر لیں۔ پھر چل پڑیں گے کہ ماہِ رجب ختم ہونے سے پہلے پہلے مکّہ پہنچ جائیں۔

قافلہ والوں کو علم تھا کہ ماہِ رجب ختم ہونے سے پہلے اگر وُہ مکّہ نہ پہنچے تو ممکن ہے کہ کوئی اُن پر حملہ کر دے۔ (عبداللہ بن جحش) حیران تھا کہ کیا کرے؟

اگر وُہ اس کاروان پر اس جگہ نخلہ میں حملہ کرتے تو یہ کام تمام اعراب کے اعتقاد کے خلاف تھا۔ ان حرام مہینوں میں جنگ ممنوع تھی۔ حتّٰی کہ راہزن بھی ان چار مہینوں میں کاروانوں کو نہیں لوٹا کرتے تھے۔ ممکن تھا (عبداللہ بن جحش) اس کاروان کا (نخلہ) سے حرکت کرنے کے بعد تعاقب کرتا اور رجب کے ختم ہونے پر حملہ کر دیتا۔

لیکن (نخلہ) اور مکّہ کے درمیان کچھ زیادہ فاصلہ نہیں تھا۔ یقیناً قافلہ ایک دن اور ایک رات کے سفر کے بعد حدودِ حرم میں داخل ہو جاتا۔ وہاں بھی حملہ نہیں ہو سکتا تھا۔ اس لیئے کہ حدودِ حرم میں جنگ کی ممانعت تھی۔

دُوسری طرف (عبداللہ بن جحش) سوچتا تھا کہ کاروان کو لُوٹنا خدا کی راہ میں ایک خدمت ہے۔ کیونکہ یہ سامان اُن مکّہ والوں کا ہے جنہوں نے مدینہ کا اقتصادی محاصرہ کیا ہؤا ہے اور مدینہ میں مسلمانوں کو فاقوں سے دوچار کیا ہؤا ہے۔ اُس وقت تک مسلمانوں میں یہ سکت نہیں تھی کہ مکّہ والوں کا مقابلہ کریں یا اُن کی تجارت پر اثر انداز ہوں۔

(عبداللہ بن جحش) نے بالآخر آخری دلیل کو قبول کیا اور کاروان پر حملہ کر دیا۔ کاروان صرف چار افراد پر مشتمل تھا اور وُہ چاروں قریش میں سے تھے۔

اُن چار افراد میں سے ایک قتل ہؤا۔ دو اسیر ہوئے ایک بھاگ نکلا۔ مسلمانوں نے اونٹوں اور سامان پر قبضہ کر لیا

Marfat.com

جس شخص نے قریش کے اُس آدمی کو قتل کیا اُس کا نام تھا (وقید) اور یہ پہلا آدمی ہے جس نے خدا کی راہ میں پہلا بت پرست قتل کیا۔

جو شخص قافلہ سے بھاگ نکلا تھا وُہ مکہ پہنچا اور تمام احوال سے انہیں آگاہ کیا۔ قریش مسلمان حملہ آوروں کو پکڑنے نکلے لیکن ناکام رہے۔ مسلمان تمام سامان اور اونٹوں سمیت مدینہ پہنچ گئے۔ اس اقدام پر نہ صرف تمام عرب میں اعتراض ہوا بلکہ مدینہ کے یہودی بُت پرست بھی معترض ہوئے کہ محمدؐ خود کو خدا پرست کہتا ہے مگر خدا کی طرف سے حرام کئے گئے مہینوں کا احترام نہیں کرتا اور کہتا ہے کہ ماہِ رجب ماہِ حرام نہیں ہے اور مسلمانوں کو کاروانوں پر حملہ کی اجازت دیتا ہے۔ ماہ ہائے حرام عرب کے مختلف علاقوں میں مختلف تھے اور ان کا مکہ و مدینہ میں بہت احترام کیا جاتا تھا۔ کوئی شخص حتیٰ کہ رہزن ان مہینوں میں قافلوں پر حملوں سے گریز کیا کرتے تھے۔ بطورِ کلی عربستان میں قانون (کسی بابت ہی کیوں نہ ہو) کی سختی سے پابندی کی جاتی تھی نیز اگر عرب کے صحرانشین قوانین کی سختی سے پابندی نہ کرتے تو اُن کی زندگی محال تھی۔

جزیرۃ العرب میں بعض بادیہ نشینوں کے لیئے ایک کُوزہ ایک ثروت تھی اور اگر وُہ کوزہ چوری ہو جاتا تو قابلِ جبران نہیں تھا۔ اسی وجہ سے ایک سارق کی سزا عرب میں ہاتھ کاٹنا (قطع ید) مقرر تھی۔ بے چون وچرا چور کا ہاتھ کاٹ دیا کرتے تھے وگرنہ چوروں سے اپنے مال کی حفاظت ناممکن تھی۔

ماہ ہائے حرام کا قانون بھی جزیرۃ العرب کے لوگوں کی زندگی کے لیئے خصوصی اہمیت کا حامل تھا۔

سرزمینِ عربستان کے وسیع حصّے (از جملہ مکہ) خشک ولم یزرع تھے اس لیئے لوگ مجبور تھے۔ زرعی علاقوں سے کھانے پینے کا سامان اور خام مال خرید کر لائیں اور اپنی مصنوعات اُن مناطق کو صادر کریں۔ لہٰذا تجارت کی احتیاج تھی اور وہ ممکن نہ تھی جب تک آمدورفت کے راستے محفوظ نہ ہوں۔

عرب کے صحرانشین چونکہ قلاش تھے لہٰذا قافلے اُن کے لیئے لقمۂ تر ہوتے تھے اور چونکہ انہیں موت کا ڈر نہیں ہوتی تھی لہٰذا وُہ کاروانوں پر حملے کرتے اور تاجروں کے اُونٹ واموال غارت کرکے لے جاتے۔

یہی وجہ تھی کہ اعراب نے قانون وضع کیا کہ چند ماہ کے لیئے جنگ و ستیز ممنوع ہوگی اور اس قانون کو سب نے مانا۔

عبداللہ بن جحش جس ماہِ رجب میں مکّہ کے کاروان کو لوٹا۔ اس قانون کی توہین کی تھی۔ عربستان میں حرام مہینوں کا احترام اِس قدر تھا کہ خونی دُشمن بھی اپنا اسلحہ اتار دیتے تھے اور ایک دُوسرے کے پہلو بہ پہلو خانہ کعبہ میں اپنے اپنے بتوں کی پُوجا کیا کرتے تھے۔ جب حرام مہینے قضا ہوتے تو پھر جنگ وجدل شروع کر دیتے تھے۔ مکّہ میں ماہ ہائے حرام کے اعلان کے لیئے چند نفوس پر مشتمل ایک کمیٹی بنی ہوئی تھی۔ جیسے ہی ذیقعد کا مہینہ شروع ہوتا تو کمیٹی کا رئیس خانہ کعبہ میں جاکر بلند آواز سے اعلان کرتا:

"ماہِ حرام شروع ہوگیا ہے اور جدال کا دُور ختم ہوگیا ہے اس کے بعد کوئی کسی سے جنگ و نزاع نہ کرے اور تمام دشمنیاں موقوف سمجھی جائیں۔"

Marfat.com

یہی شخص ماہ ہائے حرام کے اختتام پر خانہ کعبہ میں جاکر اعلان کرتا کہ

"حرمت قضا ہوگئی ہے لوگ اب اپنے جھگڑوں اور دشمنیوں کو جاری رکھ سکتے ہیں"۔

ہمارے تصور کے خلاف عرب صرف تقویم قمری سے ہی بہرہ ور نہیں تھے۔ بلکہ تقویم شمسی کی بھی پیروی کرتے تھے وُہ ہر تیسرا سال تیرہ ۱۳ مہینوں کا گن لیا کرتے تھے۔ اس ترتیب سے اعراب دو سال بارہ ۱۲ مہینوں کے اور تیسرا سال تیرہ ۱۳ مہینوں کا شمار کرتے تھے اور تیرھویں مہینے کو ماہِ صفر (یعنی خالی مہینے) کا نام دیتے تھے۔ خالی مہینہ یا ماہِ صفر آغاز میں بارہ مہینوں کے ناموں میں شامل نہیں تھا۔ جیسا کہ نام سے ظاہر ہے ایک زائد مہینہ شمار ہوتا تھا۔ اُس موقع پر عرب دو ۲ محرم کے مہینے شمار کیا کرتے تھے۔ ایک محرم الحرام اور دوسرا محرم الحلال۔ پھر وقت کے ساتھ رفتہ رفتہ محرم الحلال کو صَفر کا نام دیدیا گیا۔

بہرحال جب مسلمان لُوٹے ہوئے قافلہ کے اُونٹوں اور سامان کے ساتھ مدینہ پہنچے۔ دوسرے لوگوں کے علاوہ محمدؐ بھی اس وجہ سے کہ اِن مسلمانوں نے ماہِ رجب میں مکہ کے کاروان پر حملہ کیا ہے ملول ہوئے اور حکم دیا کہ تمام سامان کو ایک جگہ محفوظ رکھا جائے تا وضع روشن ہو۔

پیغمبرؐ اس واقعہ سے اس قدر متاثر ہوئے کہ آپؐ نے فرمایا۔ نقضِ مقرراتِ متارکہ جنگ ایک بہت بڑا واقعہ ہے لیکن خداوند نے اپنے پیغمبرؐ سے فرمایا کہ اس واقعہ سے کوئی اثر نہ لو۔ سورۂ بقرہ کی آیت ۲۱۷ میں فرمایا:۔

"یسئلونك عن الشهر الحرام قتال فيه‘ قل قتال فيه كبير وصد عن سبيل الله و كفر به والمسجد الحرام واخراج اهله منه اكبر عند الله والفتنة اكبر من القتل .... الی آخر۔

یعنی "تم سے اے (محمدؐ) یہ ماہِ حرام اور اُسمیں قتل کا سوال کریں گے۔ تم ان سے کہو کہ اُس ماہ میں جنگ کرنا ایک گناہِ بزرگ ہے نیز یہ اُن لوگوں کے مانع آتا ہے جو خانہ کعبہ کے لیئے سفر کرتے ہیں اور ہر وہ شخص جو کعبہ کی طرف جانے میں مانع ہو وہ بخُدا کفر کرتا ہے لیکن خُدا کی نظر میں لوگوں کے مسجد الحرام میں داخلہ پر ممانعت یا لوگوں کو مسجد الحرام سے نکالنا ماہِ حرام میں جنگ کرنے سے زیادہ بدتر ہے۔ اے محمدؐ انہوں نے فتنہ تولید کیا (یعنی مسلمانوں کو مکّہ سے نکالا) اور یہ ماہِ حرام میں قتال سے بدتر ہے"۔

پُوری آیت سورۂ بقرہ میں پڑھی جاسکتی ہے بہت مفصّل ہے۔ اس آیت میں سابق قانون جو ماہِ حرام کے متعلق ہے کی تائید کی گئی ہے اور کہا گیا ہے کہ ماہِ حرام میں قتال سے بدتر یہ ہے کہ قریش نے محمدؐ پیغمبرؐ اسلام اور مسلین کو خانہ کعبہ سے خارج کیا اور پھر اُن کے خانہ کعبہ جانے پر مانع ہوئے۔ قریش نے فتنہ برپا کیا۔ (فتنہ) کے بہت سے معانی ہیں لیکن اس جگہ فتنہ کے معنی جلا وطنی پر ہیں۔

اس آیت کے نزول سے پیغمبرؐ اسلام کا اضطراب ختم ہوا نیز یہ بھی واضح ہوگیا کہ دینِ اسلام کی پیش رفت کیلئے خداوندکریم کا حکم اجراء ہونا چاہیئے۔ اس حالت میں نقضِ مقررات ماہ ہائے حرام جائز ہے۔

ایک کشن مکہ سے مدینہ آیا کہ لُوٹے ہوئے مال کی بابت پیغمبرؐ اسلام سے مذاکرہ کرے۔ پیغمبرؐ اسلام نے اُونٹ

Marfat.com

اور سامان واپس نہ کیا۔ دونوں قیدیوں میں سے ایک مسلمان ہو گیا اور مدینہ ہی رہنے کی خواہش ظاہر کی۔ دوسرے قیدی کو سولہ سو درہم (۱۶۰۰) کے عوض آزاد کر دیا گیا۔ اس ایک قیدی کا مسلمان ہونا مسلمانوں کے لیئے بڑی خوشی کا باعث ہوا۔

Marfat.com

جنگ بدر اور محمدؐ کی جنگی تکنیک

مکہ کے قافلے پر نخلہ میں مسلمانوں نے جس پالیسی کے تحت حملہ کیا تھا اس کو کامیاب بنانے کے لیئے چھ ہفتہ بعد مسلمانوں کے جاسوسوں نے خبر دی کہ ایک بہت بڑا کاروان جس کے ساتھ دو ہزار اونٹ اور پچاس ہزار دینار مالیت کا سامان ہے مدینہ کے علاقہ کے نزدیک ہو رہا ہے کہ اس طرف سے گزر کر مکہ جائے اور یہ کہ اس قافلہ کا سالار ابوسفیان ہے ۔

مکہ کا ہر خاندان اس تجارتی قافلہ میں حصہ دار تھا اور وہ سب اُس کی آمد کے منتظر تھے ۔

کاروان ابھی مدینہ کی حدود سے چند دن کی مسافت پر ہی تھا کہ عبدالمطلب کی بیٹی نے جو غیب گو تھی ۔ مکہ کے لوگوں کو خبر دی کہ ایک بہت بڑی بدبختی اہلِ مکہ کو پیش آنے والی ہے اور یہ بدبختی ممکن ہے چند روز میں حتیٰ کہ تین روز بعد وقوع پذیر ہو سکتی ہے ۔

اہلِ مکہ سب تاجر تھے اُن کی سب سے بڑی بدبختی یہ تھی کہ اُن کی دولت ضائع ہو جائے اور انہیں یہ علم بھی تھا کہ دختر عبدالمطلب بہت سے موقعوں پر صحیح پیشگوئی کر چکی ہیں ۔ انہوں نے حس کیا ممکن ہے کاروان کو کوئی خطرہ درپیش آنے والا ہو ۔

جب کبھی بھی کوئی مکہ والوں کا بہت بڑا کاروان دُور کی مسافرت سے مکہ کے نزدیک پہنچتا تو ایک تیز رفتار سوار کو تین چار دن پہلے ہی مکہ خبر دینے کے لیئے بھیج دیا جاتا تھا ۔

مکہ میں اس قاصد کو اصطلاحاً نتاف (بال صاف کروانے والا) کہا جاتا تھا ۔ اُس کی وجہ یہ تھی ۔ جب یہ قاصد مکہ پہنچتا تو عورتیں جن کے مرد کاروان کے ساتھ ہوتے تھے اور وہ اُن کا انتظار کر رہی ہوتیں ۔ فوری طور پر اپنی صورت اور بدن سے زائد بالوں کا صفایا شروع کر دیتیں ۔ نہا دھو کر عطر لگاتیں تاکہ اپنے شوہروں کی اچھی طرح پذیرائی کر سکیں ۔

اہلِ مکہ آپس میں مشورہ کرتے کہ اگر کاروان معمول کے مطابق مکہ کے نزدیک پہنچا ہوتا تو قاصد کو اب تک آ جانا چاہیئے تھا ۔ لہٰذا یقیناً کوئی ناگوار واقعہ پیش آیا ہے ۔ مکہ میں ایک ادارہ تھا جس کا وظیفہ اہم خبریں جو کہ عام المنفعت

Marfat.com

ہوتیں لوگوں کو پہنچانا تھا۔ اس ادارہ کے پاس ایک گروہ ڈھنڈورچیوں کا تھا جن کو مؤذن کہا جاتا تھا۔

اُس روز جب ڈھنڈورچی نے آواز بلند کی تاکہ خبروں سے لوگوں کو آگاہ کرے تو لوگوں نے دیکھا کہ وہ (ڈھنڈورچی) ایک اُونٹ پر سوار ہے جس کا کجاوا اُونٹ کے پیٹ کے نیچے بندھا ہوا ہے اور مؤذن (ڈھنڈورچی) اونٹ کی ننگی پیٹھ پر سوار ہے۔ اپنا لباس اُلٹا سیدھا پہنے ہوئے ہے۔ بال پریشان ہیں۔ اُونٹ کے دونوں کانوں کو کاٹ دیا گیا ہوا ہے اور کانوں سے خون بہہ رہا ہے۔ صورت پر کیچڑ لگا ہوا ہے۔ اور وہ اُس شخص کی مانند جو نوحہ سرائی کا قصد رکھتا ہو۔ فریاد کر رہا ہے۔ دہائی دے رہا ہے۔

"قریش کے لوگو تمہیں خبر ہو کہ مکّہ کے کاروان کو تباہ کُن خطرہ درپیش ہے۔ اسلئے کہ محمدؐ نے عزم کر لیا ہے کہ مکّہ کے کاروان پر حملہ آور ہو۔ ہر وہ شخص جس میں غیرت و حمیت ہے وہ عزیمت و قتال پر تیار ہو جائے۔ تم محمدؐ کو مکّہ کے کاروان پر حملہ کی مُہلت نہ دو گے۔"

مکّہ کی یہ رسم تھی کہ جب کبھی ڈھنڈورچی (مؤذن) ایک انتہائی ناگوار خبر لوگوں کو سُنانے نکلتے تو اپنے حُلیہ کو اس طرح بگاڑ لیتا تھا کہ اُس کے سراپا سے ظاہر ہو کہ وہ ایک بُری خبر سُنانے نکلا ہے۔

جب سوار مؤذن مکّہ کے گلی کوچوں میں داخل ہوا کچھ اور پیادہ افراد بھی جو ڈھنڈورچی تھے عریاں اور خاک آلود صُورت کے ساتھ مکّہ کی گلیوں میں پھیل گئے۔ عرب اس کو عریاں مُنادی کہتے تھے۔ منادی کرنے والے کا عُریاں ہونا اس بات کی دلیل ہوتا کہ ایک بڑی بدبختی آنے والی ہے اور وُہ بھی کچھ اس طرح دہائی دے رہے تھے جیسے مسلمین اس لمحہ قافلہ کو لُوٹ رہے ہیں اور قتل و غارت کر رہے ہیں۔ منادی کے ذریعے لوگوں کو ترغیب دے رہے تھے کہ ایک لمحہ ضائع کیئے بغیر قافلہ کو نجات دلانے کے لیئے چل دو۔

تھوڑی ہی دیر میں ۹۵۰ مرد ۷۰۰ شتر اور ۱۰۰ گھوڑے آمادہ حرکت تھے۔

مکّہ کے مردوں کے علاوہ اُس شہر کی عورتیں بھی جو (نتاف) یعنی بال صاف کروانے والے قاصد کے نہ آنے سے مضطرب تھیں۔ اس لشکر کے ساتھ جانے پر آمادہ ہوگئیں۔

(نتاف) جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں کاروان کا قاصد ہوتا تھا۔ کاروان سے چند روز پہلے مکّہ پہنچ جاتا تھا کہ عورتوں کو بشارت دے کہ تمہارے شوہر جلدی پہنچنے والے ہیں۔

مکّہ کی عورتیں جو تیار ہوئی تھیں۔ انہوں نے ارادہ کیا کہ میدانِ جنگ میں پہنچیں گی اور اپنے مردوں کو جوش و ترغیب دلائیں گی کہ مسلمانوں کو قتل کریں۔

مسلّح مردوں۔ اونٹوں اور گھوڑوں کے علاوہ چند گھنٹوں کے اندر اندر دو سو پچاس ہزار درہم نقد جنگی اخراجات کے لیئے جمع ہوگئے۔

اُس دن سے پہلے کبھی ایسا اتفاق نہیں ہوا تھا کہ اتنی قلیل مدّت میں مکّہ کے تاجر اتنی بڑی رقم ادا کر دیں۔ ویسے بھی آج تک مکّہ کے تاجروں نے اپنا کاروبار اس قدر خطرہ میں نہیں پایا تھا۔ اب وہ محسوس کر رہے تھے کہ مسلمان مکّہ کے

Marfat.com

تاجروں کے لیئے ایک مُہلک خطرہ ثابت ہو رہے ہیں۔ اور اگر جلد ہی اس خطرہ کو دفع کرنے کی تدابیر نہ کی گئیں تو کارؤانوں کی آمد و رفت متوقف ہو جائے گی اور اُن کی ہستی ساقط ہو کر رہ جائے گی۔

محمدؐ نے مدینہ میں اپنی قوت جمع کی اور کاروان پر حملہ کی تیاری مکمل کر لی۔

محمدؐ کی فوجی قوت صرف ۳۱۳ افراد پر مشتمل تھی اور وہ تمام افراد رضا کارانہ خدمت انجام دینے والے تھے مدینہ میں انصار کے دُو قبیلے جن کے نام اوس و خزرج تھے۔ ان دونوں قبائل میں سے ہر ایک نے ۷۰ افراد دیئے کہ وُہ محمدؐ کا ساتھ دیں اور کاروان پر حملہ آور ہوں۔

اس تعداد کے لحاظ سے ۱۴۰ افراد انصار کے اور بقیہ مہاجرین تھے۔ ان ۳۱۳ افراد کے پاس ۷۰ اونٹوں اور دُو گھوڑوں سے زیادہ کچھ نہ تھا۔ پیغمبرؐ نے حکم دیا کہ ہر اونٹ پر دُو دُو افراد سوار ہوں اور بقایا افراد پیادہ سفر کریں۔ دورانِ سفر سوار پیادہ ہو کر پیادوں کو سواری کا موقع دیں تا کہ پیادہ تھک نہ جائیں۔

جب محمدؐ نے ۳۱۳ مسلمانوں کے ساتھ حرکت کی تو دُو گھوڑے بھی ساتھ تھے۔ یہ اوّلین بار تھی کہ مسلمان دُو گھوڑوں کے ساتھ ایک جنگی ماموریت پر جا رہے تھے۔

ماہِ رمضان کی سترھویں تاریخ اور ہجرت کا دُوسرا سال تھا کہ محمدؐ ایک چھوٹے سے لشکر کے ساتھ مدینہ کے جنوب مغرب میں ۱۶۰ کیلومیٹر دُور وادی (بدر) میں کاروان کا انتظار کرنے لگے لیکن مکّہ کا کاروان اُس دن اور بعد کے دنوں میں بھی نہ پہنچا۔

مدینہ میں مسلمانوں کے علاوہ چونکہ یہودی اور کچھ منافقین بھی بستے تھے۔ ان دونوں نے اپنے اپنے وسیلوں سے ابوسفیان کو اطلاع پہنچا دی تھی کہ محمدؐ کا ارادہ کاروان پر حملہ کرنے کا ہے۔ لہٰذا مطلع ہونے پر اُس نے راہ بدل لی اور ایک دُور کی راہ سے بغیر کسی خطرہ کا سامنا کیئے مکّہ کی طرف چلا گیا۔

مکّہ کا قافلہ وادی (بدر) میں نہ پہنچا لیکن کاروان کی بجائے ۹۵۰ افراد کا مکّی لشکر تیزی سے نزدیک آ رہا تھا اسلامی لشکر کے جاسوسوں نے دُو افراد جو مکّہ کے لشکر کے طلایہ تھے کو گرفتار کر لیا اور محمدؐ کے پاس لے آئے۔ محمدؐ نے اُن افراد سے تحقیق کی تو معلوم ہُوا کہ مکّہ کا ایک ۹۵۰ جنگجُو افراد کا لشکر تیزی سے اس علاقہ کی طرف بڑھ رہا ہے۔

پیغمبرؐ اسلام نے حکم دیا کہ ان دُو افراد کو اسیر رکھا جائے۔ بعد میں مسلمانوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ میرے اندازہ کے مطابق ہمارے ارادہ کی مکّہ کے کاروان کو اطلاع دے دی گئی ہے کہ وُہ اس طرف سے عبور نہ کریں۔ اسی طرح مکہ والوں کو بھی ہمارے ارادوں کی بابت مطلع کر دیا گیا ہے۔ اور اب ۹۵۰ افراد کا مکّی لشکر ابوجہل کی کمان میں ہمارے نزدیک پہنچ چکا ہے۔ ہم یہاں سے مدینہ واپس جا سکتے ہیں لیکن یہ کوئی نجات کا راستہ نہیں اس لیئے کہ مکّہ کا لشکر مدینہ میں بھی ہم پر حملہ آور ہو گا اور ہمیں قتل کر دے گا۔

پس بہتر یہی ہے کہ ہم اِسی جگہ مکّہ کے لشکر کا انتظار کریں۔ یہ جگہ جنگی نقطۂ نظر سے مدینہ سے بہت بہتر ہے اس وادی میں ہماری مُوفقیت کے مواقع زیادہ ہیں۔

وادی (بدر) کا کچھ حصّہ خاکی، کچھ سنگلاخ اور کچھ ریت و موٹے کنکروں پر مشتمل ہے۔ وادی مذکور دو پہاڑوں میں واقع ہے۔ شرقی پہاڑ کو (العدوۃ القصویٰ) کہتے ہیں اور غربی پہاڑ کو (العدوۃ الدنیا)۔ ایک اور پہاڑی سلسلہ باسم (اسفل) وادی کے جنوب میں واقع ہے۔ اُن دنوں وہاں پر چند چشمے تھے اور کاروان وہاں توقف کیا کرتے تھے تاکہ چشموں کے پانی سے فائدہ اٹھا سکیں۔ پیغمبرؐ نے جب جنگ کا ارادہ کر لیا تو اپنے لشکر کی جگہ تبدیل کر دی۔

اُس وقت تک مسلمان وادیٔ بدر کے شمالی مدخل پر قافلہ کے انتظار میں تھے۔ جب معلوم ہُوا کہ قافلہ نہیں آرہا تو پیغمبرؐ نے کہا اب جگہ تبدیل کرنی ہوگی۔ یہاں سے (کوہِ اسفل) کے دامن میں منتقل ہو جائیں تاکہ منبعِ آب ہمارے کنٹرول میں رہے اور ہم دشمن کی سپاہ کو اس سے فائدہ نہیں اُٹھانے دیں گے۔

محمدؐ کے حکم پر بروقت عمل ہُوا۔ مسلمان وادی کے شمال سے جنوب میں منتقل ہو گئے اور کوہِ (اسفل) کے دامن میں پانی کے چشموں پر قبضہ کر لیا۔

اُس جگہ محمدؐ نے مسلمانوں سے ایک بار پھر خطاب کیا اور فرمایا۔ آج تک اعراب جنگوں میں انفرادی طور پر لڑا کرتے تھے اور تن بہ تن لڑائی کو ترجیح دیتے تھے۔ ہر دشمن کوشش کرتا تھا کہ تنہا ابرازِ شجاعت کرے تاکہ اُس کی دھاک بیٹھ جائے اور دُوسرے اُسے (رُستم) مان لیں۔ لیکن ہماری یہ جنگ خدا کی راہ میں ہے نہ کہ اپنی ذات کے لیئے۔ خداوند ہماری دلیری اور جانفشانی کو دیکھ رہا ہوگا۔ اگر خدا کی راہ میں جان فدا ہوتی تو پاداش میں ہمیں خدا جنّت میں لے جائیگا۔ دوسرے ہماری تعداد مکّہ کی سپاہ کے ایک تہائی ہے۔ اگر انفرادی جنگ اپنائیں گے تو نابود کر دیئے جائیں گے۔ اور اگر ہم دستہ جمعی پیکار کریں گے تو ہمیں فتح کی اُمید ہوگی۔

اِس کے بعد محمدؐ نے جنگی (TACTICS) تکنیک مسلمانوں کو سمجھائی کہ اُس تاریخ سے ہزار سال قبل اسکندر مقدونی کے باپ فلپ نے ابداع کی اور اُسے یونانی زبان میں (فالنژ) کہتے ہیں۔ (فالنژ) یعنی صف بندی عبارت ہے اُس ترتیب سے جس میں سپاہی اس طرح شانہ بشانہ کھڑے ہوتے ہیں کہ ایک کی جگہ خالی ہونے پر دُوسرا اُس کی جگہ لے سکتا ہے۔ اس صف بندی کو خم دے کر حالات کے مطابق مختلف اشکال یعنی مثلّث۔ مربّع یا دائرہ بنا لیا جاتا ہے۔ اس مثلث، مربّع یا دائرہ کے تمام سپاہیوں کا رُخ دشمن کی طرف ہوتا ہے اور پشت مثلّث یا مربع اور دائرہ کے اندرونی طرف ہوتی ہے۔ نتیجتاً دشمن عقب سے حملہ نہیں کر پاتا تھا۔ اس لیئے کہ جس طرف سے بھی دشمن حملہ کرتا مقابل سپاہیوں کے رُخ ہوتا۔

ان جنگی تکنیک (چالوں) کو یونانی زبان میں (فالنژ) کہتے تھے۔

محمدؐ نے اوّلین بار جزیرۃ العرب کی تاریخ میں اِن جنگی چالوں کو استعمال کیا۔ اور جنگِ بدر میں اُن سے فائدہ اٹھایا۔ مسلمانوں کی دلیری و شجاعت اپنی جگہ مگر جنگِ بدر میں فتح کا سبب یہ چالیں بھی تھیں کہ عرب اُن سے قطعی ناآشنا تھے۔

پیغمبرِ اسلامؐ نے مسلمانوں کو جنگی تکنیک سمجھانے کے بعد خطاب کیا۔ فرمایا۔ "تمہارا فرار قطعی بے سُود ہوگا

Marfat.com

نیز اگر فرار کرو گے تو کوئی راہ نہ پاؤ گے ۔ بجز اس کے کہ مدینہ جاؤ ۔ وہاں پر یہودی اور منافقین تمہیں پکڑ لیں گے اور قریش کے حوالے کر دیں گے ۔ پس تم قتل کر دیئے جاؤ گے ۔ پھر محمدؐ نے سورۂ انفال کی پندرھویں اور سولہویں آیات با صدائے بلند تلاوت فرمائی :۔

"یٰایھا الذین اٰمنوا اذا لقیتم الذین کفروا زحفًا فلا تولوھم الادبار ٥ ومن یولھم یومئذ دبرہ الا متحرفًا او متحیزًا الیٰ فئۃ فقد باء بغضب من اللہ وماواہ جھنم وبئس المصیر"

یعنی "اے مومنو! جب تم دشمن سے دو بدو مقابل ہو جاؤ تو نہ بھاگنا اور نہ ہی دشمن کو پیٹھ دکھانا ۔ دشمن کی طرف پیٹھ موڑنا ایک بہت بڑا گناہ ہے مگر یہ کہ دشمن کو غافل کرنے کے لیئے ایسا کیا جائے اور تم اس پر دوبارہ حملہ کرنا چاہتے ہو یا اپنے ہی لشکر کا ایک دستہ دوسرے کی مدد کو جانا چاہتا ہو ۔ اس حالت میں دشمن کی طرف پیٹھ موڑنا جائز ہے ۔ علاوہ ازیں صورت فرار کرنے والے مسلمانوں پر خدا کا غضب ہو گا ان کی جگہ جہنم ماوٰی ہو گی اور وہ بہت بری جگہ ہے"۔

صف بندی کی شکل (ترتیب) جو اس دن لشکر اسلامی نے اختیار کی وہ مثلثی تھی اور تین پرچم اس کی تینوں قطاروں میں دکھائی دیتے تھے ۔

محمدؐ نے اس دن خود کو جزیرۃ العرب کا (جنگی نابغہ) ثابت کیا ۔ تین دستے بہ شکل مثلث ترتیب دیئے کہ ہر ایک یک دوسرے کا پشتیبان تھا اور دشمن کسی سمت سے بھی حملہ کرتا کسی ایک دستہ سے ٹکراتا ۔

ترتیب دیئے گئے ہر دستے میں ایک علمبردار بھی دکھائی دیتا تھا ۔

مثلث کی صف جو دشمن کے سامنے تھی اس کے علمبردار علیؓ تھے ان کا پرچم سفید اور اس پر عقاب کا نشان بنا ہوا تھا ۔ مثلث کی دوسری قطار کا پرچم مصعب بن عمیر کو دیا گیا کہ یہ مہاجر تھے ۔ تیسری قطار کے علمبردار ایک انصار تھے ۔

پیغمبرؐ جب لشکر کی ترتیب اور دوسری ہدایات سے فارغ ہوئے تو فرمایا :

"اے مسلمانو! اگر تم فاتح ہوئے یا قتل ہوئے دونوں حالتوں میں تمہارے لیئے بہشت ہے ۔ کوئی انسان جو جنت میں رہتا ہے قطعاً آمادہ نہیں ہوتا کہ اس جہاں میں واپس آئے اور وہ جو اس جہاں میں درجۂ شہادت پاتے ہیں وہ آرزو کرتے ہیں کہ دوبارہ اس جہاں میں آئیں اور دوسری مرتبہ خدا کی راہ میں شہادت کا درجہ پائیں اس لیئے کہ وہ جانتے ہوتے ہیں کہ خدا انہیں بہشت میں اس کی پاداش میں کیا کیا دے گا"۔

جب آفتاب غروب کے نزدیک تھا ۔ مکہ کا لشکر ظاہر ہوا ۔ تاریکی چھا رہی تھی اس لیئے دونوں اطراف جنگ نہیں کرنا چاہتی تھیں ۔

Marfat.com

رات کے ہنگامہ میں محمدؐ نے اپنے لشکر کی جگہ کو تبدیل کیا۔ اس طرح کہ دوسرے دن آفتاب اُن کی آنکھوں کے سامنے نہ چمکے اور اُن کی آنکھیں خیرہ نہ ہوں۔

یہ تمام اقدامات ثابت کرتے ہیں کہ محمدؐ فنِ جنگ پر پورا عبور رکھتے تھے۔ ہم یہ نہیں جان سکے کہ اس مردِ بزرگ نے فنِ جنگ کہاں سے سیکھا تھا۔

اُس رات محمدؐ نے مسلمانوں سے فرمایا: نگہبانوں کے علاوہ ہر شخص سو جائے تاکہ صبحدم جنگ کے لیئے پوری طرح تیار ہو۔ میں خدا سے دُعا کروں گا کہ تمہارے قلوب کو اطمینان بخشے تاکہ تم سو سکو۔ اسی مناسبت خداوند نے سورۂ انفال کی گیارھویں آیت میں فرمایا:-

اِذ یغشیکم النعاس امنۃ منہ و ینزل علیکم من السماء ماء لیطھرکم بہ۔۔۔ الخ

یعنی "یاد کرو جب دشمن کے خوف سے تمہاری نیندیں اُڑ چکی تھیں ہم نے اپنی رحمت سے تمہیں آسودہ خاطر کیا اور تم سو گئے اور خداوند نے آسمان سے تم پر پانی برسایا (بارش) تاکہ تمہیں پاک کر دے۔ اور وہ پانی تمہارے لیئے دُوسرے فائدے بھی رکھتا تھا۔۔۔۔۔۔ الیٰ آخرہ"

اُس رات مسلمان اس آسودگی سے سوئے کہ انہیں دشمن کی موجودگی کا احساس ہی نہ رہا۔ حتیٰ کہ بارش سے بھی وُہ بیدار نہ ہُوئے۔ خداوند نے جیسا کہ قرآن میں فرمایا ہے اُس رات مسلمانوں پر بارش برسائی "تاکہ انہیں پاک کر دے اور دُوسرے دن مجاہدینِ اسلام (بجری اور ریت کی وجہ سے) کا پاؤں لغزش نہ کرے۔

کچھ مؤرخینِ اسلام نے لکھا ہے کہ جنگِ بدر ۱۷ رمضان کو علی الصبح بروز جمعہ ہجرت کے دُوسرے سال لڑی گئی۔

اگر جنگِ بدر ۱۷ رمضان بروز صبحدم لڑی گئی ہو تو یہ لازم ہے کہ محمدؐ اور اُن کا لشکر جمعہ سے پہلے یعنی بروز جمعرات میدانِ جنگ میں پہنچ چکے ہوں کیونکہ اس میں تو کوئی شک نہیں کہ سپاہ اسلام ایک رات میدانِ جنگ میں سوئی اور اگر ۱۷ رمضان بروز جمعہ میدانِ جنگ میں پہنچیں تو ناگزیراً جنگ بروز شنبہ صبحدم شروع ہوتی ہے۔

انسان کو حیرت ہوتی ہے کہ کس طرح محمدؐ اور اُن کی سپاہ نے جو کہ مکہ کے لشکر کا تیسرا حصّہ تھی جرأت کی کہ وادی بدر میں جنگ لڑیں۔

مکہ کے جنگجو ڈرپوک نہیں تھے کہ ہم یہ سوچیں کہ محمدؐ نے خیال کیا ہوگا ادھر مسلمانوں نے حملہ کیا اُدھر وہ بھاگے وہ بھی بدوی عرب تھے اور بڑے شجاع تھے۔ تلوار کے دھنی تھے۔ میدانِ کارزار میں موت کے خوف سے دُور مرنے اور مارنے پر تیار۔

وُہ دَور ایسا نہیں تھا کہ ایک چھوٹی سی فوج اپنی آتشیں قوت سے ایک بڑی فوج کو شکست دے سکے طرفین کا اسلحہ ایک جیسا تھا فقط بعض جسمانی لحاظ سے کچھ دوسروں پر فوق ہوں گے۔ لہٰذا تعداد بہت مؤثر تھی۔ تمام جنگوں میں کمانڈار کی کوشش ہوتی ہے کہ دشمن کی تعداد کے متعلق معلومات حاصل کر سکے۔ باز ہم اگر محمدؐ جنگِ بدر میں ساز و سامان

Marfat.com

ہی میں برتر ہوتے تو یہ تصور کیا جاتا کہ سامان کی برتری کی وجہ سے قریش سے جنگ کی۔
لیکن اس جنگ میں قریش ۹۰۰ اونٹ اور ۱۰۰ گھوڑے میدانِ جنگ میں لائے تھے۔ جب کہ مقابلہ میں محمدؐ کے پاس صرف ۷۰ اونٹ اور دو گھوڑے تھے۔
لہٰذا اس میں کوئی شک نہیں رہتا کہ محمدؐ نے جنگ (بدر) میں خداوند پر تکیہ کیا اور وہ جانتے تھے کہ خداوند ان کی مدد فرمائیں گے۔ خداوند کبھی ایسا نہیں ہونے دیں گے کہ بُت پرستوں کا لشکر مسلمانوں کی ایک چھوٹی سی جماعت کو شکست دے۔
ہر مسلمان جو جنگ بدر میں شامل ہوا مثلِ پیغمبرؐ مومن تھا اور خدا مسلمانوں کو تنہا نہیں چھوڑتا۔ اس کے علاوہ وہ جانتے تھے کہ قتل ہوئے تو جنت مقام ہو گا۔
قوتِ ایمانی اپنی جگہ مسلّم لیکن جنگ بدر میں محمدؐ کی جنگی چالوں نے جو کہ عرب میں بلا سابقہ تھیں مسلمانوں کو فتح دلائی۔
۱۷ رمضان بروز جمعہ یا ۱۸ رمضان بروز شنبہ صبحدم محمدؐ جانتے تھے کہ اگر شکست ہو گئی تو مسلمان اور اسلام دونوں نابود ہو جائیں گے۔
اسلام ابھی اس قدر طاقتور نہیں تھا کہ ایک شکستِ بزرگ کا متحمل ہو سکتا اور اگر اس دن محمدؐ اور مسلمین شکست کھا جاتے تو اسلام کا وجود ختم ہو جاتا۔
عربستان میں رسم تھی کہ لشکر کے رؤسا جنگ کے موقع پر میدانِ جنگ سے باہر ایک نقطہ سے جنگ کو اداره کرتے تھے اور وہ نقطہ میدانِ جنگ کے عقب میں منتخب کیا جاتا تھا۔
محمدؐ سپہ سالار جنگ بدر ایک کم ارتفاع ٹیلے سے کمان کر رہے تھے اور وہاں سے میدانِ جنگ پر نگاہ رکھے ہوئے تھے اور احکام صادر فرماتے تھے۔ سپہ سالار کے اس ہیڈ کوارٹر کو عرب (عریش) کہتے ہیں۔
جنگ کے آغاز میں کہ طلوعِ آفتاب کے فوری بعد شروع ہوئی۔ فریقین نے دیرینہ سنت کے مطابق اشعار پڑھنے شروع کیے۔ موضوع دشمن کی تحقیر اور دوستوں کی تجلیل تھا۔
اشعار خوانگی کے بعد قریش کے لشکر سے تین پہلوان جنگجو آگے بڑھے یہاں تک کہ دونوں لشکروں کے وسط میں پہنچ گئے۔

ایک کا نام عُتبہ تھا جو ابوسفیان کا سُسر تھا۔
دُوسرا شعیبہ تھا جو ابوسفیان کی بیوی کا چچا تھا۔
تیسرا الولید جو ابوسفیان کی بیوی کا بھائی تھا۔

یہ تینوں افراد دونوں لشکروں کے وسط میں پہنچے تو آواز دی "ھل من مبارز" یعنی کون ہے جو ہم سے مقابلہ کرے گا؟
اسلامی لشکر سے تین افراد آگے بڑھے اور جواب دیا کہ ہم تم سے نبرد آزما ہوں گے۔ قریش کے تینوں

جنگجوؤں نے پوچھا تم کہاں کے رہنے والے ہو؟

اسلامی لشکر کے تینوں مجاہدین نے جواب دیا ہم اہل مدینہ ہیں۔

قریش کے تینوں افراد نے کہا ہم تمہیں نہیں پہچانتے لہٰذا تم سے نہیں لڑیں گے۔ ہم مکّہ کے اشراف ہیں سے ہیں ہمارے مقابلہ میں مکّہ کے اشراف ہی ہونے چاہئیں۔

عمرؓ بن الخطاب نے اپنی کڑک دار آواز میں کہا مسلمان سب مساوی ہیں۔ ان میں کسی کو کسی پر کوئی ترجیح نہیں ہے۔

قریش کے تینوں افراد نے کہا ہم صرف اہل مکّہ کو دعوت مبارزت دے رہے ہیں اور ہم انہیں پہچانتے ہیں۔

محمدؐ نے اونچی آواز میں علیؓ بن ابی طالب علمبردار صفِ اوّل کو احضار کیا کہ اے علیؓ تم الولید کے مقابلہ میں جاؤ۔

بعدازاں (حمزہؓ) اور (عبیدبن حارث) کو احضار کیا کہ وہ دونوں دوسرے دونوں کے مقابلہ پر جائیں۔

تینوں مسلمان جب تینوں قریش کے مقابل ہوئے تھے تو رجزیہ اشعار پڑھے۔ رجزیہ اشعار اپنے تعارف اور جنگ و کشتار سے عبارت تھے۔

علیؓ پکارے میں علی بن ابوطالب بن عبدالمطلب ہوں اور پھر (امری القیس الحجر الکندی) کے اشعار پڑھے کہ وہ ایک ارباب قلائدِ سبعہ تھا۔ یعنی سات بزرگترین شاعروں میں تھا اور عرب اُس کو دور جاہلیت کا بزرگترین شاعر مانتے تھے۔ ارباب قلائد سبعہ عرب کے سات شاعر تھے کہ اُن کے اشعار ایک سو پچاس سال تک (بعنوان بہترین اشعار) کعبہ کی دیوار پر آویزاں رہے۔

(الولید) اپنے تعارف کے بعد (الحرث الحلبنزہ الشکیری) کے اشعار پڑھنے لگا۔ یہ شاعر بھی ارباب قلائد سبعہ میں سے ایک تھا۔ بعدآں طرفین ایک دوسرے پر جھپٹ پڑے۔

اعراب کی جنگ شمشیر۔ یورپین سے مختلف تھی۔

یورپین جب شمشیر سے لڑتے تو نوکِ شمشیر سے استفادہ کرتے۔ یورپ کی شمشیرزنی کے اُصول یہ تھے کہ دشمن کو نوکِ شمشیر سے گھائل کیا جاوے۔

لیکن عرب دم شمشیر سے استفادہ کرتے تھے کہ نوکِ شمشیر جنگ میں زیادہ مؤثر نہیں تھی۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ عربوں نے شمشیر بازی کے مخصوص قواعد وضع نہیں کیے تھے۔ درصورتیکہ عرب دم شمشیر سے مخصوص قواعد کے تحت استفادہ کرتے تھے اور وہ بھی یونانیوں، یورپین اور دوسری اقوام کی طرح جنگ میں شمشیر کے استفادہ کے لیئے مدتوں تمرین کیا کرتے تھے۔ اور فنونِ شمشیر بازی کو باقاعدہ سیکھا کرتے تھے۔

ڈھال جنگ میں انفرادی دفاع کے لیئے بہت مؤثر ہے۔ اس لیئے کہ شمشیر کے مقابلہ میں یہی ایک بہترین دفاع کا وسیلہ ہے۔

Marfat.com

علیؓ پیغمبرِ اسلام کے چچازاد خوب تلوار چلا رہے تھے۔ اُن کا مقابل الولید بھی چابکدست تھا۔ پھر بھی اُن کی جنگ چند منٹ سے زیادہ طول نہ کھینچی۔ الولید کو علیؓ کی شمشیر کی ایک مہلک ضرب پڑی اور اس کی گردن کٹ گئی۔ وُہ زمین پر گر گیا۔ تھوڑی ہی دیر میں وُہ مر چکا تھا۔

حمزہؓ نے بھی اپنے حریف کو قتل کر دیا۔ تیسرے مسلمان مجاہد (عبید بن حارث) گو مقابلہ میں زخمی ہوئے مگر (ابوسفیان) کے خسر کو قتل کر دیا۔

اس ترتیب سے تینوں مجاہدینِ اسلام فاتح ہوئے اور مسلمانوں نے اس کو نیک فال سمجھا اور اُن کو روحانی تقویت ملی۔

جب قریش نے دیکھا کہ اُن کے تین نامور جنگجو قتل ہو گئے ہیں تو اپنے نیزوں کو آسمان کی طرف اُچھالا اور پھر جھپٹ کر مسلمانوں پر ایک شدید حملہ کر دیا (یہ علامت تھی تن بہ تن جنگ کی اور اس کے ساتھ وُہ اُونچی آواز میں ہلہلہ بھی کرتے تھے)۔

جو لوگ حملہ آور ہوئے تھے وہ جانتے تھے کہ مسلمانوں کے درمیان ایسے لوگ بھی ہیں جو اُن میں سے کسی ایک کے بھائی۔ بیٹا۔ چچا اور بھتیجا ہیں۔ لیکن حملہ کر دیا گیا۔

اُس دن تک عرب میں کبھی ایسا اتفاق نہیں ہوا تھا کہ بھائی، بھائی پر، باپ بیٹے پر اور چچا بھتیجے پر حملہ آور ہو۔ چونکہ یہ لوگ قریبی رشتہ دار سمجھے جاتے تھے۔ ایک قبیلہ سے ہوتے تھے اور عرب میں قبیلہ کے اعضاء آپس میں جنگ نہیں کیا کرتے تھے۔

محمدؐ نے جب دیکھا کہ باقاعدہ جنگ شروع ہو گئی ہے تو آپؐ کمان والی پوسٹ سے نیچے تشریف لائے۔ اپنی سپاہ کی ترتیب کے درمیان چلے گئے اور آیاتِ قرآنی کی تلاوت شروع کر دی۔ جو آیات آپؐ تلاوت فرما رہے تھے۔ وہ خدا کی راہ میں جہاد کرنے والوں کے لیئے۔ خدا کی طرف سے انعامات سے متعلق تھیں۔ ان آیات میں کہا گیا تھا کہ ایک مسلمان خدا کی راہ میں خواہ مارے یا مر جاوے اُس کی جگہ بہشت میں ہے۔

آپؐ نے جب تلاوت ختم کی تو بلند آواز سے فریاد کی: "میرے اجداد تم کہاں ہو؟ کاش آج تم یہاں ہوتے۔ خدا کی راہ میں تلوار چلاتے اور قتل ہوتے تو خداوند اس میدانِ قتال سے تمہیں مستقیماً جنت میں لے جاتا۔

تلاوتِ قرآن کے سُننے سے مسلمانوں کے جوش وجذبہ کی یہ حالت ہوتی کہ اُن میں سے ایک (عمیر) نے بلند آواز سے کہا۔ میرے اور بہشت میں چند قدم کا فاصلہ ہی تو ہے۔ صف سے نکل کر مکہ کی سپاہ پر حملہ آور ہوا لیکن اُسی لمحہ انہوں نے گھیرے میں لے کر شہید کر دیا۔

محمدؐ بلند آواز سے پکارے "میری ہدایات کو مت بھولنا اور بہشت کی تمنا میں صف سے خارج مت ہونا۔ اگر تم صف سے خارج ہوئے تو بُت پرست تم پر غالب آجائیں گے۔

طائف قریش کے افراد اپنی روش کے مطابق انفرادی لڑائی لڑ رہے تھے اور ہر شخص اس فکر میں تھا کہ وُہ

Marfat.com

فاتح ہو اور اُس کا ربط اپنے رفقاء سے نہیں تھا یعنی وہ منتشر ہو کر لڑ رہے تھے۔

لیکن محمدؐ نے ایک رات اور دن میں مسلمانوں کو وادی بدر میں قیام کے دوران سمجھا دیا تھا۔ افتخار حاصل کرنے کے لیئے انفرادی جنگ نہ لڑنا۔ تم خدا کے لیئے تلوار چلاؤ گے تمہیں خود نمائی کی ضرورت نہیں ہے۔ جب تمُ جنگی فرائض احسن طریقہ پر بجالائے تو بھی بہشت میں جاؤ گے۔ یہی وجہ تھی کہ شہادت کے شوق میں مسلمانوں نے صف بندی کو ختم نہ ہونے دیا۔

جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ مسلمانوں نے اپنی صف بندی ایک مثلث کی شکل میں کی تھی۔ جس کی وجہ سے قریشی سپاہ اُن پر عقب سے حملہ آور نہیں ہو سکتی تھی۔

یہ صف ہائے ثلاثہ اس طرح ایک واحد کی صورت میں تھیں کہ قریش مسلمانوں کا عقب ہر طرف سے محفوظ پاتے تھے۔

صف ہائے ثلاثہ مخصوص علامت رکھتی تھیں تاکہ مسلمان جنگ کی ہما ہمی میں اپنوں ہی کو اشتباہً دشمن سمجھ کر قتل نہ کر دیں۔ کہتے ہیں کہ ایک صف نے زرد سر پوش، دوسری صف نے سبز سر پوش باندھے ہوئے تھے۔ اور تیسری صف نے سروں پر پَر لگائے ہوئے تھے۔ حمزہؓ نے سر پر شتر مُرغ کے کچھ پَر لگائے ہوئے تھے جو ہَوا کی وجہ سے ہلتے تھے

روایت ہے جب کافروں کا دباؤ بڑھ گیا تو پیغمبرِ اسلام نے علیؓ سے کہا تھوڑی خاک مجھے اٹھا کر دو۔ علیؓ جُھکے اور تھوڑی خاک محمدؐ کو اُٹھا کر دے دی۔ محمدؐ نے وُہ مٹھی بھر خاک سپاہ قریش کی طرف پھینکی اور کہا۔ "چلے جاؤ بے غیرتو"۔

اس کے بعد مسلمانوں نے جوابی حملہ کیا۔ اس طرح تینوں صفیں بغیر کسی انتشار اور صف شکنی کے حرکت میں آ گئیں۔ یہ ایڈوانس (پیشرفت) ایسے تھا۔ جیسے تین قلعہ حرکت میں تھے۔ قریش کی سپاہ پسپا ہونے لگی۔

محمدؐ کو اطلاع مل چکی تھی کہ اُن کا سُود خوار چچا (عباس) قریش کی فوج میں شامل ہے اور مسلمان مجاہدوں سے کہہ رہا تھا۔ مجھے زندہ گرفتار کرنا۔

(عباس) کہ قریشی سپاہ کے ساتھ میدان بدر میں پہنچا تھا۔ تین وجوہ کی بنا پر جنگ سے گریز کر رہا تھا۔

اوّل یہ تھی کہ وُہ سُود خوار ہونے کے باعث جنگ سے کوئی علاقہ نہیں رکھتا تھا۔

دوئم یہ کہ وہ اپنے بھتیجے سے جنگ نہیں کرنا چاہتا تھا۔

سوئم یہ کہ اُس کی بیوی مسلمان تھی اور اُس نے کہا تھا کہ پیغمبرِ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف مت لڑنا۔

ایک مجاہد کہ اپنی صف میں ایڈوانس کر رہا تھا نے عباس کو دیکھا اور پہچان لیا۔ اس کے باوجود کہ وہ مجاہد چھوٹے سے قد کا تھا اور عباس بہت موٹا تھا۔ اُس نے محمدؐ کے چچا کو بغل میں لیا اور محمدؐ کے سامنے لے گیا اور خود فوری اپنی جگہ پر واپس آ گیا تاکہ لڑائی جاری رکھ سکے۔

(ابوجہل) قریش کا کمانڈر چند محافظوں کے حصار میں تھا۔ لیکن مسلمان محافظوں کے حلقہ کو توڑ کر (ابوجہل) تک پہنچ گئے۔

ایک مجاہد (معاذ بن عمرو) نے ابوجہل کی ٹانگوں پر وار کیا جس سے ابوجہل سخت زخمی ہو گیا اور بیٹھ گیا۔ ابوجہل

Marfat.com

کا لڑکا (عکرمہ) والد کے دفاع میں (معاد بن عمرو) پر حملہ آور ہؤا اور اس طرح وار کیا کہ (معاد بن عمرو) کا بازو کندھے سے کٹ کر کھال سے لٹک گیا۔ درد کا معمولی سا اثر بھی (معاد) کے چہرے پر ظاہر نہ ہؤا۔ اُس نے بائیں ہاتھ سے دائیں بازو کو کھینچ علیحدہ کر دُور پھینک دیا۔ اور کہا "خدا کی راہ میں"

اُس موقع اُسی طرف جھکا اور تلوار کہ زمین پر گر گئی تھی کو اُٹھا لیا اور لڑائی جاری رکھی۔ چند لمحوں بعد ایک مجاہد اسلام نے (ابوجہل) کو قتل کر دیا۔

(ابوجہل) کے قتل کے بعد قریش کا لشکر بد دل ہو گیا۔ اُن کے دل میں وحشت پیدا ہونے لگی کہ ہم اس کثرت سے ہونے کے باوجود ابھی تک مسلمانوں کی ایک صف کو درہم برہم نہیں کر سکے۔ لہٰذا پسپائی اختیار کی چونکہ یہ پسپائی نئے حملے کے لیئے نہیں تھی۔ اس لیئے کہنا چاہیئے کہ راہِ فرار اختیار کر گئے اور میدانِ جنگ میں ستر" لاشیں چھوڑ گئے۔

(ابوجہل) کے علاوہ قریش کے کئی ایک بزرگ از جملہ (ابوسفیان) کا سُسر اور اُس کی بیوی کا بھائی بھی قتل ہو گیا تھا۔

جنگ بدر میں حالانکہ مسلمان ایک تہائی تھے لیکن اُن کا نقصان چودہ" مجاہدوں کی شہادت تھی۔

جنگ بدر جس میں مسلمانوں کو فیصلہ کن فتح نصیب ہوئی اور مسلمانوں کے لیئے روحانی تقویت کا باعث ہوئی۔ اس جنگ میں ایک چھوٹے سے لشکر نے اپنی قوتِ ایمانی اور جنگی چالوں کے باعث اپنے سے تین گنا بڑے لشکر کو شکست فاش دی تھی۔

ایک مسلمان جنگ کے خاتمہ اور قریش کے فرار کے بعد میدانِ جنگ میں گیا کہ کشتگان کو ایک نظر دیکھ سکے۔ اس مجاہد کا نام (عتبہ بن ربیعہ) تھا۔ چونکہ وہ مہاجر تھے اور مقتول سب مکہ سے متعلق تھے۔ اس لیئے اُن کی کوشش تھی کہ دیکھیں کون کون قتل ہؤا ہے۔

ناگہاں ایک مقتول کی لاش نے اُن کی توجہ جلب کی۔ وہ جُھکے اور لاش کو غور سے دیکھا۔ اُن کے چہرے پر غم کے آثار ہویدا ہو گئے۔ چند لحظہ بعد محمدؐ اُس طرف سے گزرے۔ عتبہ بن ربیعہ کو دیکھا کہ غمگین کھڑا ہے تو اُس سے کہا (عتبہ) غمزدہ نہ ہو آج خداوند نے مسلمانوں کو فاتح کیا ہے۔

(عتبہ) نے انگلی سے مقابل پڑی ہوئی لاش کی طرف اشارہ کیا اور کہا میں اس لاش کو دیکھ کر غمگین ہوں۔ یہ میرے باپ کی لاش ہے۔

محمدؐ کو جب معلوم ہؤا کہ (عتبہ) اپنے باپ کی نعش پر کھڑا ہے تو اُسے تسلی دی۔ (عتبہ) نے کہا۔ یا رسُول اللہ میں اس وجہ سے غمگین ہوں کہ میرا باپ کفر کی حالت میں مر گیا۔ مجھے اُمید تھی کہ ایک دن وہ متنبہ ہو کر مسلمان ہو جائیگا۔

جنگ بدر کی تفصیل کے ساتھ شرح (کتاب ایام العرب) میں لکھی ہوئی ہے اور جنگ بدر مثل گزشتہ آج بھی تاریخ اسلام کا ایک بہت بڑا واقعہ شمار ہوتی ہے۔ جنگ بدر میں پہلی مرتبہ مسلمانوں نے فتح حاصل کی اور فتحمندی کی لذت سے آشنا ہوئے۔ انہیں مزید یقین حاصل ہؤا کہ قوتِ ایمانی اور صحیح جنگی چالوں پر عمل کر کے ایک چھوٹا سا لشکر ایک بڑے لشکر پر غلبہ حاصل کر سکتا ہے۔

نقشہ جنگِ بدر

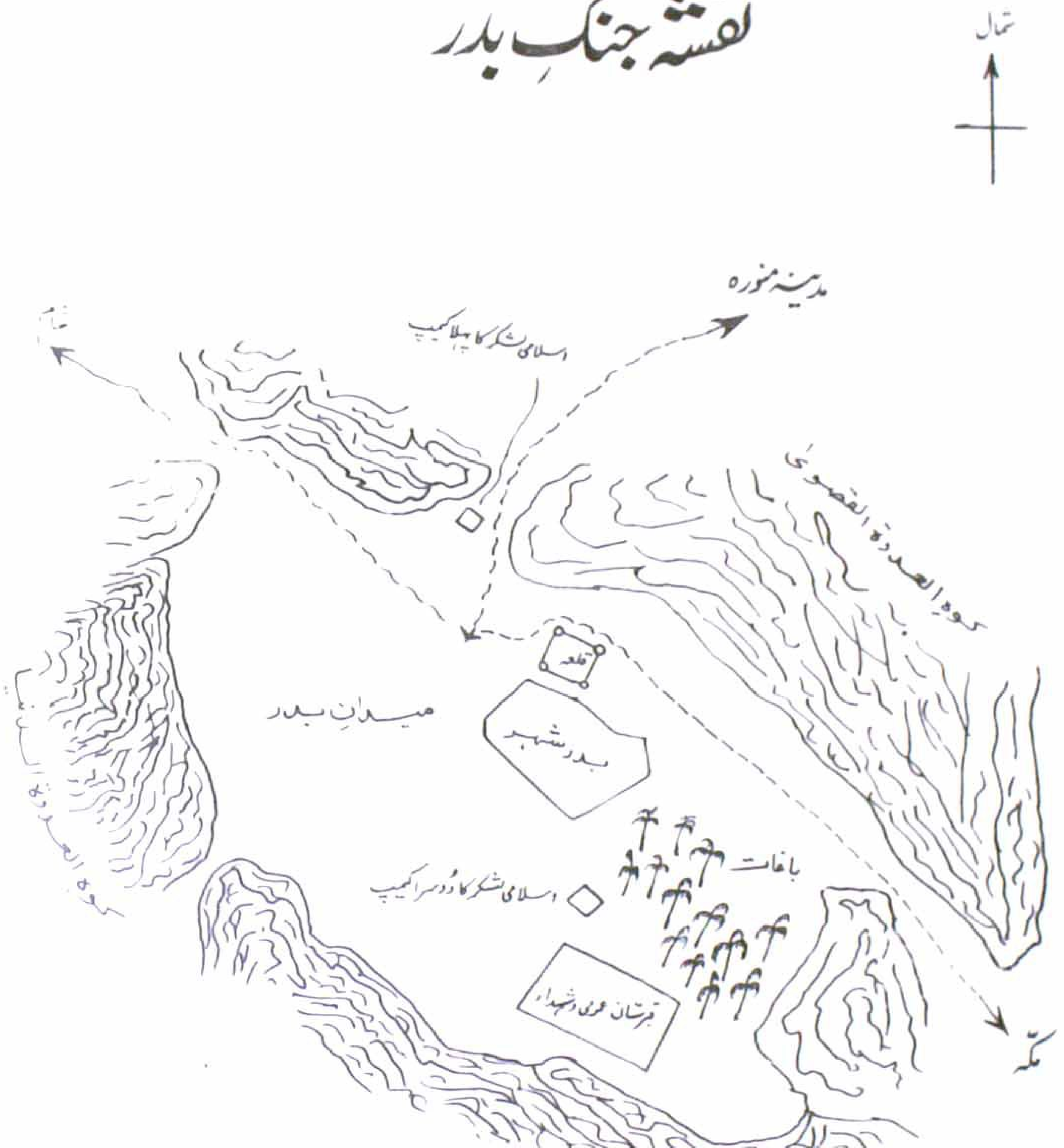

Marfat.com

Marfat.com

مسلمانوں نے بقایا دن اپنے شہداء کو دفن کرنے اور مشرکین کی لاشوں کو چاہِ بدر میں پھینکنے پر صرف کیا۔ جنگ کے آغاز سے پہلے محمدؐ نے ہدایات دی تھیں کہ سپاہیوں کی لاشوں کو مسخ نہ کیا جاوے۔

اور اُن کے اعضاء اپنے پاس یادگار کے طور پر رکھنے کے لیئے قطع نہ کیئے جائیں۔ جس طرح زمانِ حیات زندوں پر احسان کرنا چاہیئے۔ مرنے کے بعد بھی اُن پر احسان کرو۔

جب مسلمان شہداء کی نعشیں قبروں میں اُتار رہے تھے۔ محمدؐ نے فرمایا ان کی قبریں ایک ردیف میں بناؤ اور کوشش کرو کہ قبریں ظاہراً خوب و زیبا دکھائی دیں۔

ایک مسلمان نے عرض کیا۔ یا محمدؐ اگر ظاہراً قبر خوب و زیبا نہ ہو تو آپ کا کیا خیال ہے کہ مردے ناراحت ہونگے؟

آپؐ نے فرمایا۔ مردے ناراحت نہیں ہوتے بلکہ زندہ لوگ ناراحت ہوتے ہیں۔ ایک ویران قبر کا مشاہدہ غم انگیز ہوتا ہے۔

انسانی تاریخ میں پہلی بار جنگی اسیروں پر رحم کیا گیا

شہداء کو سپردِ خاک کرنے کے بعد پیغمبرِ اسلامؐ نے جنگی اسیروں کے متعلق کوئی فیصلہ کرنے کا ارادہ کیا۔ جنگِ بدر میں مسلمانوں نے ستر افراد کو قیدی بنایا تھا۔

جزیرۃُ العرب میں ایک قیدی یا اسیر اُس جنگجو کو کہتے ہیں جو میدانِ جنگ میں گرفتار ہوا ہو۔ وُہ شخص جو اُسے (قیدی کو) میدانِ جنگ میں گرفتار کرتا تھا اُس کا مالکِ مطلق شمار ہوتا تھا۔ اُس کو اختیار ہوتا خواہ اُسے قتل کر دے، خواہ بردہ فروشوں کے بازار لے جا کر فروخت کر دے یا اپنا غلام بنا لے۔

جب ایک قیدی کو قتل کیا جانا ہوتا تھا تو قیدی کے دونوں ہاتھ پشت پر باندھ کر اُسے بٹھا دیتے اور اُسی ہاتھ باندھنے والی رسی کے ساتھ ایک تیر اس طرح رکھ کر باندھا جاتا تھا کہ قیدی مطلقاً کوئی حرکت نہ کر سکے اور فرار کی کوشش نہ کرے۔ بعد آں عقب سے تلوار کا وار کر کے اُس کی گردن تن سے جُدا کر دی جاتی۔ خون ایک فوارہ کی طرح جاری ہو جاتا تھا۔

شہداء کو دفن کرنے کے بعد محمدؐ نے مشورۃً مسلمانوں سے پُوچھا کہ اِن اسیروں کا کیا کیا جائے؟

(عمرؓ بن الخطاب) نے بلند آواز سے کہا: "گردن مار دی جائے"۔

(ابوعبیدہؓ) نے کہا: "زندہ جلا دیئے جائیں"۔

(ابوبکرؓ) نے کہا: "قیدیوں کو اجازت دی جائے کہ مکّہ میں اپنے عزیزوں سے رابطہ پیدا کر کے انہیں کہیں کہ ہمیں فدیہ دے کر آزاد کرا لیں"۔

آپؐ نے ابوبکرؓ کی رائے قبول فرمائی اور پیغمبرِ اسلامؐ کی طرف سے ایک آئین برائے "اسیرانِ جنگی" وضع ہوا کہ ہمارے خیال میں یہ "پہلا آئین نامہ" ہے کہ جہاں میں جنگی اسیروں کے لیئے وضع ہوا۔ اس میں توضیح کی گئی کہ جنگی اسیروں سے بہتر سلوک کیا جائے۔

جنگی اسیروں کے لیئے یہ "آئین" وضع ہونے سے پہلے ہر وہ شخص جس نے میدانِ جنگ میں کسی کو اسیر بنایا ہو اُسے قتل کرنے یا زندہ جلا دینے کا اختیار رکھتا تھا۔ عرب میں ایک جنگی قیدی گرفتار کرنے والے کی مِلکِ مطلق ہوتا تھا۔

Marfat.com

اگر اسیر کے احباب اُس کا فدیہ ادا کر کے اُسے آزاد کرا لیتے تو بہتر ورنہ گرفتار کرنے والے کو اختیار ہوتا اُسے غلام بنائے قتل کر دے یا زندہ جلا دے۔

محمدؐ نے جنگی اسیروں کے لیے جو آئین مرتب کیا۔ اُس میں مقرر فرمایا۔ اسیر کی آزادی کے لیے فدیہ کی رقم اس کی مالی حالت کے تناسب سے وصول کی جائے گی۔ چونکہ اکثر اسیر قریش کے ثروت مند خاندانوں سے متعلق ہیں۔ ہر اسیر کی آزادی کے لیے چہار ہزار درہم فدیہ وصول کیا جائے گا۔ جو خاندان یہ مبلغ ادا نہ کر سکتا ہو۔ وہ مقررہ مقدار میں نیزہ و تلوار مہیا کر کے اپنے اسیر کو رہا کرا سکتا ہے اور وُہ قیدی جو تعلیم یافتہ ہیں (یعنی لکھنا پڑھنا جانتے ہیں) اُن کو نقد یا اسلحہ کی صُورت میں فدیہ معاف کیا جاتا ہے۔ عوضانہ میں وُہ دس مسلمان بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا کر آزاد ہو سکتے ہیں۔

اس آئین کے مطابق اسیر جتنی مدت مسلمانوں کی اسارت میں رہیں گے اُن کو مناسب غذا و لباس مہیا کیا جائے گا اور کوئی شخص اُن کو آزار نہیں پہنچائے گا۔ اس لیئے کہ جنگی قیدیوں کو آزار پہنچانا خداوند کے نزدیک پسندیدہ عمل نہیں ہے اس آئین میں جنگی اسیروں سے حُسنِ سلوک کی اِس قدر تاکید کی گئی تھی کہ بعض مجاہدین جنھوں نے قیدی بنائے تھے اپنی غذا و لباس قیدیوں کو دے دیا کرتے تھے۔

جیسے ہی مسلمانوں کی فتح کی خبر مکہ پہنچی۔ اہل مکہ نے فیصلہ کیا کہ ایک دوسری جنگ میں مسلمانوں سے انتقام لیا جائیگا جو لوگ محمدؐ اور مسلمانوں کے قتل پر کمربستہ تھے اُن میں سے ایک ابوسفیان تھا کہ جنگ بدر میں اُس کا ایک بیٹا قتل اور دُوسرا اسیر ہوا۔ اب طوعاً و کرہاً فدیہ ادا کر کے اُسے آزاد کرائے۔ اس کے علاوہ اُس کا سُسر اور سُسر کا بیٹا بھی میدانِ جنگ میں کام آئے تھے۔

(ابُوسفیان) نے قسم کھائی کہ جب تک محمدؐ اور دُوسرے مسلمانوں سے انتقام نہیں لے لیتا اپنی عورت سے دُور رہے گا۔

(ابُوسفیان) کی بیوی نے قسم کھائی کہ اگر اُس کی دسترس باپ۔ بیٹے اور بھائی کے قاتلوں تک ہوئی تو وُہ اُن کا کلیجہ نکال کر کھائے گی۔ مزید یہ کہ اگر قاتلین زیادہ ہوئے تو وُہ ان کی زبان۔ کان اور ناک کاٹ کر گلے کا ہار بنائے گی۔ اور جب اسلام نابود ہو جائے گا۔ وُہ مکہ کے گلی کوچوں میں اِس ہار کو پہن کر رقص کرے گی۔

اس حال میں کہ اہل مکہ کی زبانیں شعلے اُگل رہی تھیں۔ مدینہ سے خبر آئی کہ اہلیان مکہ اپنے اسیروں کو فدیۂ آزادی چہار ہزار درہم فی قیدی ادا کر کے آزاد کروا سکتے ہیں۔ لہٰذا اہل مکہ ستر" قیدیوں کی آزادی کے لیئے دُوسو اسّی ہزار درہم کی ادائیگی کریں۔

قریش کے بزرگوں نے اعلان کیا کہ ہم فدیہ ادا کر کے اپنے قیدیوں کو آزاد نہیں کرائیں گے اسلیئے کہ مسلمان جو بے بضاعت ہیں اس خطیر رقم سے ثروتمند ہو جائیں گے۔ ہم مسلمانوں کے ہاتھ اتنی رقم دے کر اُن فقراء کو غنی نہیں کرنا چاہتے لیکن وُہ خاندان جن کے عزیز مسلمانوں کے اسیر تھے از جملہ ابوسفیان۔ بزرگان قریش سے اپیل کی اور خواستگار ہوئے کہ انہیں اجازت دی جائے کہ وُہ فدیہ ادا کر کے اپنے عزیزوں کو آزاد کروائیں۔

Marfat.com

بزرگان قریش نے اِس اپیل پر اجازت دے دی۔

ان قیدیوں میں ایک حضرت خدیجہؓ کا بھتیجا (ابوالعاص) تھا اور وُہ محمدؐ کی بیٹی زینبؓ کا شوہر بھی تھا۔

محمدؐ کی بیٹی زینب نے اپنے شوہر کی آزادی کے لیئے فدیہ کی رقم سہ ہزار درہم نقد فراہم کئے اور بقایا ایکہزار درہم کے عوض دو جواہر (گوہر) کہ اُن کی قیمت ایک ہزار درہم کے مساوی تھی۔ سہ ہزار درہم نقد کے ساتھ بھجوائے۔ اور کہلوایا کہ (ابوالعاص) میرے شوہر کو آزاد کیا جاوے۔ جس وقت نقدی اور جواہرات لیکر محمدؐ کے پاس آئے تو آپؐ نے دیکھا کہ ہر دو جواہرات میں سے ایک حضرت خدیجہؓ کا ہار تھا۔

حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد یہ ہار محمدؐ نے اپنی بیٹی حضرت زینبؓ کو دے دیا تھا۔ اب جو نگاہ اُس ہار پر پڑی تو آپؐ رو دیئے۔ ارد گرد موجود مسلمانوں نے جب دیکھا کہ آپؐ رو دیئے ہیں۔ تو وُہ بہت متاثر ہُوئے اور بعض تو وجہ جانے بغیر ہی آپؐ کو روتا دیکھ کر رو دیئے۔

عمرؓ بن الخطاب کہ برجستہ تر اور ممتاز تھے نے عرض کی "اے محمدؐ آپ کیوں رو رہے ہیں؟ جب آپؐ کی آنکھوں سے آنسو گرتے ہیں ہمارے دل غمگین ہو جاتے ہیں"

محمدؐ نے فرمایا یہ گلوبند کہ تم دیکھ رہے ہو۔ میری اہلیہ خدیجہؓ کا تھا اور وفات کے بعد میں نے اپنی بیٹی زینب کو دیا تھا۔ اب زینبؓ نے اپنے شوہر کی آزادی کے لیئے معہ دوسرا ہار اور رقم کے بھجوایا ہے۔

میری نگاہ جب اِس گلوبند پر پڑی تو مجھے خدیجہؓ اور زینبؓ یاد آگئیں۔ بوجہ آنکھوں میں آنسو آگئے۔

عمرؓ بن الخطاب نے مسلمانوں کو مخاطب کر کے کہا۔ میری رائے یہ ہے کہ زینبؓ کے شوہر (ابوالعاص) کو بغیر فدیہ کے آزاد کر دیا جاوے اور وہ یہ تین ہزار درہم اور دونوں ہار بھی اپنے ساتھ مکہ لیتا جاوے۔

پیغمبرِ اسلام نے فرمایا۔ میرے اور مسلمانوں کے درمیان کسی قسم کی تفاوت موجود نہیں کہ میری بیٹی کا شوہر بغیر ادائیگی فدیہ آزاد ہو۔ مگر یہ کہ (ابوالعاص) اپنی آزادی کے عوض میری بیٹی کو طلاق دے دے یا میرے پاس آئے اور مسلمان ہو جائے مسلمانوں نے اِس نظریہ کو صائب جانا۔ زیرا کہا کہ یہ پسندیدہ بھی نہیں۔ پیغمبرِ اسلام کی بیٹی ایک مشرک کی بیوی رہے۔

لہٰذا اِسی طرح ہُوا (ابوالعاص) نے آزاد ہو کر مکہ پہنچنے پر حضرت زینبؓ کو مدینہ روانہ کر دیا۔ لیکن (جیسا کہ آئندہ صفحات میں ذکر آئے گا) اثنائے راہ حضرت زینبؓ کو ایک ناخوشگوار واقعہ پیش آیا۔

ایک اور جنگی اسیر جو آپؐ کے عزیزوں میں سے تھا۔ وُہ آپؐ کا چچا عباس تھا۔ محمدؐ بہت رحمدل اور مہربان طبیعت کے مالک تھے۔ اِسی جہت قریش کو بہت دوست رکھتے تھے۔ چچا کو قید میں دیکھتے مگر آپؐ اُن کے لیئے کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ اِس لیئے کہ اُصول اس کی اجازت نہیں دیتے تھے۔

جنگ کے خاتمہ پر جب آپؐ قیدیوں کی خبرگیری کے لیئے تشریف لے گئے۔ تو آپؐ کے چچا عباس نے کہا "میں تو خفیہ طور مسلمان ہو چکا ہُوا ہوں۔ تم مجھے آزاد کر دو"

Marfat.com

محمدؐ نے جواب دیا تھا کہ اسلام کوئی خفیہ دین نہیں ہے کہ مسلمان خود کو خفیہ رکھیں۔ دوسرے تمہیں میدان جنگ میں مسلح دیکھا گیا ہے اور تم مشرکین کی آخری صف میں موجود تھے جو کہ اس پر دلیل ہے کہ تم مسلمانوں اور خداوند سے جنگ کرنا چاہتے تھے۔ اب چونکہ تم اسیر ہو اپنی آزادی کے لیئے فدیہ ادا کرو۔

(عباس) جیسا کہ ذکر ہو چکا ہے۔ صراف اور سود خوار تھا۔ حتیٰ کہ اس موقع پر بھی اپنی عادت کے مطابق فدیہ میں تخفیف کے لیئے درخواستیں کرنے لگا۔ لیکن جب دیکھا کہ محمدؐ کسی صورت بھی فدیہ میں تخفیف پر آمادہ نہیں ہوتے تو متظاہر ہوا کہ میں تو آدمی بے بضاعت ہوں استعداد فدیہ ادا کرنے کی سکت مجھ میں نہیں۔ ماضی میں میں ایک امیر آدمی تھا لیکن کچھ معاملات میں نقصان کے بعد میری جائیداد ختم ہو گئی ہے۔ چونکہ تمہارے مقررات میں یہ بھی ہے کہ ایک بے بضاعت آدمی کچھ تلواریں اور نیزے دے کر آزاد ہو سکتا ہے۔ میں حاضر ہوں کہ کچھ تلواریں اور نیزے دے کر آزادی حاصل کر دوں۔

محمدؐ نے فرمایا۔ ہم تحقیق کریں گے اگر ثابت ہوا کہ تم غریب ہو تو تم سے جنس میں فدیہ قبول کر کے تمہیں آزاد کر دیا جائے گا۔

جب (عباس) کو معلوم ہوا کہ محمدؐ اس کی جائیداد کی تحقیق کے بارے میں مصمم ہیں تو چار ہزار درہم نقد فدیہ دیکر آزاد ہو گیا۔ اس سے پہلے کہ عباس فدیہ ادا کرتا اور آزاد ہوتا۔ پہننے کے لیئے لباس اس کے پاس نہیں تھا۔ لہٰذا عریاں رہا۔ ایک مسلمان جوان (ابن ابی) کو اس پر رحم آیا۔ اسے لباس دیا کہ پہن لے۔ محمدؐ اس جوان کے عمل سے بہت محظوظ ہوئے اور اس جوان کے حق میں دعائے خیر کی۔

اس واقعہ کے دس سال بعد اس جوان کا باپ (ابی) کہ پیغمبرؐ اسلام کے دشمنوں میں سے تھا مر گیا تو اس کے لیئے کفن نہیں تھا کہ اسے پہنا کر دفن کریں۔ محمدؐ نے اپنا پیرہن اتار کر (اس لڑکے کی خدمت کے عوض) دیدیا جو اسے (ابی) پہنا کر دفن کیا گیا۔ اس وضاحت سے ہمارا مقصود یہ ظاہر کرنا ہے کہ محمدؐ احکام خداوندی کے اجراء میں سخت گیر تھے لیکن صلہ رحمی کو فراموش نہ کرتے تھے اور خویش سے محبت رکھتے تھے۔

بعد ہا مسلمان اس قدر قوی ہو گئے کہ دس ہزار گھوڑوں کے ساتھ بھی میدان کارزار میں گئے۔ حالانکہ جنگ بدر میں ان کے پاس دو گھوڑوں سے زیادہ نہیں تھے۔

جنگ بدر جس قدر مسلمانوں میں معروف ہے بعد کی دوسری بڑی بڑی جنگیں اتنی معروف نہیں ہوئیں۔ گزشتہ ابواب میں سے ایک میں ہم نے ذکر کیا ہے کہ جب محمدؐ نے اپنی رسالت کے کام کا آغاز کیا تو (ابولہب) نے اپنے بیٹے کو ترغیب دی کہ محمدؐ کی بیٹی (رقیہؓ) کو طلاق دے دو۔

(ابولہب) کے بیٹے سے طلاق کے بعد وہ عثمانؓ کے نکاح میں چلی گئی تھیں۔

عثمانؓ ایک امیر جوان تھا۔ (رقیہؓ) سے ازدواج کے بعد حبشہ ہجرت کر گیا تھا۔ اسلامی مؤرخین کے مطابق جن میں (طبری) بھی شامل ہے کہ مؤثق ترین مؤرخ اسلامی ہے۔ (رقیہؓ) عرب کی خوبصورت ترین عورتوں میں سے تھیں جب ہجرت کر کے حبشہ پہنچیں تو ان کی زیبائی کا شہرہ تمام حبشہ میں ہو گیا تھا۔ لوگ حبشہ کے مختلف نقاط سے سفر کر کے (رقیہؓ) کو دیکھنے

Marfat.com

آتے تھے۔ حبشہ سے واپسی پر دُوسرے مسلمانوں کی طرح (رقیہؓ) اور اُن کے شوہر نے مدینہ میں سکونت اختیار کی تا جنگ بدر کے آثار نمایاں ہونے لگے۔

اس موقعہ پر (رقیہؓ) بیمار پڑ گئیں۔ محمدؐ اور مسلمین جنگ پر جا رہے تھے۔ پیغمبرِ اسلام نے عثمانؓ کو (رقیہؓ) کی تیمار داری کے لیے مدینہ ہی میں چھوڑ دیا۔

جنگ بدر کے خاتمہ کے بعد جب محمدؐ اور دُوسرے مجاہدین مدینہ واپس آئے تو (رقیہؓ) کی طبیعت وخیم تر ہو گئی اور انہوں نے اس جہان کو خیرباد کہہ دیا۔

محمدؐ اپنی بیٹی کی وفات سے بہت متاثر ہوئے۔ زیرا آپؐ اپنے خانوادہ کے افراد سے بہت محبت کرتے تھے ابھی (رقیہؓ) کو فوت ہوئے زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ محمدؐ پر ایک صدمہ اور گزرا وہ یہ کہ آپؐ کی بیٹی (زینبؓ) اس جہان فانی سے رُخصت ہو گئیں۔

شرح واقعہ اس طرح ہے:۔

(ابوالعاص) جب آزاد ہو کر مکہ پہنچا تو حسب وعدہ (زینبؓ) کو مدینہ روانہ کر دیا۔ پہلے ہم ذکر کر چکے ہیں کہ محمدؐ کا تمام خانوادہ بجز (زینبؓ) مدینہ لایا جا چکا تھا۔ (زینبؓ) کے شوہر نے اجازت نہیں دی تھی۔ لہٰذا وہ مکہ میں رہ گئی تھیں (ابوالعاص) نے جنگ بدر میں شرکت کی۔ اسیر ہوا اور مشروط آزادی حاصل کر کے مکہ پہنچا تو (ابوالعاص) نے (زینبؓ) کو اپنے بھائی کی معیت میں مدینہ روانہ کر دیا تا کہ بغیر کسی خطرہ کے مدینہ پہنچ جائے۔ جماعت قریش کو علم ہو گیا۔ لہٰذا ابھی کاروان (زینبؓ) مکہ سے باہر آیا ہی تھا کہ طائفہ قریش کے کچھ افراد نے ایک شخص (ہبر) کی راہنمائی میں کاروان پر حملہ کیا تاکہ (زینبؓ) کی روانگی کو روک سکیں۔

(کنہ) اور کاروان کے دُوسرے مرد دفاع کے لیئے آگے بڑھے کہ یہ (زینبؓ) کو اُٹھا مکہ واپس نہ لے جائیں (زینبؓ) بوقت عزیمت حاملہ تھیں۔ اسی زد و خورد میں وُہ اونٹ سے گر گئیں۔ سقط حمل ہو گیا۔ بچہ قبل از وقت پیدا ہو [illegible] پا گیا۔

یہ بچہ محمدؐ کا پہلا دوہتہ (نوۂ ذکور) تھا۔ بعدازاں جب محمدؐ کو علم ہوا کہ (ہبر) نے (زینبؓ) کے کاروان پر حملہ کیا تھا اور باعث اسقاط حمل ہوا تھا حکم دیا کہ (ہبر) کو گرفتار کر کے میرے پاس لاؤ۔ (ہبر) کو مدینہ لایا گیا۔ (زینبؓ) اسقاط حمل کے باعث مدینہ پہنچنے کے تھوڑی دیر بعد وفات پا گئیں۔

اس ترتیب سے پیغمبرِ اسلام کی دو بیٹیاں یکے بعد دیگرے اپنے والدؐ کو داغ مفارقت دے گئیں۔

جب (ہبر) مدینہ لایا گیا تو ایک مسلمان نے کہا۔ اسے زندہ جلا دیا جائے۔

محمدؐ نے اظہار فرمایا۔ فقط خداوند صاحب اختیار آتش و انسان ہے۔ اُسی کو لائق ہے کہ کسی کو آتش جہنم میں ڈالے میں یہ حکم نہیں دے سکتا۔

رحمت اللعالمینؐ نے اُس سے صرفِ نظر کیا۔

Marfat.com

(زینبؓ) کے اِس جہان فانی سے رخصت ہونے سے پہلے ایک واقعہ پیش آیا۔ اس واقعہ کا ذکر یہاں اس لیے ضروری ہے تا معلوم ہو کہ ایک عورت کے حقوق اُس معاشرہ میں کیا تھے۔

(ابوالعاص) اپنی بیوی سے محبت کرتا تھا۔ اور (زینبؓ) بھی اسی طرح اپنے شوہر سے علاقہ مند تھیں جو ان کی رخصت باعث ہوئی کہ (ابوالعاص) بھی خفیہ طور مکہ سے مدینہ چل دیا۔ جیسے ہی (زینبؓ) کو علم ہوا اُس نے مسجد میں جا کر [illegible] دوسرے مسلمانوں سے کہا کہ اُس نے (ابوالعاص) اپنے سابقہ شوہر کو حق جوار میں لینے کا ارادہ کیا ہے۔

ہم نے گزشتہ صفحات میں توضیح کی ہے کہ بدوی عرب کے حقوق میں سے ایک حق جوار بھی تھا کہ جو بھی خارجی کو دیا جاتا ہے۔

عرب کی عورتوں کا حق (جوار) مردوں سے زیادہ تھا۔

یعنی عرب اس قدر عورتوں کے احترام کے قائل تھے کہ اگر ایک خارجی کا ہاتھ ایک عورت کے خیمہ کی طناب تک پہنچ جاتا اور وُہ پناہ مانگتا تو اُسے حق جوار حاصل ہو جاتا تھا۔

اگر ایک خارجی مفرور ایک عرب عورت تک رسائی حاصل کر لیتا اور وُہ عورت اُس پر اپنا (مقنعہ) ڈال دیتی تو وُہ حمایت (جوار) سے مستفید ہو جاتا۔ اُس کے بعد وُہ اُس عورت کا (جار) ہوتا۔ کوئی شخص اُسے گرفتار نہیں کر سکتا تھا۔

مسلمانوں نے جب دیکھا کہ پیغمبرؐ اسلام کی بیٹی (ابوالعاص) کو حق جوار میں لے رہی ہے تو منتظر ہوئے کہ پیغمبرؐ اسلام کیا فرماتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا یہ اپنے سابقہ شوہر کو حمایت (جوار) میں لے سکتی ہے۔ میری بیٹی کو حق حاصل ہے کہ اُس مرد کی مدد کرے۔ لیکن اُس کے ساتھ رہائش نہیں رکھ سکتی۔ اس لیے کہ ایک مسلمان عورت ایک مشرک مرد کے ساتھ نہیں رہ سکتی۔

(ابُوالعاص) بعد میں مسلمان ہو گیا۔ (زینبؓ) سے شادی کر لی۔ لیکن (زینبؓ) شادی کے فوری بعد وفات پا گئیں اور پیغمبرؐ اسلام کو غمزدہ کر گئیں۔

مکّہ میں جنگِ بدر کے اثرات

ہم گزشتہ صفحات میں یہ ذکر کر چکے ہیں کہ پیغمبرِ اسلام نے اہلیانِ مدینہ کے لیے ایک قانونِ اساسی تدوین کیا تھا۔

قانونِ اساسی کے ایک حصہ میں مذکور تھا کہ مدینہ کے یہودی قبیلے، طائفہ قریش اور سکنہ مکہ کے ساتھ (محمدؐ اور اسلام کی مخالفت میں) اتحاد نہیں کریں گے۔

لیکن یہودیوں نے اس کے برخلاف رویّہ اختیار کیا۔ چند یہودی شعراء مدینہ سے مکہ گئے تاکہ اہلیانِ مکّہ اور طائفہ قریش کو محمدؐ کے مقابلہ میں برانگیختہ کریں۔ ان یہودی شعراء میں سے ایک کا نام (کعب بن الاشرف) تھا۔

یہودی شعراء جب مکّہ میں وارد ہوئے تو مکّہ میں انتقام کی آگ بھڑک رہی تھی۔ قریشی قبائل نے یہ اعلان کیا ہوا تھا کہ

"مقتولین کے لیئے کوئی گریہ نہیں کرے گا بلکہ اُس کا انتقام لیا جائے گا"

مقتولین سے مُراد اُن کی جنگِ بدر میں قتل ہونیوالوں سے تھی۔ انہوں نے شہر میں اعلان کیا کہ جو مقتولینِ بدر پر روئے خواہ وہ مرد ہو یا عورت اپنے قبیلہ کی طرف سے مطرود ہوگا۔

اسی بنا پر وُہ مائیں جن کے فرزند جنگِ بدر میں مارے گئے تھے گریہ وزاری کی جرأت نہیں پا رہی تھیں۔ ایک رات ایک مقتول کی ماں کے کانوں میں گریہ وزاری کی آواز آئی۔ مقتول کی ماں بہت حیرت زدہ تھی کیونکہ اعلان کے مطابق گریہ وزاری منع تھی۔ وہ عورت (مقتول کی ماں) گھر سے باہر آئی اور آواز کی سمت چل دی تو ایک گھر میں پہنچی جہاں سے گریہ وزاری کی آواز آ رہی تھی۔ دیکھا کہ ایک بوڑھی عورت آنسو بہا رہی ہے۔

اُس سے پوچھا "ماں۔ کیا گریہ وزاری پر سے پابندی ختم ہوگئی ہے کہ تو رو رہی ہے؟"

بوڑھی عورت نے پوچھا۔ تو کیوں یہ سوال کر رہی ہے؟ عورت جو گھر میں داخل ہوئی تھی نے کہا۔ میرا دل غم سے پھٹا جا رہا ہے۔ میں چاہتی ہوں اپنے بیٹے کے لیئے گریہ وزاری کروں جو جنگِ بدر میں مارا گیا ہے لیکن ڈرتی ہوں کہ آہ و شیون کرنے پر مجھے طرد کر دیا جائے گا۔ اب جو میں نے رونے کی آواز سُنی تو چلی آئی کہ پوچھوں آیا رونے کی اجازت مل گئی ہے

Marfat.com

اگر ایسا ہے تو آؤ مل کر آہ و فغاں کریں۔ بوڑھی عورت جو خود غمگزیدہ تھی جرأت نہ کر سکی کہ اُسے بتائے میں اپنے بیٹے کے لیئے رو رہی ہوں جو جنگ بدر میں مارا گیا تھا بلکہ کہا میں بیٹے کے لیئے نہیں رو رہی اور دُوسرے اُس کی موت اتنی اہمیت نہیں رکھتی۔ میرا تو ایک اُونٹ گم ہو گیا ہے اور شتر کے نہ ملنے سے بہت غمگین ہوں میرے یہ آنسو اونٹ کے لیئے ہیں نہ کہ بیٹے کے لیئے

اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اہالیانِ مکہ۔ طائفہ قریش سے کس قدر خوفزدہ تھے کہ غم گزیدہ عورتیں اُونٹ کی گمشدگی کا بہانہ تراشتی تھیں اور چند آنسو بہا لیتی تھیں۔

جنگِ بدر میں ابوجہل کے قتل کے بعد محمدؐ سے نپٹنے کے لیئے مکہ میں تین افراد پر مشتمل ایک کمیٹی بنائی گئی جس کے اراکین (ابولہب)۔ (ابوسفیان) اور (صفوان بن اُمیہ) تھے۔

ان تینوں نے عہد کیا کہ وہ چین سے نہیں بیٹھیں گے تا وقتیکہ محمدؐ کو نابود اور اسلام کو تباہ نہ کر دیں (ابولہب) جنگِ بدر میں شریک نہیں ہوا تھا۔ جب کہ عربوں کی رسم کے مطابق لازم تھا کہ وُہ جنگ میں شرکت کرے۔ جب جنگ بدر کا آغاز ہو رہا تھا۔ اس وقت (ابولہب) بیمار تھا۔ لہٰذا اُس نے اپنی طرف سے جنگ میں شرکت کے لیئے (عاص بن ہشام) کو کرایہ پر حاصل کیا۔ (ابولہب) نے اس کرایہ کے فوجی کو چہار ہزار درہم ادا کیئے۔

مشرکین جنگِ بدر میں شکست کھانے کے بعد جب اپنے اسیروں کی آزادی کے لیئے فدیہ کی ادائیگی پر مجبور ہوئے تو (ابولہب) نے محمدؐ کو قتل کرنے کا منصوبہ تیار کیا۔ اس منصوبے کے اجراء کے لیئے ایک کرائے کا قاتل حاصل کرنا اور مدینہ بھجوانا تھا تاکہ وہ محمدؐ کو قتل کر دے۔

مدینہ میں محمدؐ کا قتل کرنا بہت آسان تھا۔ محمدؐ اپنے لیئے کوئی محافظ نہیں رکھتے تھے اور اپنے گھر کا دروازہ کبھی بند نہیں کرتے تھے۔ ہر شخص آپؐ کے گھر میں داخل ہو سکتا تھا۔ جب کبھی بھی کوئی آپؐ کے گھر میں داخل ہوا یہی دیکھا کہ آپؐ موزے بنا رہے ہیں یا لباس مرمت کر رہے ہیں یا پھر گھر کے کام کاج میں ہاتھ بٹا رہے ہیں آپؐ کے پاس ایک نوکر بھی تھا لیکن وُہ آپؐ کی حفاظت پر مامور نہیں تھا۔ بلکہ صرف دو کام انجام دیتا تھا۔ ایک یہ کہ جب لوگ مدینہ میں محمدؐ سے ملنے آتے تو وُہ ان لوگوں کی راہنمائی کرتا اور انہیں محمدؐ کے حضور لے جاتا کیونکہ اکثر ایسا اتفاق ہوتا کہ مدینہ کے اطراف سے لوگ اپنے نمائندے محمدؐ سے ملاقات و مذاکرات کے لیئے بھجواتے۔

دوسرے جب آپؐ مسجد میں تشریف لے جاتے تو وہ جوتوں کی نگہداری کرتا تھا۔ نہ اس لیئے کہ کوئی جُوتے چُرا لے گا۔ مسلمانوں میں کوئی چور تھا ہی نہیں بلکہ ہر دفعہ کہ عبادت ختم ہوتی مسلمان مسجد سے باہر آتے تو ہر ایک کی خواہش ہوتی کہ وہ جلد از جلد اپنا جوتا حاصل کر کے روانہ ہو۔ اس جلدی میں وہ بدحواسی کا مظاہرہ کرتے اور تمام جوتوں کو خلط ملط کر دیتے۔ محمدؐ کو اپنا جوتا تلاش کرنے میں بہت دقت ہوتی تھی۔ نوکر کی موجودگی میں آپؐ کا جوتا محفوظ ہوتا تھا۔ محمدؐ سہولت سے اپنا جُوتا پہنتے اور روانہ ہو جاتے۔

آپؐ کی زندگی چونکہ بہت سادہ تھی۔ دُوسرے مسلمانوں اور آپؐ کی زندگی میں کوئی فرق نہیں تھا۔ اسیئے دن رات میں

کسی بھی وقت آپؐ کو قتل کرنا بہت آسان تھا۔

(ابولہب) نے آپؐ کو قتل کرنے کے لیئے ایک شخص (عمیر بن وجب) ڈھونڈھا۔ اس کا بیٹا جنگِ بدر میں اسیر ہو چکا تھا۔ طے یہ ہوا کہ وہ بیٹے کا فدیہ ادا کرنے مدینہ جائے گا۔ صرف (ابولہب)۔ (ابوسفیان) اور (صفوان بن امیہ) کو معلوم تھا کہ اُس کا اصل مقصد محمدؐ کو قتل کرنا ہے۔

(ابولہب) نے اُسے سفر کے اخراجات کے لیئے رقم دی اور مزید یہ وعدہ کیا کہ جب تک وُہ واپس نہیں آئیگا۔ اُس کے بیوی بچوں کا خرچ وُہ برداشت کریں گے۔

(عمیر) مدینہ میں داخل ہوا۔ محمدؐ کے متعلق معلومات حاصل کیں۔ اُسے بتایا گیا کہ محمدؐ فلاں وقت گھر میں ہوتے ہیں۔

(عمیر) جب محمدؐ کے گھر میں داخل ہوا آپؐ اپنی چادر دھو رہے تھے۔

محمدؐ نے سر اٹھا کر پُوچھا۔ کیا مجھ سے کوئی کام ہے؟

(عمیر) نے کہا۔ یا محمدؐ میں کیا دیکھ رہا ہوں آپؐ چادر خود دھو رہے ہیں۔ ایک پیغمبرؐ کے لیئے یہ کام شائستہ نہیں

محمدؐ نے پوچھا۔ کیوں شائستہ نہیں؟

(عمیر) نے کہا۔ ایک شخص جو پیغمبر ہو اُس کے کام تو غلاموں اور کنیزوں کو سرانجام دینے چاہئیں۔

محمدؐ نے فرمایا۔ میرے پاس غلام اور کنیزیں نہیں ہیں۔ میں اپنے کام خود انجام دیتا ہوں تو اطمینان رکھ۔ پیغمبرؐ کے چادر دھونے سے اُس کی پیغمبری میں کوئی فرق نہیں آتا۔

اس کے بعد پیغمبرِ اسلام نے موضوع بدل دیا اور فرمایا۔ میں جانتا ہُوں تو کس کام کے لیئے یہاں آیا ہے۔ (عمیر) نے کہا۔ ہاں اے محمدؐ میں آیا ہوں کہ تم سے اپنے بیٹے کی آزادی کی بابت پوچھوں کہ کتنا فدیہ ادا کرنا ہوگا۔

روایت ہے کہ جب محمدؐ نے یہ الفاظ سُنے تو فرمایا۔ اے شخص تو جھُوٹ بول رہا ہے تم اپنے بیٹے کو فدیہ ادا کر کے آزاد کرانے نہیں آئے بلکہ مجھے قتل کرنے آئے ہو۔

جب (عمیر) کے کانوں سے یہ الفاظ ٹکرائے (طبق روایت) خنجر جو قتل کے لیئے ساتھ لایا تھا لباس میں سے نکال کر زمین پر پھینک دیا۔ اور کہا۔" اے محمدؐ بجز میرے اور تین دوسرے افراد کے (جو اہل مکہ ہیں) جنھوں نے مجھے تمہارے قتل پر مامور کیا تھا۔ کوئی نہیں جانتا کہ میں تمہارے قتل کے ارادہ سے یہاں آیا ہوں۔ مجھے یقین ہے ان تینوں میں سے کسی نے ذکر نہیں کیا۔ لہٰذا تم جو اس منصوبہ سے آگاہ ہو۔ پیغمبرؐ برحق ہو۔ میں اسی لمحے تمہارے دین کو قبول کرتا ہُوں۔

مسلمان ہونے کے بعد (عمیر) نے کہا آج تک میری تمام صلاحیتیں اسلام کی پیش رفت روکنے کے لیئے تھیں مگر آج سے میں توسیع اسلام کے لیئے فعالیت دکھاؤں گا۔ (عمیر) واپس مکہ روانہ ہو گیا۔ جب شہر میں داخل ہوا تو اُس نے سنا کہ (ابولہب) مر چکا ہے۔

وُہ (ابولہب) کیسی موت مرا۔ اُس کی تفصیل ذیل میں دی جاتی ہے:۔

مکہ میں ایک میدان بنام (مربد) تھا۔ اس میدان میں قافلے ٹھہرا کرتے۔ وہیں لوگوں کی ملاقاتیں ہوا کرتی تھیں۔

Marfat.com

اور ایک دوسرے کو سفر کے حالات بیان کیا کرتے تھے۔ ایک دن (ابولہب) اُس میدان میں سے گزر رہا تھا۔ کیا دیکھتا ہے کہ کچھ لوگ ایک بدو عرب کی باتیں سُننے کے لیئے اُس کے گرداگرد جمع ہیں۔

(ابولہب) آگے بڑھا۔ دیکھے کہ وُہ کیا باتیں کر رہا ہے۔ معلوم ہُوا کہ وُہ جنگ بدر کے متعلق باتیں سُنا رہا ہے۔ وُہ بدو عرب کہہ رہا تھا کہ مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ اُس جنگ میں پانچہزار فرشتے آسمان سے اُترے اور مسلمانوں کی مدد کی اور لشکر قریش شکست کھا گیا۔ اُس بدو عرب نے شاید اس لیئے کہ لوگوں کو اپنی بات سے زیادہ سے زیادہ متاثر کر سکے کہا۔ میں نے خود اُن میں سے کچھ فرشتوں کو دیکھا تھا۔ وہ آسمان سے اُتر رہے تھے۔ اُن کے بدن ایک سے تھے اور وُہ سیاہ و سفید گھوڑوں پر سوار تھے۔

سامع حیرت کے ساتھ اُس کی باتیں سُن رہے تھے۔ ظاہر تھا کہ وُہ اُس کی باتوں سے بہت متاثر ہیں۔

(ابولہب) نے اُس شخص کے بیان کا اثر جو دیکھا تو بہت پریشان ہوا۔ کہا ”تو جھوٹ بولتا ہے“ جنگ بدر میں مسلمانوں کی مدد کے لیئے آسمان سے فرشتے نہیں اُترے تھے۔

اُس مردِ نقال نے جواب دیا۔ جیسا میں خود تجھے یہاں موجود دیکھ رہا ہوں۔ اسی طرح میں نے فرشتوں کو بچشم خود ایک ہی لباس میں اُترتے دیکھا ہے۔

(ابولہب) نے اُسے پھر جھٹلایا۔ اُسے جھوٹا اور لاف زن گردانا۔

ایک گروہ جو اُس بدوی عرب کی باتوں سے متاثر تھا نے اُس کے اظہارات کی تصدیق کی اور پُوچھا۔ اگر فرشتے مسلمانوں کی مدد کو نہیں آئے تھے تو کیسے لشکر قریش ۳۱۳ افراد سے شکست کھا گیا۔

کچھ لوگ (ابولہب) کی حمایت پر اُتر آئے اور دونوں گروہوں میں جھگڑا شروع ہو گیا۔ (ابولہب) اس دھینگا مشتی میں سخت زخمی ہوُا۔ یہاں تک کہ اُسے اُٹھا کر اُس کے گھر پہنچایا گیا۔

(ابولہب) زخمی ہونے کے سات دن بعد مر گیا۔

ایک عرب مؤرخ (عیلی) نے لکھا ہے۔ (ابولہب) کو اُس زخمی حالت میں طاعون کا مرض لاحق ہو گیا تھا۔ سرایت مرض کے خوف سے اُس کی لاش کو شہر سے دُور دفن کیا گیا۔

اُس دن سے آج تک جو بھی مسلمان اُس کی قبر کے پاس سے گزرتا ہے۔ اُس کی قبر پر پتھر مارتا ہے کہ وُہ اسلام کا بہت بڑا دشمن تھا۔

(ابولہب) کے بعد (ابوسفیان) نے مخالفینِ اسلام کی پیشوائی سنبھالی اور اُس کی بیوی موسوم بہ (ہِنت) اپنے شوہر سے بھی زیادہ پیغمبرؐ اسلام کی نسبت خصُومت کا اظہار کرتی۔

(ہِنت۔ بروزن قَند پڑھا جاتا ہے۔ کلمۂ (ہنت) کلمۂ ہن کی مؤنث ہے اور (ھن) یعنی ایک چیز بے ارزش۔ بے وقعت ــــ دورۂ جاہلیت میں عرب۔ لڑکی کی اہمیت کے قائل نہیں تھے۔ لہٰذا بعض قبائل اس قسم کے نام رکھا کرتے تھے یعنی بے ارزش۔ بے وقعت وغیرہ وغیرہ)۔

Marfat.com

جنگ بدر کے دو مہینے بعد اشراف مکہ نے ایک لشکر مسلمانوں کی سرکوبی کے لیے مدینہ بھیجا۔ لشکر کا کماندار (ابوسفیان) تھا۔

(ابوسفیان) محمدؐ کا برادر رضاعی تھا۔ دونوں نے ایک ہی دایہ کا دودھ پیا تھا۔

(ابوسفیان) کا اصل پیشہ تجارت تھا لیکن شعر بھی کہا کرتا تھا خصوصاً محمدؐ کی شان میں اس کی کہی ہوئی ہجو بہت مشہور ہے۔

(ابوسفیان) چہار صد افراد کے ساتھ ماہ حرام میں مکہ سے خارج ہوا اور مدینہ کی راہ لی۔ اس نے مدینہ کے قریب کوہ (نیب) میں لشکر کو ٹھہرایا اور خود چند افراد کے ہمراہ آگے بڑھ گیا۔

قریش اور یہودیوں کے درمیان گٹھ جوڑ ہو چکی تھی کہ جب بھی قریش مسلمانوں پر حملہ آور ہوں گے۔ یہودی قریش کی مدد میں اٹھ کھڑے ہوں گے۔ اسی لیے ابوسفیان یہودیوں کو اپنا اتحادی سمجھتے ہوئے بڑے اطمینان سے مدینہ میں داخل ہوا اور (سلام بن مشام) کے گھر گیا۔ جو کہ یہودیوں کے بزرگوں میں سے تھا۔

(سلام بن ہشام) نے (ابوسفیان) کی بڑے شاہانہ انداز میں پذیرائی کی۔ بہترین غذائیں اور شراب اس کے لیے فراہم کی۔

کھانا تمام ہونے پر (ابوسفیان) نے صاحب خانہ سے کہا۔ تمہارے وعدوں پر اعتماد کرتے ہوئے میں مدینہ آیا ہوں میرا ارادہ ہے کہ آج رات میں تمہاری مدد سے مسلمانوں پر حملہ کروں۔

(سلام بن مشام) نے کہا۔ ہم اپنے وعدوں پر قائم ہیں اور جیسا کہ ہم نے وعدہ کیا ہوا ہے۔ ہم محمدؐ کے ساتھ جنگ میں تمہاری مدد کریں گے لیکن ہمارے گمان میں نہیں تھا کہ تم اتنی جلدی آجاؤ گے اور جنگ شروع کرنا چاہو گے۔ ہم اس وقت جنگ کے لیے تیار نہیں ہیں۔ آج رات جنگ میں شامل نہیں ہو سکتے اور نہ ہی ہمارے لیے کل پرسوں اور بعد کی راتوں میں ممکن ہوگا مگر یہ کہ کچھ مدت گزر جائے اور ہم جنگ کی تیاری مکمل کر لیں۔

(ابوسفیان) کا ارادہ اسی رات حملہ کرنے کا تھا۔ جب اس کا ارادہ پورا نہ ہوا تو اس نے واپسی پر یہودی محلہ (عریض) میں عربوں کے گھروں کو آگ لگا دی۔ یہ محلہ مدینہ کے شمال میں واقع ہے۔ دو عرب افراد کو قتل بھی کر دیا اور مال غنیمت از جملہ ستوؤں (سویق) سے بھری ہوئی بوریاں لے کر فرار ہو گیا۔

مسلمان اس قتل و غارت گری کی اطلاع ملتے ہی (ابوسفیان) کے تعاقب میں نکل پڑے۔

(ابوسفیان) اور اس کے ساتھیوں نے تعاقب سے گھبرا کر ستوؤں سے بھرے ہوئے تھیلوں کو راہ میں گرا دیا تاکہ ان کے اونٹ اور گھوڑے تیز تر دوڑ سکیں۔ اس واقعہ کو اسی نسبت سے تاریخ عرب میں (ستوؤں کی لوٹ) کا نام دیا گیا۔

پیغمبر اسلام نے ردعمل کے طور پر حکم دیا کہ مکہ کا جو بھی قافلہ سرزمین مدینہ سے گزرے اس پر حملہ کیا جاوے۔

ایک دن مسلمانوں کو اطلاع ملی کہ مکہ کا ایک قافلہ (ابوسفیان) اور (صفوان بن امیہ) کی سربراہی میں خیبر سے مکہ جا

رہا ہے اور اُن کے ہمراہ سامان تجارت زیورات اور چاندی کے برتن ہیں۔

(خیبر) مدینہ کے شمال میں واقع ایک شہر ہے وہاں پر تمام آبادی یہودیوں کی تھی۔ اس شہر کی آبادی کی کثرت زرگر تھی۔ وُہ چاندی کے برتن۔ طلائی زیورات اور دوسری اقسام کے گرانبہا ظروف بنایا کرتے تھے۔

(خیبر) کے یہودی نہ صرف طلائی زیورات اور چاندی کے برتن دوسروں کو بیچا کرتے تھے بلکہ کرایہ پر بھی دیا کرتے تھے۔ اشراف مکّہ شادی بیاہ اور بڑی بڑی ضیافتوں کے موقع پر یہ سامان یہودیوں سے کرایہ پر لے جایا کرتے تھے۔

ہجرت سے چند سال قبل مکّہ کے ایک بزرگ نے ایک بہت بڑے جشن کے انتظامات کے سلسلہ میں گرانبہا برتن، زیورات اور سجاوٹ کا سامان (خیبر) کے یہودیوں سے کرایہ پر لیا۔ ان اشیاء میں سے بہت سی گُم ہو گئیں یقیناً چوری ہو گئیں۔ یہودیوں نے اپنے مال کا مطالبہ کیا اور گم شدہ سامان کی قیمت دس ہزار دینار طلائی وصول کی۔

یہ یہودی سامان کرایہ پر دینے سے پہلے اطمینان کر لیا کرتے تھے کہ کہیں اُن کا سامان ضائع تو نہیں ہو جائیگا۔ ضائع ہونے کی صورت میں کرایہ دار اسکی قیمت ادا کر سکے گا۔ بغیر اطمینان حاصل کیئے وہ سامان کرایہ پر نہیں دیا کرتے تھے۔

بہرحال اُس اطلاع پر مسلمانوں کا ایک سَو افراد پر مشتمل دستہ (زید بن حارث) کی سرکردگی میں مدینہ سے روانہ ہو گیا۔ کہ قافلہ پر حملہ آور ہو۔ مسلمانوں نے نجد کی حدود پر (القراہ) کے مقام پر قافلہ کو جا لیا اور بے درنگ حملہ کر دیا۔

(ابوسفیان) اور (صفوان بن اُمیّہ) فرار ہو گئے۔ تمام اموالِ کاروان مسلمانوں کے ہاتھ لگا جس کی مالیت ایک لاکھ درہم کے قریب تھی۔ مکّہ کا یہ پہلا کاروان تھا جو براہِ راست مسلمانوں کے پنجہ میں آ پھنسا تھا۔ مسلمانوں نے اس مال کے تصرّف سے (دشتِ سویق) کا بدلہ لیا۔

قافلے پر حملہ کی خبر جب مکّہ پہنچی تو مکّہ کے بُت پرستوں کی آتش انتقام اور بھڑک اٹھی۔ انہوں نے اور زیادہ تیزی سے جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔

یہودیوں کے ایک گروہ کا مدینہ سے اخراج

اس حال میں جب کہ اہالیانِ مکہ خود کو ایک بڑی جنگ کے لیئے تیار کر رہے تھے۔ مدینہ میں مخالفین اسلام نے شعر و ہجو کہہ کر ایک نیا محاذ کھول دیا۔

ہم نے اس تاریخی حقیقت کی پہلے وضاحت کر دی ہے کہ سرزمینِ عرب میں کلام کو بہت اہمیت حاصل تھی۔ منظوم کلام کے تو وُہ دیوانے تھے۔ سیاسی مقابلوں میں (ہجو) کو ایک ہتھیار کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔ عربوں کا قول تھا کہ (ہجو) کا زخم تلوار اور نیزہ کے زخم ہی کی طرح مہلک ہے۔

مدینہ کے شعراء میں سے ایک شاعر (کعب بن الاشرف) تھا جو محمدؐ اور مسلمانوں کی شان میں (ہجو) کہا کرتا تھا۔ اس کا ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔

یہ شخص چند ماہ کے لیئے مکہ بھی گیا تھا۔ وہاں اس نے مکہ والوں کو محمدؐ اور مسلمانوں کے خلاف تحریک کیا اور مدینہ واپس آگیا۔ مدینہ میں جہاں عوام جمع ہوتے وُہ محمدؐ اور اسلام کی (ہجو) پڑھنے لگتا اور اس طرح لوگوں کو برانگیختہ کرتا۔

(کعب بن الاشرف) کے علاوہ ایک شاعرہ (اسما بنت مروان) تھی جو محمدؐ اور اسلام کی (ہجو) کیا کرتی تھی۔ یہ عورت مدینہ کی خوبصورت ترین عورتوں میں شمار ہوتی تھی۔ وُہ خوش آواز بھی تھی۔ اس لیئے اس کے (خداوند۔ محمدؐ۔ مسلمانوں۔ قرآن۔ جبرئیل) کے خلاف ہجو کہنے پر مسلمان بہت آزردہ ہوتے تھے حتیٰ کہ محمدؐ بذاتِ خود بھی اُس کے اشعار سے بہت دلگیر ہوتے لیکن چونکہ آپ حلیم الطبع اور بہت زیادہ بُردبار تھے اس لیئے برداشت کرتے تھے۔ حتیٰ کہ خداوند نے سورۂ عصر میں فرمایا:-

"وَالْعَصْرِ ۝ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۝ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝"

خداوند نے اس سُورت میں زمانے کی قسم کھائی اور فرمایا۔ قسم ہے عصرِ حاضر کی (یعنی وہ عصر جس میں محمدؐ پیغمبری پر مبعوث ہُوئے) جو عصرِ معرفت و حقیقت ہے کہ انسان اپنی نادانیوں اور لغ بازیوں کی وجہ سے بدبختی کی طرف جا رہا ہے مگر وُہ جو ایمان لائے اور صالح عمل کیئے اور راہِ حق ترویج دی

اور اس پر ثابت قدمی سے عمل کیا اور صبر و بردباری میں بھی استقامت دکھائی۔"

قرآن میں بار بار صبر و بُردباری کی تاکید کی گئی ہے اور ہر دفعہ خداوند لوگوں کو توضیح کرتے کہ حلیمی اور بُردباری کو ہاتھ سے نہ دیں۔ پیغمبرِ اسلام نیز بہت بُردبار تھے۔ مسلمانوں کا پیمانۂ صبر بہرحال محمدؐ جیسا نہیں تھا۔ وُہ (ہجو) پر بہت آزردہ تھے نیز یہ کہ شعراء مذکور خداوند اور پیغمبرِ اسلام کی شان میں بھی گستاخی کرتے تھے۔

مسلمان اپنے متعلق ہر بدگوئی کو برداشت کر سکتے تھے مگر پیغمبرِ اسلام کی شان میں گستاخی اُن کے لیئے ناقابلِ تحمل تھی۔ ایک دن ایک نابینا مسلمان (اسما بنت مروان) کے گھر گیا اور اپنا خنجر اُس کے سینہ میں گھونپ کر اُسے قتل کر دیا۔

دُوسرے دن جب یہ خبر لوگوں تک پہنچی کہ ایک نابینا مرد نے (اسما) کو قتل کر دیا ہے تو لوگ حیرت میں گم ہو گئے۔

اس لیئے کہ سمجھ سے بالا تھا کہ ایک نابینا کس طرح گھر میں گھُسا ہو گا اور اُسے (اسما) کس طرح ڈھونڈ کر قتل کیا ہو گا۔ تا اینکہ معلوم ہُوا کہ وُہ شخص (اسما) کے نزدیکی عزیزوں میں سے ہے اور کئی سال سے اُس کے ساتھ ہی رہتا تھا۔ گھر کی ہر چیز سے آشنا تھا۔ اُس عورت کی عادتوں سے بھی واقف تھا اور یہ بھی جانتا تھا کہ وُہ عورت کہاں سوتی ہے۔

(اسماء) کے قتل کی خبر تمام مدینہ میں پھیل گئی۔ سبھی اس خبر سے مطلع ہو گئے۔ محمدؐ کو بھی یہ خبر مسجد میں سنائی گئی۔

نابینا قاتل جب مسجد میں آیا تو محمدؐ نے اُن سے پُوچھا۔ کیا تم نے ہی اسماء کو قتل کیا ہے؟

اُس نے عرض کی "ہاں" یا محمدؐ۔ شبِ گزشتہ مَیں نے ہی اُسے قتل کیا ہے اور مَیں بالکل پشیمان نہیں ہوں۔ یہ بھی جانتا ہُوں۔ یہ موضوع بالکل بے اہمیت ہے۔ حتّٰی کہ دو بھیڑیں بھی اپنے سینگ نہیں ہلائیں گی۔

لیکن آپؐ اس واقعہ سے بہت متاثر ہُوئے اس لیئے کہ اُنہیں جنایت سے نفرت تھی لیکن محمدؐ نے (اسما) کے قاتل کو مجازات نہ کیا۔ اس لیئے کہ طبقِ قانونِ مدینہ۔ ہر قبیلہ داخلی طور پر آزاد تھا اور جب قاتل و مقتول ایک ہی قبیلہ سے ہوتے تو کوئی دُوسرا قبیلہ کوئی اقدام نہیں کر سکتا تھا۔ لہٰذا قاتل کی سزا موقوف ہو جاتی اس لیئے کہ خانوادہ کے لوگ ایک دوسرے کے رشتہ دار ہوتے تھے۔

(اسما) کے قتل کے بعد (کعب بن الاشرف) کو بھی ایک مسلمان نے قتل کر دیا۔ اس دفعہ بھی قاتل و مقتول ایک ہی قبیلہ سے تھے۔ اسلئے محمدؐ قاتل کو مجازات نہ کر سکے۔

مدینہ میں ایک اور شاعر بنام (ابوعفک) تھا۔ یہ بھی خداوند۔ محمدؐ اور مسلمانوں کی شان میں ہجو کہا کرتا تھا۔ یہ شاعر بھی ایک مسلمان کے ہاتھوں قتل ہُوا۔ اس کا قاتل بھی خود اُس کے قبیلہ میں سے تھا۔ اس ترتیب سے تینوں (ہجو سرا) شاعر قتل ہوئے اور کسی بھی قاتل کو سزا نہ دی جا سکی۔

لیکن ان تینوں شعرا کے قتل کے بعد بھی ہجو سرائی جاری رہی اور یہ ہجو سرائی مدینہ کے یہودیوں نے شروع کی تھی اور مسلمانوں کی آزردگی کا باعث ہُوئے۔

محمدؐ نے یہودیوں سے گزارش کی کہ مسلمانوں کی ایذا رسانی سے باز آ جائیں۔ مزید انہیں یاد دلایا کہ تم نے قانونِ اساسی کے تحت یہ عہد کیا ہُوا ہے کہ مسلمانوں کے دوست رہو گے اور مسلمانوں کے دشمنوں سے اتحاد نہیں کرو گے۔

Marfat.com

ایک روز محمدؐ مسلمانوں اور یہودیوں کی بہبود کے متعلق کوئی لائحہ عمل طے کرنے کے لیئے (طائفہ زرگراں) کے رئیس کے گھر تشریف لے گئے۔ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ مدینہ میں یہودیوں کے تین طائفے تھے۔ کشاورز۔ زرگر اور دباغ۔ طائفہ زرگراں کے رئیس کو علم تھا کہ چند ہفتے دیگر چند ہزار جنگجو افراد پر مشتمل ایک بڑا لشکر مکہ سے مدینہ آنیوالا ہے۔ لہذا وُہ محمدؐ سے بڑی سرد مہری سے پیش آیا۔ یہ رئیس اُن افراد میں سے ایک تھا جنہوں نے قریش سے خفیہ معاہدہ کیا ہُوا تھا کہ لشکر مکہ جب مدینہ میں داخل ہوگا تو یہ قریش کی مدد کریں گے تاکہ مسلمانوں کو نابود کر دیں۔ یہ محتاج بیان نہیں کہ اس عمل سے وُہ قانون اساسیٔ مدینہ سے منحرف ہوئے اور عہد شکنی کی۔

محمدؐ نے گھر میں داخل ہونے کے بعد پہلی گفتگو قانون اساسیٔ مدینہ کی بابت کی اور فرمایا کہ اس قانون کا احترام کرنا ہم سب کا فرض ہے۔ کبھی کسی کو بھی ایسا کام نہیں کرنا چاہیئے جو قانون اساسی کے خلاف ہو۔

اس کے بعد مسلمانوں اور یہودیوں کے موجودہ حالات پر اظہار خیال کرتے ہوئے فرمایا کہ مسلمانوں کی طرف سے آج تک قانون اساسی کی کوئی چھوٹی سی خلاف ورزی بھی سرزد نہیں ہوئی اور یہودیوں کو آزار پہنچانے کا کوئی منصوبہ نہیں بنایا گیا۔ البتہ یہودیوں نے ہجو دہزل کہہ کر مسلمانوں کی دلآزاری کی ہے۔ ہم نے اس پر صبر کیا مگر تم لوگ زیادہ دلیر ہوگئے ہو اور تم نے شاید اسے ہماری کمزوری پر محمول کیا ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے مسلمانوں نے جیسا کہ آخری جنگ میں ثابت کیا ہے وہ کسی سے نہیں دبتے۔ ہم نہیں چاہتے کہ متقابل اقدام سے مسلمانوں اور یہودیوں کے تعلقات خراب ہوں۔ لہذ بہتر ہوگا کہ یہودی مسلمانوں کو آزار پہنچانا چھوڑ دیں اور قانون اساسی کا احترام کریں۔

یہودی طائفہ (زرگراں) کے رئیس نے برائے اینکہ اپنی کم اعتنائی کا اظہار کرے۔ آپؐ کو نام سے یعنی یا محمدؐ کہکر پکارنے کی بجائے آپؐ کو کنیت کہ ابو القاسم تھی سے مخاطب کیا۔

"اے ابو القاسم جنگ (بدر) کے نتائج نے تمہیں اور تمہارے پیروکاروں کو مغرور بنا دیا ہے۔ اور تُو تصور کرتا ہے چونکہ تم نے اعیان مکہ کے لشکر پر جو تم سے کثیر و برتر تھا فتح حاصل کی ہے۔ لہٰذا اب ہر جگہ فتحمند ہو گے۔ تم اس سے غافل ہو کہ جنگ (بدر) میں تمہاری جنگ ہم نژادوں سے تھی تم نے ابھی تک یہودیوں سے جنگ نہیں کی تا سمجھ سکو کہ مردانِ جنگجو کیسے ہوتے ہیں۔

ہم دلیر لوگ ہیں ہم میں استقامت ہے اور فنونِ حرب وضرب میں ہمیں تخصص حاصل ہے اور جو کوئی ہمارے مقابل آئے گا۔ شکست کھائے گا۔

محمدؐ نے فرمایا۔ ہم تم سے جنگ نہیں چاہتے بلکہ دوستی کے خواہاں ہیں۔ یہ خبر بھی گشت کر رہی ہے اور میں حس کر رہا ہُوں کہ مکہ سے ایک بہت بڑا لشکر مدینہ پر حملہ آور ہونے والا ہے۔ کیا ان حالات میں تم آمادہ نہیں ہو کہ ہم سے دوستی رکھو اور اس لشکر سے نمٹ لینے کے بعد تم بے شک بے طرف ہو جانا۔

یہودی اُس لشکر کی آمد سے کچھ اس طرح پُر امید تھے۔ کہ رئیس (طائفہ زرگراں) آمادہ نہ ہُوا کہ غیر جانبداری کا وعدہ کرے اور کہا کہ یہ موضوع وابستہ ہے کہ مسلمان کیا رویّہ اپناتے ہیں اگر اُن کا رویّہ اُس موقع تک رضاعت بخش ہُوا۔ تو

لشکرِ مکّہ کی آمد کے بعد ہم غیر جانبدار ہو جائیں گے۔

مسلمان اس لئے کہ یہودیوں کو کوئی بہانہ بنانے کا موقع نہ ملے۔ اُن سے اچھا سلوک کر رہے تھے اور اُن کی ہر قسم کی جارحیت پر خاموش تھے۔ اسلئے کہ وُہ اگر کوئی قدم اُٹھاتے تو یہودی دشمن ہو جاتے اور مکّہ کے لشکر کی آمد پر وہ دو تلواروں کے درمیان ہوتے۔ مکّہ کا لشکر خارج سے اور یہودی داخل سے حملہ آور ہوتے۔

اس حال میں کہ مسلمان یہودیوں کی ہر زیادتی گوارا کر رہے تھے کہ ایک دن ایک مسلمان لڑکی یہودیوں کے محلہ زرگراں سے گزر رہی تھی۔ یہودی جوان لڑکوں نے اُسے گھیر لیا اور بدزبانی شروع کر دی۔ پھر اسی پر اکتفا نہ کیا بلکہ کوشش کی اُس لڑکی کا لباس اُس کے بدن سے جُدا کر دیں۔

جب یہودی لڑکوں نے لڑکی کو گھیرا ہوا تھا ایک یہودی زرگر اپنی دکان سے اُٹھا اور لڑکی کے کُرتے کا دامن ایک کیل سے پھنسا دیا۔

اب اُس لڑکی نے جو ناچار فرار کی کوشش کی۔ کُرتے کا دامن چونکہ کیل سے متصل تھا کُرتہ پھٹ گیا اور لڑکی کے بدن سے علیحدہ ہو گیا۔ لڑکی عُریاں ہو گئی۔

ایک مسلمان وہاں سے گزر رہا تھا وُہ یہودی زرگر کے پاس گیا اور ایک مُکّہ اُس کے سر پر رسید کیا۔ یہودی جوان جو وہاں پر جمع تھے زرگر کی حمایت میں آگے بڑھے اور مسلمان مرد کو قتل کر دیا۔

مسلمانوں نے طائفہ زرگراں سے دیہ کا مطالبہ کیا۔ لیکن یہ یہودی طائفہ دیہ کی ادائیگی پر آمادہ نہ ہوا۔

جب ایک طائفہ قتل کا مرتکب ہو اور خون بہا کی ادائیگی سے محترز ہو تو عرب زندگی کے مقررات کے مطابق اس طائفہ سے جنگ ناگزیر ہو جاتی ہے۔

مسلمانوں نے یہودیوں کے اس طائفہ سے جنگ کا ارادہ کیا۔ اس طائفہ کے مردوں کی تعداد سات سو تھی۔ اپنی بستی میں (جس کی تعمیر ایک قلعہ کی طرز پر تھی) محصُور ہو گئے۔

وُہ اُس وقت تک مسلمانوں سے خوفزدہ نہیں تھے۔ کیونکہ اُن کا خیال تھا کہ مکّہ کا لشکر (ابُوسفیان) کی سرکردگی میں چند روز تک مدینہ پہنچ جائے گا۔ فقط انہیں یہ افسوس تھا کہ یہ جنگ چند دن پہلے کیوں شروع ہو گئی ہے۔ مسلمانوں نے زرگروں کے محلّہ کا محاصرہ کر لیا۔ زرگر دو ہفتہ تک متواتر محصُور رہے۔

اِن دو ہفتوں میں دونوں اطراف سے کوئی زخمی یا قتل نہیں ہوا تھا۔ دو ہفتوں بعد یہودیوں کو معلوم ہوا کہ مکّہ کا لشکر ابھی تک مکّہ سے چلا ہی نہیں کجا کہ مدینہ برسد یا یہ کہ مدینہ کے نزدیک ہی پہنچا ہو۔ لہٰذا اس یہودی طائفہ نے پریشان ہو کر ہتھیار ڈال دیئے۔ پھر بھی محمدؐ نے اُن سے نرم رویّہ اختیار کیا۔ اسلحہ کے علاوہ اُن سے کوئی چیز نہ چھینی اور فرمایا کہ انہیں (یہودیوں کو) اختیار ہے مسلمان ہو جائیں یا مدینہ چھوڑ جائیں۔ محمدؐ نے اُن سے کہا کہ تم جاتی دفعہ جو چیز چاہو اپنے ساتھ لے جا سکتے ہو۔ بجز زمین کے کہ وُہ خداوند کی مِلک ہے۔

یہودی (زرگر) اپنی ہر چیز حتیٰ کہ گھروں کے دروازے اور کھڑکیاں بھی اکھاڑ کر اپنے ساتھ لے گئے۔ مدینہ

کی حدود سے باہر جاکر وہ دو دستوں میں تقسیم ہو گئے۔ ایک دستہ نے جنوب کی سمت مکہ کی راہ لی تاکہ وہ قریش کے لشکر کے ساتھ مدینہ واپس آکر مسلمانوں کو نابود کریں۔

دوسرا گروہ اپنے راستہ پر چل دیا کہ جزیرۃ العرب کے کسی یہودی علاقہ میں جاکر مقیم ہو۔

گرچہ اس طائفہ کے اخراج سے مدینہ میں دشمنان اسلام کی تعداد میں تخفیف واقع ہوئی۔ لیکن پھر بھی باقی ماندہ یہودی تعداد میں زیادہ تھے۔

طائفہ قریش کی طاقت کو نقصان پہنچا۔ اس لیئے کہ اگر یہ طائفہ زرگراں مدینہ ہی میں موجود ہوتا تو اُس کے سات سو جنگی مرد ایک بہت بڑی قوت فراہم کرتے۔

جنگِ اُحد میں مجاہدینِ اسلام کی شجاعت

ہم یہ ذکر کر چکے ہیں کہ (ابوسفیان) چار سَو ۴۰۰ افراد کے ساتھ مدینہ آیا تھا کہ یہودیوں کی مدد سے محمدؐ اور مسلمانوں کو ختم کرے۔

لیکن اُس وقت یہودی ڈر گئے تھے اور محمدؐ کے خلاف قریش کا عملی طور پر ساتھ نہ دیا۔ ابُوسفیان نے واپسی پر چند مسلمان گھرانوں کو لُوٹا جلایا اور دَو ۲ افراد کو قتل کر دیا۔ اور راہِ فرار اختیار کی۔ اسی نسبت سے اس کو (دستبرِ سویق) یعنی ستوؤں کی غارتگری کا نام دیا گیا۔ عربی میں جَو کے آٹے کو سویق کہتے ہیں۔

(ابوسفیان) نے مکّہ میں ایک بڑا لشکر فراہم کرنے کے بعد مارچ ۶۲۵ء مطابق ماہ شوّال ۳ ہجری مدینہ کیطرف روانہ ہؤا۔ اس دفعہ (ابُوسفیان) کے لشکر میں تین ہزار جنگجو تھے۔ اُن میں سے سات سو ۷۰۰ زرہ پوش تھے۔ اور (صفوان بن امیہ) نائب سالار تھا۔

جب ہم سات سو زرہ پوش کہتے ہیں تو اس کا ہرگز یہ مطلب نہ لیا جائے کہ سرد ممالک کی طرح وہ آہنی لباس پہنے ہوئے تھے۔ عربستان میں آہنی لباس کا پہننا ممکن ہی نہیں کیونکہ آہنی لباس پہن کر میدانِ کارزار میں پہنچنے سے پہلے ہی آدمی کو گرمی کی شدت ختم کر دیتی ہے۔

دَو سو ۲۰۰ گھوڑ سوار تھے یعنی (رسالہ)۔ گھوڑ سوار لشکر کا سریع ترین حصّہ ہوتے ہیں۔

قریش کے رسالہ کا کمانڈار (خالد بن ولید) تھا۔ جو نہ صرف جزیرۃ العرب بلکہ دُنیا کا بزرگترین جنگجو ہو گزرا ہے۔

(خالد بن ولید) کی شجاعت و خونریزی۔ دُشمن کے کمزور حصّوں پر نگاہ رکھنے کی اہلیت اور اس کی سریع حرکت کی سب مؤرخین اسلامی نے تصدیق کی ہے۔

میدان کارزار میں جب تیروں اور نیزوں کی بارش ہو رہی ہوتی تھی۔ یہ دلیر مرد (خالد بن ولید) اس طرح خونریزی کا مظاہرہ کرتا جیسے گھر میں دسترخوان پر بیٹھا غذا کھانے میں مشغول ہو اور جب حملہ شروع کرتا تو اس قدر سریع کہ ایک

لحظ میں ایک سمت سے دُوسری سمت پہنچتا۔ خالد بن ولید بعد میں مسلمان ہو گیا۔ اور جنگوں میں اس طرح اپنی شجاعت دلیاقت کا مظاہرہ کیا کہ مسلمانوں نے اُسے خالد سیف اللہ یعنی خالد اللہ کی تلوار کا خطاب دیا۔

لیکن ماہ شوال ۳ ر ہجری کو وُہ محمدؐ سے برسرِ پیکار ہونے آیا تھا۔

دُوسرے قریشی سرداروں میں (ابوسفیان) کے ہمراہ عکرمہ بن ابوجہل بھی تھا۔ جو باپ کی مثل محمدؐ سے شدید کینہ رکھتا تھا۔

(ابوسفیان) کی بیوی (ہند) بھی میدانِ جنگ میں اُس کے ہمراہ آئی۔ تاکہ مسلمانوں کی بابت اپنی نذر پوری کرلے۔ یعنی میدان جنگ میں شہید ہونے والے مسلمانوں کے ہاتھ۔ ناک اور کان کاٹ کر اپنے لیئے ہار تیار کرے اور گلے میں ڈالے

قریش کے لشکر کے ساتھ ایک اور عورت بھی تھی ہرچند کہ اُس کا نام مذکور نہیں ہوُا اور اُس کا ذکر نہ ہونا ایک ناقابل معافی تقصیر ہے۔

اس عورت کا نام تھا (عمرہ علقمہ)۔ اُن دنوں وہ پینتیس ۳۵ یا چالیس ۴۰ سال کی تھی۔ وُہ ایک بلند قامت۔ درشت استخواں۔ چوڑی چکلی اور خوبصورت عورت تھی۔ اس عورت نے جنگ اُحد میں قریش کو غیرت دلانے کے لیئے جو کلمات کہے۔ وُہ سننے سے تعلق رکھتے ہیں۔

بروز بدھ ۲۰ ر مارچ ۶۲۵ عیسوی مطابق ۱۲ ر ماہ شوال ۳ ر ہجری کو قریش کا لشکر مدینہ پہنچا اور مدینہ کی شمالی سمت بڑھا۔

ہر شخص جانتا ہے کہ مکّہ۔ مدینہ کے جنوب میں واقع ہے مکّہ کے قافلوں کو جو شام کا سفر اختیار کرتے انہیں انہی اطراف سے گزرنا ہوتا تھا۔ لہٰذا مسلمان اُن کی راہ روک لیتے تھے۔

لہٰذا لشکر جو مکّہ سے آئے اُسے منطقی طور پر جنوب کی طرف سے مدینہ میں وارد ہونا چاہیئے یا مدینہ کے جنوب میں کہیں پڑاؤ کرنا چاہیئے نہ یہ کہ وُہ لشکر مدینہ کی شمالی سمت بڑھ جائے۔

لشکرِ قریش مدینہ کے نزدیک سے گزر کر شمالی جانب اس لیئے گیا۔ کہ جنوب کی طرف سے شتر سوار فوج کا شہر کے نزدیک پہنچنا مشکل تھا اور اس فوج کی نقل و حرکت کی راہ میں مدینہ کی جنوبی سمت بہت سی مشکلات حائل تھیں۔

چونکہ مدینہ کے جنوبی دشت تیز و نوکدار آتش فشانی پتھروں سے بھرے پڑے تھے۔ اُونٹ اُن پتھروں پر آسانی سے راہ نہیں چل سکتے تھے۔ ممکن تھا کہ ہر قدم پر گر جائیں یا یہ تیز اور نوکدار پتھر اونٹوں کے نرم نرم تلووں کو زخمی کر دیں۔

انہی وجوہات کی بنا پر ابوسفیان کا لشکر اس جگہ پر جنگ نہیں لڑ سکتا تھا۔ زیرا جنگ میں متحرک ہونا اور ایک جگہ سے دُوسری جگہ جانا لازمی ہوتا ہے لہٰذا ابوسفیان نے ترجیح دی کہ شہر کا چکر لگا کر شمال میں کوہِ اُحد کے دامن میں پہنچے اس لیئے کہ وہاں زمین بہتر تھی راہ ہموار تھی اور جنگی حرکت کے لیئے موزوں۔

جب قریش کا لشکر مدینہ پہنچا۔ محمدؐ مسجدِ قبا میں تھے۔ یہ مسجد وُہ اوّلین مسجد ہے جو محمدؐ اور مسلمین نے مدینہ کے حومہ میں بنائی تھی۔

محمدؐ ہفتہ میں ایک مرتبہ اس مسجد میں جایا کرتے اور فرائض کی ادائیگی کے بعد مسلمانان حومہ (قبا) سے صُحبت فرماتے تھے۔

بُدھ اور بعض روایت کے مطابق جمعرات کا دن تھا کہ محمدؐ کو خبر ملی کہ مکّہ سے ایک لشکر مدینہ میں وارد ہُوا ہے۔ یہ خبر آپؐ کے لیئے حیرت کا باعث نہ ہوئی۔ اسلیئے کہ انہیں اندازہ تھا مکّہ سے ایک لشکر مدینہ پر حملہ آور ہونے والا ہے تاکہ مسلمانوں کو تباہ کر دے۔

مکّہ کے لشکر نے کوہ (احد) کے دامن میں قیام کرنے کے بعد اپنے اُونٹوں اور گھوڑوں کو مدینہ کے شمالی کھیتوں میں چرنے کے لیئے چھوڑ دیا۔

یہ عمل جارحیت کا تھا۔ اہلِ مدینہ اس کا مفہوم سمجھتے تھے۔ وہ دن اور رات محمدؐ نے مدینہ کے رؤسا سے مشورہ میں گزارا۔ کہ اب کیا کرنا چاہیئے۔

محمدؐ جاننا چاہتے تھے کہ دورانِ جنگ مدینہ میں اندرونی طور پر امن رہ سکے گا کہ نہیں؟

محمدؐ سوچ رہے تھے کہ دورانِ جنگ ممکن ہے منافقین اور دُوسرے طائفے مدینہ میں مسلمانوں پر حملہ کردیں۔ اُنکی خواہش تھی کہ داخلی محاذ پُرامن رہے۔

رئیس منافقین (عبداللہ بن ابی) تھا۔ اُس نے محمدؐ کو اپنی وفاداری کا یقین دلایا اور یہودیوں نے کہا وہ مسلمانوں پر حملہ نہیں کریں گے۔

پیغمبرِ اسلام نے اُن وعدوں کو قبول کیا۔ بعدآں طریقِ جنگ پر مدینہ کے قبائل کے رؤسا سے مذاکرات کیئے۔

عبداللہ بن ابی نے مشورہ دیا کہ مسلمان محصُور ہو کر لڑیں۔ اُس نے کہا کہ اس شہر میں ایسی عمارتوں کا وجود ہے کہ ہر ایک عمارت دفاعی دیوار کا کام دے سکتی ہے اور اگر مسلمین اُن عمارتوں کو حصار بنالیں تو مکّہ کا لشکر مسلمانوں پر غلبہ حاصل نہیں کر سکے گا۔

محمدؐ اس وضع سے واقف تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ مدینہ کی ہر ایک عمارت دفاعی حصار کا کام دے سکتی ہے۔ اور اگر مسلمان ان عمارات میں محصور ہو جائیں بشرطیکہ کھانے پینے کی اشیاء کا ذخیرہ موجود ہو تو مکّہ کا لشکر اُن کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔

لیکن چونکہ یہ مشورہ عبداللہ بن ابی کا تھا اس لیئے محمدؐ کو ظن ہُوا۔ زیرا عبداللہ بن ابی قابلِ اعتماد نہ تھا۔ محمدؐ کو اندیشہ ہُوا کہ یہ صلاح عبداللہ بن ابی کی ہے۔ اسلیئے اس میں کہیں فریب نہ ہو۔ اور وُہ چاہتا ہو کہ مسلمانوں کی حرکت کی آزادی چھن جائے۔ اور وُہ بعدآں عمارت کے دروازے کھول دے محمدؐ اور مسلمین کو قریش کے حوالے کر دے۔

عبداللہ بن اُبی کے اظہارات کے بعد آپؐ نے جوانوں سے مشورہ کیا تو انہوں نے کہا یا محمدؐ ہمارے خیال میں بہتر یہ ہے کہ جنگ مدینہ سے باہر لڑی جائے۔ اس لیئے کہ اگر ہم نے جنگ محصور ہو کر لڑی تو ہماری قوتِ حرکت سلب ہو جائیگی۔ لیکن صحرا میں ہر طرح کی حرکت (MOVEMENT) جیسا آپؐ چاہیں گے ہو سکے گی۔

Marfat.com

محمدؐ نے شہر سے باہر جنگ لڑنے والوں کا نظریہ سُننے کے بعد شہر سے باہر جنگ لڑنے کا فیصلہ کیا۔ محمدؐ کی عادت تھی کہ آپ کوئی فیصلہ کرنے سے قبل ہر ایک متعلقہ فرد سے مشورہ کیا کرتے تھے۔ فیصلہ کرنے سے پہلے وُہ ہر اچھے نظریہ کی پذیرائی فرماتے لیکن جب فیصلہ کر لیتے تو پھر اُس میں ردّ و بدل ناممکن ہوتا تھا۔

شہر سے باہر نکل کر جنگ کرنے کا فیصلہ ہو جانے کے بعد بھی عبداللہ بن ابی دوبارہ محمدؐ سے خواستگار ہُوا کہ اپنے فیصلہ پر نظرِ ثانی فرمائیں اور محصور ہو کر دفاع کریں۔

محمدؐ نے فرمایا۔ اے عبداللہ بن ابی ایک پیغمبر جو خداوند کی طرف سے مبعوث ہُوا ہو۔ محصور نہیں ہوتا اور خود کو شہر میں محبوس نہیں کیا کرتا۔ خدا کا پیغمبرؐ جو رسالت پر مبعوث ہُوا ہو جب تلوار کو نیام سے نکال لے تو پھر آگے ہی بڑھتا ہے۔

قریش کی تین ہزار کی تعداد کے مقابلہ میں آپؐ کے ساتھ ایک ہزار سے زیادہ جمعیت نہیں تھی۔ ان ایک ہزار میں سے جیسا کہ آگے چل کر بتایا جائے گا۔ تین صد افراد واپس آ گئے تھے اور محمدؐ کے ساتھ صرف سات سَو افراد رہ گئے تھے۔

اسلامی لشکر میں دو سے زیادہ گھوڑے نہیں تھے اور زرہ و خود کی تعداد بھی بہت کم تھی۔

محمدؐ نے اپنے لشکر کا معائنہ فرمایا۔ لشکرِ اسلام کے پاس ساز و سامان خوب نہ تھا۔ اس لیئے کہ مسلمان تونگر نہ تھے کہ اچھے سے اچھا سامان حرب فراہم کر سکتے۔ جب آپؐ لشکر کا معائنہ فرما رہے تھے تو آپؐ کو اطلاع ملی کہ یہودیوں کا لشکر جو ہمارے ساتھ ہے بعید نہیں کہ وہ جنگ شروع ہونے کے بعد مکّہ والوں سے جا ملے۔

یہودی مدینہ کے قانونِ اساسی کے مطابق مسلمانوں کے ساتھ شامل ہو گئے تھے۔ قانونِ اساسی میں مذکور تھا جب مدینہ مورد حملہ قرار پائے تو تمام اہالیانِ شہر باہم مل کر دشمن سے دفاع کریں گے۔

محمدؐ جانتے بھی تھے اور محسوس بھی کر رہے تھے کہ یہودیوں کا ارادہ جنگ شروع ہونے کے بعد قریش سے جا ملنے کا ہے لیکن آپؐ اس بات کو زبان پر نہیں لائے تھے۔

دوسرے روز اسلامی لشکر مدینہ سے روانہ ہُوا اور کوہ اُحد کے مشرقی دامن میں پڑاؤ ڈالا۔ لشکرِ قریش کا پڑاؤ پہاڑ کے مغربی دامن میں تھا۔ بتاریخ ۱۵ شوال ۳ ہجری بروز ہفتہ صبحدم عبداللہ بن ابی نے اپنی منافقین کی جماعت کے ساتھ واپس کُوچ کیا اور مسلمانوں اور یہودیوں کو اکیلا چھوڑ آیا۔

علی الصبح منافقین نے جو حرکت کی اُس سے ثابت ہوتا ہے کہ پیغمبرؐ اسلام کا اندیشہ بے اساس نہ تھا۔ اس میں ایک نکتہ کی وضاحت ضروری ہے اور وُہ یہ ہے کہ منافقین وہ لوگ تھے جو بظاہر مُسلمان تھے وُہ محمدؐ کو چھوڑ کر چلے گئے۔ لیکن یہودی جیسا کہ افواہ تھی علیحدگی اختیار کر جائیں گے اور مکّہ کے لشکر سے جا ملیں گے وہیں رہے۔

محمدؐ نے خود ہی یہودیوں سے کہا۔ گرچہ قانونِ اساسی کے تحت مدینہ پر حملہ کی صورت میں سب کامل کر دفاع کرنا فرض ہے لیکن یہ جنگ ہمیں درپیش ہے۔ یہ مسلمین اور مکّہ کے بُت پرستوں کی جنگ ہے۔ بُت پرستوں کی جنگ اہلِ مدینہ سے نہیں بلکہ صرف مسلمانوں سے ہے۔ اُن کے حملہ کا مقصد مدینہ میں رہنے والے مسلمانوں سے جنگ ہے۔ لہٰذا یہ ایک مذہبی جنگ ہے اور قانونِ اساسی کے اصولوں کے مطابق لازم نہیں کہ تم بھی دفاع میں شمولیت کرو۔ اور مدینہ کا دفاع کرو۔

Marfat.com

تمہارا مذہب یہودیت ہے اور یہ عقل سے بعید ہوگا اگر ہم تم سے اُمید رکھیں کہ ہمارے دین کی حمایت میں بُت پرستوں سے جنگ کرو۔

ان سب باتوں کے علاوہ ہفتہ کا دن تمہارا استراحت کا دن ہے اور اس دن تم جنگ نہیں کرو گے۔ پس بہتر یہ ہے کہ آپ سب گھروں کو واپس چلے جائیں۔ ہم مسلمان تنہا بُت پرستوں سے لڑیں گے اس لیئے کہ یہ ہماری جنگ ہے۔ انجام جو خدا کو منظور ہُوا ہوگا۔

یہودیوں نے جب دیکھا کہ محمدؐ خود ہی انہیں واپس جانے کو کہہ رہے ہیں۔ وُہ اُٹھے اور گھروں کو واپس چل دیئے۔ محمدؐ کے لشکر میں اب سات سَو سے زیادہ مسلمان نہیں رہ گئے تھے۔

مسلمانوں کی حالت اِس جنگ میں جنگِ (بدر) سے بدتر تھی۔ زیرا مکہ کا لشکر تعداد میں چار گنا سے زیادہ تھا۔

قبل اس کے کہ جنگ شروع ہو۔ پیغمبرِ اسلام نے زرہ پہن لی اور خوُد سر پر رکھ لیا۔ اور مسلمانوں کو خطاب کرتے ہُوئے ہدایت فرمائی۔ ہمارا طریقِ جنگ وہی بدر والا ہوگا۔ یعنی ہم صفیں ترتیب دیں گے تاکہ دشمن کسی طرف سے بھی حملہ آور ہو اُسے ہمارا سامنا کرنا پڑے۔

ہم کو اس بات پر بھی توجہ کرنی ہوگی کہ دشمن کے پاس رسالہ کا ایک مضبوط دستہ ہے۔ دوسو سوار (خالد بن ولید) کی کمان میں ہیں اور یہ امکان ہے کہ یہ سوار اپنے منصوبہ کے تحت ہماری صفیں درہم برہم کر دیں۔

جب ایک ترتیب جنگی تشکیل پاتی ہے تو سپاہ اس طرح صفیں باندھتی ہے کہ ایک دائرہ یا مربع کی شکل بن جائے اور دشمن خواہ کسی سمت سے بھی حملہ آور ہو خود کو متقابل سپاہ کے رُخ پر پائے۔ دُشمن کے پیادہ سے اس طرح کوئی خطرہ نہیں رہتا۔

لیکن سواروں کا حملہ خطرناک ہوتا ہے اگر ہم اپنے سامنے کی سوار سپاہ کو روک بھی لیں تو اُن کے عقب سے تازہ سوار آجاتے ہیں اور ہمارے پاؤں اُکھیڑ دیتے ہیں۔ گھوڑے کی سرعتِ حرکت زیادہ ہوتی ہے ہمیں مہلت نہیں دیتی کہ ہم اپنی صفوں کو دوبارہ درست کرسکیں اور سابقہ ترتیب بحال ہو۔

اس کے بعد محمدؐ نے جنوب کی سمت ایک مخصوص جگہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔ میرا خیال ہے کہ خالد بن ولید نے اگر ہماری صفوں پر حملہ کیا تو اسی سمت سے گزر کر آئے گا۔ اس لیئے کہ یہ جگہ کھُلی اور سواروں کے حملہ کے لیئے موزوں ہے۔

جس جگہ کی طرف محمدؐ نے اشارہ کیا تھا وُہ ایک تنگ گزرگاہ کے دہانہ پر ایک وسیع میدان تھا جو کوہِ اُحد کے دامن سے لے کر مدینہ شہر کے حومہ تک پھیلا ہُوا تھا۔ اُس جگہ تمام باغات تھے اور اگر اُس تنگ گزرگاہ کو عبور کرکے جنوب کی طرف بڑھیں تو مدینہ شہر پہنچ جاتے ہیں۔ اُس درہ میں ایک کم ارتفاع ٹیلہ دکھائی دے رہا تھا جسے "عینین" کہتے ہیں۔ محمدؐ نے دو پیادہ مگر تیرانداز دستوں کو عبد اللہ بن جبیر کی قیادت میں مامور کیا کہ اُس ٹیلہ پر پوزیشن لے لیں۔

بعض مؤرخین نے ان دو دستوں کی تعداد پچاس افراد لکھی ہے اور بعض نے ایک سَو۔ میرے خیال میں مؤخر الذکر تعداد صحیح ہوگی اور تیر اندازوں کے دو دستے پچاس پچاس افراد پر مشتمل ہوں گے۔

Marfat.com

یہ ٹیلہ عینین جنگی اہمیت کا حامل تھا اور محمدؐ نے اپنی خداداد صلاحیتوں سے اُس اہمیت کو پا لیا تھا۔ یہ خالد بن ولید کے رسالہ کو روکنے اور مسلمانوں کے عقب پر ایک محفوظ آڑ تھا۔ اسی نظریہ کے تحت تیراندازوں کو اُس ٹیلہ پر بٹھا دیا گیا۔

وُہ علاقہ جس میں مسلمانوں نے قیام کیا ہُوا تھا ایک طرح کی نشیب تھی اور کوہِ اُحد کے دامن میں ایک پیالہ کی سی شکل میں تھی۔ دشمن کا پڑاؤ اسلامی کیمپ کے مغرب میں تھا۔ دشمن کسی بھی صُورت مسلمانوں کے عقب میں نہیں پہنچ پاتا تھا۔ تاوقتیکہ جنوبی راہ یعنی اُسی ٹیلہ (عینین) کے نیچے سے گزرے۔ محمدؐ نے عبداللہ بن جبیر اور اُس کے ساتھی جو ٹیلہ کی طرف جا رہے تھے کو ایکبار پھر تاکید کی۔ ہمیں کیسے ہی حالات پیش آئیں تمہیں اپنی جگہ کو نہیں چھوڑنا ہوگا اور اگر دشمن کی سپاہ ٹیلے کے نیچے سے گزر کر ہماری طرف بڑھنا چاہے تو تیراندازی کرکے اُس کے پاؤں اُکھیڑ دو۔ تمہیں اس ٹیلہ پر مقاومت کرنی ہوگی حتیٰ کہ تم سب شہید کر دیئے جاؤ۔ خصوصاً تمہیں دشمن کے سوار دستوں کا خیال رکھنا ہوگا۔ کہ وہ ہم تک نہ پہنچ پائیں۔

عبداللہ بن جبیر نے اپنے تیراندازوں کے ساتھ ٹیلہ پر پوزیشن سنبھال لی۔

محمدؐ تیراندازوں کے چلے جانے کے بعد بقایا چھ سو افراد یا ایک روایت کے مطابق چھ سو پچاس ۶۵۰ افراد (اگر تیر اندازوں کی تعداد پچاس ۵۰ شمار کی جائے) سے چند صفیں بنائیں۔ اور جنگِ بدر کی مثل پہلی صف کا علمبردار علیؓ کو مقرر فرمایا۔

مسلمانوں کی تھوڑی سی سپاہ (جس کی تعداد مجھے کسی تاریخ میں نہیں ملی) زبیر بن عوام کی کمان میں محفوظ (ذخیرہ) میں رکھی گئی۔ محمدؐ نے زبیر بن عوام سے کہا جب تم دیکھو کہ ہماری کوئی ایک صف یا مجموعی طاقت کسی مشکل میں پھنس گئی ہے تو تُو اپنی سپاہ کے ساتھ مدد کو پہنچ جانا۔

محمدؐ جنگ شروع ہونے کے آخری لمحے تک مسلمانوں کو یہی توضیح کرتے رہے کہ انفرادی جنگ سے پرہیز کرنا اور صفوں کی ترتیب کو قائم رکھنا۔ ہماری طاقت چُونکہ دشمن سے بہت کم ہے۔ اگر انفرادی جنگ لڑی تو سب ختم ہو جائیں گے۔

ہنت۔ ابوسفیان کی بیوی جنگ شروع ہونے سے قبل دُوسری عورتوں کے ساتھ مل کر طبل بجاتی رہی اور اشعار کو مخصوص آہنگ میں قریش کے مردوں اور دوسری سپاہ کو مخاطب کرکے گاتی رہیں۔ اُن اشعار کا مطلب یہ تھا۔

"اگر دشمن پر حملہ کروگے تو ہم تمہیں مخمل کے بستر میں لپٹ جاؤں گی۔ شراب کی لذت اور دُوسری لذتوں سے مست کر دوں گی...... اور اگر تم نے دشمن کو پیٹھ دکھائی تو ہمارے ہاتھوں سے ہرگز تمہیں شراب نصیب نہ ہوگی"

جنگ کے آغاز سے قبل ہنت نے اپنے مخصوص غلاموں کو جنہیں وہ ساتھ لائی تھی۔ کہا جو کوئی بھی تم میں سے مسلمان سرداروں یعنی (محمدؐ)۔ (حمزہؓ)۔ (ابوبکرؓ)۔ (عمرؓ بن الخطاب) اور (علیؓ بن ابی طالب) کو قتل کرے گا اُسی وقت آزاد کر دیا جائیگا۔

ہم یہ بتا چکے ہیں کہ مسلمانوں کے پاس صرف دو گھوڑے تھے۔ ایک گھوڑے پر انسؓ تھا۔ جب مسلمانوں کی صفیں میدانِ جنگ میں آگے بڑھیں تو انسؓ کا گھوڑا اس طرح اُچھلا کہ خود اُس کی تلوار سے ٹکرایا۔ تلوار کا کچھ حصّہ نیام سے باہر آگیا۔ یہ ایک شگون تھا کہ مسلمان جنگ میں فاتح ہوں گے۔ (انسؓ) اس واقعہ سے اس قدر خوش ہوئے کہ اس شگون کی سب کو خبر دی۔

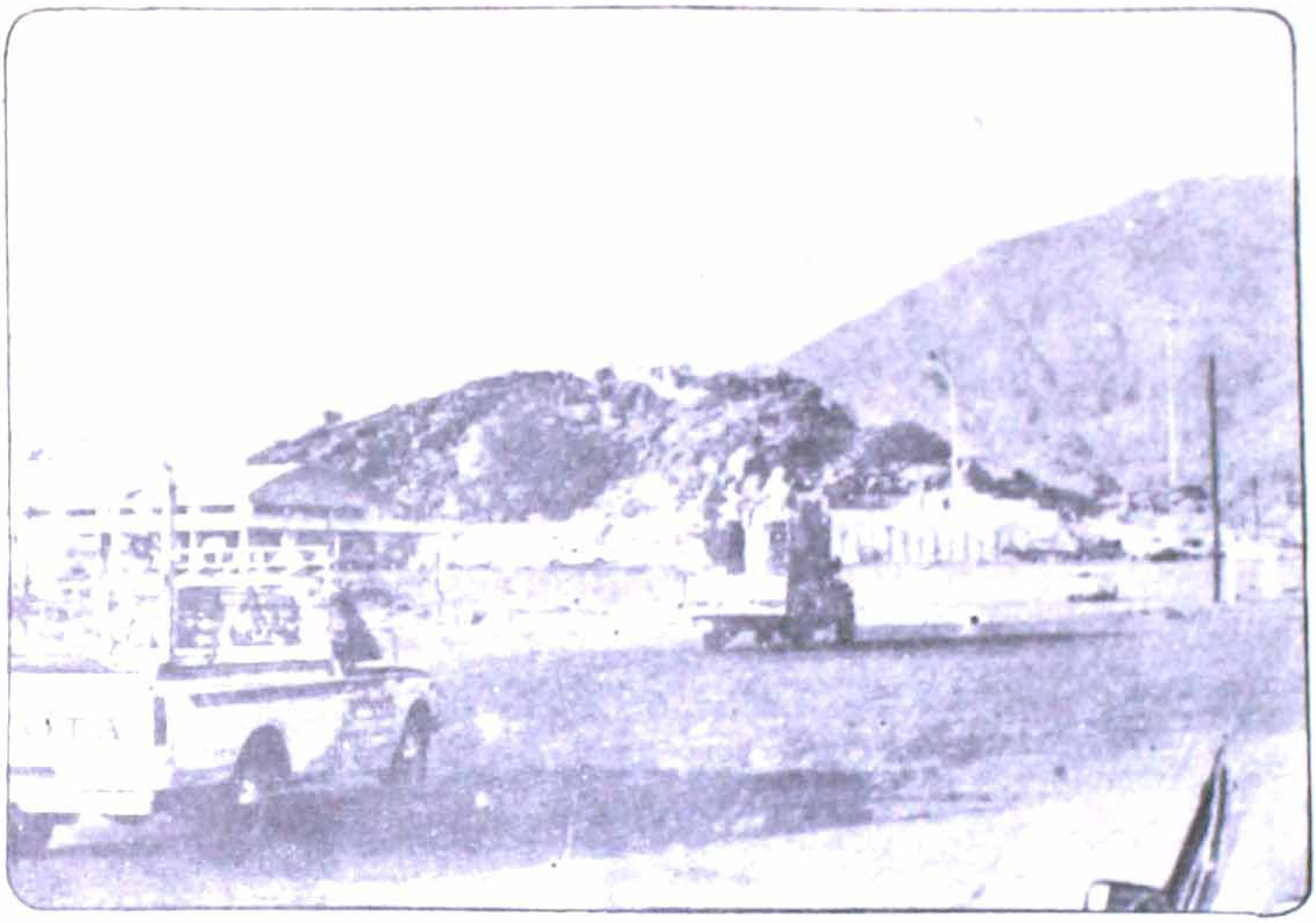

میدانِ عرفات میں جبل رحمت کا ایک منظر (مکۃ المکرمہ)

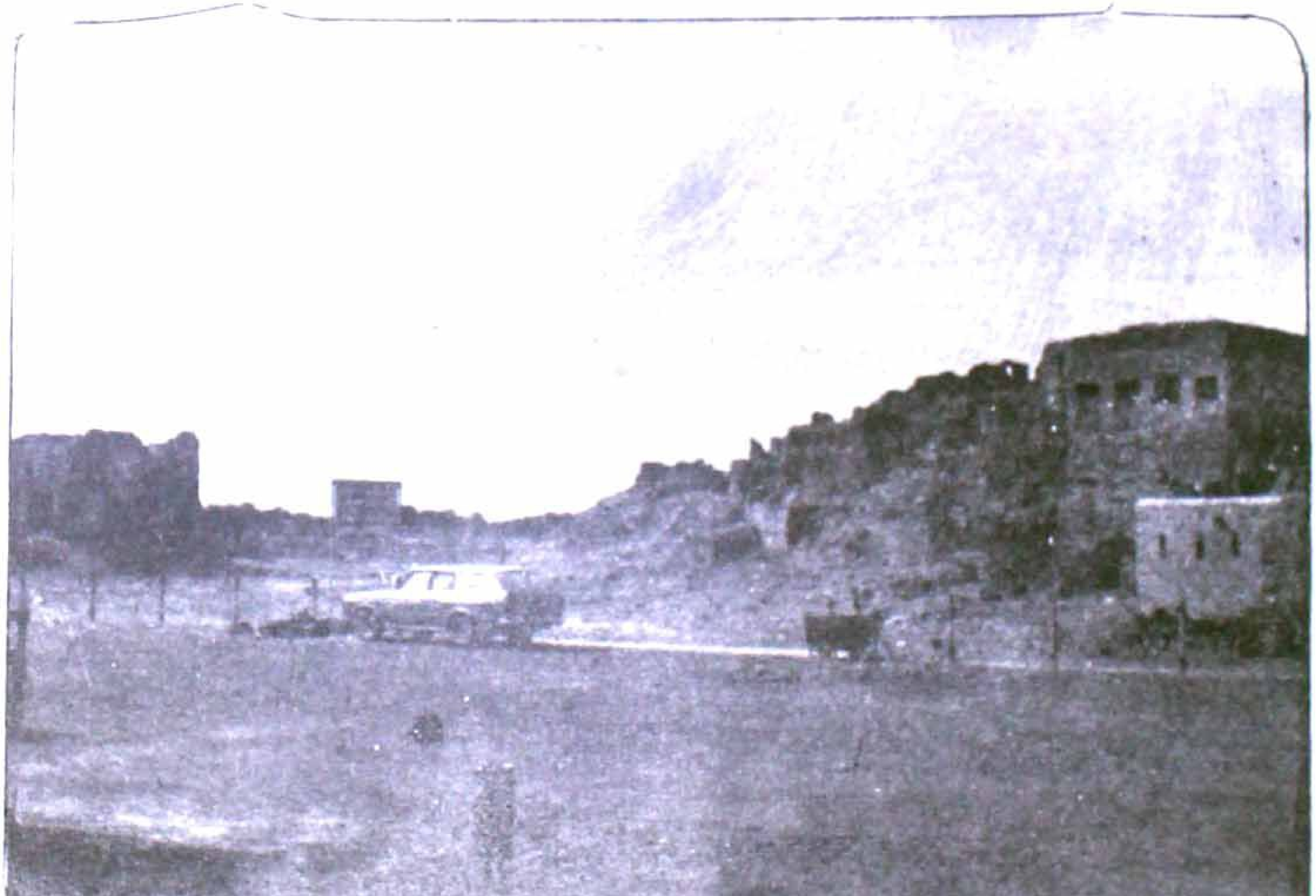

میدانِ اُحد (سمت غرب) مدینہ منورہ

Marfat.com

Marfat.com

مسلمانوں کی صفیں جب قریشی لشکر کی طرف بڑھیں تو اس آخری لمحہ میں بھی پیغمبرؐ اسلام نے توضیح فرمائی کہ صفیں ایک مستحکم دیوار ہوتی ہیں۔ انہیں کسی قیمت پر درہم برہم نہ ہونے دینا اور انفرادی جنگ نہ لڑنا۔ اگر تم نے نظم وضبط قائم رکھا اور صفیں نہ ٹوٹنے دیں تو فتح تمہاری ہوگی۔

باوجودیکہ بت پرستوں کی قوت۔ اسلامی قوت کے چار برابر تھی۔ جنگ کے اولین لمحوں میں واضح ہوگیا کہ فتح مسلمانوں کی ہوگی۔ قریش جس سمت سے بھی حملہ کرتے انہیں مسلمانوں کی تلواروں اور نیزوں کا سامنا کرنا پڑتا۔ مسلمانوں کی صفوں میں شگاف پیدا نہیں ہورہا تھا کہ کفار کی سپاہ کنار یا عقب پہنچ سکتی۔ درعین حال مسلمانوں کی صفیں آہستہ مگر منظم طور پر اس طرح آگے بڑھ رہی تھیں کہ قریش کے دلوں پر دہشت طاری ہوگئی۔ اور وہ یکبارگی پسپائی اختیار کرگئے۔

قریش کی پسپائی تظاہر داغفال کے لیے نہ تھی بلکہ وہ واقعتاً خوفزدہ ہوچکے تھے اور فرار کو ثابت قدمی پر ترجیح دے رہے تھے۔

قریش کی لشکر گاہ قریب ہی تھی۔ جب مسلمانوں نے دیکھا کہ قریش بھاگ رہے ہیں تو وہ جنگی غنائم کے حصول کے لیے دوڑے۔ قریش کی لشکر گاہ میں دوسرے اموال کے علاوہ بہت زیادہ تعداد میں اونٹ اور گھوڑے تھے۔ مسلمانوں نے اپنی صفیں توڑدیں اور مالِ غنیمت جمع کرنے کو دوڑے۔

مسلمان اس امید میں تھے کہ گھوڑوں، اونٹوں اور زروسیم کے علاوہ قریش کے سپاہیوں خصوصاً سردارانِ قریش کو اسیر بنائیں گے اور ان سے بہت زیادہ فدیہ کی رقم وصول کریں گے۔

صفِ اوّل کے علمبردار علیؑ نے پکارا "کہاں جارہے ہو ممکن ہے دشمن فریب دہی کا قصد رکھتا ہو اور کہا پیغمبرؐ نے کہا تھا انضباط ختم نہ کرنا۔ مسلمان سپاہ نے کہا۔ پیغمبرؐ نے حکم دیا تھا کہ جب تک جنگ جاری رہے نظم وضبط قائم رکھنا۔ اور اب جبکہ جنگ ختم ہوگئی ہے ہم فاتح ہیں نظم وضبط کی ضرورت نہیں رہی اور اموالِ قریش کو لوٹنے کے لیے چل دیئے۔

مسلمانوں کا وہ گروہ جو ٹیلہ (عینین) پر مامور تھا، نے دیکھا کہ قریش بھاگ رہے ہیں اور مسلمانوں نے اپنی صفیں توڑدی ہیں تاکہ غنائم جمع کریں تو عبداللہ بن جبیر سے کہا۔ ہم بھی چلیں اور غنائم جمع کریں۔ عبداللہ بن جبیر نے انہیں متنبہ کیا کہ پیغمبرؐ کا حکم ہے کہ کیسی ہی پیش آمد کیوں نہ ہو۔ تم نے یہ جگہ نہیں چھوڑنی ہوگی۔ تیراندازوں نے جواب دیا کہ اب جب لشکرِ قریش شکست کھا چکا ہے ہم کیوں یہاں بیٹھے رہیں دوسروں کی طرح مالِ غنیمت کیوں نہ جمع کریں۔

ٹیلہ پر مامور ساری سپاہ بجز بارہ افراد کے جن میں عبداللہ بن جبیر بھی شامل تھا ٹیلہ سے اتر آئے اور لوٹ کے ارادہ سے قریش کی لشکر گاہ کی طرف بڑھے۔

لشکرِ قریش جب بھاگ کر اپنی لشکر گاہ کی طرف گیا تو ان کا سامنا لشکر گاہ میں موجود عورتوں سے ہوا جو لشکر کے ساتھ مکہ سے آئی تھیں۔

عربوں کی یہ رسم قدیم سے چلی آرہی تھی۔ عورتیں میدانِ جنگ میں مردوں کے ساتھ جاتی تھیں تاکہ انہیں جوش و غیرت دلاتی رہیں اور انہیں ثابت قدمی پر مجبور کریں۔

Marfat.com

عرب کا ایک شاعر کلثوم کہتا ہے :

"جب ہم برسر پیکار ہوتے ہیں ہماری عورتیں ہمیں دیکھ رہی ہوتی ہیں۔ اُس وقت اُن کی نگاہ مشعل کی مانند ہوتی ہے اور ہمارا خون جوش میں آجاتا ہے"

جنگوں میں جب مردوں کی شکست یقینی ہو جاتی تھی عورتیں جو لشکر کے ساتھ ہوتیں بالوں کو پریشان کر لیتیں۔ کپڑوں کو پھاڑ دیتیں اور تقریباً عُریاں حالت میں دشمنوں کی طرف دوڑتیں تاکہ اپنے مردوں کو کسی طرح دشمن کے مقابلہ میں لے آئیں۔

اُس دن جنگ اُحد میں مکہ کے لشکر کے ساتھ جو عورتیں تھیں انہوں نے جب دیکھا کہ اُن کے مرد بھاگ رہے ہیں۔ ایک عورت (عمرہ علقمہ) کی قیادت میں گیسوؤں کو کھول کر اپنے لباسوں کو تار تار کر دیا کہ بالکل عُریاں ہوگئیں (اس عورت کا پہلے ذکر آچکا ہے) عمرہ علقمہ نے پکارا۔ تمہاری غیرت و حمیت کہاں چلی گئی ہے اور اگر تم ان مٹھی بھر مسلمانوں سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتے تو استقامت دکھاؤ تا قتل ہو جاؤ

جو مرد میدانِ جنگ میں قتل ہو جائے اُس پر کوئی حرف نہیں اس لیئے کہ وہ اپنا وظیفہ انجام دے چکا اور اپنے انجام کو پہنچا۔ اُسے کوئی سرزنش نہیں کر سکتا کہ کیوں فتح نہ کیا لیکن وہ مرد جو اپنے ہی طرح کے مقابل کو پیٹھ دکھائیں اور مرنے سے خوف کھائیں وہ خیموں میں چلے جائیں اور عورتوں کی جگہ لیں۔ بچوں کی نگہداری کریں۔ غذا پکائیں۔

تم خیموں میں جاؤ۔ خیموں کی نگہداری کرو۔ ہم عورتیں میدانِ جنگ میں جائیں گی اور دشمن سے پیکار ہوں گی۔

اسلامی تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ اُس دن مسلمانوں نے لشکرِ قریش کے ۹ علمبرداروں کو قتل کیا اور یہ نو ۹ افراد قبیلہ (عبدالدار) سے تھے۔

عمرہ علقمہ جھکی اور آخری علمبردار کی لاش کے پہلو سے عَلَم اُٹھا لیا۔ اُس کی تلوار ہاتھ میں لی اور اسلامی سپاہ کی طرف بڑھی۔ دوسری عورتیں اُس کے پیچھے پیچھے تھیں۔ جب قریش نے یہ دیکھا تو مسلمانوں پر پلٹ پڑے۔

قریش کا یہ حملہ قطعی غیر متوقع تھا۔ اس لیئے کہ مُسلمانوں کے تصور میں قریش کو مکمل شکست ہو چکی تھی۔ مسلمان اس غیر متوقع حملہ کے لیئے تیار نہیں تھے۔ اپنی ترتیب ختم کر چکے ہوئے تھے۔ صفوں کو توڑ کر مالِ غنیمت کے پیچھے جا چکے تھے۔

جب قریش نے حملہ کیا تو مسلمانوں نے اپنی صفیں درست کرنے کی کوشش کی لیکن ان حالات میں یہ ممکن نہ تھا۔ قریش اس تیزی سے پلٹے کہ صفیں دوبارہ نہ بن سکیں۔

خالد بن ولید کے سوار دستہ نے ابھی تک جنگ میں شرکت نہیں کی تھی۔ وہ میدانِ جنگ کا مشاہدہ کر رہا تھا۔ اُس نے دیکھا کہ قریش کے تعاقب میں مسلمانوں کی صفیں ٹوٹ گئی ہیں اور یہ بھی دیکھا کہ سپاہِ قریش عورتوں کے غیرت دلانے پر پلٹ آئی ہے۔ اور مسلمان اب انفرادی جنگ میں اُلجھ گئے ہیں۔

خالد بن ولید نے موقع غنیمت جانا اور مسلمانوں کے عقب پر حملہ کے لیئے روانہ ہو گیا۔ عبداللہ بن جبیر اور دوسرے گیارہ ۱۱ تیر اندازوں نے خالد بن ولید کی راہ روکنے کی کوشش کی مگر ناکام ہوئے اور بارہ کے بارہ افراد قتل (شہید) ہو گئے۔

خالد بن ولید مسلمانوں کے عقب میں پہنچ گیا۔ اب سامنے سے قریش کا دباؤ اور عقب پر سواروں کا حملہ۔

Marfat.com

عمرہ علقمہ ابھی تک علم اُٹھائے دُوسری عورتوں کے ساتھ مردوں کو جنگ پر اکسا رہی تھی۔

ایک سیاہ فام غلام جس کا نام (وحشی) تھا۔ ہند کے اعلان کے مطابق محمدؐ کو میدان جنگ میں ڈھونڈھ رہا تھا۔ تاکہ انہیں قتل کر کے آزادی حاصل کرے۔ وُہ محمدؐ تک تو نہ پہنچ سکا اور اسی طرح ابوبکرؓ، عمرؓ اور علیؓ کو بھی نہ ڈھونڈھ سکا لیکن حمزہؓ کے قریب پہنچ گیا۔ جب اُن کا تلوار چلانے کا انداز دیکھا تو اُسے جرأت نہ ہُوئی کہ اُن کے نزدیک آئے تا اینکہ خالد بن ولید اسلامی لشکر کے عقب پر حملہ آور ہوا۔ علیؓ۔ حمزہؓ اور عمرؓ جو پیادہ قریش سے شمشیر زنی کر رہے تھے فوراً واپس پلٹے کہ خالد کے سواروں کی راہ روکیں۔ اس وقت حمزہؓ کی پیٹھ وحشی کی طرف ہو گئی فوری اُن تک پہنچا اور اس طرح نیزہ مارا کہ نیزہ کی نوک سینہ کے پار ہو گئی۔ جب ہند زوجہ ابوسفیان نے سُنا کہ حمزہؓ کو وحشی نے قتل کر دیا ہے اُسی وقت نہ صرف اُسے آزاد کیا بلکہ وہیں میدان جنگ میں ہاتھوں اور کانوں کا زیور بھی اُتار کر اُسے دے دیا۔

خالد بن ولید کے حملہ سے مسلمانوں کا شیرازہ کچی ڈور کی طرح بکھر گیا لیکن اُن میں سے ابوبکرؓ، عمرؓ بن خطاب، علیؓ بن ابی طالب۔ ابُودجانہ اور کچھ دوسروں نے پیغمبرؐ اسلام کو گھیرے میں لے کر ایک چھوٹی سی صف ترتیب دے لی تاکہ دشمن کے سوار جو ہر طرف سے حملہ آور ہو رہے تھے کا سامنا کر سکیں۔

محمدؐ نے اپنے اردگرد والوں سے کہا۔ یہ جگہ سواروں کے حملہ کے لیئے موزوں ہے اگر تم کوہ (اُحد) پر پہنچ جاؤ تو سواروں کے حملہ سے محفوظ ہو جاؤ گے اور وہاں ہم امن میں ہو جائیں گے۔ بعد میں محمدؐ نے مسلمانوں کی بے انضباطی پر اظہار افسوس کیا۔ فرمایا۔ میں نے کہا تھا صفوں کو مت توڑنا اور ٹیلہ والے تیر اندازوں کو متنبہ کیا تھا کہ کچھ بھی ہو تمہیں وہاں سے نہیں ہٹنا۔ لیکن آج مسلمانوں نے میری ہدایات پر عمل نہیں کیا۔ اسی لیئے میں نہیں سمجھتا ہمیں جنگ بدر کی سی فتح حاصل ہو۔

ان مسلمانوں کے علاوہ جو محمدؐ کے گرد حصار باندھ چکے تھے۔ سبھی مسلمان دونوں اطراف کے حملہ کے نتیجہ میں متفرق ہو چکے تھے۔ خداوند نے سورۂ آل عمران کی آیت ۱۴۳ میں فرمایا:

"ولقد کنتم تمنون الموت من قبل ان تلقوہ فقد رأیتموہ وانتم تنظرون"

یعنی" قبل اس کے کہ تمہیں موت کا سامنا ہوتا تم مرنے (میدان جنگ میں) کی تمنا کرتے تھے۔ لیکن جب تمہیں موت سامنے نظر آئی تم دور سے تماشا کرتے رہے۔"

خداوند نے اس آیت اور دُوسری آل عمران کی آیتوں میں مسلمانوں کو موردِ نکو قرار دیا اور اُن کے جنگ اُحد سے فرار پر سرزنش کی اور چونکہ (آگے ذکر آئے گا) مشہور کر دیا گیا تھا کہ محمدؐ قتل کر دیئے گئے ہیں۔ اسی سُورت کی ۱۴۴ آیت میں فرمایا:

وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل افان مات او قتل انقلبتم علیٰ اعقابکم .... الی آخر

یعنی " اور نہیں ہے محمدؐ مگر ایک پیغمبرؐ اور اس سے قبل بھی دُوسرے پیغمبر تھے اور انہوں نے وفات پائی اور اگر یہ پیغمبر فوت ہو جائے یا قتل ہو جائے تو تم دین سے رُوگرداں ہو جاؤ گے

Marfat.com

اور جنگ میں پسپائی اختیار کر دگے؟ ہر کوئی جو دین سے رُوگردانی کرے گا۔ مرتد ہو جائیگا
اور خدا کا کچھ نقصان نہیں ہوگا بلکہ اس کا اپنا ہی نقصان ہو گا"۔

درحالیکہ محمدؐ اور اُن کے یار۔ (خالد بن ولید) کے سواروں کے مقابل مقاومت کر رہے تھے۔ خود کو اُس جگہ پہنچانے میں کامیاب ہو گئے کہ خالد بن ولید کے سوار بے اثر ہو کر رہ گئے۔

قریش کے دو جنگجو جن میں سے ایک عبداللہ بن قمعہ تھا ایک پتھر کی اوٹ میں کمین لگائے بیٹھے تھے اور کمان فلاخن سے پتھر پھینک رہے تھے۔ عبداللہ بن قمعہ کا ایک پتھر پیغمبرِ اسلام کی صورت پر لگا اور آپ کا ایک دانت ٹوٹ (شہید) ہو گیا۔ چند لمحے بعد اس حال میں محمدؐ اور اُن کے مددگار پہاڑ کے اوپر جا رہے تھے کہ محمدؐ ایک گڑھے میں گرے اور زخمی ہو گئے خالد بن ولید اور اُس کے کچھ سوار پیادہ ہو کر تعاقب میں آگے بڑھے تاکہ محمدؐ کا کام تمام کر دیں۔ پیچھے سے بقایا سواروں نے تیر اندازی شروع کر دی۔

یہی موقع تھا کہ (عبداللہ بن قمعہ) نے محمدؐ کے قتل کی خبر اڑا دی۔ اُس نے جو پتھر محمدؐ کے چہرہ مبارک پر لگتے دیکھا اور پھر فوراً بعد آپؐ کو گڑھے میں گرتے دیکھا تو اُس نے پہاڑ سے نیچے اُتر کر پکارا "محمدؐ قتل ہو گیا ہے"۔ اس خبر سے مسلمان مایوس ہوئے اور جو ابھی تک متفرق حالت میں لڑائی جاری رکھے ہوئے تھے، اُس سے بھی فرار اختیار کیا۔

علیؑ بن ابی طالب اور عمرؓ بن الخطاب نے پیغمبرِ اسلام کو گڑھے سے نکالا۔ علیؑ دوڑ کر نزدیک ہی ایک چشمہ سے ڈھال میں پانی لائے۔ محمدؐ کے سر پہ ڈالا اور اُن کے سر سے خود اُتار دیا۔

تھوڑی ہی دیر میں خالد اور اُس کے ساتھی جو اب پیادہ تعاقب کر رہے تھے اُن کے سر پر پہنچ گئے۔ بعض تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے خالد اُن کے ساتھ نہیں تھا۔ خالد بن ولید کے ساتھی جو پیادہ ہو کر تعاقب کر رہے تھے۔ تقریباً ایک سو کے قریب تھے۔

ان ایک سو افراد نے بارہ۱۲ اور بعض روایت کے مطابق چودہ۱۴ مسلمانوں پر جنہوں نے محمدؐ کو حصار میں لیا ہوا تھا۔ حملہ کر دیا۔

یہ چودہ۱۴ افراد صف بستہ ہو کر لڑ رہے تھے کہ دشمن اُن کے عقب کو نہ پا سکے لیکن پہاڑ پر پہنچنے کے بعد وضع طبیعی کچھ اس طرح تھی کہ صف کو قائم نہ رکھ سکے۔ ان بارہ۱۲ یا چودہ۱۴ افراد میں سے چار محمدؐ کی حفاظت پر مامور ہوئے اور بقایا آٹھ یا دس افراد حملہ روکنے کے لیے بڑھے۔

وہ چاروں افراد بھی لڑ رہے تھے مگر موجودہ حالت میں وہ محمدؐ سے دُور نہیں ہو سکتے تھے اس لیے کہ محمدؐ زخمی تھے اور اگر تنہا چھوڑ دیے جاتے تو جلد ہی قتل کر دیے جاتے۔ یہ چار افراد علیؑ۔ عمرؓ۔ انسؓ اور ابودجانہؓ تھے۔ علیؑ۔ عمرؓ۔ انسؓ بغیر توقف کے شمشیر چلا رہے تھے۔

جنگِ اُحد کے وقائع نگاروں نے لکھا ہے کہ یہ چاروں افراد صرف خود پہنے ہوئے تھے اور زرہ زیب تن نہیں تھی اس پر متحیر نہیں ہونا چاہیئے کیونکہ زرہ ایک ایسا لباس تھا کہ انسان پہن کر بوجھل ہو جاتا تھا اور عرب کے گرمیے علاقہ

Marfat.com

میں خصوصاً شمشیر چلانے میں آسانی محسوس نہیں کرتا تھا۔

جو زخم ان چاروں کو لگے اُن سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ وُہ زرہ پوش نہیں تھے وگرنہ اتنے زیادہ زخم ان کو نہ لگتے۔ جنگِ اُحد مارچ کے وسط میں شروع ہوئی تھی یعنی ہنوز بہار کا موسم شروع نہیں ہوا تھا۔ فصلِ بہار ۲۱ مارچ سے شروع ہوتی ہے۔ مدینہ کی ہوا سردیوں کے ان آخری دنوں میں گرم تھی۔ زرہ گرم ہو کر اذیت دیتی تھی۔

لشکرِ قریش کے جنگجوؤں کو علم تھا کہ اگر ان چار ۴ افراد کو قتل کر دیں تو محمدؐ کو قتل یا اسیر کیا جا سکتا ہے۔ لہٰذا ان چاروں (علیؓ۔ عمرؓ۔ انسؓ۔ ابودجانہؓ) پر بہت زیادہ دباؤ ڈال رہے تھے۔

(ابودجانہؓ) علیؓ۔ عمرؓ اور انسؓ کے پائے کے شمشیر زن نہیں تھے۔ لہٰذا فرطِ خستگی سے اُن کے ہاتھ نے کام کرنا چھوڑ دیا۔ اور وُہ اپنے فرض کی تکمیل میں محمدؐ کے سامنے کھڑے ہو گئے تاکہ اُن کی حفاظت میں ڈھال بن جائیں۔ مکّہ کے لشکریوں نے اس قدر تیر چلائے کہ چند منٹوں میں ابودجانہؓ کی پشت تیروں سے اس طرح پُر ہو گئی کہ کوئی جگہ خالی نہ رہی لیکن وُہ خوش تھے کہ تیر اُن کی پیٹھ میں لگ رہے ہیں اور محمدؐ محفوظ ہیں۔

(ابودجانہؓ) جلد ہی زمین پر گرے اور جان دے دی۔

(ابودجانہؓ) کے بعد انسؓ کے پاؤں اُکھڑ گئے۔ اس قدر نیزہ اور تلوار کے زخم اُن کی نعش پر تھے (کہتے ہیں کہ وقتِ دفن کوئی پہچان نہ سکا) کہ کوئی نہ پہچان سکا کہ وُہ کون ہے۔ اُن کی بہن نے اُن کو کانوں سے پہچانا کہ یہ اُس کا بھائی ہے۔

اب محمدؐ کی حفاظت کے لیے صرف ۲ افراد علیؓ اور عمرؓ رہ گئے تھے۔

علیؓ سر تا پا خون میں ڈوبے ہوئے تھے۔ تمام بدن سے خون رِس رہا تھا۔

عمرؓ چوڑے چکلے اور بلند قامت کے مالک تھے۔ لڑائی کے دوران کبھی کبھی نعرہ زن ہوتے اور مسلمانوں کی رگِ شجاعت کو چھیڑنے کے لیے رجزیہ شعر پڑھتے جاتے تھے۔ محمدؐ کی حالت اب بہتر ہو گئی تھی (وُہ دانت ٹوٹنے اور گال پھٹنے کی وجہ سے زخمی تھے اور کمزوری محسوس کر رہے تھے) انہوں نے سعد بن ابی وقاص سے تیر و کمان لے کر دشمن پر تیر اندازی شروع کر دی۔

یہ چند مسلمان جو ایک سو ۱۰۰ مشرکین کے سامنے سینہ سپر تھے جب دیکھا کہ محمدؐ کی حالت اب بہتر ہو گئی ہے۔ وُہ اب اپنے پاؤں پر کھڑے ہو سکتے ہیں تو خوشی سے جھوم اُٹھے اپنے زخموں اور تھکاوٹ کو بھول گئے۔ پہاڑ سے واپس کچھ فاصلہ پر پھر صف بستہ ہو گئے۔

یہ چھوٹی سی صف مثلِ دیوار آگے بڑھنے لگی اور مکّہ کے لشکر پر حملہ شروع کر دیا۔ ایک سو ۱۰۰ مشرکین حملہ کی تاب نہ لا کر پیچھے ہٹنے لگے۔

جنگِ اُحد کے واقعات میں سے یہ واقعہ جالبِ توجہ ہے اور ظاہر ہوتا ہے کہ شجاعت نام کی چیز علیؓ۔ عمرؓ اور سعد بن ابی وقاص کے حصہ میں بہت زیادہ آئی تھی۔ انہوں نے ایک سو ۱۰۰ افراد کا مقابلہ کر کے انہیں پسپائی پر مجبور کر دیا۔

اگر محمدؐ کے گرد جمع افراد کی تعداد چودہ ۱۴ ہی مان لی جائے تو انسؓ اور ابودجانہؓ کی شہادت کے بعد بارہ ۱۲ افراد رہ گئے

Marfat.com

تھے اور اگر کل تعداد بارہ شمار کریں تو دس افراد نے صف بنائی اور حملہ کر کے ایک سو افراد کو عقب نشینی پر مجبور کر دیا۔

وہ ایک سو افراد انتہائی دباؤ کے تحت پسپا ہوئے وگرنہ جنگ میں جس سپاہ کا پلہ بھاری ہو وہ جانتی ہوتی ہے کہ تھوڑی سی استقامت سے دشمن کے سپہ سالار کو قتل یا اسیر کر لیں گے لہذا وہ لڑائی سے پسپائی یا کنارہ کشی اختیار نہیں کرتی۔

بہرحال یہ بھی مد نظر رہنا چاہیئے کہ ان ایک سو افراد کا کمانڈار خالد بن ولید تھا اور خالد جانتا تھا کہ جنگ میں سپہ سالار کا قتل یا اسیر ہونا کتنا فیصلہ کن اور اہم ہوتا ہے۔ اگر یہ سو افراد محمدؐ کی گرفتاری یا قتل کی کوشش میں مارے بھی جاتے تو بجا تھا یہ بغیر وجہ کے نہیں کہ ابوسفیان نے جنگ کے خاتمہ پہ کہا۔ "میں نے ہرگز ان جیسے لوگ نہیں دیکھے جو جنگ کی آخری گھڑیوں میں محمدؐ کے گرد حصار کئے ہوئے تھے۔ ان کی وفاداری اور فداکاری۔ ان ایک سو افراد کی نسبت مثال نہیں رکھتی۔"

ان دس یا بارہ افراد نے جنگ کی آخری گھڑیوں میں جب پیغمبرؐ اسلام مجروح ہوئے فوق العادہ قوت و شجاعت کا مظاہرہ کیا اور ان نازک لمحات میں محمدؐ کی حفاظت کرنے میں کامیاب رہے۔

مارچ کے وسط میں دن اتنے طولانی نہیں تھے جس وقت ان دلیر مجاہدین نے چھوٹی سی صف بنا کر مکہ کے لشکریوں کو پسپائی پر مجبور کیا تو خورشید اس وقت کوہ احد کی مغربی چوٹی کے نزدیک تھا اور دن اپنی انتہا کو پہنچ رہا تھا۔ جنگ ختم ہو گئی۔ مکہ کے لشکریوں نے پھر تجدید حملہ کی جرأت نہ کی تھی۔

اس وقت پیغمبرؐ اسلام کی دو بیٹیاں فاطمہؓ اور ام کلثومؓ اپنے والد کے پاس آئیں۔

اسلامی مورخوں نے کبھی کبھی واقعات کے ثبت کرنے میں سہل انگاری سے کام لیا ہے اور تاریخ و مکان کا ذکر چھوڑ گئے ہیں۔ ہم یہ جانتے ہیں کہ جنگِ احد کی صبح مسلمانوں کی کچھ عورتیں لشکرِ اسلام کے ساتھ تھیں۔ ان عورتوں کے ساتھ پیغمبرؐ اسلام کی دونوں بیٹیاں بھی تھیں۔

فاطمہؓ زوجہ علیؓ بن ابی طالب اور ام کلثوم عثمانؓ کی زوجہ تھیں۔ عثمانؓ جیسا کہ ذکر ہو چکا ہے۔ رقیہؓ کی فوتیدگی کے بعد ام کلثومؓ کو زوجیت میں لے آئے تھے۔ تاریخ نے یہ وضاحت نہیں کی کہ جب لشکرِ اسلام کے پاؤں اکھڑے وہ منتشر ہوا تو یہ عورتیں کہاں چلی گئی تھیں کہ خاتمۂ جنگ پر پیغمبرؐ اسلام کی دونوں بیٹیاں آپؐ کے حضور پہنچ گئیں۔

فاطمہؓ والد کے پاس گئیں کہ آپؐ کے زخموں پر پٹی باندھیں۔ لیکن آپؐ نے علیؓ کہ خون میں لتھڑے ہوئے تھے کی طرف اشارہ کیا اور کہا۔ فاطمہ جاؤ جا کر علیؓ کے زخموں پہ پٹی باندھو۔ اسے تیمارداری کی مجھ سے زیادہ ضرورت ہے جب (ابوعبیدہ) لشکرِ اسلامی کا جراح علیؓ تک پہنچا تو مشاہدہ کیا کہ علیؓ کو اسی زخم آئے ہیں۔ تو کہا یا علیؓ مجھے تمہیں سر سے پیر تک باندھنا پڑے گا اور چارپائی پر ڈال کر مدینہ لے جانا ہوگا۔ میں نے اپنی تمام عمر میں نہیں دیکھا ایک شخص جنگ میں اتنے زخم اٹھائے۔ میں حیران ہوں تم کیسے پائیدار رہے اور لڑائی جاری رکھی۔

عمرؓ کو جنگِ احد میں اکیس زخم آئے اور سعد بن ابی وقاص کو بارہ زخم آئے تھے۔

ہنوز آفتاب غروب نہیں ہوا تھا کہ ہندہ زوجہ ابوسفیان میدانِ کارزار میں گئی اور پیغمبرؐ کے چچا حمزہؓ کی لاش ڈھونڈ نکالا۔ پیٹ اور سینہ چھری سے چاک کیا اور کلیجہ (جگر) نکال کر اس کا کچھ حصّہ کھا گئی۔ بدیں وجہ اس عورت کو (ہندہ

Marfat.com

جگر خوار) یا (ہندہ جگر خوار) کہا جاتا ہے۔ (ہند) نے حمزہؓ کا کلیجہ (جگر) کھانے کے بعد اُن کے اور دوسرے مسلمانوں کے جو میدان جنگ میں مُردہ پڑے تھے۔ ناک۔ کان کاٹ لیئے اور اپنے لیئے ایک گلے کا ہار تیار کیا۔ جسے گلے میں ڈال کر میدان میں رقص کیا۔

قریش کی ایک عورت جس کا نام (سلافہ بنت سعد) تھا۔ میدان جنگ میں گئی اور جستجو کر کے ایک مجاہد کا جسد ڈھونڈ نکالا جس نے جنگِ بدر میں اُس کے بیٹے کو قتل کیا تھا۔ اس عورت نے اس نعش کا سر کاٹ لیا اور کہا میں اس کا گوشت پوست اُتار دوں گی اور جب جمجمہ خشک ہو جائے گا تو جب تک زندہ ہوں اس میں پانی پیا کروں گی۔ میرے بیٹے کے قاتل کا جمجمہ میرا پانی پینے کا برتن ہوگا۔

میدانِ جنگ سے لشکرِ مکہ کی واپسی کے بعد جب پیغمبرِ اسلام کی نگاہ (حمزہؓ) کے جنازہ پر پڑی اور دیکھا کہ شکم اور سینہ چاک کر کے جگر نکالا گیا ہے، ناک اور کان کٹے ہوئے ہیں تو آپؐ بہت غمزدہ ہوئے اور فرمایا "اس کے بعد جو بھی جنگ ہمارے اور کفار کے درمیان ہوگی میں بُت پرستوں کے تین مقتولین کا مُثلہ بناؤں گا۔" اُسی وقت وحی نازل ہوئی اکنون وہ آیت سورۂ نحل کی ۱۲۶ آیت ہے:

"وان عاقبتم فعاقبو بمثل ما عوقبتم به ولئن صبرتم لهو خير الصابرين ٥ یعنی اگر تم چاہتے ہو کہ دشمنوں کو موردِ عقوبت قرار دو تو اُسی اندازہ سے جتنی تمہیں عقوبت پہنچائی گئی ہو اکتفا کرو لیکن اگر دشمنوں کو عقوبت نہ پہنچاؤ شکیبائی اختیار کرو تو البتہ بہتر ہے۔ خود کو خیر و صلاح والا صابر بناؤ۔"

اس آیت کے نزول پر پیغمبرِ اسلام نے کہا یارب میں نے عقوبت سے صرفِ نظر کیا اور صبر کروں گا۔

لشکرِ اسلام کے ستر[۷۰] افراد شہید ہوئے جن میں سے چونسٹھ[۶۴] افراد انصار سے تھے اور چھ[۶] مہاجرین تھے۔

قبل ازیں کہ آفتاب پوری طرح غروب ہو۔ ابوسفیان میدان جنگ میں مسلمانوں کے اجساد کے پاس آیا اور پکارا "آیا محمدؐ زندہ ہے یا نہیں"۔ ابوسفیان کے اس سوال کی وجہ جنگ کے دوران والی خبر تھی کہ محمدؐ قتل ہو گئے ہیں اور جو مسلمانوں کی بددلی کا باعث ہوئی۔ یہ طے ہوا کہ کوئی بھی یہ نہ کہے کہ محمدؐ زندہ ہیں۔ لیکن عمرؓ تاب نہ لائے اور جواب دیا "ہاں محمدؐ زندہ ہیں۔"

ابوسفیان نے جواب سُن کر بلند آواز میں کہا۔ "اے محمدؐ! جنگِ بدر میں ہمارے ستر[۷۰] افراد قتل ہوئے تھے۔ آج اس جنگِ اُحد میں ہم نے تمہارے ستر[۷۰] افراد کو قتل کر دیا ہے۔ لہٰذا ہمارا تمہارا حساب برابر ہوا۔ ویسے اگر تم ہم سے جنگ کرنا چاہتے ہو تو اگلے سال بدر کے تجارتی میلہ میں اُسی جگہ بر سرِ پیکار ہوں گے۔

اتنا کہنے کے بعد ابوسفیان جو مغرور دکھائی دے رہا تھا۔ میدانِ جنگ سے پلٹا اور اپنے لشکر کے ساتھ میدانِ جنگ سے کوچ کر گیا۔

جب دشمن کی سپاہ میدانِ جنگ سے دُور ہو گئی تو پیغمبرِ اسلام نے حکم دیا کہ مسلمانوں کی نعشیں دفن کی جائیں۔ ایک مرتبہ پھر اسلامی مؤرخوں نے تاریخ کے ثبت کرنے میں کوتاہی کی ہے اور یہ تصریح نہیں کی آیا جب آفتاب غروب ہو رہا تھا۔ اُسی وقت مسلمانوں نے نعشیں دفن کرنی شروع کر دی تھیں۔ (اس طرح وہ رات گئے تک تدفین میں مشغول رہے ہونگے) یا دوسرے

Marfat.com

دن تدفین کا قصد کیا۔

دفن کے لیئے کوہِ اُحد کے دامن میں ہی جگہ کا انتخاب کیا گیا۔ عربوں کی رسم تھی وُہ جنازہ کو دفن سے قبل نہلاتے تھے تاکہ طاہر ہو جائے۔

یہاں محمدؐ نے فرمایا۔ یہ میدانِ جنگ میں مارے گئے ہیں۔ اِس لیئے شہید ہیں۔ مرتبہ شہادت نے اُن کی تطہیر کر دی ہے۔ سیدھے بہشت میں چلے گئے ہیں۔ انہیں احتیاجِ غسل نہیں ہے۔

محمدؐ ہر میت کے لیئے جب قبر میں اُتاری جاتی دعا مانگتے اور آخری میت کے دفن کے بعد محمدؐ نے شہداء کی شان بیان فرمائی۔

Marfat.com

نقشہ جنگِ اُحد

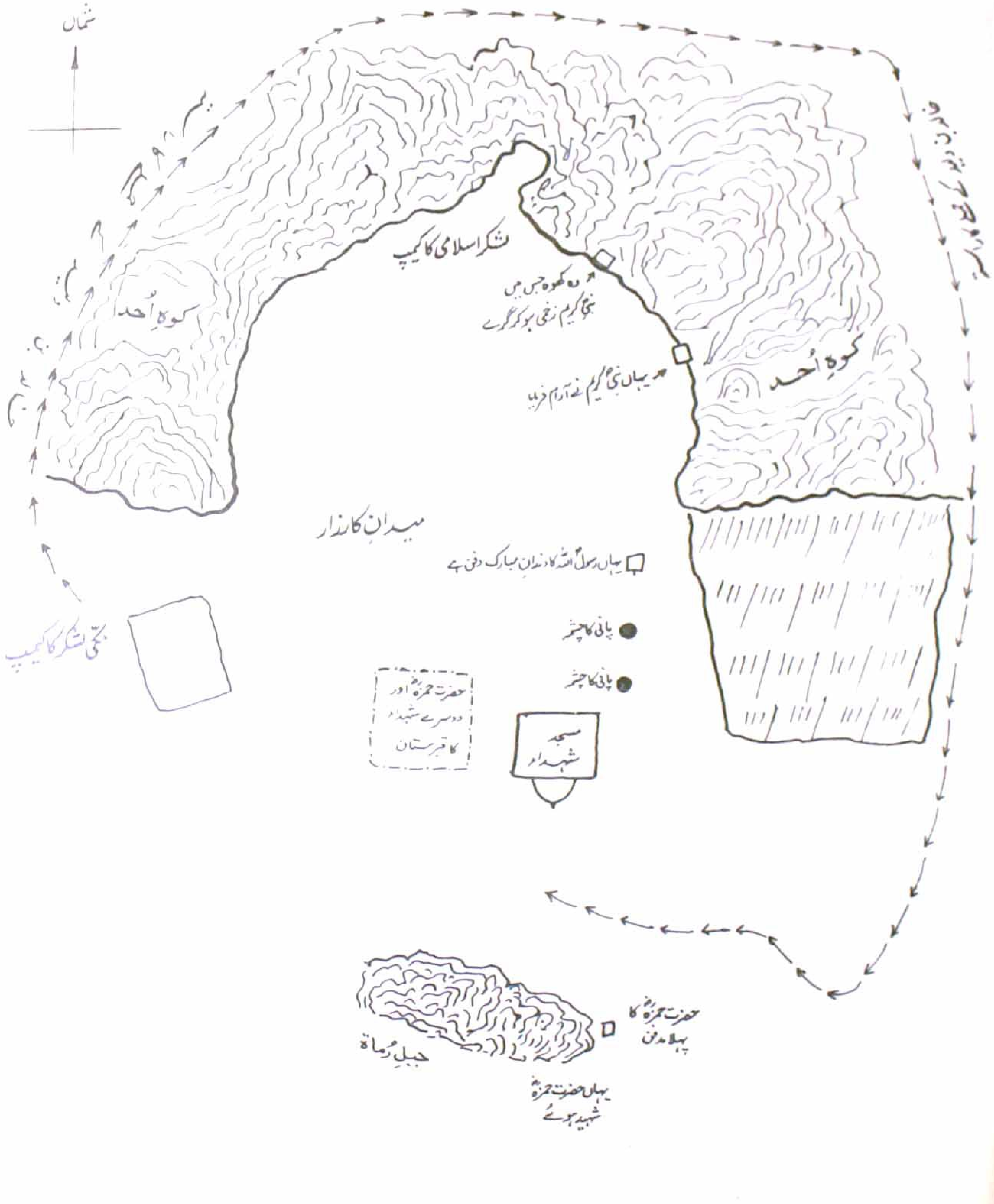
شمال
کوہِ اُحد
لشکر اسلامی کا کیمپ
وہ کھوہ جس میں نبی کریمؐ زخمی ہو کر گرے
یہاں نبی کریمؐ نے آرام فرمایا
کوہِ اُحد
میدانِ کارزار
یہاں رسول اللہؐ کا دندان مبارک دفن ہے
پانی کا چشمہ
پانی کا چشمہ
مکی لشکر کا کیمپ
حضرت حمزہؓ اور دوسرے شہداء کا قبرستان
مسجد شہداء
حضرت حمزہؓ کا پہلا مدفن
جبلِ رماۃ
یہاں حضرت حمزہؓ شہید ہوئے

Marfat.com

جنگِ اُحد اور فوجی نقطۂ نگاہ

اِسلامی مؤرخین نے لکھا ہے کہ جنگِ اُحد میں محمدؐ اور مسلمین کو شکست ہوئی تھی اور یہی نظریہ آج تک زیرِ بحث ہے۔ ہم اگر کسی جنگی ماہر سے "شکست ہونے" کی توضیح مانگیں تو اس کی وضاحت ہوگی۔ "اگر دشمن کا لشکر حریف کی مملکت پر قبضہ کرے اور اُس کی فوجی قوت کو نابود کرکے رکھ دے"۔ وہ قوم جس کی مملکت پر قبضہ ہُوا اور فوجی طاقت نابود ہوئی اُسے شکست خوردہ کہا جائے گا۔

اگر دشمن حریف کے ملک پر قابض ہو جائے مگر اُس کی فوجی قوت ختم نہ کر سکے تو وہ قوم جو اپنی فوجی قوت رکھتی ہو شکست خوردہ محسوب نہیں ہوتی جیسا کہ دوسری عالمی جنگ میں جرمن افواج نے روس پر دور تک قبضہ کر لیا تھا مگر رُوس کی فوجی قوت کو تباہ نہ کر سکیں لہٰذا وہ فاتح نہ ہو سکیں۔

۱۔ پس ایک قوم کو شکست خوردہ تسلیم کرنے سے پہلے دو شرائط کا پُورا ہونا لازمی ہے

ایک یہ کہ مُلک پر قبضہ ہو جائے۔

دوسرے یہ کہ اُس ملک کی فوجی قوت نابُود ہو جائے۔

جنگِ اُحد میں مکّہ کا لشکر نہ تو مدینہ پر ہی قبضہ کر سکا اور نہ ہی اسلامی لشکر کو تباہ کر سکا۔ گرچہ اسلامی لشکر دوران جنگ میں متفرق ہو گیا تھا لیکن دُوسرے ہی روز مختلف گروہ واپس محمدؐ کے گرد جمع ہو گئے اور جب آپؐ نے مدینہ مراجعت کی اُن کے ساتھ ایک منظم لشکر موجود تھا۔ میرے عقیدہ کے مطابق محمدؐ کو جنگ اُحد میں شکست نہیں ہوئی تھی۔ انہوں نے کامیاب دفاع کیا۔ ہاں اس جنگ میں اسلامی لشکر کو ایک ناگوار آزمائش کا سامنا ضرور ہُوا۔

قریش کا لشکر محمدؐ کے لشکر کو تباہی سے ہمکنار نہ کر سکا۔ اور نہ ہی مدینہ پر قابض ہُوا۔

قرآن میں بھی خداوند نے جنگ اُحد کی بابت مسلمانوں کی وضع کو ایک قطعی شکست نہیں کہا۔ جنگ اُحد سے متعلقہ آیات جو کہ سورۂ آلِ عمران کا حصّہ ہیں تسلّی بخش ہیں۔ خداوند نے سورۂ آل عمران کی آیت ۱۳۹ میں فرمایا۔

"ولا تھنوا ولا تحزنوا انتم الاعلون ان کنتم مؤمنین"۔ یعنی تم سُست نہ ہو جاؤ اور غمزدہ نہ ہو۔

Marfat.com

اور اگر تم مومن رہے تو غالب ہو گے" اور آیت ۱۴۰ میں فرمایا:

"ان یمسسکم قرح فقد مس القوم قرح مثلہ ...... الخ" یعنی اگر تمہیں زخم لگے ہیں تو جماعت قریش کو بھی زخم لگ چکے ہیں"

آیت ۱۴۱ میں فرمایا:

"ولیمحص اللہ الذین امنوا ویمحق الکفرین" یعنی خداوند ان لوگوں جو ایمان لائے ہیں پاک کرتا ہے یعنی جنگ احد کا صدمہ گناہوں سے پاک کرنے کے لیئے تھا) لیکن جب صدمہ کفار پر آتا ہے تو وہ انہیں نابود کرنے کے لیئے دیتا ہے۔

اسی سورت کی آیت ۱۵۹ میں خداوند نے ان مسلمانوں کی بابت جو میدان جنگ سے فرار ہوئے تھے ابراز ترحم کیا ہے اور اپنے پیغمبر سے کہا ہے "تو بھی انہیں بخش دے"۔ یہ موضوع اس آیت میں اس طرح ہے۔

"فبما رحمۃ من اللہ لنت لھم ولو کنت فضلاً غلیظ القلب لا انفضوا من حولک فاعف عنھم واستغفر لھم وشاورھم فی الامر ...... الی آخر آیت۔ یعنی۔ اے محمدؐ! رحمت خداوندی تیرے شامل حال ہونے کے سبب تم نے ان سے خوش روی برتی (جنگ احد سے بھاگنے والوں سے) حالانکہ اگر تو سنگدل و تند خو ہوتا تو یہ تمہارے اردگرد سے چھٹ جاتے اور کوئی بھی تمہارے اردگرد باقی نہ رہتا۔ اے محمدؐ ان کو (بھاگنے والوں کو) معاف کر دے اور ان کے لیئے خداوند سے مغفرت مانگ اور ان سے مشورہ کر ...... الی آخر"

خداوند نے جیسا کہ ان آیات اور دوسری آیات میں ذکر کیا ہے جنگِ اُحد کو شکست نہیں کہا تاکہ بھاگنے والوں کے متعلق نرم کا اظہار ہو اور محمدؐ کو توصیع کی کہ انہیں اپنے سایۂ عفو میں لے لیں۔

جنگ اُحد کو آج اگر ایک فوجی ماہر کی نگاہ سے پرکھا جائے تو مسلمانوں کو شکست نہیں ہوتی بلکہ مسلمان اس جنگ میں فاتح ہوئے تھے مسلمانوں نے (ابو سفیان) کے حملہ آور لشکر کو کامیابی کے ساتھ واپسی پر مجبور کر دیا اور یہ جنگی نتیجہ ایک فتحمندی ہے۔ لشکر قریش کا جنگ اُحد میں اپنے مقصود کو نہ پہنچنا کئی ایک وجوہات کی بنا پر ہے۔ جو مندرجہ ذیل ہیں:-

جماعت قریش اس لیئے حملہ آور نہیں ہوئی تھی کہ مسلمانوں سے صحرا میں نبرد آزما ہو بلکہ وہ مسلمانوں کو غافلگیر کرنا چاہتے تھے تاکہ منافقوں، یہودیوں کی مدد سے انہیں تباہ کر دیں۔

لشکر قریش نے جب مدینہ کا چکر کاٹ کر کوہ اُحد کے دامن میں کیمپ کیا تو ان کا خیال تھا کہ مسلمان شہر سے باہر نہیں نکلیں گے۔ اسلیئے کہ انہیں علم تھا کہ مسلمان مردوں کی تعداد بہت کم ہے۔ لہٰذا وہ شہر سے باہر نکلنے کی جرأت کرنے کی بجائے محصور ہو کر لڑنے کو ترجیح دیں گے۔

مسلمانوں کے مدینہ سے باہر آنے پر ابوسفیان اور اس کا لشکر حیرت زدہ تھا کیونکہ وہ سمجھے بیٹھے تھے کہ مسلمان محصور ہو کر رہیں گے اور وہ یہودیوں اور منافقوں کی مدد سے انہیں تباہ کر دیں گے۔

Marfat.com

ہم اس سے پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ منافقین خود ہی اسلامی لشکر سے علیحدہ ہوکر مدینہ واپس آگئے تھے۔ اور یہودیوں کو خود محمدؐ نے بڑی ملامت سے واپس بھجوا دیا تھا۔ پس مسلمانوں کے علاوہ لشکر میں کوئی دُوسرا عنصر نہیں تھا۔ اگرچہ مسلمان سپاہ کی تعداد کفار کے مقابلہ میں بہت کم تھی لیکن اس کے عوض وُہ وحدتِ عقیدہ رکھتے تھے اور تا وقتیکہ قبیل غنیمت کی فکر میں نہ پڑے انہوں نے خوب جنگ کی اور قریش کے لشکر کو ہزیمت پہنچائی۔ اگر قریش کی عورتیں اپنا کردار اس شدّت سے ادا نہ کرتیں تو ابوسفیان کا لشکر مکمل شکست سے دوچار ہو چکا تھا۔

دُوسری وجہ کہ لشکرِ قریش اپنی کثرت کے باوجود کیوں فتح نہ حاصل کر سکا یہ تھی۔ رات ہوگئی تھی اور عرب اندھیرا چھا جانے سے پہلے ہی جنگ روک دیا کرتے تھے۔

تیسری وجہ ابُوسفیان کی حالات سے عدم واقفیت تھی۔ قریش کا لشکر آج کی اصطلاح کے مطابق نظامِ جاسوسی نہیں رکھتا تھا اور وہ اسلامی لشکر کے ارادوں اور عمل سے صحیح طور پر مطلع نہیں تھا۔ اس کے برعکس محمدؐ نے جاسوسی کا باقاعدہ نظام قائم کیا ہوُا تھا اور وُہ دشمن کے ارادوں سے مطلع تھے۔

چوتھی وجہ یہ تھی کہ ابُوسفیان ایک خبطی انسان تھا۔ اُس دن بھی اُس نے ایک بہت بڑے خبط کا مظاہرہ کیا جسکی ایک جنگی سُوجھ بُوجھ رکھنے والے فرد سے توقع نہیں کی جاسکتی۔ اور یہ قابلِ معافی نہیں تھا۔ اگر ابُوسفیان یہ دیوانگی نہ کرتا اور اپنے لشکر کو اُس رات یا دُوسرے دن تک واپسی کا حکم نہ دیتا تو مسلمانوں کو ختم کر سکتا تھا۔

ابُوسفیان کے خبطی ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ وہ جب لشکر کے ساتھ کوہِ اُحد کے دامن سے کوچ کر کے راستے میں ایک مقام (روحا) پر پہنچا تو بہت پشیمان ہوُا۔ ارادہ کیا کہ واپس پلٹے اور محمدؐ و مسلمین کا قصّہ ایک ہی بار تمام کر دے۔

محمدؐ کے نظامِ جاسوسی کی موجودگی کی بڑی دلیل یہ ہے کہ محمدؐ کو (ابُوسفیان) کی پشیمانی۔ امکانی واپسی اور تجدیدِ جنگ کی اطلاع بروقت مل گئی تھی۔ اس جگہ ہم یہ واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ جنگِ اُحد کے دُوسرے دن مسلمان اکٹھے ہو چکے تھے اور جس وقت وہ مدینہ لوٹے اُن کی صفیں ویسے ہی منظم تھیں۔ جیسے میدانِ جنگ کی طرف جاتے ہوئے تھیں۔

مسلمانوں کو مدینہ لوٹ آنے کے ایک رات اور ایک دن بعد خبر ملی کہ مکّہ کا لشکر واپسی اور تجدیدِ جنگ کا قصد رکھتا ہے۔

محمدؐ کی رُوح اور ایمان اس قدر قوی تھے کہ لشکرِ مکّہ کی واپسی اور تجدیدِ جنگ کی خبر سے قطعی ہراساں نہیں ہوئے۔ مسلمانوں کو حکم دیا کہ جنگ کے لیے مدینہ سے کُوچ کریں۔ تمام مسلمان جنہوں نے جنگِ اُحد میں شرکت کی تھی حتیٰ کہ زخمی بھی کُوچ پر آمادہ ہوگئے۔

عمرؓ اور سعدؓ بن ابی وقاص باوجود شدید زخمی ہونے کے لشکر کے ہمراہ ہوئے۔ لشکرِ اسلامی کے سرخیل نے علیؓ کو اجازت نہ دی اور کہا اے علیؓ اگر تم لشکر کے ساتھ گئے تو پیشتر اس کے کہ تم مدینہ کے گلی کُوچوں سے نکلو زخموں کی وجہ سے تمہاری موت واقع ہو جائیگی۔

Marfat.com

محمدؐ اپنے لشکر کے ساتھ صحرائے اسد تک گئے وہاں پر ابُوسفیان کے لشکر کے منتظر ہُوئے لیکن ابُوسفیان جس نے واپسی اور تجدید جنگ کا ارادہ کیا تھا متذبذب ہُوا اور بالآخر مکّہ واپسی کو ترجیح دی۔ مسلمان یہ بیان ہونے کے بعد کہ اب ابُوسفیان واپس نہیں آئے گا۔ مدینہ واپس لوٹ آئے۔

پیشتر اس کے کہ لشکر اسلام صحراسے واپس لوٹتا۔ (وحشی، وُہ غلام جس نے حمزہؓ پیغمبرِ اسلام کے چچا کو قتل کیا تھا۔ ابوسفیان کے لشکر سے بھاگ کر محمدؐ کی خدمت میں حاضر ہُوا اور حمزہؓ کے قتل کا اعتراف کیا۔ محمدؐ نے اُسے کوئی سزا نہ دی۔ اسلیئے کہ آپ بڑے رحیم اور نرم دل تھے۔ اُس غلام سے جواب آزاد ہو چکا تھا۔ صرف اتنا کہا کہ میرے سامنے اور میرے قریب نہ آیا کرو۔

وحشی نے اُس کے بعد محمدؐ کو اپنی شکل نہ دکھائی بلکہ قتل حمزہؓ کی تلافی کے لیئے محمدؐ کے دشمنوں میں سے چند افراد کو قتل کیا جن میں مسیلمہ کذاب بھی شامل تھا۔ مسیلمہ نے پیغمبری کا دعوٰی کر رکھا تھا۔

مُسلمان جنگِ اُحد کو ایک تلخ آزمائش سمجھتے تھے اس کو اپنی شکست نہیں گردانتے تھے۔ لیکن مدینہ کے یہودی یہی کہتے کہ محمدؐ کو جنگِ اُحد میں شکست ہوئی ہے اور یہ طعن بھی کرتے کہ اگر محمدؐ خدا کے پیغمبرؐ ہوتے تو شکست نہ اُٹھاتے۔ اس موقع پر آیت نازل ہوئی جواب قرآن کی تیسری سُورۃ میں ہے۔ خداوند نے آیت مذکور میں فرمایا:۔

"ایسے پیغمبر بھی گزرے ہیں کہ اپنے لشکر سے قوی تر لشکر سے جنگ کی اور شکست کھائی بغیر اس کے کہ شکست سے مایُوس ہوں استقامت دکھائی اور فتحمند ہوئے اور خداوند استقامت والے اشخاص کو دوست رکھتا ہے۔"

یہ آیت اس لیئے نازل ہوئی کہ محمدؐ کی بابت یہودیوں نے جو پراپیگنڈہ شروع کیا ہُوا ہے ختم کر دیں۔

اس آیت سے مسلمان خوش ہُوئے اور ان کا ایمان وعقیدہ مضبوط ہُوا۔ البتہ یہودیوں نے اپنا پراپیگنڈہ ختم نہ کیا۔ اور ان کے زراعت پیشہ قبیلہ نے محمدؐ پر حملہ آور ہونے کا ارادہ کیا۔ جب محمدؐ کو اُن کے ارادہ کی اطلاع ہُوئی تو اُن کے محلّہ کا محاصرہ کر لیا۔ اور اُن سے کہا۔ تمہارا ارادہ مدینہ کے قانونِ اساسی کے خلاف عمل کرنے کا ہے تمہارے لیئے یہی بہتر ہے کہ ایسا ارادہ ترک کر دو۔ تاکہ مسلمان اور یہودی اس شہر میں دوستانہ زندگی گزار سکیں۔ یہودیوں کے طائفہ نے کہا ہم تمہارا کہنا نہیں مان سکتے۔

پیغمبرِ اسلام نے انہیں پیشکش کی کہ تم بھی زرگروں کی طرح اس شہر کو چھوڑ دو۔ انہوں نے اس پیشکش کو قبول کر لیا۔ محمدؐ نے انہیں اجازت دی کہ وُہ اپنی تمام جائیداد (منقولہ) مدینہ سے لے جا سکتے ہیں۔

یہودیوں نے اپنی ہر چیز حتیٰ کہ گھروں کی کھڑکیاں اور دروازے بھی اُتار لیئے اور ساتھ لے گئے۔ اس یہودی قبیلہ کے مدینہ سے کُوچ کر جانے کے بعد فقط ایک یہودی قبیلہ مدینہ میں رہ گیا جو پیشہ کے لحاظ سے دباغ تھے۔

عمرؓ بن الخطاب اسلام کے ایک دلیر مرد کہ جنگِ اُحد میں محمدؐ کے خصُوصی محافظوں میں سے بھی تھے۔ اور بعد آں دس سال کی مدت میں دُنیا کی تین شہنشاہیتوں کو شکست دی کی ایک بیٹی باسم...

Marfat.com

(حفصہ) تھی اور اُس کے شوہر کا نام غنیس تھا۔ (خنیس) جنگِ احد میں دادِ شجاعت دیتا ہوا شہید ہو گیا تھا۔ اُس مرد کی شجاعت کے پاس خاطر پیغمبرِ اسلام نے اُس کے جنازہ کو اپنے ہاتھوں قبر میں اتارا تھا۔ حفصہ کی عمر شوہر کی شہادت کے وقت بیس سال تھی۔ وُہ زیبا اور دانشمند تھی اور (دَورِ جاہلیت کے مفہوم میں) شعر و ادب کی دلدادہ لیکن شوہر کی شہادت کے بعد بے چین اور غمزدہ رہنے لگی تھی۔

عمرؓ بن الخطاب با ارادہ اور راست گو آدمی تھے۔ وُہ عثمانؓ کے پاس گئے اور کہا کہ تو جوان ہے۔ اور میری بیٹی بیوہ ہو چکی ہے اُسے اپنے عقد میں لے لو تاکہ میری بیٹی اپنے مرحوم شوہر کا غم بھول جائے اور تجھے بھی ایک ہمسر زیبا و شاعرہ مل جائے گی۔

(عثمانؓ) نے عمرؓ کی پیش کش مسترد کر دی۔ (عمرؓ) بہت آزردہ خاطر ہُوئے۔ ایسے کہ وُہ شخصیت کے لحاظ سے عثمانؓ سے برتر تھے اور خیال کرتے تھے کہ عثمانؓ خوشی سے میری پیشکش قبول کر لیگا۔ عثمانؓ کا انکار عمرؓ کی نگاہ میں ایک کُفرانِ نعمت اور توہین تھی۔ چُونکہ عثمانؓ پیغمبرِ اسلام کے داماد تھے۔ لہٰذا عمرؓ نے بہتر سمجھا کہ عثمانؓ کو قتل کرنے سے پہلے پیغمبر سے رجُوع کرے۔ محمدؐ اپنے ساتھیوں کی بات بڑے دھیان سے سُنا کرتے تھے۔ عمرؓ کی شکایت سُننے کے بعد فرمایا۔ اے عمرؓ تمہیں خشمگیں ہونے کا حق حاصل ہے اور واقعی عثمانؓ نے تمہاری پیش کش رد کر کے تمہاری توہین کی ہے۔ اس توہین کے ازالہ کے لیئے اگر تم رضامند ہو تو میں حاضر ہوں تمہاری بیٹی (حفصہ) سے عقد کر دوں۔

(عمرؓ بن خطاب)۔ محمدؐ کی اس تجویز سے اس قدر خوش ہوئے کہ محمدؐ کا ہاتھ پکڑ کر اپنے سر پر رکھا اور عرض کی ”اے محمدؐ! آج آپؐ نے مجھے مفتخر اور سعادت مند کیا ہے۔ اس کے بعد حفصہؓ پیغمبرِ اسلام کے عقد میں آ گئیں۔ اور عمرؓ بن الخطاب محمدؐ کے خُسر ہُوئے۔

Marfat.com

پیغمبرؐ اسلام کی ازواجِ مُطہرات

محمدؐ کے نزدیکی ہمکاروں میں سے چار اشخاص (علیؓ)۔ (عمرؓ)۔ (ابوبکرؓ) اور (عثمانؓ) اُن کے قریبی عزیز تھے۔
علیؓ پیغمبرؐ کے داماد تھے۔ فاطمہؓ۔ پیغمبرؐ کی بیٹی اُن کے حبالۂ نکاح میں تھیں۔
ابُوبکرؓ۔ محمدؐ کے خُسر تھے۔ اُن کی بیٹی عائشہ محمدؐ کی بیوی تھیں۔
عمرؓ بن الخطاب بھی پیغمبرؐ اسلام کے خُسر تھے۔
عثمانؓ۔ محمدؐ کے داماد تھے۔
حفصہؓ۔ عمرؓ بن الخطاب کی بیٹی جب آپؐ کے نکاح میں آئیں تو محمدؐ کے گھر تین چیزیں اپنے ہمراہ لیتی گئیں۔
اوّل۔ شعر پڑھنا۔ دوئم۔ کتابیں پڑھنا۔ تیسرے۔ خوش خط لکھائی۔

عائشہؓ زوجہ پیغمبرؐ اسلام اور ابوبکرؓ کی بیٹی صرف ایک ایسی عورت تھیں جن سے محمدؐ نے دوشیزگی کی حالت میں نکاح کیا۔ (آپؐ کی باقی تمام بیویاں بیوگی کی حالت میں اُنؐ کے نکاح میں آئیں)۔ عائشہؓ کو حفصہؓ سے بہت اُنس تھا۔ گھنٹوں وُہ حفصہؓ کے پاس بیٹھی رہتیں۔ اُس کو کتاب پڑھتے سنتیں اور کوشش کرتیں کہ حفصہؓ کی طرح لکھنا سیکھ لیں۔

روایت ہے کہ حفصہؓ نے اپنے قلم سے قرآن کا ایک نسخہ اپنے لیئے تحریر و مُرتّب کیا ہوُا تھا۔ یعنی اُس وقت جب کہ قرآن متفرق حالت میں تھا (قرآن کو خلافتِ عثمانی میں جمع کر کے موجودہ شکل دی گئی تھی)

اُس نسخہ کو (حفصہؓ) کے قرآن کا نام دیا گیا ہوُا تھا۔

وُہ لوگ جو تاریخ اسلام سے واقفیت رکھتے ہیں۔ انہیں معلوم ہے کہ قرآن کی آیات تیئیس ۲۳ سال تک بتدریج نازل ہوتی رہی تھیں۔ محمدؐ کی زندگی میں ایک جگہ جمع نہ ہوئیں یعنی خود پیغمبرؐ اسلام نے اُن آیات کی جمع آوری کے لیئے کوئی اقدام نہ کیا۔ ایک کتابی صُورت میں جمع نہ کی گئیں۔

لیکن پیغمبرؐ اسلام کے چند اصحابہ جن میں علیؓ بن ابی طالب اور حفصہؓ بھی شامل تھیں قرآن کی آیات کو اپنے طور پر لکھ لیا کرتے تھے تاکہ مکمل مجموعۂ آیات اُن کے پاس رہے۔

Marfat.com

محمدؐ (اُمّی) تھے جس وقت وحی کے ذریعہ آیات قرآنی اُن پر نازل ہوتی ۔انہیں آپ زبان سے ادا کرتے اور جو اشخاص موجود ہوتے ۔اُن میں سے پڑھے لکھے تو آیات کو کاغذ ۔کپڑا یا اُونٹ کی ہڈی پر لکھ لیتے اور جو ان پڑھ ہوتے وہ حفظ کر لیتے تھے ۔

محمدؐ کی رحلت کے بعد خصوصاً عمرؓ بن الخطاب کے دورِ خلافت میں دُنیا کی تین بڑی شہنشاہیتیں تسخیر ہوئیں اور اُن کی سرزمین اسلامی قلمرو میں شامل ہوئی ۔ان جنگوں میں بہت سے حافظِ قرآن شہید ہوگئے ۔

جب عثمانؓ خلیفہ ہُوئے تو انہیں خوف ہُوا ۔مبادا تمام حفاظ قرآن جنگوں میں شہید ہوگئے یا ویسے ہی وفات پا گئے تو قرآن کا کچھ حصّہ معدوم ہوجائیگا اور بعد آں ممکن ہے ۔قرآن تحریف سے دوچار ہوجائے ۔اور کئی قرآن وجود میں آجائیں بالکل ایسے ہی جیسے دینِ مسیحی میں متعدد انجیلیں وجود میں آگئی تھیں ۔

لہٰذا کچھ اشخاص کو مامور کیا کہ قرآنی آیات کی جمع آوری کریں ۔پھر تمام مجموعہ کو لکھ کر قرآن کے حافظوں کو سنائیں اور تصحیح کریں ۔عثمانؓ کے حکم کے مطابق تمام کاغذات ۔پارچہ جات اور ہڈیاں جن پر آیاتِ قرآنی متفرقاً لکھی گئی تھیں ضائع کر دی گئیں ۔ایک روایت کے مطابق وُہ قرآن جو کچھ حضرات نے اپنے پاس لکھ رکھے تھے وہ بھی ضائع کر دیئے گئے ۔اُن میں حفصہؓ کا قرآن بھی شامل تھا ۔

محمدؐ (پیغمبرِ اسلام) کی نوؔ بیویاں تھیں ۔ان نو سے خدیجہؓ کی وفات کے بعد وقتاً فوقتاً ازدواج کیا ۔جب تک خدیجہؓ حیات تھیں ۔آپؐ نے کسی دوسری عورت سے نکاح نہیں کیا ۔آپؐ کی ازواج مطہرات کے اسماءِ گرامی ذیل میں دیئے جاتے ہیں :۔

۱۔ اُمّ سلمہؓ دختر ابی اُمیہ

۲۔ سودہؓ دختر زمعہ

۳۔ عائشہؓ دختر ابوبکرؓ

۴۔ اُمّ حبیبہ دختر ابُوسفیان

۵۔ حفصہؓ دختر عمرؓ بن الخطاب

۶۔ صفیہؓ دختر حی بن اخطب خیبری

۷۔ زینبؓ دختر حجش اسدی

۸۔ میمونہؓ دختر حرث ہلالی

۹۔ جویریہؓ دختر حرث مصطلق

محمدؐ کی نو بیویاں تھیں مگر آپؐ انتہا کے باحیا شخص تھے ۔اس موضوع پر کچھ روایات ملتی ہیں ۔ان روایات میں سے ایک روایت یہ ہے کہ محمدؐ ایک دن مدینہ کے نخلستان میں داخل ہُوئے تو دیکھا کہ باغبان کھجور کے پھُولوں کے ایک دستہ کو دُوسرے پھولوں پر رکھ کر ہلاتا ہے ۔آپؐ نے پُوچھا ایسا کیوں کر رہے ہو؟ باغبان نے جواب دیا ۔پھُولوں کا یہ دستہ جو میرے ہاتھ میں ہے مذکر ہے اور دُوسرے پھُول مادہ ہیں ۔ہم مذکر پھُولوں کو مادہ پھولوں پر رکھ کر ہلاتے ہیں تاکہ مؤنث پھُولوں سے

Marfat.com

ان کا ملاپ ہو اور یہ بار آور ہوں۔

اس جواب سے آپؐ اس قدر شرمگین ہوئے کہ چہرے پر پسینہ نمودار ہو گیا۔ فرمایا۔ "یہ کام نہ کیا کرو" باغبانوں نے آپؐ کے فرمانے کے مطابق ایسا کرنا چھوڑ دیا۔ اس سال نخل مادہ نے پھل نہ دیا۔ پیغمبرؐ نے جب یہ سُنا کہ کھجوروں کے درخت پھل نہیں لائے تو اس عمل پر سے ممانعت ختم کر دی لیکن خود آپؐ زندگی بھر پھول لانے کے ایام میں نخلستانوں میں نہیں گئے۔

مکّہ میں صرف سلافہ نے ہی ایک مسلمان مرد کے کاسۂ سر کو پانی پینے کا پیالہ نہ بنایا بلکہ دُوسری عورتوں نے بھی مُسلمان مرد کی کھوپڑی میں پانی پینے کا پروگرام بنایا۔

جب یہودی زرگروں کے قبیلہ نے مدینہ سے مجبوراً کُوچ کیا تو اُن کا ایک حصّہ مکّہ میں جاکر آباد ہو گیا تھا۔ اس کے بعد یہودیوں کا زراعت پیشہ قبیلہ جب جلا وطن ہوا تو اُن کا بھی ایک حصّہ مکّہ میں جا آباد ہوا۔ اور یہ دونوں یہودی قبیلے قریش کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکاتے رہے۔

ان دونوں یہودی قبیلوں نے مسلمانوں کے خلاف قریش سے ایک جنگی معاہدہ کیا۔ چونکہ وُہ یہودی تھے اس لیئے خانہ کعبہ کی دیوار کے پیچھے کھڑے ہو کر قسم کھائی کہ اپنے عہد پر قائم رہیں گے۔

قریش نے ہر اُس شخص کے لیئے انعام مقرر کیا جو ایک زندہ مسلمان کو اُن کے پاس پکڑ کر لائے گا۔ انعام اس قدر زیادہ تھا کہ بدوی قبائل مسلمان افراد کو گرفتار کرنے کی کوششوں میں لگ گئے تاکہ قریش کی تحویل میں دیکر انعام حاصل کریں۔

مکّہ شہر میں کوئی مسلمان نہیں رہتا تھا۔ اس لیئے بدوی قبائل نے پروگرام بنایا کہ مدینہ کے گردو نواح سے مسلمانوں کو اغوا کیا جائے۔

جنگِ اُحد کے بعد مدینہ کے جنوب میں رہنے والے ایک قبیلہ نے محمدؐ سے خواہش کی کہ کچھ مسلمانوں کو ہمارے قبیلہ میں بھیجا جائے تاکہ وُہ قبیلہ کے افراد کو اسلامی تعلیمات سے آگاہ کریں۔ محمدؐ نے ایک علیم وفہیم مسلمان کو جن کا نام (عمیر بن ثابت) تھا تین۳ افراد کی ایک جماعت کے ساتھ اُس قبیلہ میں جانے اور اُن کو ہدایت کرنے پر مامور فرمایا۔ اس قافلہ کی راہ میں بدوی گھات لگائے بیٹھے تھے انہوں نے مسلمانوں کی اس جماعت پر حملہ کر دیا۔ جس کے نتیجے میں سب مسلمان شہید کر دیئے گئے صرف تین افراد بچ سکے۔

بدویوں نے ان تین افراد کو دستگیر کیا اور مکّہ کی طرف کوچ کر گئے تاکہ ان کو مکّہ کے اشراف کے ہاتھوں فروخت کریں۔ اُن تینوں میں سے ایک راہ میں فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا کیونکہ انہیں علم تھا کہ اگر مکّہ پہنچا دیئے گئے تو شدید عقوبت سے دوچار ہونا پڑے گا۔ بدویوں نے فرار ہونے والے مسلمان کا تعاقب کیا اور اُسے (الراجی) کے مقام پر جالیا۔ اُس نے مقاومت کی لہٰذا اُس کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے گئے۔

بدوی دُوسرے دو افراد کو مکّہ پہنچانے میں کامیاب ہو گئے۔ وہاں انہیں معلوم ہوا کہ تمام اشرافِ مکّہ اُن مسلمانوں کو خریدنے کے خواہاں ہیں تاکہ انہیں ہولناک عذاب دے کر قتل کریں۔

بالآخر بدویوں نے اُن دونوں کا نیلام عام کیا۔ نیلامی میں صفوان بن اُمیّہ نے جو ابُوسفیان کے بعد مکّہ میں دوسرے

ممبر پر تھا۔ دُو مسلمانوں میں سے ایک عمیر بن ثابت کو خرید لیا۔

دُوسرے مسلمان کو مکّہ کے کسی دوسرے سردار کے ہاتھ بیچ دیا گیا۔

اہلیانِ مکّہ جانتے تھے یہ دونوں ان مسلمانوں کو اذیتیں دے کر قتل کرکے لذت حاصل کریں گے۔ لہٰذا احتجاج کیا اور کہا۔ ہم نے بھی مسلمانوں سے دُکھ اُٹھائے ہیں۔ ہمارے عزیز بھی جنگِ بدر و اُحد میں قتل ہوئے ہیں۔ ہم بھی ان کے قتل کا منظر دیکھنا چاہتے ہیں۔ لہٰذا مکّہ کے میدان میں برسرِعام انہیں قتل کیا جائے تاکہ ہم بھی اِن کے قتل سے محظوظ ہوں۔

صفوان بن اُمیّہ راضی ہوگیا۔ عمیر بن ثابت کو مکّہ کے میدان میں برسرِعام قتل (شہید) کر دیا گیا۔ اُن کے قتل کے لیے ایک شخص (لنتاس) کو مامور کیا گیا تھا۔

صفوان بن امیہ نے اعلان کیا۔ میں نے اس کی خریداری کے لیے ایک بہت بڑی رقم ادا کی ہے لہٰذا میں اس کا کاسۂ سر نیلامی میں فروخت کردوں گا۔ جو کوئی مائل ہو خرید کرے اور اُس میں پانی پیا کرے (لنتاس) ہی کے توسط سے (عمیر بن ثابت) کا کاسۂ سر نیلام کیا۔ جس شخص کے نام نیلام ختم ہوا اُس نے تلوار سنبھالی اور (عمیر بن ثابت) کی لاش کی طرف بڑھا کہ سر کو تن سے جُدا کرکے لے جائے اور گوشت پوست اُتار کر جمجمہ کو خشک کرکے پانی پینے کا پیالہ بنائے۔

لیکن جب وُہ لاش کے قریب ہوا تو دیکھا کہ (عمیر بن ثابت) کی لاش کو موٹی موٹی سنہری زنبوروں نے گھیر رکھا ہے اور زنبوروں کی ایک فوج نعش کے ارد گرد محوِ پرواز ہے۔ خریدار ڈر گیا اور کہا۔ اچھا رات کے اندھیرے میں جب یہ زنبوروں کی فوج چلی جائے گی میں سر تن سے جُدا کرکے لے جاؤں گا۔ لیکن جیسا کہ اسلامی وقائع نویسوں نے لکھا ہے جب اندھیرا چھایا۔ سیلاب لاش کو بہا کرلے گیا۔ خریدار کی آرزو پُوری نہ ہوئی۔

دُوسرے مسلمان قیدی کو مکّہ سے باہر (تنعیم) کے مقام پر لے جا کر صلیب پر کھینچ کر دیا گیا۔

ایک مرتبہ پھر ہمیں وقائع نگاروں کی سہل نگاری کا سامنا ہے۔ وقائع نگاروں نے اس دوسرے مسلمان قیدی کا نام نہیں لکھا۔ حالانکہ جو خدا کی راہ میں صلیب پر چڑھایا گیا اُس کا ذکر ضروری تھا۔

صلیب کو زمین پر لٹا کر اُس قیدی مسلمان کو صلیب کے اُوپر لٹا دیا گیا اور ہاتھوں کو بڑی بڑی میخوں سے صلیب کے ساتھ جوڑ دیا۔ اس دوران وُہ مسلمان مردِ مسلسل کلمۂ توحید لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ بلند کرتا رہا۔ دونوں ہاتھوں کے بعد دونوں پاؤں میں ایک بڑی میخ عمودی طور پر لگا دی گئی۔ بعد ازاں صلیب کو عمودا کھڑا کر دیا گیا اور تمام ہجوم نے سنگباری شروع کر دی اور وُہ لوگ جن کے پاس نیزے تھے وُہ اُس کے بدن میں چبھوتے۔

مکّہ کے لوگوں نے اس مسلمان کو مصلوب کرکے اس قدر لذت حاصل کی کہ بعد ازاں جب کبھی بھی کوئی مسلمان اسیر ہوا اُسے صلیب پر چڑھا کر سنگباری کی گئی۔

مسلمانوں کا ایک اور چالیس (۴۰) افراد کا گروہ ماہ جولائی ۶۲۵ء یعنی ۳ ہجری میں ایک اور قبیلہ کو اسلامی تعلیمات سے بہرہ ور کرنے جا رہا تھا کہ (بیئر) کے مقام پر بدوؤں کے گھیرے میں آگیا۔ مسلمان جانتے تھے کہ گرفتاری ہولناک عذاب پر منتج ہوگی۔ بدوؤں سے برسرِپیکار ہوگئے حتیٰ کہ سبھی شہید کر دیئے گئے۔

قریش کی نئی چال

جنگ اُحد کے اختتام پر ابوسفیان نے مسلمانوں سے کہا تھا کہ اگر مزید جنگ پر آمادہ ہو تو ایک سال بعد بدر کے تجارتی میلہ میں پہنچ جانا۔

بدر کا تجارتی میلہ ایک ہفتہ کے لیئے ہوتا تھا۔ دوسرے سال (ماہ اپریل ۶۲۶ء) کو محمدؐ ایک ہزار پانچسو مجاہدین، پچاس گھوڑوں کے ساتھ بدر کے تجارتی میلہ میں پہنچ گئے۔[۵۰]

محمدؐ (ابوسفیان) پر یہ ظاہر کرنا چاہتے تھے کہ مسلمان اُس کے لشکر سے خوفزدہ نہیں ہیں۔ وُہ جنگ پر آمادہ ہیں۔ لیکن ابوسفیان (اس مرتبہ صرف دو ہزار جنگجو اپنے ساتھ لایا تھا) مسلمانوں کے مقابلہ پر آنے کی جرات نہ کر سکا۔ بہانہ یہ بنایا کہ اُس کے لشکر کے اُونٹوں کے لیئے بدر کے اطراف خشک سالی کی وجہ سے کافی چارہ نہیں ہے اور اپنے دو ہزار افراد کے ساتھ واپس مکہ کوچ کر گیا۔

ابوسفیان کا اس طرح میدان جنگ سے کُوچ کرنا مسلمانوں کے لیئے بہت سُودمند ثابت ہوا۔ سب جان گئے کہ ابوسفیان باوجودیکہ مسلمانوں سے قوی تر لشکر ساتھ لایا تھا مقابلہ کی جرأت نہ کر سکا۔

بدیں وجہ مسلمانوں کا امیج بہت بلند ہوا۔ مسلمانوں نے اُس سال بدر کے تجارتی میلہ میں تجارت سے بہت نفع کمایا۔ لیکن جب مسلمان مدینہ واپس پہنچے تو قریش نے محسوس کیا کہ سیاسی نقطۂ نظر سے انہیں مدینہ کا قطعی محاصرہ کرنا ہوگا۔

جماعت قریش نے جو مدینہ کے جنوب میں چار سو کیلومیٹر دُور مکہ میں رہتی تھی۔ اپنے منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے کے لیئے پہلے اقدام کے طور پر (خیبر) کے یہودیوں سے جنگی معاہدہ کیا۔

خیبر مدینہ کے شمال میں دو سو کیلومیٹر کے فاصلہ پر تھا اور اس کی آبادی خالصتاً یہودیوں پر مشتمل تھی۔

جماعت قریش نے اگلے اقدام کے طور پر پروگرام بنایا کہ دو بدوی قبائل جو کہ مدینہ کے شمالی صحرا میں سکونت پذیر ہیں اُسے بھی جنگی اتحاد کیا جائے۔ یہ دونوں بدوی قبائل (بنی فزارہ) اور (غطفان) تھے۔

جماعت قریش نے اُن سے گفت و شنید کی اور انہیں اس جنگی اتحاد میں شامل کر لیا۔ اس کے علاوہ خیبر کے یہودیوں

Marfat.com

نے بھی اُن سے مذاکرات کیئے اور طے پایا کہ یہودی اپنی ایک سال کی تمام پیداوار (خرما) ان دو قبائل کو دیں گے بشرطیکہ وُہ مسلمانوں کے خلاف اُن کا ساتھ دیں۔ ان دو قبائل نے یہودیوں کی پیشکش قبول کرلی۔ اس ترتیب سے یہودی، قریش، بنی [illegible] اور غطفان مسلمانوں کے خلاف متحد ہو گئے۔

مدینہ کے مشرق میں ایک قبیلہ (بنو سلیم) سکونت پذیر تھا۔ جماعت قریش اس قبیلہ کو بھی اپنے ساتھ ملانے میں کامیاب ہو گئی۔

بدیں ترتیب مدینہ کو مکمل طور پر سیاسی محاصرہ میں لے لیا گیا۔ لیکن جلد ہی یہ سیاسی محاصرہ اقتصادی محاصرہ میں تبدیل ہو گیا۔ مدینہ کے تجارتی قافلوں کے لیئے شمال، جنوب اور مشرق تینوں اطراف بند کردی گئیں۔

شمال میں دو قبائل (بنی غطفان اور بنی فزارہ)۔ جنوب میں قریش اور قریش کے دو اتحادی قبائل (کنانہ اور ثقیف) مشرق میں قبیلہ (بنو سلیم) کاروانوں کی راہ میں رکاوٹ بنے ہوئے تھے۔

اب محاصرہ کی تکمیل میں ایک ہی سمت باقی رہ گئی تھی۔ مغرب۔ اس سمت شام کی سرحد کے قریب ایک شہر تھا (دومۃ الجندل) عربوں کے شام یا النہرین جانے والے قافلے یہیں سے گزرا کرتے تھے۔ اس شہر میں عرب قبائل [illegible] ایک مقامی مرد تھا جو تعارف کا محتاج نہیں وہ حاکم دومۃ الجندل کے نام سے مشہور ہے۔

حاکم دومۃ الجندل نے اعلان کیا کہ کسی اسلامی قافلہ کو اس طرف سے گزرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی [illegible] جانے کے لیئے اور کوئی راستہ نہیں تھا۔

حاکم دومۃ الجندل کے اس اقدام سے مسلمان بہت متاثر ہوئے

مدینہ چونکہ بارانی علاقہ تھا اس لیئے اس علاقہ میں باغ اور زراعت تھی۔ لوگ اپنی تمام ضروریات [illegible] نہیں کر سکتے تھے۔ لہٰذا مجبور تھے۔ شام اور النہرین سے تجارت کر کے اپنی احتیاجات خارج سے پوری کریں

محمدؐ مدینہ کے اس اقتصادی محاصرہ سے بہت دلگیر ہوئے لیکن چونکہ خدا پر توکل تھا [illegible] اصلاح بھی ہو جائے گی۔

ہم یورپ والے یہ سمجھتے ہیں کہ (توکل) سے مسلمانوں کا مقصود یہ ہے کہ وُہ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائیں اور اپنا مُنہ آسمان کی طرف کر کے کھول دیں۔ ہُوا سے خود بخود لقمہ اُن کے مُنہ میں گر پڑے گا۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے مسلمان خدا پر توکل کرتے ہیں ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر نہیں بیٹھتے بلکہ اپنی جد و جہد جاری رکھتے ہیں۔

اپنی سعی کے دَوران وہ خُدا پر توکل کرتے ہیں، اسی لیئے ایک مومن سخت ترین مواقعوں پر بھی نا اُمید نہیں ہوتا اور یقین رکھتا ہے کہ معجزانہ طور پر اُسکی دستگاری ہو گی۔

جب محاصرہ مکمل ہو گیا۔ قبائل قریش نے اپنے اتحادیوں اور عبداللہ بن اُبی کے تعاون سے مسلمانوں کے خلاف ایک پروگرام وضع کیا۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ محمدؐ کو مدینہ سے کسی بہانے اس طرح باہر نکالیں کہ مسلمان مدینہ میں تنہا رہ جائیں اور محمدؐ کی مدینہ سے غیر حاضری کے دوران حملہ کر کے مسلمانوں کا کام تمام کر دیا جائے۔

Marfat.com

جیرہ احمر کے نزدیک ایک قبیلہ بنام (بنومصطلق) رہتا تھا۔ رئیس قبیلہ کا نام (حرث) تھا اُسے (حارث) بھی کہتے تھے۔ جماعت قریش نے اس قبیلہ کو تحریک کیا کہ مسلمانوں پر حملہ آور ہو۔

محمدؐ کو یہ خبر ملی کہ قبیلہ (بنومصطلق) مسلمانوں پر حملہ کا قصد رکھتا ہے۔ آپؐ نے ارادہ کیا کہ پہل کر کے اُس قبیلہ پر حملہ کر دیں۔

چنانچہ مدینہ سے کُوچ کے وقت محمدؐ نے (عبداللہ بن اُبی) کو دعوت دی کہ مسلمانوں کے اس چھوٹے سے لشکر کی ...ن سنبھالے۔

عبداللہ بن ابی رئیس منافقین تھا۔ یہودیوں کی خواہش تھی کہ محمدؐ کی غیر حاضری کے دَوران اُس (عبداللہ بن ابی) کی مدد سے مسلمانوں پر ٹوٹ پڑیں گے اور قصہ تمام کر دیں گے لیکن عبداللہ بن اُبی محمدؐ کی اس دعوت پہ انکار نہ کر سکا اور مجبوراً انؐ کی پیش کش قبول کر لی۔

محمدؐ اس عنوان سے عبداللہ بن اُبی کو اپنے ہمراہ لے گئے اور منافقین مدینہ میں بغیر رئیس کے رہ گئے۔ نتیجتاً قریش اور یہودی محمدؐ کی غیر حاضری میں اپنے منصوبہ پر بروقت عمل نہ کر سکے۔

محمدؐ کے اس لشکر کے ساتھ صرف تیس افراد تھے۔ جن میں دس مہاجر اور بیس انصار تھے۔

قبیلہ بنومصطلق کی جنگی طاقت دو سَو افراد تھی۔ محمدؐ کے مجاہد مدینہ سے مغرب کی سمت آٹھ منزل دُور قبیلہ (بنومصطلق) سے جا ٹکرائے۔ باوجودیکہ بنومصطلق مسلمانوں سے سات گنا طاقت ور تھے۔ مسلمانوں نے اُن کے دس آدمی قتل کیے اور تمام قبیلہ کو اسیر بنا لیا۔ مسلمانوں کا صرف ایک مجاہد شہید ہوا۔

قبیلہ (بنومصطلق) اس جنگ سے قبل قریش کا مطیع اور حقیقت میں حمال تھا۔

مسلمان انہیں بھی کافر حربی گردانتے تھے یعنی وہ کافر جنہوں نے اسلام کے خلاف جنگ کی ہو۔ لہٰذا قبیلہ کے تمام مردوں کو غلام اور عورتوں کو کنیزیں بنا لیا گیا۔ لڑائی میں قبیلہ کا رئیس حرث بھی گرفتار ہوا۔

اعراب کی رسم کے مطابق اسیروں کو مسلمانوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ اس قبیلہ کی ایک عورت موسوم بہ (جویریہ) پیغمبرِ اسلام کے حصہ میں آئی۔

جویریہ بیوہ تھی مگر جوان و خوبصورت۔ اسیر ہونے کے بعد آپؐ کے پاس گئی اور کہا میں نے سُنا ہے تو پیغمبرؐ ہے۔ اور لوگ کہتے ہیں عادل بھی ہو۔ اب جو مجھے اسیر کیا ہے تو کوئی ایسا کام کرو کہ میں خود کو آزاد کرا سکوں۔ محمدؐ نے فرمایا تم کو اسیر کر کے میں نے کوئی ظلم نہیں کیا بلکہ تُم اپنے باپ کے عمل کی وجہ سے اسیر ہوئی ہو اگر تمہارا باپ مسلمانوں سے جنگ نہ کرتا تو تم خود اور وُہ اسیر نہ ہوتے۔ اب تم کہتی ہو میں کچھ کروں کہ تم آزاد ہو سکو۔

جویریہ نے کہا۔ اے محمدؐ! میں کبھی کنیز نہ تھی اور کنیز بننا پسند نہیں کروں گی

محمدؐ نے فرمایا۔ کیا تم آمادہ ہو کہ پیغمبرِ اسلام کی بیوی بن کر رہو؟

مسلمین کہ اس موقع پر محمدؐ کے اطراف میں جمع تھے۔ متعجب ہوئے۔ اس لیے کہ انہیں علم نہیں تھا اس ازدواج سے محمدؐ کا

Marfat.com

مقصود کیا ہے ؟

جویریہ نے کہا۔ ہاں۔ اے محمدؐ! میں حاضر ہُوں کہ تمہاری زوجہ بنوں۔

دُوسرے ہی لمحہ صیغۂ عقد جاری ہوُا۔ اور (جویریہؓ) پیغمبرِ اسلام کی بیوی ہوگئیں۔ اس ازدواج کے بعد مسلمان متوجہ ہُوئے کہ (حرث) تو اب آپؐ کا خسُر بن گیا۔ اسلیئے زیبا نہیں کہ وُہ کسی مسلمان کا غلام ہو۔ لہٰذا (حرث) کے آقا نے اسے آزاد کر دیا کہ تم اب ہمارے پیغمبرؐ کے خسُر ہو۔

عرب کے چھوٹے چھوٹے قبائل کے افراد باہم قریبی رشتہ دار ہوتے تھے لہٰذا تمام افراد جو اُس دن گرفتار ہوئے ازدواج کے بعد محمدؐ کے خویش قرار پائے۔ مسلمان انہیں غلام اور کنیزیں نہیں دیکھ سکتے تھے۔

یہ وجہ ہُوئی کہ مسلمانوں نے تمام قبیلہ کے افراد کو آزاد کر دیا۔ قبیلہ کے افراد نے جب یہ فداکاری کا جذبہ دیکھا تو مُتاثر ہو کر سب مسلمان ہو گئے۔ حرث۔ جویریہؓ کا باپ اور محمدؐ کا خسُر سب سے پہلے ایمان لایا۔

قبیلہ مصطلق مسلمان ہو کر اسلام کا وفادار ہو گیا اور بعد ازاں اُس کے افراد نے بہت سی جنگوں میں اسلام کے لیئے فداکاری کی۔ قبیلہ مصطلق کے مسلمان ہونے کے بعد مسلمان سمجھ سکے کہ اِس ازدواج سے محمدؐ کے پیشِ نظر کیا تھا۔ (جویریہؓ) سے ازدواج سے اُن کو اُمید تھی کہ مُشرک قبیلہ مسلمان ہو جائے گا۔

عبداللہ بن ابی اپنی مرضی کے خلاف لشکرِ اسلامی کے ساتھ اس جنگ پر تو چلا گیا مگر مسلمانوں کی فتح اور بعد میں قبیلہ مذکور کے مسلمان ہونے پر بہت خشمگیں ہوُا اور ارادہ کیا کہ محمدؐ کے مدینہ پہنچنے سے پہلے آپؐ کو قتل کر دے۔

قبیلہ مصطلق کے مسلمان ہو جانے کے بعد محمدؐ نے واپس لوٹ چلنے کا ارادہ کیا تو عبداللہ بن ابی نے فتنہ انگیزی شروع کر دی۔ اُس نے لشکر کے مہاجر مجاہدوں کو جمع کیا اور کہا۔ تم نے دیکھا نہیں کس طرح پیغمبرؐ نے تمہیں تمہارے حق سے محروم کیا ہے۔

انہوں نے پُوچھا۔ "وُہ کیسے"؟

عبداللہ بن اُبی نے کہا تم مدینہ سے چلے یہاں پہنچے پھر اس اُمید پر جنگ کی کہ مالِ غنیمت حاصل کرو گے لیکن محمدؐ نے فتح کے بعد (جویریہؓ بنت حرث) سے نکاح کر لیا۔ جس کے نتیجہ میں تم مجبور ہُوئے کہ غلاموں اور کنیزوں کو بغیر کسی مالی فائدہ کے آزاد کر دو۔ اب تم خالی ہاتھ مدینہ جاؤ گے۔ اس کے بعد اُس نے انصار مجاہدوں کو اکٹھا کر کے کہا۔ تم نے اس سفر میں فریب کھایا ہے۔

انہوں نے پُوچھا۔ "وُہ کیسے"؟

عبداللہ بن ابی نے کہا وُہ ایسے کہ تم مالِ غنیمت سے محروم کیئے گئے ہو اور مجھے حیرت ہے تم نے کیوں اپنی کنیزوں اور غلاموں کو آزاد کیا۔

اگر محمدؐ نے (جویریہؓ) سے نکاح کر لیا ہے تو تمہیں کیا؟ تم مالِ غنیمت یا زرِ فدیہ سے کیوں محروم رہو؟

انصار نے کہا۔ محمدؐ کے نکاح کرنے کے باعث اسلام کی توسیع ہوئی ہے ایک قبیلہ مسلمان ہو گیا ہے۔ یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔ ہمیں مالِ غنیمت سے محروم ہونے کا کوئی افسوس نہیں۔

Marfat.com

عبداللہ بن ابی نے محسوس کیا کہ انصار مجاہدین اس کی باتوں میں نہیں آئیں گے تو انصار اور مہاجر مجاہدوں کو لڑانے کا قصد کیا۔ مہاجرین سے کہا۔ انصار کہہ رہے ہیں کہ محمدؐ ایک چالاک انسان ہیں۔ اسی لیئے انہوں نے بڑی چابکدستی سے ہمیں فریب دیا ہے گرچہ ہمیں اس جنگ میں مال غنیمت نہیں ملا پھر بھی ہم خوش ہیں اب یہ تم پر ہے کہ انصار کو سمجھاؤ کہ وہ محمدؐ کا فریب نہ کھائیں۔

قریب تھا کہ مہاجر و انصار آپس میں دست و گریبان ہوں کہ (عبداللہ بن ابی) کے بیٹے نے جو اس سفر میں باپ کے ساتھ تھا محمدؐ کو اس واقعہ سے آگاہ کیا اور عرض کی اگر آپؐ نے فوری اقدام نہ کیا تو کشت و خون شروع ہو جائے گا۔ محمدؐ نے دونوں دستوں کو [illegible] کیا اور بات کو آگے نہ بڑھنے دیا۔ اور فوری مدینہ کی طرف کوچ کرنے اور تیزی سے سفر کرنے کا حکم دیا چونکہ مجاہدین [illegible] تھے اور آہستہ روی سے وسوسوں کو ذہن میں دوبارہ جڑ پکڑنے کا موقع ملتا۔

سفر کے دوران عبداللہ بن ابی کا لڑکا آپؐ کے پاس آیا اور عرض کی یا محمدؐ جیسا کہ میں پہلے آپؐ کو بتا چکا ہوں میرے باپ کا ارادہ تھا کہ مجاہدین میں شورش پیدا کر کے آپ کو قتل کردے۔ چونکہ اس نے آپؐ کے قتل کا ارادہ کیا لہٰذا واجب القتل ہے اگر آپ حکم فرمادیں تو میں اس کو قتل کر دوں۔ ویسے میں یہ بھی عرض کر دوں کہ مدینہ میں کوئی ایسا شخص نہیں جو مجھ سے زیادہ باپ سے وفادار ہو لیکن جب مجھے یہ علم ہوا کہ میرا والد پیغمبرؐ کو قتل کا ارادہ رکھتا ہے تو اسے مستوجبِ قتل قرار دوں گا اور جب بھی آپؐ اس کے قتل کا حکم صادر کریں گے قتل کر دوں گا۔

محمدؐ اس جوان (عبداللہ بن ابی) کے بیٹے سے بہت متاثر ہوئے اس لیئے کہ وہ صمیم قلب سے یہ بات کہہ رہا تھا۔ آپؐ نے فرمایا میں تمہارے باپ کے قتل کا حکم صادر نہیں کروں گا۔ میں نہیں چاہتا کہ وہ قتل کیا جائے بلکہ میری خواہش ہے وہ زندہ رہے اور ہمارے درمیان زندگی بسر کرے۔

محمدؐ جانتے تھے کہ عبداللہ بن ابی نے خیانت کی ہے پھر بھی اس کے قتل کی فکر نہ کی۔ اس لیئے کہ آپؐ مجسم بخشش تھے اور دشمنوں سے انتقام نہیں لیا کرتے تھے۔

لیکن عبداللہ بن ابی حق شناس نہ تھا۔ وہ بجائے اس کے کہ آپؐ کا سپاس گزار ہو کہ انہوںؐ نے اس کے قتل سے صرف نظر کیا ہے وہ اس کے برعکس محمدؐ کو زک پہنچانے کے مواقع تلاش کرتا رہا۔

بالآخر اسے محمدؐ پر ضرب لگانے کا موقع ہاتھ آہی گیا۔ وہ عائشہؓ سے متعلق ایک اتفاقی واقعہ تھا اور اس نے اس فرصت کو ہاتھ سے نہ جانے دیا۔

پیغمبر اسلام ہر سفر میں اپنی کسی ایک بیوی کو ساتھ لے جایا کرتے تھے اور انتخاب قرعہ اندازی سے کیا کرتے تھے تاکہ کسی ایک کے لیئے بھی رنج کا باعث نہ ہو۔

(بنو مصطلق) پر حملہ کے لیئے جو سفر اختیار کیا گیا۔ اس کے لیئے قرعہ عائشہؓ کے نام نکلا۔ عائشہؓ اونٹ کے کجاوہ میں بیٹھ گئیں اور محمدؐ کے ساتھ میدان جنگ کو روانہ ہو گئیں۔

میدانِ جنگ سے واپسی کے سفر میں عائشہؓ جن کی عمر اس وقت پندرہ سال تھی۔ کجاوہ سے اتر کر رفع حاجت کے لیئے چلی گئیں۔ فراغت کے بعد جب آپؓ واپس پڑاؤ میں پہنچیں تو یہ دیکھ کر پریشان ہو گئیں کہ لشکر وہاں سے جا چکا تھا۔

Marfat.com

جب لشکر کوچ کرنے والا تھا۔ محمدؐ نے دیکھا کہ عائشہؓ کے کجاوہ کا پردہ گرا ہُوا ہے۔ سوچا سو رہی ہوں گی۔ اس وجہ سے آپؐ کی غیر حاضری کا پتہ نہ چل سکا۔ اُونٹ کھڑے ہُوئے اور لشکر چلدیا۔

عائشہؓ نے جب دیکھا کہ لشکر جا چکا ہے تو انہیں دھچکا سا لگا۔ روتی ہوئی لشکر کے پیچھے دوڑیں لیکن بے فائدہ۔ بالآخر زمین پر بیٹھ گئیں اور خُدا سے دُعا کی۔ اے خداوند! تو نے مجھے مسلمان پیدا کیا ہے۔ اپنے پیغمبرؐ کی بیوی بنایا ہے اب مجھے نجات دے۔

کچھ دیر بعد ایک شتر سوار وہاں پہنچا۔ معلوم ہُوا کہ وُہ (صفوان بن معطل سہمی، عقب دار لشکر سپاہی) ہے۔ اُس کی نگاہ ایک عورت پر پڑی کہ زمین پر بیٹھی ہوئی تھی۔

(صفوان) جب عائشہؓ کے نزدیک گیا تو پہچان لیا اور عرض کی۔ آپؐ یہاں کیا کر رہی ہیں اور کیوں یہاں بیٹھی ہُوئی ہیں؟

عائشہؓ نے واقعہ بتایا۔ صفوان نے آپ کو اُونٹ پر بٹھا لیا اور خود ساتھ ساتھ پیادہ مدینہ کی راہ لی۔ لشکر کے پہنچنے کے دُوسرے دن یہ مدینہ پہنچے۔

عبداللہ بن اُبی نے جب یہ سُنا کہ عائشہؓ کو (صفوان بن معطل سہمی) اپنے ساتھ مدینہ لایا ہے تو اس موقع کو غنیمت جانا کہ تہمت باندھے۔ محمدؐ کو دُکھ پہنچائے اور بدنام کرے۔

دُوسرے کچھ لوگ بھی (عبداللہ بن ابی) کے ہم آواز ہو گئے۔ مثلاً (زید بن رفاعہ) (حسان بن ثابت) کہ شاعر تھا اور (مسطح بن اثاثہ) یہ شخص عائشہؓ کا دُور کا رشتہ دار تھا یعنی ابوبکرؓ کی خالہ کا دوہتا تھا۔

عبداللہ بن ابی اور اُس کے ہمنوا۔ صبح سے شام تک مدینہ کی گلیوں میں لوگوں سے کہتے پھرتے کہ صفوان ایک جوان آدمی ہے اور عائشہؓ بھی جوان ہیں اور دونوں ایک دن اور ایک رات صحرا میں تنہا رہے ہیں۔ لہٰذا اُن کے درمیان وُہ تعلقات پیدا ہوئے جو نہیں ہونے چاہئیں تھے۔

یہودی تو محمدؐ کے دشمن تھے ہی وُہ اس حکایت کو اور پھیلاتے۔ (حسان بن ثابت) نے ہجو لکھی اور محمدؐ کے دشمنوں نے اپنے تخیل سے اس واقعہ کی تفصیلات تیار کیں۔

محمدؐ نے (اسامہ بن زید) سے مشورہ کیا کہ کیا کیا جائے؟ (اسامہ) نے کہا۔ آپؐ کی بیوی میں کوئی نقص نہیں۔ بجز اس کے کہ ابھی خرد سال ہیں۔ آپ نے دیکھا ہے جب روٹیاں پکانے کے لیئے آٹا گوندھتی ہیں اُس کی حفاظت نہیں کرتیں حتیٰ کہ بکریاں آٹا کھا جاتی ہیں۔

محمدؐ نے اس کے بعد علیؓ سے مشورہ کیا اور کہا۔ اے علیؓ! میں عائشہ کے معاملہ میں کیا کروں؟

علیؓ نے جواب دیا۔ اگر آپ عائشہؓ کو گنہگار نہیں سمجھتے تو ان افواہوں پر توجہ نہ دیں اور اگر گنہگار سمجھتے ہیں تو طلاق دے دیں۔ آپؐ کے لیئے عورتوں کی کوئی کمی نہیں۔

کہتے ہیں کہ اسی بات پر عائشہؓ اور علیؓ میں دشمنی کا آغاز ہُوا تھا۔

Marfat.com

محمدؐ، عائشہؓ کے پاس گئے اور فرمایا۔ کیا تمہیں علم ہے کہ لوگ تمہارے متعلق کیا کہہ رہے ہیں؟

عائشہؓ رونے لگیں اور عرض کی۔ اے محمدؐ وہ جو کچھ بھی میرے متعلق کہتے ہیں جھوٹ ہے اور میں نے کوئی خطا نہیں کی۔ اُس موقع پر محمدؐ پر وحی نازل ہوئی۔ پہلی آیت جو عائشہؓ کے متعلق نازل ہوئی۔ وُہ آج سورۂ نور کی گیارھویں آیت ہے۔ اُس آیت کا مضمون یہ ہے:-

"ان الذین جاءوا بالافك عصبة منكم لاتحسبوه شرا لكم بل هو خير لكم لكل امرئ منهم ما اكتسب من الاثم والذی تولی کبره منهم له عذاب عظیم ○

یعنی "وہ لوگ جنہوں نے بہتان تراشی کی اور جھوٹ گھڑا تم میں سے ہی ہیں اور یہ نہ سوچنا کہ یہ بہتان اور جھوٹ تمہارے لیئے کوئی خطرہ پیدا کرے گا۔ بلکہ اس کے برعکس تمہارے لیئے سودمند اور باعثِ خیر ہوگا۔ خداوند ان بہتان باندھنے والے جھوٹوں کو جس گناہ کے یہ مرتکب ہُوئے ہیں مجازات کرے گا اور وُہ جس نے بہت بڑا جھوٹ کہا (عبداللہ بن ابی) وُہ عذاب عظیم سے دوچار ہوگا۔"

اسی سُورت کی بارھویں آیت میں فرمایا

"تم جو مومن مرد اور مومن عورتیں ہو کیوں تم نے اس بہتان اور سراسر جھُوٹ پر توجہ دی۔ کس لیئے تم نے اپنے جیسے مومنوں (عائشہؓ و صفوان) پر نیک گمان نہ کیا اور کیوں نہ اس بہتان اور دروغ کو قطعی رد کر دیا۔

اسی سورت کی تیرھویں آیت میں فرمایا:

"ولولا جاءو علیه باربعة شهداء فاذ لم یاتوا بالشهداء فاولٓئك عند الله هم الکذبون"

یعنی اگر وہ یہ تہمت لگاتے تھے کیوں اُس پر چار گواہ نہ لائے تا ثابت کریں کہ (عائشہؓ نے گناہ کیا ہے) اور چونکہ بہتان طراز چار گواہ نہیں لائیں گے۔ خداوند کے نزدیک جھوٹے شمار ہوتے ہیں۔"

وُہ لوگ جو اسلامی احکام سے مطلع ہیں جانتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کسی عورت یا مرد پر تہمت لگائے کہ وُہ زانیہ یا زانی ہے۔ قرآنی احکام کے مطابق چار گواہ پیش کرے۔ جنہوں نے اپنی آنکھوں سے اُس مرد و عورت کو ارتکابِ گناہ کرتے دیکھا ہو۔ چار گواہوں کی شہادت صریح اور بغیر کسی ابہام کے ہونی چاہیئے۔

اگر گواہ شہادت دیں کہ انہوں نے بچشم خود دیکھا ہے کہ ایک مرد اور ایک عورت جو باہم میاں بیوی نہیں ہیں۔ ایک مدت تک ایک گھر میں دروازے بند کر کے رہے ہیں تو یہ شہادت اُن پر گناہ ثابت کرنے کے لیئے کافی نہیں۔ اس لیئے ممکن ہے وہ مُرتکب گناہ نہ ہوئے ہوں جو شخص بھی کسی دُوسرے پر تہمت زنا لگائے۔ چار گواہ لائے اور تہمت لگانے کے بعد اگر وُہ شخص چار گواہ نہ لا سکے تو وُہ شخص گناہ گار اور مستوجبِ سزا ہوتا ہے۔

عائشہؓ کی بے گناہی میں خداوند نے سورۂ نور کی آٹھ آیات (گیارہ سے بیس تک) نازل فرمائیں اور اختصاص کے ساتھ اُنکی بے گناہی کا ذکر فرمایا۔ ان آیات کے نزول کے بعد محمدؐ اور مسلمان مطمئن اور آسودہ ہوئے۔ ان آیات کا نزول مسلمانوں کے لیئے بہت

Marfat.com

زیادہ مسرت کا باعث ہوا۔ اس لیئے کہ تمام مسلمان جو نژاداً عرب تھے بڑے با اخلاق تھے اُن کے پراپیگنڈہ اور ہجو سے اُن کا دِل جلتا تھا۔

لیکن مذکورہ آیات کے نزول کے بعد تمام مسلمان بہت شاداں ہُوئے۔

(عبداللہ بن ابی) جو سوچ رہا تھا کہ اُس کی یہ تہمت محمدؐ اور مسلمانوں کے خلاف ایک بہت بڑا حربہ ثابت ہوگی۔ اُس کی یہ مہم بھی ناکام ہو گئی ہے۔

اِن آیات کے نزول پر محمدؐ اور مسلمانوں نے آسودہ خاطر ہو کر خود کو ایک اور جنگ کے لیئے تیار کرنا شروع کر دیا۔

Marfat.com

جنگِ خندق

محمدؐ اپنا نظامِ جاسوسی رکھتے تھے۔ اس لیے اُن کے علم میں تھا کہ جماعتِ قریش (مکّہ میں لام بندی کر رہی ہے اور دس ہزار کا ایک لشکر مدینہ پر حملہ کے لیے تیار کیا جا رہا ہے۔

جماعتِ قریش مدینہ پر حملہ کے لیے تیاری تو کر رہی تھی مگر دل میں وُہ محمدؐ کی جنگی استعداد سے خوفزدہ بھی تھے اور محمدؐ کی مدینہ میں موجودگی کی وجہ سے حملہ کی جرأت نہیں کر رہے تھے۔ پس منتظر تھے کہ محمدؐ مدینہ سے خارج ہوں تو وُہ مدینہ پر حملہ کریں اور منافقین اور یہودیوں کی مدد سے اسلام کی بیخ کنی کریں۔

قریش کو معلوم ہو چکا تھا کہ محمدؐ (دومۃ الجندل) پر حملہ آور ہونے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

حاکم دومۃ الجندل نے قریش اور خیبر کے یہودیوں سے ایک جنگی معاہدہ کی رُو سے۔ مدینہ کے کاروانوں کا جو مدینہ سے شام اور اطراف میں سفر کرتے تھے، اپنے علاقے سے عبور ممنوع قرار دے دیا تھا۔

محمدؐ کو معلوم تھا کہ قریش ایک بہت بڑا لشکر تیار کر رہے ہیں اور وُہ کسی وقت بھی مدینہ پر چڑھ دوڑیں گے۔ لیکن آپؐ کی (دومۃ الجندل) کی مہم بھی ناگزیر تھی۔ اس لیے کہ مذاکرات یا جنگ دونوں صُورتوں میں کاروانوں کے عبور کی ضمانت حاصل کرنا ضروری تھی۔

حاکم دومۃ الجندل کا یہ اقدام ایسا تھا جیسے مدینہ والوں کی گردن شکنجہ میں کس دی گئی ہو۔ پیغمبرِ اسلام مجبور تھے اس راستہ کو کھولیں وگرنہ مدینہ کی تجارت تباہ ہو جاتی۔

محمدؐ نے دو وجوہ کی بنا پر اس سفر کا حتمی ارادہ کر لیا۔ ایک یہ کہ (دومۃ الجندل) مدینہ سے زیادہ فاصلہ پر نہیں تھا۔ دوسرے وہ اس بات سے باخبر تھے کہ قریش کی لام بندی ابھی مکمل نہیں ہوئی ہے۔

ان وجوہات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے محمدؐ ایک ہزار کے لشکر کے ساتھ مدینہ سے نکلے اور دومۃ الجندل کی طرف پیش قدمی کی سب سے پہلے آپؐ کا گزر قبیلہ (غطفان) کی سرزمین پر سے ہوا۔ آپؐ نے رئیس قبیلہ سے مذاکرات کیے۔ مذاکرات کے ضمن رئیس قبیلہ نے محمدؐ کو تمام حقیقت بتا دی کہ وہ طائفہ قریش اور خیبر کے یہودیوں کا اتحادی ہے اور اس اتحاد کے عوض یہودیوں سے خُرما (کھجور) وصول کی ہیں۔ اور اگر محمدؐ ان سے زیادہ خرما دینے پر آمادہ ہوں تو وُہ اتحاد سے علیحدہ ہو جائے گا اور پھر کہا اے محمدؐ میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے کہ تم سے طویل مذاکرات کروں۔ اس لیے کہ مجھے اپنے آدمیوں کے ساتھ فوری کوچ کرنا ہے۔ کیونکہ لشکرِ قریش جو میرا منتظر تھا۔ اب مکّہ سے

Marfat.com

مدینہ کی طرف بڑھ رہا ہے۔ ہم سب مل کر مدینہ پر حملہ آور ہو رہے ہیں۔

محمدؐ نے رئیس قبیلہ کی اس بات کی تائید چاہی تو معلوم ہوا کہ خبر صحیح ہے۔

محمدؐ جانتے تھے کہ رئیس قبیلہ جھوٹ نہیں بول رہا لیکن خیال کیا کہ شاید قریش نے اُسے ایسے ہی کہلا بھیجا ہو۔ خبر کی تصدیق پر محمدؐ نے فوری مراجعت فرمائی اور بڑی تیزی سے سفر کرتے ہوئے بروقت مدینہ پہنچ گئے۔

عبداللہ بن ابی اور یہودی محمدؐ کو واپس مدینہ میں دیکھ کر بہت متعجب ہوئے۔ انہیں پیغمبرِ اسلام کی اس عادت کا علم تھا کہ جب کبھی جنگی مقاصد کے لیئے سفر پر نکلتے جنگ کیئے بغیر واپس نہیں لوٹا کرتے تھے۔ محمدؐ کے راہ سے ہی لوٹ آنے کے بعد چند افراد قبیلہ (خوزہ) کے مدینہ آئے اور محمدؐ کو اطلاع دی کہ قریش کا لشکر مکہ سے چل پڑا ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ لشکرِ قریش کو مدینہ پہنچنے کے لیئے عام حالات میں تقریباً گیارہ دن سفر کرنا ہوگا۔

مگر لشکرِ قریش چار دن میں ہی مدینہ پہنچ گیا۔ دراصل پیغمبرِ اسلام کے مدینہ سے باہر چلے جانے کی خبر کے بعد وہ بغیر آرام کیئے روز و شب سفر کرتے رہے تھے کہ جلد از جلد مدینہ پہنچ جائیں۔

ان دو اشخاص نے مزید بتایا کہ لشکر کی تعداد دس ہزار ہے۔ تمام سپاہ پوری طرح مسلح ہے اور اُن کا ارادہ ہے کہ جب تک مدینہ سے اسلام کی بیخ کنی نہ کریں گے مکہ واپس نہیں لوٹیں گے۔

محمدؐ نے اُن اشخاص سے یہ سب سُننے کے بعد ایک لحظہ تاخیر نہ کی اور بے درنگ مسلمانوں کو حکم دیا کہ جنگ کے لیئے تیار ہو جاؤ۔

پیغمبرِ اسلام نے مسلمانوں سے کہا اس دفعہ لشکرِ قریش کی تعداد گزشتہ سے بہت زیادہ ہے۔ دشمن کے اس حملہ کو رد کرنے کے لیئے کوئی حتمی وسیلہ اپنانا ہوگا۔

وسیلۂ دفاع جو محمدؐ کے پیشِ نظر تھا وہ عبارت تھا ایک خندق سے۔ اسی مناسبت سے اس جنگ کو جو ماہِ شوال میں مسلمانوں اور کفار کے درمیان ہوئی جنگِ خندق کا نام دیا گیا۔ چونکہ اس جنگ میں قریش کے ساتھ مختلف قبائل کے دستے بھی شامل ہوئے اس لیئے اسے جنگِ احزاب بھی کہتے ہیں۔

جنگِ خندق میں محمدؐ کی جنگی چالوں اور طریقِ دفاع پر نہ صرف ایک عام آدمی حیرت کا اظہار کرتا ہے بلکہ جنگی ماہرین کو بھی حیرانی ہے کہ کس طرح اور کیسے محمدؐ نے اِن جنگی چالوں اور طریقۂ دفاع کا استنباط کیا اور پھر عمل کیا۔

جنگی چالوں کا استنباط کوئی کارِ نابغہ (GENIUS) نہیں۔ ایسے اشخاص کو کمی نہیں جو گھر میں بیٹھے بیٹھے کاغذ پر جنگ کا نقشہ بناتے اور دُشمن کو معدوم کر دیتے ہیں۔ لیکن اُن میں سے کوئی ایک بھی قدرت نہیں رکھتا کہ اُن کاغذی چالوں کا میدانِ جنگ میں بروقت اجراء کر سکے۔

عربستان میں ایک بڑے لشکر کے مقابلہ میں خندق کے ذریعے دفاع ایک نئی چیز تھی۔ ایسے ہی جیسے میدانِ جنگ میں صف بندی ایک انوکھی چال تھی۔ ان نئی چالوں کا عربستان میں محمدؐ نے ہی آغاز کیا۔

مسلمانوں میں ایک شخص تھا جس کا نام (مہیار فارسی) تھا۔ عرب اُسے (سلمان فارسیؓ) کہتے ہیں۔ اُس نے محمدؐ سے عرض کی۔

ایران میں ایک قلعہ و شہر کے دفاع کے لیئے اُس کے اطراف خندق کھودتے ہیں۔ یہ خندق اس قدر عمیق و عریض ہوتی ہے کہ دشمن کے سوار و پیادہ اُسے عبور نہیں کر سکتے۔

(سلمان فارسیؓ) بلند قامت اور چوڑے چکلے شانوں والے ایک قوی مرد تھے۔ اور پیغمبرِ اسلام کی بابت بہت زیادہ مخلص تھے۔ پیغمبرِ اسلام نے اُس کے مشورہ کو توثیق بخشی۔

(سلمان فارسیؓ) کے مشورہ کو قبول کرنا آسان تھا لیکن خندق کی کُھدائی میں بہت زیادہ مشکلات تھیں۔ خندق بھی ایسی جو دشمن کے حملہ سے حفاظت کرے اور مدینہ کی آبادی کا احاطہ کیئے ہوئے ہو۔ مسلمانوں کی تعداد زیادہ نہیں تھی۔ خندق کی کھدائی کے لیئے زیادہ وقت بھی نہیں تھا لیکن پھر بھی محمدؐ کے اشارہ پر کھدائی کا کام شروع کر دیا گیا۔

خندق کی کھدائی کے حکم کے ساتھ ساتھ یہ حکم بھی صادر فرمایا کہ ہر قسم کی زرعی پیداوار جو شہر سے باہر ہے فوری شہر کے اندر لائی جائیں تاکہ جب لشکر قریش مدینہ پہنچے تو کھیتوں اور باغوں کی اِس پیداوار سے استفادہ نہ کر سکے۔

اِس چال کو دُوسری عالمگیر جنگ میں حکومتِ رُوس نے جرمنی کے خلاف اختیار کیا تھا اور جرمن فوجوں کے اگلے علاقہ سے تمام کھیتوں اور باغوں کی پیداوار اپنے عقب میں پہنچا دی یا تباہ کر دی تھی تاکہ دُشمن کی افواج اِس اناج اور پھلوں سے استفادہ نہ کر سکیں۔

اِس سے چودہ سَو سال پہلے محمدؐ نے جنگ میں یہ روش اختیار کی اور تمام زرعی پیداوار کو مدینہ شہر میں منتقل کر لیا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ جب قریش کا لشکر مدینہ پہنچا تو خوراک اور چارے کی قلت کا شکار ہو گیا۔

مدینہ کے تمام مسلمان مرد۔ عورتیں۔ لڑکے۔ لڑکیاں جو بیلچہ۔ کدال اور گینتی سے کام کرنے کے قابل تھے۔ خندق کی کھدائی میں مشغول ہو گئے۔

خندق کا نقشہ اِس طرح بنایا گیا تھا۔ مدینہ کا شمالی۔ مغربی۔ جنوب مغربی اور جنوب کا کچھ حصہ اس میں شامل تھا۔ یہ شمال میں قلعہ شیخین سے شروع ہوتی تھی اور جنوب میں حومہ (قبا) کے پاس ختم ہو جاتی تھی۔ خندق کے نقشہ میں اِس نقطہ کو ملحوظ رکھا گیا۔ کہ زمین کی طبیعی رکاوٹیں خندق کے اندرونی طرف رہیں تاکہ شہر کے اندر جو مسلمان ہیں وُہ ان طبیعی رکاوٹوں سے پورا استفادہ کر سکیں۔

مدینہ میں اُس وقت طول ماپنے کا ایک ہی پیمانہ تھا (ذراع) یعنی کہنی سے لیکر ہاتھ کی درمیانی انگلی کے آخر تک لمبائی۔ (ذراع) ایک اکائی شمار ہوتی تھی۔

ایک ذراع تقریباً آج کے آدھے میٹر کے برابر ہے۔

محمدؐ نے خندق کی کھدائی کے لیئے مسلمانوں کو دس دس کے گروپوں میں تقسیم کر دیا اور ہر بیس میٹر (چالیس ذراع) فاصلہ کی کھدائی اُن کے سپرد کی۔

افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ وقائع نگاروں نے بعض اُمور کو ثبت کرنے میں سستی کا مظاہرہ کیا ہے۔ اور یہاں بھی یہ نہیں بتایا کہ مدینہ کے تین اطراف جو کھدائی ہوئی اُس کا عرض کتنا تھا۔ خندق کا طول البتہ بارہ ہزار ہاتھ (ذراع) یعنی ۶ کلومیٹر تھا۔ خندق کی گہرائی (پانچ ذراع) سے زیادہ تھی۔ لہٰذا اس حساب سے گہرائی تقریباً تین میٹر ہوتی ہے۔ ہم بلا تردید یہ کہہ سکتے

Marfat.com

ہیں۔ کہ خندق کی کھُدائی کافی عریض اور عمودی تھی۔

اگر عرض کم ہوتا تو سوار اُسے پھلانگ کر دُوسری سمت پہنچ سکتے تھے۔ اور اگر کھدائی گہری نہ ہوتی تو پیادہ د سوار سپاہ اُس میں گزر کر دُوسری طرف شہر پہنچ سکتی تھی۔ قدیم جنگوں میں ایک خشک خندق۔ آبی خندق سے زیادہ مفید تھی۔ اس لیئے کہ اگر خندق پانی سے پُر ہو تو سوار اُس میں سے آسانی سے گزر سکتے ہیں، اس طرح دشمن سپاہ کشتیوں کے وسیلہ سے خندق کو عبور کر سکتی ہے۔

مسلمانوں نے اطرافِ مدینہ اس چھ کیلومیٹر کی خندق کی کھُدائی میں روز وشب بہت زیادہ مشقت اُٹھائی۔ ہر دس افراد کا ایک گروپ خندق کے ایک مخصوص حصہ کی کھدائی پر مامور تھا۔ کچھ لوگ مسلسل بیدار رہتے تھے۔ انہیں سونے کی اجازت نہیں تھی مگر اپنی باری پر۔

محمدؐ بذاتِ خود دُوسروں کی مدد کے لیئے گینتی چلاتے اور مٹی اُٹھاتے تھے۔

ابوبکرؓ اور عمرؓ نے اپنی ٹوکریاں دوسروں کو دے دی تھیں اور وُہ دونوں جو عرب کے قابلِ احترام شخصیتیں تھے اور ہجرت سے پہلے مکّہ کے سرداروں میں شمار ہوتے تھے۔ اپنی چادروں میں مٹی بھر کر دُور لے جا کر پھینکتے تھے۔

جیسا کہ ہم کہہ چکے ہیں۔ خندق قلعہ شیخین سے شروع ہو کر حومہ (قبا) میں ختم ہوتی تھی۔ اس ترتیب سے مشرق شمال مشرق۔ جنوب مشرقی سمت میں خندق نہیں کھودی گئی تھی۔ ان اطراف میں دشمن کی پیشقدمی میں بہت سی رکاوٹیں تھیں یعنی باریک اور تنگ راستوں والے گھنے باغات تھے۔ ان اطراف میں تیرانداز اور پتھر پھینکنے والے اگر کھجوروں اور دُوسرے درختوں پر مورچے سنبھال لیتے تو قریش کے لشکر کا اس طرف سے عبُور ممکن نہ تھا۔ قریش کے سوار اور پیادہ بآسانی ان راستوں سے نہیں گزر سکتے تھے۔

اِسی وجہ سے محمدؐ نے اس سمت خندق کو ضروری خیال نہ کیا۔ بعد آں جنگ میں ثابت ہوگیا کہ محمدؐ کا نظریہ اس بابت صائب تھا۔

محمدؐ نے کھُدائی کرنیوالوں کو کام کے اوقات میں بلند آواز سے جو وہ پسند کریں پڑھنے کی اجازت دے دی تھی اور فرمایا کہ اچھی آواز والے ایسا ضرور کریں تاکہ دُوسروں کی تھکاوٹ دُور ہو۔ نیز یہ بھی فرمایا وہ لوگ جو شعر سرائی کر سکتے ہیں وہ (مہیج) کے اشعار پڑھیں تاکہ کھدائی میں مشغول افراد کو کام میں تقویت حاصل ہو۔

(عمارہ حزم) ایک بارہ سالہ بچّہ کی آواز بڑی دلنشین تھی۔ ایک دن محمدؐ وہاں پہنچے جہاں (عمارہ) کام کر رہا تھا تو اُس کی دلنشین آواز سنی۔ اُس کے بعد آپؐ جب خندق کے دوسرے حصّوں میں لوگوں کی مدد کے لیئے تشریف لے جاتے تو اس لڑکے کو بھی ساتھ لے جاتے تاکہ دوسرے لوگ بھی اس کی دلنشیں آواز سنیں اور اُن کی خستگی دُور ہو۔

جب ایک گروپ اپنا کام ختم کر لیتا تو بجائے اس کے کہ وُہ آرام کے لیئے چلے جاتے وُہ پھیل کر دوسرے گروہوں کی مدد کرتے تھے۔

ایسی ہمت، ڈسپلن اور ایثار کی نظیر قدیم دنیا میں بہت کم ملتی ہے۔ دَورِ جدید میں صرف ایک نمونہ (لینن گراڈ) کے مردوں

دعورتوں کی فداکاری نے پیش کیا۔ دُوسری عالمی جنگ میں لینن گراڈ کے شہریوں نے بیلچہ اور گینتی سے خندق کھودی اور دفاعی انتظامات میں حصہ لیا۔

مکہ کا لشکر جس وقت مدینہ کی حدود میں داخل ہوا تو خندق کی کھدائی کا کام تمام ہو چکا تھا اور مسلمان مرد اسلحہ سنبھال چکے تھے۔ جنگ اُحد کے بیان میں ہم نے ذکر کیا تھا کہ مکہ کا لشکر جنوبی سمت سے مدینہ کے نزدیک نہیں آسکا تھا۔ اُس کی وجہ یہ تھی سنگلاخ زمین اُونٹوں کی نقل و حرکت کے لیئے نامساعد تھی۔ یہی وجہ تھی کہ اِس دفعہ بھی مکہ کے لشکر نے مدینہ کا چکر کاٹا تاکہ شمال مغرب کی راہ یعنی کوہِ اُحد کے دامن سے گزرتے ہوئے مدینہ پہنچیں۔

اس جنگ میں بھی لشکر کی کمان (ابوسفیان) کے پاس تھی۔ وُہ جب کوہِ اُحد کے دامن میں پہنچا تو اُس کا خیال تھا مسلمانوں کا لشکر اُسے وہاں ملے گا اور وُہ انہیں نابود کر دے گا۔ مکہ کا لشکر دس ہزار جنگجوؤں پر مشتمل تھا۔ اُن میں اکثریت مکہ کے رہنے والوں کی تھی۔

اور کچھ حصّہ دُوسرے جنگجو قبائل مثلاً (بنی خزارہ)۔ (بنو غطفان)۔ (بنو احابش)۔ (بنو تہامہ) اور (بنو کنانہ) پر مشتمل تھا۔ (ابوسفیان) مطمئن تھا کہ مسلمان لشکر سے سامنا ہوتے ہی وُہ انہیں پیس کر رکھ دے گا۔ لیکن جب اُس نے کوہِ اُحد کے دامن میں مسلمانوں کا لشکر نہ پایا تو مدینہ پر حملہ کا حکم صادر کیا۔ لشکر حکم کی تعمیل میں جب مدینہ کی طرف بڑھا تو اپنے مقابل خندق کو پایا۔ جنگی حصار عربوں کے لیئے کوئی نئی چیز نہ تھی۔ لیکن خندق کو دیکھ کر بہت حیران ہوئے اور اُن کی پیش قدمی رُک گئی۔ ابوسفیان بھی دوسری سپاہ کی طرح جب خندق پر پہنچا تو حیران رہ گیا۔ اُس نے دیکھا کہ اس کا عبُور بہت مشکل ہے۔ اگر کوئی ایرانی یا رُومی عہدیدار وہاں ہوتا تو اُسے علم تھا کہ اس خندق کو کیسے عبور کیا جاتا ہے لیکن ابوسفیان ایک تاجر تھا اور امورِ جنگی سے ناآشنا۔

بدوی عربوں کی بے خبری اور سادگی کا علم ہمیں یہیں سے ہی ہو جاتا ہے۔ ایسے کہ دس ہزار جنگجو خندق کو مقابل پا کر رُک گئے۔ جیسے اس کا عبور اُن کے لیئے غیر ممکن ہے اور (ابوسفیان) کے حکم کے بغیر ہی خندق کے اس پار اپنے خیمے گاڑنے شروع کر دیئے۔ اُن کا خیال تھا کہ خندق ناقابلِ عبور ہے لہٰذا کوئی اور چارہ نہیں بجز اس کے کہ شہر کا محاصرہ کر لیا جاوے۔ مکہ کی سپاہ خندق کے اس پار اور مسلمان دوسری طرف اس طرح ایستادہ تھے کہ وُہ ایک دُوسرے کو دیکھ سکتے اور ایک دُوسرے کی آواز سنتے تھے۔

مکہ کے لشکری مسلمانوں پر طعنہ زنی کرتے کہ تم نہ عرب ہو اور نہ جنگجو۔ اگر تم عرب یا جنگجو ہوتے تو اِس کھائی کے پیچھے پناہ نہ لیتے۔ اس کھائی کا کھود لینا ثابت کرتا ہے کہ تم ڈرپوک ہو۔ کیا تمہارے آباؤ اجداد تمہاری طرح کھائیاں کھودا کرتے تھے اور اُس کی پناہ میں چلے جایا کرتے تھے۔ اگر تم عرب اور جنگجو ہو تو آؤ اس خندق کو عبور کر کے ہماری طرف آؤ۔ ہم تمہاری قوّت بازو آزمائیں۔

مسلمان اِس طعن و تشنیع کو سُنتے مگر جواب نہ دیتے اور ایسے اقدامات میں مشغول رہتے کہ خندق کو عبور نہ کر سکیں۔

Marfat.com

جب مکّہ والوں نے مدینہ پر ہجوم کیا اُس وقت موسم سرد ہو رہا تھا اور مکّہ کے لشکریوں کو خیموں میں خنکی محسوس ہوتی تھی۔ چوکیوں میں مسلمان جو نگہبانی کرتے وُہ بھی اس سردی سے محفوظ نہیں تھے لیکن ہر مسلمان کو اپنی نوبت ختم ہونے پر گھر جانے کی اجازت تھی۔

محمدؐ تمام رات نگہبانی کی چوکیوں میں گزارتے اور گھر تشریف نہیں لے جاتے تھے۔

دونوں اطراف کے افراد ایک دوسرے کی دسترس سے باہر تھے لہٰذا دُور ہی سے ایک دُوسرے پر تیراندازی کرتے رہتے تھے۔ جس کے نتیجہ میں دونوں اطراف کے چند افراد زخمی ہوئے۔ جب اندھیرا چھا جاتا اور تیراندازی ممکن نہ رہتی تو ایک دوسرے کو ہدفِ ملامت بناتے ایک دوسرے کا تمسخر اُڑاتے۔ شعراء بلند آواز سے ہجو پڑھتے۔ دن کو بھی تیراندازی کے ساتھ ساتھ ملامت و ہجو جاری رہتی اور رات کو معاملہ بازی بھی ہوتی۔ مسلمانوں نے قبیلہ غطفان کو پیش کش کی کہ وہ مکّہ کے لشکر کا ساتھ چھوڑ کر اُن سے آملیں اور عوض میں کھجوروں کی تمام فصل انہیں دی جائے گی۔

اس طرح کا معاملہ جنگ کے دَوران جب کہ سب لوگ آوازیں سُن رہے ہوتے بڑا عجیب سا لگتا تھا۔

اس قسم کے معاملات دشمن کے لشکر میں تفرقہ ڈالنے کے لیے ہوتے ہیں۔ بعض اوقات کچھ دُوسرے مقاصد کیلئے ایسا کیا جاتا ہے مگر یہ ہر حال میں خفیہ طور پر طے پاتے ہیں نہ کہ اعلانیہ۔ لیکن بدوی عرب بہت سادہ تھے۔ اُن کی سوچ اور کلام میں تضاد نہیں ہوتا تھا جیسا سوچتا زبان پر لے آتا۔

بنی غطفان سے مسلمانوں کا معاملہ طے نہ ہو سکا جس کی وجہ ابُوسفیان کی مداخلت تھی۔

دن گزرتے جا رہے تھے لشکر مکّہ خندق کو عبور نہیں کر پا رہا تھا۔ اسی بنا پر ابُوسفیان نے مدینہ کے یہودیوں کو دادار کرنے کی سوچی کہ وُہ مسلمانوں پر عقب سے حملہ کریں۔

مدینہ میں یہودیوں کے تین قبیلے رہتے تھے۔ ہم بتا چکے ہیں ان تین میں سے دو کو جلا وطن کیا جا چکا تھا اب صرف (بنی قریظہ) جن کا پیشہ دباغی تھا مدینہ میں موجود تھا۔

ابُوسفیان خندق کو عبور کرنے میں تو ناکام رہا لیکن بنو قریظہ سے رابطہ قائم کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

محمدؐ کا نظام جاسوسی کام کر رہا تھا۔ انہیں اطلاع مل گئی کہ ابوسفیان یہودی قبیلے (بنو قریظہ) کو مسلمانوں کے خلاف استعمال کرنے کی سازش کر رہا ہے۔

آپؐ نے اپنے دو مسلمان افراد سعد اور عبادہ کو یہودیوں کے پاس بھیجا کہ انہیں قانونِ اساسی کی ذمّہ داریاں یاد دلائیں۔ یہودیوں نے غیر مبہم سا جواب دیا اور ظاہر کیا کہ وُہ مکّہ کے لشکر سے ہمکاری پر مائل ہیں۔

محمدؐ کو ایک اور اطلاع ملی کہ ابُوسفیان اور یہودیوں کے درمیان معاہدہ طے پا جائے گا اور اس معاہدہ کی بنا پر یہودی مسلمانوں پر عقب سے حملہ آور ہوں گے۔

پیغمبرِ اسلام اچھی طرح سمجھتے تھے کہ اگر یہود (بنو قریظہ) نے عقب سے حملہ کیا تو مسلمان دو تلواروں کے درمیان ہونگے اور خندق مسلمانوں کو نہیں بچا سکے گی۔

Marfat.com

تمام مسلمین کو جب معلوم ہوا کہ معاہدہ طے پا جانے والا ہے تو خوفزدہ ہوئے اور آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی ہمیں خطرہ ہے کہ اگر یہودیوں نے عقب سے ہم پر حملہ کر دیا تو ہم نابود ہو جائیں گے۔

محمدؐ نے فرمایا۔ ابوسفیان کو اُمید ہے کہ یہودیوں کی کمک حاصل کرلے گا لیکن ہماری اُمیدیں خدا سے وابستہ ہیں اور خداوند ہمیں تنہا نہیں رہنے دیگا۔ تم نے دیکھا جنگِ احد میں ہم نے ذک اٹھائی لیکن وہ بھی اس باعث کہ بعض مسلمانوں نے نظم و ضبط کا خیال نہ کیا۔ جو ہدایات انہیں دی گئی تھیں اُن پر عمل نہیں کیا۔

آپؐ کا ارشاد صحیح ثابت ہوا۔ خداوند نے مسلمانوں کی مدد فرمائی۔ جس وقت مسلمانوں کو یقین تھا کہ معاہدہ ہوا چاہتا ہے۔ نعیم بن مسعود محمدؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ نعیم بن مسعود قریش اور یہودیوں کے درمیان معاہدہ کی تکمیل میں رابطہ کا کام دے رہا تھا حاضر ہو کر عرض کی۔ گرچہ میری ماموریت یہ ہے کہ ابوسفیان اور یہودیوں کے درمیان وسیلۂ اتحاد پیدا کروں۔ لیکن مدت ہوئی میں آپکا طرفدار ہوں اور میں نہیں چاہتا کہ آپ شکست کھائیں بلکہ میں آپؐ کی فتح کا خواہشمند ہوں۔

محمدؐ نے جب نعیم بن مسعود کے خیالات کو سُنا تو مطمئن ہوئے کہ لطفِ خداوندی ہمارے شاملِ حال ہے۔ وہ شخص جو مسلمانوں کی تباہی کے لیئے وسیلہ بنا ہوا تھا۔ آج مسلمانوں کی حمایت پر آمادہ ہو گیا ہے۔

نعیم بن مسعود نے عرض کی وہ کس طرح مسلمانوں کی خدمت بجا لاسکتا ہے؟

محمدؐ نے فرمایا چونکہ ہم حالت جنگ میں ہیں۔ اس لیئے دشمنوں سے متعلق ہر اطلاع کا کسب کرنا ہم پر جائز ہے لہٰذا جو بھی اطلاع میسر آئے اُسے تغییر دے کر دشمنوں تک پہنچائیں تو یہ عمل فریب نہیں ہوگا بلکہ یہ ایک جنگی چال ہے۔ پس یہودی قبیلہ اور قریش سے جو بھی اطلاع تمہیں ملے وہ مجھے بتلاؤ پھر میں تمہیں بتلاؤں گا کہ یہ اطلاع کس شکل و صورت میں ابوسفیان یا یہودیوں کو پہنچانی ہوگی۔

نعیم بن مسعود نے حکم کی تعمیل کی۔ اُسی وقت یہودیوں کے پاس گیا اور جیسا کہ محمدؐ نے سمجھایا تھا اُن سے کہا تم جانتے ہو ایک مدت سے میں تمہارا دوست ہوں پس اُمید کرتا ہوں تم مجھے اپنا خیر خواہ ہی سمجھتے ہو گے۔

تم خندق کے اُس پار مکی لشکر کی وجہ سے کوئی ایسی حرکت نہ کر بیٹھنا۔ کیونکہ مکہ کے لشکری مدینہ سے نہیں ہیں اور نہ ہی وہ قبائل جو اُن کا ساتھ دے رہے ہیں۔ لہٰذا جب تک وہ جنگ شروع نہ کریں تم کوئی قدم نہ اُٹھانا۔ وہ لوگ بہرصورت جلد ہی یہاں سے چلے جائیں گے۔ اس وقت مدینہ میں تم ہو گے اور مسلمان۔ ہم فرض کرتے ہیں کہ وہ جلد کوچ نہیں کریں گے اور جنگ جاری رہتی ہے لیکن یہ تو معلوم نہیں کہ وہ محمدؐ کو قتل کر بھی سکیں گے یا نہیں۔ جنگِ اُحد میں ابوسفیان کے مقابل کوئی خندق نہیں تھی۔ اُس کا لشکر بھی مسلمانوں کے چار برابر تھا پھر بھی وہ محمدؐ کو قتل نہ کر سکا۔ موجودہ صورت میں وہ کیسے محمدؐ پر بالادستی حاصل کر سکے گا کہ اُسے معدوم کرے۔ اسی لیئے تم ذرا سوچ سمجھ کر مسلمانوں سے تعلقات ختم کرنا۔ اور دیکھ لینا کہ آیا تمہارے لیئے مسلمانوں کے خلاف اعلانِ جنگ سُودمند ہوگا کہ نہیں؟

میں چونکہ تمہارا دوست ہوں اس لیئے یہ کہوں گا کہ مجھے ذاتی طور پر ابوسفیان اور دُوسرے قبائل کی وفاداری پر اعتماد نہیں ابھی اگر انہیں کسی خطرہ کا احساس ہو تو وہ تم کو اتحادی ہونے کے باوجود اکیلا چھوڑ جائیں گے۔ مسلمانوں سے قطعی تعلقات توڑنے سے

پہلے تمہیں چاہیئے کہ جماعت قریش کے کچھ افراد کو اپنے پاس گروی (یرغمال) رکھو تاکہ جماعتِ قریش آخر وقت تک تمہارا ساتھ دینے پر مجبور رہو اور جنگ بھی جاری رکھے۔

اگر تمہارے پاس یرغمالی نہ ہوئے تو جیسے ہی وہ خطرے کا احساس کریں گے تمہیں اکیلا چھوڑ جائیں گے۔

یہودیوں نے جب (نعیم بن مسعود) کے خیالات سُنے تو قائل ہوئے اور یقین دلایا کہ وُہ مسلمانوں کے خلاف کوئی اقدام کرنے سے پہلے سوچیں گے۔ بعد میں نعیم بن مسعود، ابوسفیان کے پاس گیا اور کہا:۔

تو جانتا ہے کہ میں قریش کے صمیمی دوستوں میں سے ہُوں اور مکہ کا رہنے والا ہُوں۔ میں نہیں چاہتا کہ تم اس جنگ میں شکست اُٹھاؤ۔ میری اطلاعات کے مطابق (بنی قریظہ) ابھی تک مسلمانوں کے ساتھ ہیں اور اپنی اِس وفاداری کو نبھانے کیلئے انہوں نے ارادہ کیا ہے کہ تمہارے کچھ معتبر افراد کو تم سے (یرغمال) لے کر محمدؐ کے حوالے کر دیں۔ تم یہودیوں سے کہو کہ وُہ بروز ہفتہ جنگ شروع کریں اور اگر انہوں نے عذر تراشی کی تو تم سمجھ لو کہ وُہ دفع الوقتی کر رہے ہیں اور مسلمانوں سے جنگ نہیں چاہتے۔

(ابوسفیان) بھی (نعیم) کی باتیں سُن کر بہت فکر مند ہُوا۔

مسلمانوں نے قریش کے سرداروں کی یرغمالی کا قصہ خُوب پھیلایا۔ مسلمان کہتے۔ یہودی قریشی سرداروں کو یرغمال بناکر ہمارے حوالے کر دیں گے اور ہم انہیں قتل کر دیں گے۔ جب آپؐ سے اس خبر کی صحت کے متعلق پُوچھا گیا تو آپؐ نے فرمایا:

"لعلنا امرنا هم بذالك" یعنی "شاید ہم نے ایسا حکم دیا ہو"

آپؐ کا جواب ذو معنی تھا ہر شخص اپنے خیال کے مطابق اُس کی تعبیر کرتا۔ مکہ کے سرداروں کو یقین ہو گیا کہ (بنو قریظہ) اور مسلمانوں میں اتحاد کی خبر ٹھیک ہی ہے۔ پیغمبرِ اسلام نے یہودیوں کو اس عمل پر آمادہ کیا ہے کہ سردارانِ قریش کو یرغمال بنا کر اُن کے حوالے کر دیں اور پھر محمدؐ انہیں قتل کر دیں۔

یہودیوں نے بالآخر بہت سوچ بچار کے بعد ابوسفیان کو پیغام بھجوایا کہ اگر وُہ چاہتا ہے کہ ہم مسلمانوں کے عقب پر حملہ کریں تو اُسے قریش کے چند سردار ہمارے پاس یرغمال رکھنے ہوں گے تاکہ جب ہم عقب پر حملہ کریں تو مکہ کا لشکر ہمیں تنہا چھوڑ کر واپس کُوچ نہ کر جائے۔

یہودیوں کا یہ مطالبہ نعیم کے کہنے کے عین مطابق تھا (ابوسفیان) اور دُوسرے سرداروں نے سوچا کہ اب اس میں کوئی شک نہیں رہا کہ یہودی ہمیں دھوکہ دیں گے۔ اُن کا ارادہ یہی معلوم ہوتا ہے۔ سردارانِ قریش کو محمدؐ کے حوالے کریں تاکہ قتل کر دیئے جائیں۔

(ابوسفیان) یرغمالی دینے پر آمادہ نہ ہُوا اور مطالبہ کیا کہ وُہ بروز ہفتہ مسلمانوں پر حملہ کا آغاز کریں۔ مزید کہا کہ جنگ طولانی ہو رہی ہے۔ پس اس سے زیادہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھنا ٹھیک نہیں۔ تم مسلمانوں پر مقررہ دن پر حملہ کا آغاز کر دو۔ ہم اِس بار حملہ کا آغاز کریں گے ہماری یہ کوشش ہوگی نقصانات کی پرواہ کیئے بغیر مدینہ میں داخل ہو جائیں۔

یہودیوں نے کہا۔ ہم یوم سبت (ہفتہ کے دن) حملہ کا آغاز نہیں کریں گے۔ سب جانتے ہیں جب بھی یہودی اِس دن

جنگ کا آغاز کریں تو دنیا میں بہت بڑی بدبختی سے دوچار ہوتے ہیں اور آخرت میں عذاب ہوگا۔
بدیں ترتیب جماعت قریش اور یہودیوں کے درمیان شک کی دیوار حائل ہوگئی اور وُہ دونوں مسلمانوں کے خلاف متحدہ اقدام نہ کر سکے۔

دس ہزار سپاہ کے ساتھ مدینہ کا محاصرہ کئے پندرہ دن گزر گئے لشکر کے لیئے رسد کی کمی نے (ابُوسفیان) کے لیئے مشکل پیدا کر دی۔ مسلمانوں کو مدینہ شہر کے اندر رسد کی کوئی کمی نہیں تھی۔ مگر مکہ کے لشکریوں کو ناقوں کا سامنا تھا۔
(ابُوسفیان) جب مدینہ کے لیئے عازم سفر ہُوا تو اُس کا خیال تھا کہ لشکر کے لیئے رسد وُہ مدینہ کے باغات اور کھیتوں سے حاصل کر لیگا۔ اسے یہ معلوم نہیں تھا کہ مسلمانوں نے محمدؐ کی ہدایت کے مطابق ہر قسم کی خوراک کو مدینہ کے اندر منتقل کر لیا ہے۔ اور خندق کے اس پار کوئی ایسی چیز نہیں چھوڑی جو مکہ کے لشکری استعمال کر سکیں۔
اس فاقہ زدگی کے علاوہ سرد ہوائیں لشکر قریش کے لیئے اذیت کا باعث بنی ہوئی تھیں۔ مکہ کے جنگجو گرم علاقوں کے رہنے والے تھے۔ سال کے اس حصہ میں جبکہ مدینہ کی راتیں بہت خنک ہوتی ہیں اُن کے لیئے خیموں میں راتیں کاٹنی بہت مشکل ہوتی جا رہی تھیں۔ دُوسرے ماہ شوال ختم ہو رہا تھا۔ ذیقعدہ شروع ہونے والا تھا۔ ذیقعدہ چونکہ ماہ ہائے حرام میں سے ہے اسلیئے ابُوسفیان کو فکر تھی کہ اگر شوال گزر گیا تو پھر مسلمانوں سے جنگ نہیں کر سکے گا۔ الّا یہ کہ تین ماہ بعد اس لیئے کہ ذیقعدہ۔ ذوالحجہ اور محرم میں جنگ حرام تھی۔

اس پندرہ روزہ محاصرہ کے دوران گاہے گاہے انفرادی مقابلے ہوتے رہتے تھے۔ ایک موقع پر لشکر قریش کے دو افراد (عمرو بن عبدود) اور (نوفل مخزومی) علیؓ کے ہاتھوں قتل ہوئے۔
نوفل مخزومی گھوڑے پر سوار ہو کر خندق میں کُودا۔ اُسی لحظہ علیؓ بھی خندق میں کُودے۔ گھوڑا اور نوفل دونوں خود کو سنبھال نہ سکے اور گر گئے۔ علیؓ اس فرصت سے فائدہ اُٹھا سکتے تھے مگر آپ منتظر ہوئے تا (نوفل مخزومی) زمین سے اُٹھ کر اپنی تلوار سنبھال لے۔ جس وقت نوفل خندق میں کُودا تو سورج اُس کی پُشت پر غروب کے قریب تھا اور علیؓ کے سامنے اُن کی آنکھیں خیرہ کیئے دیتا تھا (علیؓ)، (نوفل) کے مقابل نامساعد دفع میں تھے۔ ان حالات میں بھی علیؓ نے (نوفل) کو قبل اس کے کہ سُورج غروب ہو اور تاریکی چھا جائے قتل کر دیا۔
چونکہ قریش کی عورتوں نے جنگ (اُحد) میں مسلمانوں کی نعشوں کا مُثلہ کیا تھا۔ (ابُوسفیان) کو فکر ہوئی مُبادا مسلمان جسد (نوفل) کو جو کہ لشکر کے دولت مند سرداروں میں سے تھا مثلہ کریں۔ علیؓ کو پیغام بھجوایا کہ میں تمہارے لیئے ایک سَو اُونٹ بھجواؤں گا بشرطیکہ تم (نوفل مخزومی) کی نعش بغیر سر تن سے جُدا کیئے اور بغیر کوئی دُوسرا اعضاء کاٹے صحیح و سالم ہمارے حوالے کر دو۔ علیؓ نے (ابُوسفیان) کی شرط تو قبول نہ کی مگر نعش کو صحیح حالت میں واپس کر دیا کہ وُہ اپنی لشکر گاہ میں لے جائیں۔
دُوسرا قریشی سردار (عمرو بن عبدود) دلیری اور شجاعت کے علاوہ جسمانی لحاظ سے بھی بہت طاقتور تھا۔ اُس نے علیؓ کو معرکہ شمشیر زنی کے دوران دو مرتبہ زخمی کیا مگر علیؓ وُہ نہیں تھے کہ دو زخموں کی وجہ سے ہار مان جاتے۔ دونوں میں جنگ جاری رہی تا وقتیکہ (عمرو بن عبدود) کے ہاتھ پر علیؓ کی شمشیر سے ضرب آئی (عمرو) گرا اور شمشیر اُس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔

Marfat.com

علیؓ نے نزدیک جا کر اُس کی شمشیر پر پاؤں رکھ دیا تاکہ وُہ اُسے دُوسرے ہاتھ سے نہ اُٹھا لے اور کہا۔ اے (عمرو) اگر تُو اسلام قبول کرے تو مَیں تمہیں قتل نہیں کروں گا (عمرو) نے علیؓ کے مُنہ پر تھوک کر کہا مَیں اسلام قبول نہیں کروں گا۔ علیؓ نے اپنے دامن سے چہرہ صاف کیا اور سر جھکا کر سوچ میں پڑ گئے۔

(عمرو بن عبدود) نے کہا اے علیؓ مَیں نے قبولِ اسلام سے انکار کیا ہے کیوں مجھے قتل نہیں کرتے؟

علیؓ نے فرمایا اس لیئے کہ جب تُو نے میرے چہرے پر تھُوکا تو مجھے غصّہ آ گیا تھا۔ اگر تمہیں اُسی موقع قتل کرتا تو وُہ ایک انتقام ہوتا اور مَیں نہیں چاہتا کہ اپنے غصّہ کی وجہ سے قتل کروں۔ ہم چُونکہ خدا کی راہ میں جنگ کرتے ہیں اس لیئے قتال بھی خُدا کی خوشنودی کے لیئے کرتے ہیں نہ کہ ذاتی انتقام کے لیئے۔ اے عُمرو مَیں تمہیں دوبارہ اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتا ہُوں۔ (عمرو) نے کہا مَیں مسلمان نہیں ہوں گا۔ اُس وقت علیؓ نے اُس کا سر قلم کر دیا۔

عمرو بن عبدود نے ایک بہت قیمتی زرہ پہنی ہوئی تھی جس میں طلائی کڑیاں لگی ہوئی تھیں۔ علیؓ نے یہ زرہ اُس کی بہن کو بھجوا دی تاکہ کوئی یہ نہ کہے کہ علیؓ نے اُسے زرہ کے لالچ میں قتل کیا ہے۔

فاقوں اور سردی کے علاوہ ایک ناگہانی طوفان آیا اور لشکرِ قریش کو بجلّی متزلزل کر گیا۔ ایک رات تیز ہوا چلی یہاں تک کہ خیمے پھٹ گئے آگ بجھ گئی اور ریت کے جھکڑ چلنے لگے۔ ریت کے جھکڑ بڑی شدت سے چلے اور پھر بارش سے سیلاب آ گیا (ابوسفیان) کو یہ خوف دامن گیر ہُوا کہ اس حالت میں کہیں لشکرِ اسلام حملہ نہ کر دے۔ لہٰذا کُوچ کا حکم دے دیا۔

وقائع نویسوں نے لکھا ہے کہ ابوسفیان خود اِس قدر جلدی میں تھا کہ فرار کے لیئے جب اُونٹ پر سوار ہُوا تو اُسے یہ خیال بھی نہ رہا کہ اُس کا بندھا ہُوا گھٹنا کھول لے۔ اُونٹ کو چابک مارتا جاتا مگر اونٹ بیچارہ اپنی جگہ سے اُٹھنے نہ پایا۔

طوفانی رات کو مکّہ کے لشکر نے کُوچ کیا اور اطرافِ مدینہ سے چلا گیا۔ جنگِ خندق یا جنگِ احزاب اُسی شب ختم ہو گئی۔

جنگِ خندق میں قریش کے آٹھ آدمی قتل ہُوئے اور لشکرِ اسلام سے چھ افراد شہید ہُوئے۔ یہ چوّدہ افراد نامور جنگجو تھے اور انفرادی معرکوں میں قتل اور شہید ہوئے۔

جنگِ خندق کے خاتمہ اور قریش کے لشکر کی واپسی کے بعد بھی مدینہ کا (اقتصادی) محاصرہ جُوں کا تُوں تھا۔ مدینہ شہر دونوں اطراف یعنی (خیبر) جو شمال میں دوصد کیلومیٹر (اور مکّہ) جنوب میں چہارصد کیلومیٹر کے فاصلہ پر ہیں کے درمیان ناکہ بند تھا۔ یہ دونوں شہر (خیبر و مکّہ) مدینہ کے کسی قافلہ کو آزادی سے عبور نہیں کرنے دیتے تھے اور یہ دونوں حریف طاقت ور بھی تھے (خیبر) کے یہودی ایک دولت مند جماعت تھے جتنا لشکر چاہیں مہیّا کر سکتے تھے مکّہ کے لوگ جماعت قریش کے ماتحت تھے اور قریش میں محمدؐ کے طاقتور دُشمن مثل (ابوسفیان)۔ (عکرمہ)۔ (صفوان بن اُمیّہ) اور (ہند) ابُوسفیان کی بیوی وغیرہ تھے محمدؐ کے لیئے اقتصادی محاصرہ توڑنے کے لیئے ضروری تھا کہ اِن دو حریفوں میں کسی ایک پر حملہ کر کے اُسے تاخت کریں۔ خیبر اور مکّہ کے درمیان معاونت کا معاہدہ ہو چکا تھا۔ اگر پیغمبرِ اسلام اور مسلمان (خیبر) پر حملہ آور ہوتے ہیں تو مکّہ معاہدہ کے تحت فوری مداخلت کرتا ہے اور اگر مسلمان مکّہ کا رُخ کرتے ہیں تو خیبر کے یہودی مدینہ پر چڑھ دوڑتے ہیں۔

خود مدینہ میں مسلمانوں کے دُو حریف موجود تھے۔ ایک منافقین دُوسرے یہودی (بنی قریظہ)۔

طبری لکھتا ہے کہ منافق جب شکم مادر سے باہر آتا ہے تو اُسی وقت مصمم ارادے سے عاری ہوتا ہے لیکن جنگ خندق میں منافقوں کے ارادوں میں تطعیت تھی اور انہوں نے متاسفانہ مکی لشکر کی طرفداری کی۔ (طبری) کے یہ الفاظ ایک ادبی اغراق ہیں۔

جیسا کہ ہم عرض کر چکے ہیں جب کبھی بھی مسلمانوں اور مشرکین یا یہودیوں کے درمیان کوئی اختلاف یا نزاع سر اُٹھاتا تو منافقین غیر جانبدار ہو جاتے تھے۔ جبکہ بظاہر وہ مسلمان تھے۔ جنگ خندق میں پہلی مرتبہ ایک حتمی فیصلے پر پہنچے اور قریش کی حمایت کی۔ وُہ بھی اس لیئے کہ انہیں یقین تھا مکہ کا دس ہزار کا لشکر مسلمانوں کو شکست دے دیگا اور محمدؐ قتل یا گرفتار ہو جائیں گے۔

مکہ کا لشکر جب دُو ہفتہ کے محاصرہ کے بعد واپس کوچ کر گیا تو انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوُا۔ منافقین نے مسلمانوں کے خلاف کوئی راست اقدام نہیں کیا تھا۔ اُن کی حمایت ایک معنوی حمایت تھی۔ منافقین نے مکہ والوں کی حمایت میں ظاہراً کوئی ایسا قدم نہیں اُٹھایا تھا جس سے اُن کی طرفداری ظاہر ہو۔ جنگ کے خاتمہ پر محمدؐ نے اُن کے خلاف کوئی اقدام نہ کیا لیکن مسلمانوں نے جنگ کے دوران اُن کی جو روش تھی اُسے فراموش نہ کیا اور جیسا کہ آئندہ ذکر آئے گا مسلمانوں کا رویہ اُن کی نسبت بہرحال تبدیل ہو گیا تھا۔

لیکن (بنی قریظہ) کے یہودیوں نے جنگ خندق کے دوران مدینہ کے قانونِ اساسی کے خلاف روش اختیار کی تھی اور دُشمن سے متحد ہونے کے لیئے اقدام بھی کیئے جب کہ مدینہ کے قانونِ اساسی کے مطابق انہیں مسلمانوں سے متحد ہو کر شہر کا دفاع کرنا تھا۔ جنگ اُحد میں محمدؐ نے خود ہی یہودیوں کو اجازت دے دی تھی کہ یہ ایک مذہبی جنگ ہے لہٰذا تم مجبور نہیں ہو اس جنگ میں ہمارا ساتھ دو۔

جنگ اُحد مدینہ سے باہر لڑی گئی تھی جس میں شہر کا دفاع شامل نہیں تھا لیکن جنگ خندق شہر کے اندر رہ کر لڑی گئی تھی یہ واضح ہے کہ محمدؐ نے (جنگ اُحد) میں یہودیوں کو بے اعتمادی کی بنا پر واپس کر دیا تھا۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ جنگ (احد) میں شہر کے دفاع کا مسئلہ نہیں تھا۔ لہٰذا جنگ (خندق) میں یہودیوں نے قانونِ اساسی کی کھُلم کھُلا خلاف ورزی کی تھی اور مسلمانوں سے نقضِ عہد کیا تھا۔

چونکہ بنی قریظہ کے یہودیوں کو اپنی اس بدعہدی کا احساس تھا لہٰذا وُہ جنگ کے خاتمہ پر خود بخود اپنے مکانوں میں محصوُر ہو گئے۔ محمدؐ نے علیؓ کو ان یہودیوں کی سرکوبی کے لیئے مامور فرمایا۔ علیؓ بن ابی طالب نے مسلمان سپاہیوں کا ایک جتھا اپنے ساتھ لیا اور بنی قریظہ کے محلہ کی طرف چل دیئے۔

یہودی جو زرگری۔ کشا ورزی اور دباغی جیسے پیشوں سے منسلک تھے کافی ثروتمند ہو چکے تھے۔ انہوں نے خوب مستحکم گھر بنائے ہوئے تھے یعنی یہودیوں کے گھر رہائش کے علاوہ ایک قلعہ کی صوُرت میں تھے۔ یہودیوں نے جو دیکھا کہ مکی لشکر کوئی فیصلہ کُن اقدام کیئے بغیر ہی واپس ہو گیا ہے تو وُہ اپنے قلعہ نما گھروں میں اس ارادہ سے محصوُر ہو گئے کہ مسلمانوں کا مقابلہ کریں گے۔

علیؓ بن ابی طالب نے محاصرہ مکمل کر لینے کے بعد یہودیوں کو پیش کش کہ وُہ مسلمان ہو جائیں۔ لیکن (بنی قریظہ) کے یہودیوں نے کہا۔ ہم محمدؐ کو پیغمبر ہی نہیں مانتے کہ اُس کے دین کو قبول کریں ویسے بھی محمدؐ ایک عرب ہے اور عرب پیغمبر نہیں

ہو سکتے۔ پیغمبر ہونے کی استعداد فقط قوم اسرائیل کے افراد میں ہی ہے۔کیونکہ خداوند صرف قوم بنی اسرائیل سے ہی صحبت کرتا ہے۔تمام انبیاء سلف بنی اسرائیل سے تھے اور بعد ازیں بھی قوم اسرائیل سے ہی منتخب ہوں گے۔

چار ہفتے اور بعض روایتوں کے مطابق چھ ہفتے کے محاصرہ کے بعد یہودیوں کو خوراک کی قلت کا سامنا ہونے لگا۔ بنی قریظہ کے رئیس (کعب اسد) نے فصیل کے اُوپر سے کہا "اے علیؓ ہمارے شیر خوار بچوں کے لیئے بھی ہمارے پاس دُودھ نہیں رہا۔ اُن کی ماؤں کے دُودھ خشک ہو گئے ہیں اُن کی مائیں فاقوں کی وجہ سے بچوں کو دُودھ مہیا نہیں کر سکتیں۔

علیؓ نے جواب دیا "اے کعب اسد ہم محاصرہ کرنے والے بھی چھوٹے چھوٹے بچوں کے باپ ہیں۔ہمیں علم ہے۔بچہ جب جب بھوکا ہو کتنی بیتابی کا اظہار کرتا ہے۔ہم نہیں چاہتے تمہارے بچوں کو کوئی تکلیف پہنچائیں مگر تم نے خود ہی مدینہ کے قانون اساسی کو پائمال کیا۔تم خود ہی اس وضع کے ذمّہ دار ہو۔اب ہم مجبور ہیں تم پر اعتماد نہیں کر سکتے۔کیا تمہیں ثالثی (حکمیّت) قبول ہے؟

(کعب اسد) نے کہا میں اس کا جواب فوری نہیں دے سکتا مجھے ایک ساعت مہلت دو تاکہ میں قبیلہ کے سرکردہ افراد سے مشورہ کر سکوں۔

مدینہ کے قانون اساسی کے مطابق۔قانون اساسی کے اجراء کنندہ خود محمدؐ ہی تھے۔پیغمبرِ اسلام پر کوئی اجبار نہیں تھا کہ مسلمانوں اور یہودیوں کے موجودہ اختلاف پر ثالث مقرر فرمائیں۔

(علیؓ بن ابی طالب) نے اپنی اس پیشکش کی آپؐ سے اجازت حاصل کی اور یہودیوں کو مطلع کیا کہ ہم ثالثی کے لیئے حاضر ہیں۔کوئی ایک ساعت بعد (کعب اسد) نے فصیل کے اُوپر سے فریاد کی "اے علیؓ ہم ثالثی پر آمادہ ہیں"۔ علیؓ نے فرمایا چونکہ ہمارا ارادہ تم پر ظلم کرنے کا نہیں اس لیئے تم ثالث کے انتخاب میں آزاد ہو جسے چاہو ثالث مقرر کر لو۔ثالث کے انتخاب کے بعد ہم دو نمائندے اپنی طرف سے اور تم دو نمائندے اپنی طرف سے ثالث کے پاس بھیجو گے۔

ہمارے نمائندے قانونِ اساسی کی خلاف ورزی جو تم نے کی ہے کی بابت ثالث کو صورت حال سے آگاہ کریں گے اور تمہارے نمائندے جس طرح چاہیں اپنا کیس پیش کر سکتے ہیں۔یہ تمام کاروائی ختم ہونے پر ثالث جو بھی فیصلہ دے گا۔اُس کی پابندی تم پر لازم ہوگی۔کیا تمہیں یہ قبول ہے؟

یہودیوں نے کہا "ہاں! اے علیؓ"۔

علیؓ بن ابی طالب نے فرمایا ہم بھی اس فیصلہ کی پابندی کریں گے۔

جنگ ابھی ختم نہیں ہوئی تھی۔یہودی محاصرہ میں تھے۔اس کے باوجود علیؓ نے حکم دیا کہ ایک ہفتہ کی خوراک یہودیوں کو دی جاوے۔جس قسم کا سامان یہ خواہش کریں انہیں دیا جاوے تاکہ ان کی عورتیں اس قابل ہو جائیں کہ بچے بھُوکے نہ رہیں۔

(بنی قریظہ) کے یہودیوں نے باہمی مشورہ سے (سعد معاذ) کو ثالث منتخب کیا۔

(سعد معاذ) طرفین کا دوست اور قبیلہ (اوس) کا رئیس تھا۔

ثالث کے انتخاب کے بعد مسلمانوں اور یہودیوں نے اپنے دو دو نمائندے ثالث کے پاس بھجوائے۔

مسلمان نمائندوں نے اپنی شکایت پیش کی۔سب سے پہلے قانون اساسی سے (سعد معاذ) کو مطلع کیا اور کہا کہ اس

Marfat.com

پیمان کے مطابق جب کبھی مدینہ پر دشمن حملہ آور ہو تو تمام قبائل پر فرض ہے کہ متحد ہو کر شہر کا دفاع کریں۔ لیکن (بنی قریظہ) نے بجائے اس کے کہ مسلمانوں سے متحد رہتے اور دشمن کو پیچھے دھکیلنے میں مدد دیتے۔ دشمن (ابوسفیان) کے ساتھ ایک سازش کے تحت معاہدہ برپا کرنے کی کوشش کی۔ جس کے تحت انہیں عقب سے مسلمانوں پر حملہ کرنا تھا اور (ابوسفیان) نے سامنے سے پیش قدمی کرنی تھی۔ مسلمانوں کو دونوں اطراف سے گھیر کر ختم کرنا تھا۔

یہودیوں کے نمائندوں نے اپنے دفاع میں (جنگِ اُحد) کا ذکر کیا اور کہا کہ ہم اُس جنگ میں مسلمانوں کی مدد کرنا چاہتے تھے لیکن انہوں نے ہماری مساعدت قبول نہ کی۔ اسی بنا پر ہم نے یہ سمجھا کہ اب بھی جنگِ (خندق) کے موقع پر محمدؐ ہماری مساعدت قبول نہیں کریں گے۔

مسلمانوں کے نمائندوں نے کہا (بنی قریظہ) نے قانونِ اساسی کے برخلاف دشمن سے مذاکرات شروع کئے اور اتحاد قائم کرنے کی کوشش کی اور اگر محمدؐ ان مذاکرات کو ناکام کروانے میں کامیاب نہ ہوتے تو یہ معاہدہ طے پا چکا تھا اور (بنی قریظہ) ہمارے عقب پر حملہ کر چکے ہوتے۔

(بنی قریظہ) کے نمائندوں نے (ابوسفیان) سے مذاکرات کا انکار کیا۔

مسلمانوں نے (نعیم بن مسعود) کو بطور گواہ پیش کر دیا اور اُس نے مذاکرات کی تمام تفصیل بیان کر دی۔ اُن تمام یہودیوں کے نام بھی بتا دیئے جنہوں نے مذاکرات میں حصہ لیا تھا۔ ثالثی کی کاروائی چند دن جاری رہی (سعد بن معاذ) نے طرفین اور اُن کی شہادتوں کو سُنا اور فیصلہ دیا چونکہ (بنو قریظہ) کے یہودیوں نے قانونِ اساسی کے خلاف روش اختیار کی اور اُسے پامال کیا چاہتے تھے کہ دشمن سے جو مدینہ کو تسخیر کرنے آیا تھا پیمان باندھیں مسلمانوں پر عقب سے حملہ کریں۔ لہٰذا یہ سب مستوجب اعدام ہیں۔

یہ فیصلہ مسلمانوں کا صادر کردہ نہیں تھا بلکہ اُس شخص نے صادر کیا تھا جس کو یہودی اپنا دوست سمجھتے تھے اور خود ہی انہوں نے اُسے اپنا ثالث منتخب کیا تھا۔

فیصلہ صادر ہونے کے بعد علیؓ نے اعلان کیا۔ نابالغ لڑکے اور لڑکیاں۔ بوڑھے مرد اور عورتیں اس سزا سے معاف کئے جاتے ہیں۔ دوسرے اگر ایمان لے آئیں تو معاف کر دیئے جائیں گے اس اعلان پر بہت سے یہودی مسلمان ہو گئے۔

اس کے بعد علیؓ کو ایک اور ماموریت دی گئی اور وہ یہ تھی کہ مکہ کو روانگی کی تیاری کریں جس کا آئندہ ذکر آئے گا۔

دوسری ماموریت پر جاتے ہوئے علیؓ کی آخری وصیت یہ تھی۔ عورتیں۔ لڑکیاں۔ شیرخوار اور نابالغ افراد کو اجازت ہے کہ وہ محاصرہ سے باہر آ جائیں تاکہ جب دوبارہ جنگ شروع ہو تو بھوکوں نہ مریں۔ (بنی قریظہ) نے اس پر عمل کیا۔ بقیہ (بنی قریظہ) جنگ کرتے ہوئے قتل ہو گئے۔

Marfat.com

نقشہ جنگِ خندق

(خندق کی کل لمبائی ۵ کیلومیٹر

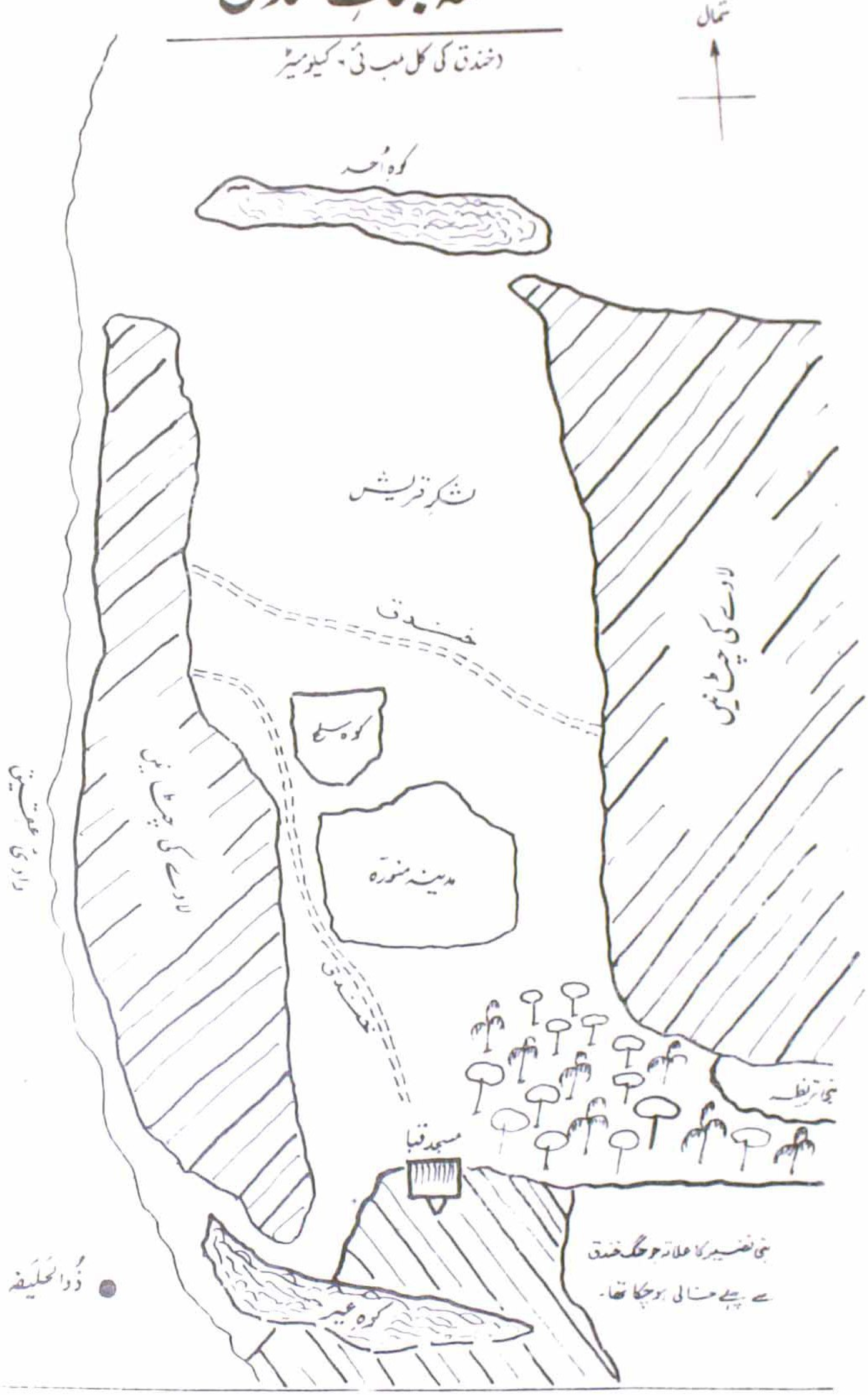

Marfat.com

Marfat.com

عمرہ کے لیئے روانگی

مُسلمانوں کی یہ سوچ تھی کہ اگر پیغمبرِ اسلام کو اقتصادی محاصرہ توڑنا ہے تو انہیں مکہ یا خیبر دونوں میں سے ایک پر حملہ کرنا ہوگا۔

لیکن محمدؐ نے ایک اور ہی راہ نکالی جو کہ مسلمانوں کے خواب و خیال میں بھی نہ تھی۔ وُہ یہ کہ عمرہ کی ادائیگی کے لیئے تمام مسلمانوں کے ہمراہ مکہ جائیں۔

مکہ وہ شہر تھا جہاں محمدؐ کو قتل کرنے کے منصوبے بنائے گئے اور کوششیں کی گئیں۔

مکہ وہی شہر تھا جہاں سے لشکر کئی دفعہ مدینہ پر حملہ آور ہوئے کہ مسلمانوں کو معدُوم کر سکیں۔ ان سب باتوں کے باوجود آپؐ نے تمام مسلمانوں کے ہمراہ مکہ جا کر عمرہ ادا کرنے کا ارادہ فرمایا۔

مُسلمان چونکہ اس فکر میں تھے کہ مکہ جنگ کے لیئے جائیں گے لہٰذا محمدؐ سے پوچھتے کیا مکہ کو تسخیر کرنے کا ارادہ ہے؟ آپؐ نے فرمایا۔ ہم صرف عمرہ کی ادائیگی کے لیئے مکہ جا رہے ہیں۔

محمدؐ سردیوں کے موسم میں (مطابق ۶ ہجری) دو ہزار مسلمانوں اور چند سو اونٹوں کے ساتھ عازمِ مکہ ہوئے مسلمانوں کی تعداد دو ہزار سے کچھ متجاوز تھی مگر کچھ صحرانشین مسلمان ساتھ چھوڑ گئے اُن کا خیال تھا چُونکہ قریش مسلمانوں کے ساتھ حالتِ جنگ میں ہیں اس لیئے محمدؐ کو مکہ میں قریش سے جنگ کرنی پڑے گی۔ وہ صحرانشین نہیں چاہتے تھے کہ حرم میں جا کر لڑیں۔

مزید یہ کہ حضرت محمدؐ جب عازمِ مکہ ہُوئے ماہ ہائے حرام شروع ہو چکے تھے۔ عرب ان مہینوں میں جنگ کو حرام سمجھتے تھے اور وُہ نہیں چاہتے تھے کہ جنگ کریں۔ وہ لوگ جو آپؐ کے ساتھ نہ گئے نومسلم تھے۔ عقیدہ میں ابھی انصار و مہاجرین کی سی پختگی نہ تھی کہ محمدؐ کے حکم پر مطیع محض ہوں۔

مہاجرین مسلمان اس سفر سے بہت خوش تھے۔

مکہ شہر تمام اعراب کی نظر میں ایک محترم و مقدس شہر تھا۔ نیز وہاں آدمؑ نے پہلی عبادت گاہ بنائی بعدازاں ابراہیمؑ نے خانہ کعبہ کی بنا کی کہ اس گھر میں خداوند کی عبادت کرے۔

Marfat.com

اس سے صرف نظر کہ مکہ مہاجرین کا وطن تھا۔ وہ وہاں پیدا ہوئے تھے اور اُن کی یہ آرزو تھی کہ وُہ اپنے وطن واپس جائیں اپنے عزیز و اقربا میں زندگی بسر کریں۔ وہیں موت سے ہمکنار ہوں۔ ایک اصیل عرب کے لیئے وطن سے دُور ہونا، عزیز و اقرباء سے جدائی ایک بہت بڑا فاجعہ ہوتا تھا۔ حتیٰ کہ جب کسی کو نفرین کرتے تو کہتے "تجھے قبیلہ سے دُور غریب الوطنی میں موت آئے"۔ لہٰذا یہ فطری امر ہے کہ جب مسلمانوں نے مدینہ سے مکہ کا سفر شروع کیا تو مہاجرین خوش خوش سفر کر رہے تھے۔

مکہ کو مذہب کے لحاظ سے بین الملّی حیثیت حاصل تھی اور تمام مذاہب کے پیروکاروں نے کعبہ کے آس پاس اپنے اپنے حُجرے بنا رکھے تھے۔ اور اپنے بُتوں اور تصویروں کو اُن حجروں میں نصب کر رکھا تھا۔ ہر وُہ شخص جو زیارت کے لیئے مکہ جاتا۔ خانہ کعبہ میں عبادت اور خانہ کعبہ کا طواف کرتا تھا۔

چونکہ اسلام بھی مکہ والوں کی دانست میں ایک مذہب تھا۔ لہٰذا مکہ والے مسلمانوں کو زیارتِ کعبہ سے روکنے کے مجاز نہیں تھے۔ جیسا ہم بتا چکے ہیں۔ اگر محمدؐ نے بُتوں کی مخالفت نہ کی ہوتی اور بُتوں کے زوال کے خواہاں نہ ہوتے تو کوئی شخص بھی اس نئے مذہب کی مخالفت نہ کرتا۔

جماعت قریش نے اسلام کی مخالفت اِس وجہ سے کی۔ محمدؐ کہتے تھے کہ تمام بُت پرست مذاہب باطل ہیں۔ ان بتوں کو تباہ کر کے خدائے یگانہ کی عبادت کرنی چاہیئے۔ لیکن اب جب کہ محمدؐ مکہ جا رہے تھے اُن کا مقصد فقط طوافِ کعبہ تھا۔ بالکل ایسے ہی جیسے دُوسرے مذاہب کے پیروکار وہاں جا کر عبادت اور طواف کیا کرتے تھے۔

جماعت قریش اصولاً محمدؐ کے اس اقدام کی مخالفت نہیں کر سکتی تھی لیکن خصومت اِس انتہا کو پہنچ چکی تھی کہ وُہ یہ برداشت نہیں کر سکتے تھے کہ محمدؐ اور اُن کے ساتھی مسلمان مکہ میں داخل ہوں۔

جب محمدؐ نے اس سفر کا آغاز کیا تو (ابُوسفیان) مکہ میں موجود نہیں تھا۔ دُوسرے اہلیان مکہ نہیں جانتے تھے کہ محمدؐ اور اُن کے ساتھیوں کے متعلق کیا اقدام کیا جائے۔

اہلیانِ مکہ کی معاشیت اسی میں تھی۔ زائرین جو جزیرۃ العرب کے اطراف سے آئیں (بلا امتیاز مذہب) مکہ میں خرید و فروخت کریں اور ایام حج میں قربانی کریں تاکہ مکہ والوں کو گوشت میسّر آتے۔ اب اگر وُہ دُو ہزار مُسلمانوں کی راہ روکتے ہیں تو اسمیں مکہ والوں کا ہی نقصان ہوتا تھا۔ دُوسرے اگر اُن کے داخلے پر پابندی لگاتی جاتی تو یہ خلافِ سُنت ہوتا۔ لیکن ان حالات میں اتنی جنگ و جدل کے بعد۔ اُن کے لیئے اُنہیں مکہ میں آزادانہ داخل ہونے دینا بھی مشکل تھا۔

ایک طرف وُہ مسلمانوں کے مذہب کو دُوسرے مذاہب سے جُدا گردانتے اور مسلمانوں کو مکہ میں داخلے کی اجازت سے مستثنا قرار دیتے۔ دوسری طرف کعبہ ایک بین الملّی اور غیر جانبدار علاقہ تھا۔ اس جزوی پابندی سے اُس کی غیر جانبداری پر حرف آتا تھا۔ ایک ہی اقدام اُس کے قانون غیر جانبداری کو ختم کر کے رکھ دیتا اور مکہ کے تجارتی میلہ میں تعطیل ہو جاتی۔

دُوسری صُورت میں اگر مسلمانوں کو اجازت دی جاتی تو ممکن تھا مسلمان مکہ کو زیرِ تصرّف لے آئیں۔

لہٰذا اِن حالات میں مکہ والوں نے مسلمانوں کو روکنے کا فیصلہ کیا۔

بنا برایں چالیس سواروں کو مامور کیا گیا کہ آگے بڑھ کر مسلمانوں کو روکیں اور انہیں آگے بڑھنے سے منع کریں۔ لیکن

Marfat.com

یہ چالیس سوار جب مسلمانوں کے نزدیک پہنچے تو انہیں گرفتار کر لیا گیا اور اُن کے ہتھیار اُتروا لیئے گئے۔

ولیکن محمدؐ نے ہتھیار واپس کرنے اور بغیر فدیہ کے رہا کرنے کا حکم دیا۔

یہ حکم خود مکہ کے سواروں کے لیئے عجیب تھا اسلیئے کہ یہ عربوں کی روایات کے خلاف تھا۔ عربستان میں جنگی اسیروں کو بغیر ادائیگی فدیہ یا مبادلہ آزاد نہیں کیا جاتا تھا۔

کچھ مسلمان افراد نے محمدؐ سے پُوچھا۔ ان چالیسؔ افراد کو بغیر فدیہ کے کیوں آزاد کیا گیا ہے اور پھر اُن کا اسلحہ بھی واپس کر دیا گیا ہے۔

محمدؐ نے وضاحت فرمائی۔ ہم زائر ہیں جنگ ہمارا مقصد نہیں۔ زائر جنگ نہیں کیا کرتے اور قیدی نہیں بنایا کرتے۔

اسکے فوری بعد دُو سو سوار مکہ سے مسلمانوں کے پاس پہنچے اُن کا مقصد بھی مسلمانوں کو مکہ میں داخل ہونے سے روکنا تھا۔ ان سواروں کا سالار ابوجہل کا لڑکا عکرمہ تھا۔ ان سواروں نے دیکھا کہ تمام مسلمان حالتِ نماز میں ہیں۔ تمام کا رُخ مکہ کی طرف ہے یہ منظر اتنا پُرشکوہ تھا کہ عکرمہ کو جرأت نہ ہوئی کہ مسلمانوں پر حملہ کرے۔ بلکہ واپس مُڑ کر تھوڑی دُور ٹھہر گیا تاکہ مسلمانوں کا راستہ روک سکے۔

محمدؐ نے مکہ والوں کو اپنے مقصد سے آگاہ کرنے کے لیئے ایک ایلچی مکہ بھجوایا کہ وہ جا کر وضاحت کرے۔ ہمارا مقصد زیارتِ کعبہ ہے جنگ نہیں اسی لیئے ہم اسلحہ سے لیس نہیں ہیں اگر ہمارا مقصد جنگ ہوتا تو ہم ہر قسم کا اسلحہ اپنے ہمراہ لاتے۔

عکرمہ نے مسلمانوں کے ایلچی کو مکہ نہ جانے دیا بلکہ ایلچی اور اُس کے ساتھیوں کا بیابان میں تعاقب کیا۔ ایلچی اور اُس کے ساتھی تعاقب سے بچنے کے لیئے صحرا میں سرگرداں ہو گئے۔ پیاس کی وجہ سے اُن کی ہلاکت میں کوئی کسر نہیں رہ گئی تھی مگر خوش قسمتی سے اپنے لشکر میں پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔

عکرمہ جو تعاقب میں تھا کہیں پیچھے رہ گیا اور مسلمان پھر مکہ کے سفر پر روانہ ہو گئے۔ جب مسلمان حرم کی حدود کے نزدیک پہنچے تو محمدؐ نے وہاں پڑاؤ کرنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ قربانی والے جانوروں کو نشان لگا دو۔

قربانی کے جانوروں کو نشان لگانا دورِ جاہلیت کی ایک مخصوص رسم تھی۔ محمدؐ نے اس رسم کو ادا کرنے کا حکم دیا تاکہ مکہ والے جان لیں کہ مسلمانوں کا مقصد واقعتاً زیارتِ کعبہ ہے جنگ نہیں۔

بہت سے مناسکِ حج جو دورۂ جاہلیت میں مروج تھے آج بھی معمول ہیں حج ہو یا عمرہ۔ پیغمبرِ اسلام نے ان مراسم کو اسی لیئے ملحوظ رکھا کہ عرب دینِ اسلام سے وحشت زدہ نہ ہوں۔ انہیں بدعتی نہ سمجھ لیں کہ اُن کی تمام رسومات کو ختم کر دیا گیا ہے۔

اِس سفر میں بھی محمدؐ نے اِن رسومات کو ملحوظ رکھا تاکہ عرب جان لیں کہ اُن کا مقصد حج کی رسوم و شعائر کو ختم کرنا نہیں ہے۔ مکہ کی مرکزی حیثیت ختم کرنا مقصود نہیں۔ اِس سے یہ بھی ثابت کرنا تھا کہ خانہ کعبہ مسلمانوں کی نظر میں اتنا ہی محترم ہے جتنا کہ دُوسرے مذاہب والوں کی نگاہ میں یعنی اگر ایک بُت پرست کی نظر میں خانہ کعبہ محترم ہے تو مسلمان بھی اُس گھر کے لیئے اُتنے ہی احترام کے قائل ہیں۔

محمدؐ اہلِ مکہ سے زیادہ فہیم تھے۔ آپؐ کو معلوم تھا قریش بُتوں سے علاقہ قلبی نہیں رکھتے بلکہ اُن کا یہ تمام لگاؤ محض

Marfat.com

تجارتی نقطۂ نگاہ سے ہے۔ جماعت قریش کا احترام کعبہ اقتصادی منفعت کے پیش نظر تھا۔ ہر گاہ کعبہ کی مرکزیت اور تقدس ختم ہوتا جماعت قریش کی زندگی میں بھی اختلال واقع ہو جاتا۔

پیغمبرِ اسلام جانتے تھے کہ قریش و اطراف مکہ میں بسنے والے قبائل کی نگاہ میں زیارت کعبہ کے لیے ظاہری اور مادی رسومات اہمیت رکھتی ہیں۔

قریش کا خیال تھا کہ جب تک یہ رسومات باقی ہیں عربستان کے تمام مذاہب کا مرکز مکہ ہی محسوب ہوتا رہے گا۔ تجارت برقرار رہے گی۔ وسائل زندگی میسر آنے میں رکاوٹ نہیں ہوگی۔

ابن ہشام۔ حمید اللہ۔ سرخسی۔ طبری۔ ابوداؤد اور سُہیلی یہ تمام مؤرخینِ اسلام جو آپ کی زندگی کے شارح ہیں لکھتے ہیں جس وقت قربانی کے جانوروں کو نشان زدہ کیا جا رہا تھا محمدؐ نے کچھ لوگوں کو اردگرد کے قبائل کی طرف بھیجا کہ انہیں دعوت دیں وہ آ کر اس رسم کا مشاہدہ کریں۔ نشان زدگی جسے عرب (سلیقہ) کہتے ہیں پوری کی گئی۔ ہر اونٹ کی گردن میں (افساری) باندھی گئی۔

سلیقہ کے معنی جو آج کل لیے جاتے ہیں وہ ہیں آدابِ معاشرت میں روش مخصوص یا کھانا کھانے میں روش مخصوص یا تفاوت ہنر و ادب۔ زیادہ تر یہ لفظ (سلیقہ) ذوق کے ساتھ استعمال ہوا ہے یعنی ذوق و سلیقہ۔

لیکن قدیم زمانہ میں (سلیقہ) بمعنی علامت تھا۔ وہ ایسے کہ اونٹ کے ہودہ کو اونٹ کے پہلو پر باندھتے تھے۔ جب اونٹوں کو قربانی کے لیے مخصوص کرتے تو ان کی جلد پر تسمہ یا پٹہ کا نشان لگاتے اور اسی علامت کو سلیقہ کہا جاتا تھا۔

جیساکہ ذکر ہو چکا ہے مادہ شتر کو جزیرۃ العرب میں شان و شوکت کا نشان سمجھا جاتا تھا۔ یہ بہت مہنگے ہوتے تھے مادہ شتر ایک تیز رفتار اور مخصوص سواری شمار ہوتی تھی اور اس کو (شیحانہ) کہتے تھے۔ اس سفر میں محمدؐ کچھ شیحانہ اپنے ہمراہ لائے تھے تاکہ عربوں کو معلوم ہو کہ مسلمان مناسکِ حج کی ادائیگی میں بت پرستوں سے زیادہ سنجیدہ اور سخت ہیں مسلمانوں نے قربانی کے جانوروں کو نشان لگانے کے بعد دوبارہ مکہ کی طرف سفر کا آغاز کیا۔ لیکن اس دفعہ (عکرمہ) نے اپنے دو سو سواروں کے ساتھ راستہ کی مکمل ناکہ بندی کر دی۔ (ابن ہشام) (عکرمہ) کے قول سے لکھتا ہے " واتینا ھم عند السلۃ" یعنی میں جب مسلمانوں کے قریب پہنچا تو ان کی تلواریں نیاموں سے باہر تھیں۔ (عکرمہ) کا یہ کہنا دوسری تاریخی سندوں سے ثابت ہے کہ مکہ کے اس سفر میں مسلمانوں کے پاس تلواریں تھیں۔ لیکن تلوار کو ان دنوں جنگی ہتھیار نہیں سمجھا جاتا تھا۔ بلکہ یہ ایک ایسا ہتھیار تھا جسے مرد ہر وقت اپنے ساتھ رکھا کرتے تھے۔ چنانچہ آج بھی جزیرۃ العرب اور خلیج فارس کے جنوبی ساحل پر رہنے والے اپنے لباس پر خنجر لگاتے ہیں اور چونکہ یہ خنجر جزوِ لباس ہے لہٰذا اسے ہتھیار (جنگی) شمار نہیں کیا جاتا۔

اگر مسلمانوں کی تلواریں نیاموں سے باہر تھیں تو ظاہر ہے کہ (عکرمہ) کے سوار دستہ کو دیکھ کر نیاموں سے تلواریں نکالی ہوں گی۔ لیکن یہ مسلّم ہے کہ تلوار استعمال نہیں ہوئی۔ محمدؐ نہیں چاہتے تھے کہ اس سفر میں خونریزی ہو۔ (عکرمہ) کا قول بھی ضعیف ہے اور مؤرخین اسلامی نے اس قول کی تائید نہیں کی۔

Marfat.com

جس جگہ محمدؐ اونٹوں کو نشان لگانے کے لیئے ٹھہرے اُس جگہ کا نام ذوالحلیفہ ہے۔ اسی جگہ پر احرام باندھے گئے اور دوبارہ سفر شروع ہوا۔

(ذوالحلیفہ) سے مکّہ کے لیئے پہاڑی راستہ اختیار کیا گیا تاکہ ہر قسم کے ناخوشگوار واقعہ سے بچا جاسکے مسلمانوں نے اس راستہ پر پیاس اور گرمی سے بہت تکلیف اُٹھائی۔ اس تکلیف دہ سفر کو طے کر کے مسلمان (حدیبیہ) کے مقام پر پہنچے۔

(حدیبیہ) مکّہ سے گیارہ کیلومیٹر سے زیادہ فاصلے پر نہیں۔ مکّہ مسلمانوں کے سامنے تھا جو مسلمان مکّہ کے باسی تھے اُن کی آنکھیں پُرنم تھیں۔ انہیں یقین تھا دو ساعت بعد وہ مکّہ میں ہوں گے اور وطنِ مالوف کو دیکھ سکیں گے۔ لیکن عین اُس وقت پیغمبرؐ اسلام کا اُونٹ موسوم بہ (ثعلب) ٹھہرا اور پھر بیٹھ گیا۔

محمدؐ نے اُونٹ کو اٹھایا مگر اُونٹ بجائے آگے بڑھنے کے چند قدم پیچھے ہٹ کر پھر بیٹھ گیا۔

محمدؐ اُونٹ سے اُتر آئے اور فرمایا "خداوند کی یہی مرضی ہے۔ ہم یہاں توقف کریں"۔ پس تمام مسلمان اُونٹوں سے اُتر آئے وُہ بہت غمزدہ تھے کہ مکّہ کے دروازے پر پہنچ کر حکم توقف ملا۔

جہاں مسلمانوں نے توقف کیا اُس جگہ کا نام (غدیر الثلاط) تھا جو کہ (حدیبیہ) کی حدود میں ایک مقام ہے۔ موسم بہار میں اس مقام پر پانی مل جایا کرتا تھا لیکن جب مسلمانوں نے وہاں توقف کیا تو پانی میسّر نہیں تھا۔

مسلمان پیغمبرؐ اسلام کے حضور گئے اور عرض کی ہم دو ہزار کی جمعیت ہیں (ایک روایت میں ایک ہزار پانسو باون[155] اور دوسری روایت میں ایک ہزار[160] چھ سو افراد مذکور ہیں) اور کئی سو اُونٹ ہمارے ساتھ ہیں۔ اس بے آب علاقہ میں ہم نہیں ٹھہر سکتے بہتر ہوگا کہ ہم کچھ آگے بڑھ کر جہاں پانی ہو قیام کریں۔

محمدؐ جانتے تھے کہ اگر آگے بڑھے تو مسلمانوں اور مکّہ والوں کے درمیان جنگ چھڑ جائے گی اور حرم کی سرزمین میں خون بہے گا۔ علاوہ ازیں ماہ ہائے حرام میں جنگ حرام ہے۔

بدیں وجہ آپؐ نے فرمایا۔ ہم اس سے آگے نہیں جائیں گے۔ خداوند کا حکم یہی ہے کہ ہم اسی جگہ توقف کریں۔

مسلمانوں نے عرض کی پھر پانی کے لیئے کیا کرنا ہوگا؟

روایت ہے کہ محمدؐ نے دستِ مبارک اُٹھا کر دُعا کی "خدایا اگر ہمیں پانی نہ ملا تو مسلمان سرزمین حرم میں داخل ہو جائینگے۔ جیسے ہی محمدؐ نے دُعا ختم کی۔ ایک مسلمان جو کاریز کی کھدائی میں بہت تجربہ کار تھا نے کہا۔ اے محمدؐ! آپؐ کے پاؤں کے نیچے پانی ہے اگر کھدائی کی جائے تو مل جائے گا۔

مسلمانوں نے اس نقطہ پر کھدائی کی اور پانی حاصل کر لیا۔ اُس کنوئیں سے اس قدر پانی حاصل ہوا کہ جب تک مسلمان وہاں رہے اُن کی ضرورت سے زیادہ ثابت ہوا۔

جب مسلمان پانی کی فکر سے آزاد ہوئے تو (محمدؐ) نے عمرؓ بن الخطاب سے فرمایا تم ایک ایلچی کی حیثیت سے مکّہ جاؤ اور قریش کو سمجھاؤ کہ ہم صرف زیارتِ کعبہ کا قصد لے کر مکّہ آئے ہیں۔ ہمارا جنگ کرنے کا قطعی ارادہ نہیں اور اُن سے خواہش کرو کہ ہم مکّہ جا کر زیارتِ کعبہ کر سکیں۔

عمرؓ نے عرض کی۔ اے محمدؐ! میں یہ کام نہیں کروں گا۔ آپؐ جب مکّہ میں داخل ہو سکتے ہیں۔ زیارتِ کعبہ کر سکتے ہیں پھر آپؐ

Marfat.com

(قریش) سے کیوں اجازت کے طالب ہیں؟

عمرؓ ایک قوی ارادہ مگر سادہ لوح انسان تھے وُہ بعض سیاسی نقاط کی تہہ کو نہ پا سکے۔ عمرؓ اہل (تزکی) تھے اور (ذکی) شمار ہوتے تھے۔ عرب اُن اشخاص کو جو راست گو اور درست کردار ہوتے (ذکی) کہتے تھے۔ انسان کو زندگی میں ایسے مراحل پیش آتے ہیں جو وضع کے اعتبار سے نہ بد ہوتے ہیں نہ خوب۔ ان کا شمار نہ اچھائی میں ہوتا ہے اور نہ برائی میں۔

لیکن عمرؓ بن الخطاب اُن اشخاص سے بالا تر اور راست رُو تھے کہ بد و خوب میں میانہ روی اختیار کریں۔ عمرؓ کی نظر میں اچھائی یا بُرائی۔ عدل ہو یا ظلم۔ سچ ہو یا جھوٹ راہِ متوسط کوئی نہیں تھی۔

عمرؓ کے لیے دین اسلام ایک سچا دین تھا۔ تائید خداوندی بھی شاملِ حال تھی۔ لہٰذا اُن کے خیال میں مکہ میں داخلے کے لیے قریش سے اجازت کی ضرورت نہ تھی۔ یہی وجہ تھی کہ وہ قریش کے پاس بطور ایلچی جانے کو تیار نہ ہُوئے۔ لہٰذا اس پر (عثمانؓ) کو مامور کیا گیا۔

(عثمانؓ) پیغمبرِ اسلام کے داماد تھے اور اُن لوگوں میں سے تھے جنھوں نے پہلے حبشہ اور بعد ازآں مدینہ ہجرت کی (عثمانؓ) پہلے پیغمبرِ اسلام کی بیٹی (رقیہؓ) کے شوہر تھے۔ اُن کی وفات کے بعد پیغمبرِ اسلام کی دُوسری بیٹی (اُمِّ کلثومؓ) کے شوہر ہُوئے۔

(عثمانؓ) ایک خوش لباس اور خوش زبان مرد تھے وُہ بات چیت میں کسی موضوع پر فوری مخالفت کے عادی نہیں تھے درصورتیکہ (عمرؓ) بغیر کسی جھجک اور مصلحت کے اپنا عقیدہ ظاہر کر دیا کرتے تھے۔

(عثمانؓ) ایک مجلسی آدمی تھے اور اُن لوگوں کی طرح جو زیادہ مجالس میں بیٹھتے ہوں اُن کی اس طرح بات کرنے کی عادت تھی کہ کسی پہ گراں نہ گزرتی۔

(عثمانؓ) حکم ملتے ہی اونٹ پر سوار ہوئے اور مکّہ کی راہ لی مگر واپسی میں تاخیر کر دی۔

مسلمانوں میں یہ خبر اُڑی کہ (عثمانؓ) کو مکہ میں روک لیا گیا ہے۔ حتّیٰ کہ یہ خبر بھی اُڑ گئی کہ (عثمانؓ) قتل کر دیئے گئے ہیں۔

جب پیغمبرِ اسلام نے سُنا کہ (عثمانؓ) قتل کر دیئے گئے ہیں تو اپنا رویہ بدلنے کا ارادہ کیا۔ انہیںؐ اس سفر کا مقصد بھی یاد تھا۔

پیغمبرِ اسلام کے پیشِ نظر یہ تھا کہ ہر طور مکہ والوں سے صلح و آشتی رہے۔ اہالیانِ مکّہ اور مسلمانوں کے درمیان ہم آہنگی پیدا ہو تاکہ مدینہ اقتصادی محاصرہ سے نجات حاصل کر سکے۔ اس کے ساتھ ساتھ آپؐ اپنے رویّہ سے یہ بھی واضح کر دینا چاہتے تھے کہ اسلام وُہ دین ہے جو عربوں کا مخالف نہیں اور انہی کی طرح کعبہ کو محترم رکھتا ہے۔

قریش کو یہ وہم ہو چلا تھا۔ (ابرہہ) کی طرح محمدؐ بھی چُونکہ جدید دین لائے ہیں بتوں کو ختم کر کے مکّہ کی مرکزی حیثیت کو ختم کر دیں گے۔

قریش کے لیے مکّہ کا مذہبی مرکز ہونا اتنی اہمیت نہیں رکھتا تھا مگر فقط تجارتی نقطۂ نگاہ سے اس کی مذہبی حیثیت کو برقرار رکھنا چاہتے تھے۔ اُن کے خیال کے مطابق اگر محمدؐ بتوں کو کعبہ سے اُٹھوا دیں گے یا توڑ دیں گے تو کعبہ

Marfat.com

کی مرکزی حیثیت ختم ہو جائے گی اور اُن کی تجارت ختم ہو کر رہ جائے گی

انہی وجوہ کی بنا پر (قریش) محمدؐ اور مسلمانوں کے دشمن تھے۔ پیغمبرِ اسلام نے عمرہ کا پروگرام بنایا تاکہ قریش پر ثابت کر سکیں کہ مسلمان بھی کعبہ کے بہت زیادہ احترام کے قائل ہیں۔

لیکن جب (عثمانؓ) کے قتل کی خبر محمدؐ کو ملی مسلمانوں کو اُس علاقہ میں موجود ایک بڑے درخت کے نیچے اکٹھا کیا۔

یہ درخت اس قدر بڑا تھا کہ تمام مسلمان اس کے نیچے بیٹھ سکتے تھے۔

اُس وقت مسلمانوں کو مخاطب کیا "میں نے تمہیں یہاں اس لیئے جمع کیا ہے تم سے عہد لوں کہ بغیر کسی حیل و حجت کے تم میرے احکام کی اطاعت کرو گے۔ خواہ وُہ احکام تمہارے مزاج کے برخلاف اور عقل سے بالا ہی کیوں نہ ہوں۔

جب پیغمبرِ اسلام کا خطاب تمام ہوا تو ایک مسلمان جس کا نام (سنان) تھا آگے بڑھا اور کہا: اے محمدؐ! میں قسم کھاتا ہوں کہ آپ کے ہر حکم کو بلا تاخیر بجا لاؤں گا خواہ وُہ حکم میری نظر میں اچھا یا بُرا ہی کیوں نہ ہو۔ اُسے عقل کے مطابق سمجھوں یا نہ سمجھوں پھر وُہ محمدؐ کے قریب گیا اور بیعت کی یعنی اپنا ہاتھ اُنؐ کے ہاتھ میں دیا۔

باقی مسلمین بھی یکایک محمدؐ کے قریب ہوئے اور اُن سے بیعت کی یعنی عہد کیا کہ جو حکم بھی محمدؐ کی طرف سے صادر ہو گا اُس کی بموقع تعمیل اور اجرا کریں گے۔ خواہ وُہ حکم ہماری نگاہ میں اچھا یا بُرا ہی کیوں نہ ہو۔ ہماری عقل کے مطابق ہو یا خلاف۔

اس بیعت کو (بیعت الرضوان) کا نام دیا گیا۔ خداوند نے قرآن میں اس بیعت کی تجلیل بیان کی اور سورۂ (فتح) کی آیت اٹھارہ میں اپنی رضایت کا اظہار اس طرح فرمایا:

"لقد رضی اللہ من المومنین اذ یبایعونک الشجرہ فعلم ما فی قلوبہم فانزل السکینۃ علیہم واثابہم فتحاً قریبا۔"

یعنی۔ اے محمدؐ۔ جب مومنوں نے درخت کے نیچے تم سے بیعت کی۔ خداوند اُن سے راضی ہوا خداوند کو معلوم تھا کہ مومنوں کے دلوں میں کیا ہے۔ اُن پر وُہ چیز نازل کی گئی جو ان کے باعث تسکین ہوئی اور صلہ میں اُن کو جلد ہی پیروز کیا جائے گا۔

غرضیکہ مسلمانوں نے (حدیبیہ) میں پیغمبرِ اسلام کی نسبت جس صدق و اخلاص کا اظہار کیا اُس سے خداوند کو اُن کا مافی الضمیر معلوم ہوا اور جان لیا کہ مسلمان واقعتاً پیغمبرِ اسلام کے وفادار ہیں۔ لہٰذا اُنہیں انعام دیا۔

وُہ انعام (خیبر) کی فتح ہے جس کا ذکر آگے آئے گا۔

اہلیانِ مکہ اور قریش (بیعت الرضوان) سے خوفزدہ ہو گئے۔ جماعت قریش نے اس بیعت سے یہ اخذ کیا کہ محمدؐ مکہ پر حملہ آور ہونے والے ہیں، جس کسی نے مقاومت کی اُسے قتل کر دیا جائے گا جو مرد و زن تسلیم ہوں گے غلام اور کنیزیں بنا لیئے جائینگے

جماعت قریش پچھلی تین جنگوں (بدر۔ اُحد۔ خندق) میں محمدؐ کی جنگی لیاقت کے قائل ہو چکے تھے اور مسلمانوں کی ثابت قدمی بھی دیکھ چکے تھے۔ وہ اب اس اندیشہ میں تھے کہ جس وقت بھی محمدؐ نے مکہ پر حملہ کیا وہ یقیناً شہر کو تسخیر کر لینگے۔

یہی اندیشہ (عثمانؓ) کی فوری آزادی کا باعث ہوا۔ وُہ مکہ سے (حدیبیہ) پہنچے اور محمدؐ کی خدمت میں عرض کی کہ قریش

Marfat.com

آپ سے مذاکرات کرنے پر آمادہ ہیں اور مذاکرات کے لیئے کسی آدمی کو بھیجنے پر مائل ہیں۔

مذاکرات پر آمادگی کے علاوہ اشراف مکّہ نے (عکرمہ) جو کہ کوہستانی علاقہ کا چکر کاٹ کر (حدیبیہ) پہنچ چکا تھا کو حکم دیا کہ جنگی مظاہرہ نہ کرے اور مسلمانوں کے مزاحم نہ ہو۔

گر محمدؐ عمرؓ کی رائے پر عمل فرماتے تو یقیناً خونریزی ہوتی اور اشراف مکّہ کو ایک بہانہ مل جاتا کہ محمدؐ نے حرم کعبہ کے اندر ماہ حرام میں خونریزی کی ہے لیکن محمدؐ نے ایک قطرہ خون بہائے بغیر ہی قریش کو اپنی روش تبدیل کرنے پر مجبور کر دیا۔

جیسا کہ جنگ (احد) جنگی ماہرین کی نگاہ میں ایک شکست نہ تھی اس لیئے کہ مکّہ کا لشکر اسلامی لشکر کو نابود نہیں کر سکا تھا۔ نہ ہی اسلامی مملکت (مدینہ) پر تصرف کر سکا۔ اسی طرح محمدؐ کا (حدیبیہ) میں توقف کرنا برخلاف اُس کے جو بعض اسلامی وقائع نگاروں نے لکھا ہے ایک سیاسی شکست نہیں تھی بلکہ ایک سیاسی کامیابی شمار ہوتی ہے۔

ایک غیر سیاسی فہم و شعور کا آدمی بھی سمجھ سکتا ہے کہ محمدؐ نے اپنے سیاسی حربہ سے حریف کو اپنے ارادے کا مطیع کر لیا۔

مذاکراتی ٹیم بھجوانے سے قریش کا مقصد صرف مذاکرات ہی نہ تھا بلکہ یہ دیکھنا بھی تھا کہ مسلمان مسلح ہیں یا نہیں اور اگر مسلح ہیں تو محمدؐ کے وُہ کس حد تک وفادار ہیں۔

قریش کی طرف سے پہلا آدمی جو مذاکرات کے لیئے مامور ہوا وہ (عُروہ بن مسعود ثقفی) تھا۔ وُہ قبیلہ (ثقیف) سے تھا اور طائف کے اشراف میں سے تھا وہ اپنے اہل و عیال کے ساتھ (طائف) سے نقل مکانی کر کے اب مکّہ میں مقیم ہو چکا تھا۔ (عروہ بن مسعود ثقفی) نے اُسی بیعت الرضوان والے درخت کے نیچے پیغمبرؐ اسلام سے ملاقات کی اور پُوچھا۔ آپؐ کا مکّہ آنے کا مقصد کیا ہے؟

محمدؐ نے فرمایا۔ "ہم فقط خانہ کعبہ کی زیارت کے لیئے آئے ہیں۔ جنگ قطعی ہمارا مقصد نہیں۔

مسلمانوں کو مخاطب ہو کر فرمایا (عروہ) کو قربانی کے نشان شدہ اُونٹ دکھائے جائیں۔

(عروہ) چند مسلمانوں کے ہمراہ گیا اور قربانی کے اُونٹوں کو دیکھ کر واپس آیا۔ مگر گومگو اور بے یقینی کی کیفیت اُس کے چہرہ سے ظاہر تھی۔ لہٰذا اپنے ہاتھوں کو آگے بڑھا کر محمدؐ کے چہرہ مبارک پر رکھ دیا اور کہا۔ اے محمدؐ کیا آپؐ کو یقین ہے کہ آپؐ کے ساتھی جو یہاں اردگرد کھڑے ہیں جنگ چھڑ جانے پر آپؐ کے وفادار رہیں گے۔ آپؐ کو تنہا نہ چھوڑ جائیں گے۔

اسی دوران ایک مسلمان جس کا نام (مغیرہ بن شعبہ) تھا نے اپنی شمشیر کی نوک سے (عروہ) کے ہاتھوں پر خراش لگائی اور کہا۔ اے عُروہ مؤدب رہو اور کلام کرتے وقت اپنے ہاتھ رسُولؐ اللہ کے چہرہ مبارک پر مت رگڑو۔

(عُروہ) نے ہاتھ پیچھے کھینچ لیا۔ (ابو بکرؓ) نے فرمایا۔ اگر تو ایک ایلچی کی حیثیت میں نہ ہوتا تو ہم تمہیں اِس توہین کی پاداش میں قتل کر دیتے۔ ہم تمہیں بتائے دیتے ہیں کہ ہم جنگ کے موقع پر اپنے پیغمبرؐ کو تنہا نہیں چھوڑیں گے۔ اگر تو جنگِ بدر و اُحد میں ہوتا تو رسول اللہ کے حق میں ہماری فداکاری دیکھ چکا ہوتا۔

(عروہ) مکّہ لوٹ آیا اور قریش کے بزرگوں سے کہا۔ میں نے روم و حبشہ کے دربار دیکھے ہیں لیکن مسلمانوں کی وفاداری محمدؐ کے ساتھ اُس سے کہیں زیادہ ہے جو میں نے روم و حبشہ میں قیصر اور نجاشی کی بابت محسوس کی تھی۔

Marfat.com

(عروہ) کے بعد قبیلہ (بنی کنانہ) کا ایک شخص مکّہ سے (حدیبیہ) پہنچا۔ اُس کی آمد کا مقصود بھی محمدؐ اور مسلمانوں سے مل کر اِن کے مقصد کا تعین کرنا تھا۔

محمدؐ کو اطلاع بہم پہنچائی گئی کہ مکّہ سے جو شخص آیا ہے وہ (بنی کنانہ) کا ایک فرد ہے۔

محمدؐ نے فرمایا۔ اِس آدمی کا قبیلہ قربانی کے اُونٹوں کی بہت تجلیل کرتا ہے۔ تم قربانی کے اُونٹوں کو ہانک کر اُس کی طرف لے جاؤ کہ وُہ دیکھ لے۔

مُسلمانوں نے اُونٹوں کو آگے ہانکا اور ذکرِ معروف (لبیک اللّٰھم لبیک)...... الیٰ آخر۔ کرتے ہُوئے اُس مرد کی طرف بڑھے۔

قبیلہ (بنی کنانہ) کے اِس فرد نے جب یہ منظر اور قربانی کے اُونٹ دیکھے تو وہیں سے واپس مکّہ لوٹ آیا اور قریش کو کہا۔ میں نے اپنی آنکھوں سے قربانی کے نشان شدہ اُونٹ دیکھے ہیں مسلمان احرام باندھے ہُوئے ذکر کر رہے تھے۔ میں بلا تردید کہہ سکتا ہُوں اُن کا قصد زیارت کعبہ ہی ہے پس اُن کی راہ نہ روکی جائے۔

جماعتِ قریش پھر بھی مخمصہ میں مبتلا رہی اور کوئی فیصلہ نہ کر سکی۔ ایک اور شخص کو بھجوانے کا پروگرام بنایا۔ اس مرتبہ بدوی قبیلہ (احابش) کے رئیس (حلیس بن علقمہ) کو مسلمانوں کے پاس بھیجا۔ قبیلہ (احابش) صحرانشین اور مکّہ کا مجاور تھا۔ قریش اس کو ایک صحیح اور دوست آدمی سمجھتے تھے۔

(حلیس) مسلمانوں کے پاس پہنچا۔

محمدؐ نے حکم دیا۔ اسے اجازت دے دو۔ کیمپ میں جہاں چاہے جائے۔ جس کسی سے چاہے بات کرے جو چاہے مشاہدہ کرے۔

(حلیس بن علقمہ) نے مشاہدہ کیا کہ تمام مسلمان احرام بند ہیں۔ قربانی کے اُونٹ نشان زدہ ہیں۔

(حلیس) نے دیکھا کہ مسلمانوں کے پاس جنگی اسلحہ بھی نہیں ہے۔ بعض اونٹوں نے تو گرسنگی کی وجہ سے ایک دوسرے کے بال بھی کھا لیئے ہیں۔

(حلیس بن علقمہ) سُرعت کے ساتھ مکّہ واپس آیا۔ جماعتِ قریش سے کہا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مسلمانوں کا مقصد بجز زیارتِ خانہ کعبہ اور کچھ نہیں۔ تم انہیں آزادانہ مکّہ آنے دو۔ تاکہ وُہ خانہ کعبہ کی زیارت کر سکیں۔

جماعتِ قریش نے کہا ہمیں اُس (محمدؐ) پر اعتماد نہیں۔ ممکن ہے وُہ مکّہ میں داخل ہونے کے بعد مکّہ کو تسخیر کرے۔

(حلیس) نے کہا۔ مَیں قسم کھاتا ہوں کہ محمدؐ اور اُنؐ کے ساتھی جُز زیارت اور کوئی مقصد نہیں رکھتے۔ اگر اُن کا ارادہ جنگ کا ہوتا تو جنگی سامان ساتھ لاتے۔ مَیں کیمپ کے تمام اطراف چکر لگا کر دیکھ چکا ہُوں۔ محمدؐ اور اُن کے ساتھیوں کے پاس ایک زرہ۔ کمان نیزہ و خود تک نہیں۔ پھر بھی جماعتِ قریش مسلمانوں کے مکّہ آنے پر رضامند نہ ہوئی اس پر (حلیس) غصّہ میں آ گیا اور کہا تمہارا یہ عمل ایک گناہ ہے جو قابلِ بخشش نہیں۔ تمہارے پاس اُن کی راہ روکنے کا کیا جواز ہے۔ زیارتِ کعبہ تمام جہان والوں کے لیئے آزاد ہے۔ اس شرط کے ساتھ کہ کعبہ سے اعتقاد رکھتے ہوں۔ تم کس بنا پر مسلمانوں کو زیارتِ کعبہ سے روک رہے ہو۔ اگر تُم نے مسلمانوں کو زیارتِ کعبہ

Marfat.com

کی اجازت نہ دی تو میں تم سے جدا ہو جاؤں گا اور اس کے بعد تمہارا حامی و متفق نہیں رہوں گا۔

(قریش) کے چند بزرگوں نے اُسے چُپ کرایا اور کہا تم ایک صحرانشین، راست گو، دُرست کردار اور اس قدر سادہ لوح ہو کہ دوسروں کے پیچھے ارادوں کو نہیں سمجھ سکتے۔ تم ذرا صبر کرو۔ ہم اس پر مزید غور کریں گے اور کوئی ایسی راہ نکالیں گے جس میں مکہ والوں کے لیے بہتری ہو۔

متواتر دو دن مشاورتی اجلاس ہوتے رہے۔ ان دو دنوں میں بھی جو لوگ تحقیق کے لیے (حدیبیہ) جاتے اپنی رپورٹ دارالندوہ (قریش کی مجلس شورای) میں پیش کرتے۔ اپنے مشاہدات سے ممبرانِ شورای کو جب وہ کانفرنس ہال سے باہر آتے آگاہ کرتے۔

وُہ بتاتے کہ مسلمان محمدؐ کا خارق العادہ احترام کرتے ہیں۔ حتّٰی کہ محمدؐ اگر ایک پیالہ پینے کا پانی مانگیں تو دس آدمی پانی لانے کو دوڑتے ہیں اور جو پانی پلانے سے محروم رہ جاتے ہیں وُہ خود کو بدبخت تصوّر کرتے ہیں۔ اُن کی زندگی کا ایک پہلو بہت ہی عجیب ہے۔ وُہ دن میں چند بار صف باندھتے ہیں اور کعبہ رُخ ہو کر نماز ادا کرتے ہیں۔ نماز کی ادائیگی میں اُن کا نظم وضبط حیرت انگیز ہے۔

جو لوگ (حدیبیہ) سے واپس آتے وُہ بیان کرتے: مسلمانوں کی وفاداری نسبت بہ محمدؐ اس قدر ہے کہ اگر وُہ حکم دیں کہ اپنے خویش واقربا کو اپنے ہاتھوں قتل کرو تو بلا تردید وہ ایسا کر گزریں گے۔

جماعت قریش ان رپورٹوں کی وصولی پر اور زیادہ متوحش ہوتی۔ بالآخر دو دن اور دو رات کی مشورت کے بعد قریش کے ایک سرکردہ سردار کو ایک نمائندہ جماعت کے ساتھ (حدیبیہ) بھیجا تاکہ محمدؐ سے مذاکرات کر کے مسلمانوں سے ایک صلح و آشتی کا معاہدہ کریں۔

روایت ہے کہ جب محمدؐ نے (سہیل بن عمرو) کو دیکھا تو فرمایا۔ "ہمارا کام آسان ہو گیا ہے"۔ سہیل لغت میں سہل سے ہے۔ محمدؐ اور قریشی نمائندوں کے درمیان مذاکرات میں معاہدہ طے پا گیا۔ اب اُس معاہدہ کا لکھا جانا باقی تھا۔ یعنی معاہدہ صلح اور عدم جارحیت۔

محمدؐ نے اپنے داماد (علیؑ بن ابی طالب) سے فرمایا کہ معاہدہ کی تحریر خدا کے نام سے شروع کرو۔ علیؑ نے قلم پکڑا اور معاہدہ کی تحریر کا آغاز یُوں کیا۔ "بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ"۔ اس پر (سہیل بن عمرو) نے احتجاج کیا ہم رحمٰن اور رحیم کو نہیں جانتے۔ علیؑ اسے اس طرح لکھو "باسمك اللّٰھم" ویسے بھی عرب میں تمام معاہدات اسی طرح آغاز ہوتے تھے۔

علیؑ نے عرض کی۔ یا رسول اللہ کیسے لکھوں؟

محمدؐ نے فرمایا ایسے ہی لکھو "باسمك اللّٰھم"

علیؑ نے اطاعت کی اور حسب ہدایت لکھنا شروع کیا۔ "باسمك اللّٰھم" کے بعد طبق املائی محمدؐ اس طرح لکھا:

"یہ پیمان محمدؐ رسول اللہ اور (سہیل بن عمرو) کے درمیان منعقد ہو رہا ہے"۔

اس پر بھی (سہیل بن عمرو) نے اعتراض کیا اور کہا اس طرح مت لکھو۔ اس لیے کہ ہم تمہیں پیغمبرِ خدا نہیں مانتے اور اگر

Marfat.com

پیغمبرؐ مانتے ہوتے تو تمہیں مکّہ میں داخل ہونے سے منع کیوں کرتے۔ پس لکھو۔ "یہ معاہدہ محمدؐ بن عبداللہ اور سہیل بن عمرو کے درمیان منعقد ہو رہا ہے؟

محمدؐ نے فرمایا۔ علیؓ ایسے ہی لکھ دو۔ (سہیل) کی رضایت خاطر محفوظ رکھو۔

ان دو نقاط کے علاوہ (سہیل) نے کوئی اور اعتراض نہ کیا۔ اس لیئے کہ دوسرے تمام اصولوں پر موافقت ہو چکی تھی۔

(علیؓ بن ابی طالب) جیسے ایک دانشمند۔ خوشنویس اور اسلام کے ایک سرکردہ فرد نے مندرجہ ذیل معاہدہ تحریر کیا:

"باسمك اللّٰه"

"یہ معاہدہ محمدؐ بن عبداللہ اور (سہیل بن عمرو) کے مابین طے پایا ہے۔ اس معاہدہ کے بموجب طرفین موافقت کرتے ہیں کہ مسلمانوں اور ساکنینِ مکّہ کے درمیان دس سال تک جنگ بندی رہے گی۔ اس دس سالہ مدّت میں طرفین کا کوئی فرد ایک دوسرے کی جان و مال کا مزاحم نہیں ہوگا۔

معاہدہ کی رُو سے اس دس سالہ مدّت میں اگر قبائلِ قریش کا کوئی فرد۔ قریشی رؤسا کی اجازت کے بغیر مسلمانوں کے پاس پناہ لے گا تو قریش اُسے مسلمانوں سے واپس لے سکتے ہیں۔ مسلمانوں کو اُسے واپس کرنا ہوگا اور اگر مسلمانوں کا کوئی فرد مسلمانوں کی اجازت کے بغیر۔ قریش کے پاس پناہ لے گا تو قریش اُسے واپس لوٹانے کے پابند نہیں ہوں گے۔

اس دس سالہ مدّت میں جنگ بندی برقرار رہے گی۔ طرفین کا کوئی فرد ایک دوسرے کی جان و مال کو نقصان نہیں پہنچائیگا نہ ہی دونوں میں سے کوئی ایک جماعت دُوسرے پر حملہ آور ہوگی۔ نہ ہی کوئی ایسا پروگرام وضع کرے گی جس سے دوسری طرف کے جان و مال کو آسیب پہنچ سکتا ہو۔ اس دس سالہ مدّت کے دَوران قریش اور مسلمان دُوسری جماعتوں اور قبائل سے معاہدات کرنے۔ اتحاد کرنے میں آزاد ہوں گے۔

مسلمان اِس سال زیارتِ کعبہ کو نہیں جائیں گے تاہم آئندہ سال وُہ زیارتِ کعبہ کے لیے مکّہ آسکتے ہیں۔ اس شرط کے ساتھ کہ وُہ مکّہ میں تین دن سے زیادہ قیام نہیں کریں گے۔ اور شمشیر کے علاوہ کوئی دوسری نوع کا اسلحہ ہمراہ نہیں لائیں گے۔"

یہ معاہدہ جو ساتویں ہجری میں طے پایا تھا۔ آج تک اسلامی مفکروں کے زیرِ بحث ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض مسلمان مفکرین اس معاہدہ کی مکمل افادیت کو نہ جان سکے۔ وجہ یہ تھی کہ معاہدہ برپا ہونے کے وقت پر مسلمانوں میں شدید ردِّعمل ہُوا تھا۔

مسلمان اُس وقت احرام باندھے قربانی کے اُونٹوں کو تیار کیئے ہُوئے تھے وُہ طوافِ کعبہ کا تہیّہ کیئے ہوئے تھے۔ خود یہ مسلمانوں کی یہ بہت بڑی آرزو تھی۔ معاہدہ طے پا جانے تک وُہ مطمئن تھے کہ مکّہ جا کر طواف کریں گے۔ لیکن معاہدہ کی وُہ شق جو اِس سال زیارتِ کعبہ نہ کرنے سے متعلق تھی اُن کی اُمیدوں کے خلاف تھی۔

ایک طرف مہاجرین دلبرداشتہ ہوئے تو دوسری طرف انصار اور دُوسرے مسلمان اس ممانعت کو بہت بڑی توہین تصوّر کرنے لگے تھے۔

مسلمان چُونکہ آپؐ کا بہت زیادہ احترام کرتے تھے اس لیئے خاموش تھے۔ لیکن عمرؓ بن الخطاب ایک واحد شخص تھے جو اپنی عدم رضایت کا اظہار کھُلم کھُلا کر رہے تھے۔

(عمرؓ) اتنے صادق وسادہ تھے کہ اپنے احساسات کو پنہاں نہ رکھ سکتے تھے۔ اُن کی جو فکر ہوتی زبان پر آتے تھے۔ (عمرؓ) آپؐ کے پاس گئے اور عرض کی "اے محمدؐ کیا آپؐ نے نہیں فرمایا تھا کہ ہم مکہ جائیں گے اور خانہ کعبہ کا طواف کریں گے۔

محمدؐ نے جواباً فرمایا "ہاں اے عمرؓ میں نے ایسا ہی کہا تھا لیکن یہ تو نہیں کہا تھا اسی سال ایسا ہوگا۔

(عمرؓ) نے عرض کی۔" وہ موقع کب ہوگا؟"

آپؐ نے فرمایا "آئندہ سال تو مکہ جائے گا اور کعبہ کی زیارت کرے گا۔"

مسلمانوں کی عدم رضایت ایسی جذباتی کیفیت کے دوران ایک اور واقعہ ہوا۔ جس سے مسلمان مزید متاثر ہوئے۔ وہ یہ کہ (سہیل بن عمرو) جو مذاکراتی ٹیم کا لیڈر تھا کا لڑکا (ابوجندل) جو باپ سے خفیہ خفیہ مسلمان ہو چکا تھا، معاہدہ کے دستخط ہونے کے دو روز بعد ہی چھپتا چھپاتا مسلمانوں کے کیمپ میں (حدیبیہ) پہنچ گیا اور کہا میں مسلمان ہوں تم میرے دینی بھائی ہو۔ مجھے پناہ دو۔ (ابوجندل) کے کچھ ہی دیر بعد اُس کا باپ (سہیل بن عمرو) (حدیبیہ) پہنچ گیا اور محمدؐ سے (ابوجندل) کی واپسی کا مطالبہ کیا۔

محمدؐ کے پاس کوئی جواز نہیں تھا کہ (ابوجندل) کو اپنی پناہ میں رکھتے۔ لہٰذا معاہدہ کے مطابق (ابوجندل) کو اُن کی تحویل میں دے دیا۔

قبل اس کے کہ (ابوجندل) کو اُس کے باپ کے حوالے کیا جاتا۔ اُس نے محمدؐ سے عرض کی۔ یا محمدؐ میرا باپ مجھے قتل کر دیگا۔

محمدؐ نے فرمایا۔ خوف نہ کر۔ خداوند تمہیں نجات دیں گے۔ اور ایسے ہی ہوا (ابوجندل) قتل نہ ہوا بلکہ زندہ رہا۔

لیکن اس واقعہ پر مسلمان جو پہلے ہی آزردہ تھے اب بہت خشمگیں ہوئے۔

اگر مسلمان آپؐ سے بیعت نہ ہو چکے ہوتے تو ممکن تھا شورش برپا کرتے۔

مسلمان کہ محمدؐ کی سی سیاسی بصیرت واستعداد نہیں رکھتے تھے اس دس سالہ معاہدہ کی افادیت کو نہیں سمجھ سکتے تھے۔ محمدؐ نے اس معاہدہ سے مدینہ کو فوری طور پر اقتصادی محاصرہ سے آزاد کرا لیا۔ اب مدینہ کے کاروان بلا خوف وخطر مکہ سے عبور کر سکتے تھے۔

معاہدہ کے دن تک مسلمانوں کے سب سے بڑے دشمن مکہ والے تھے۔ جو مسلمان امت کا علیحدہ وجود تسلیم ہی نہیں کر رہے تھے۔ اس معاہدہ کی رُو سے انہوں نے مسلمانوں کی حیثیت کو مان لیا اور مسلمان دس سال کے لیئے اُن کی خصومت سے بے فکر اور آسودہ خاطر ہو گئے تھے۔

مسلمان محمدؐ کی اس نفع بخش سیاسی فتح کو نہیں سمجھ رہے تھے جو جنگ کیئے اور کچھ ہاتھ سے دیئے بغیر ہی حاصل ہوئی تھی۔ مسلمان اُس سال زیارتِ کعبہ نہ کر سکنے اور (ابوجندل) کی واپسی کو اپنی ناکامی سمجھ رہے تھے۔

(ابوجندل) کی واپسی زیارتِ کعبہ سے زیادہ آزردگی کا باعث بنی۔ اس لیئے ایک بدوی عرب سے جب کوئی پناہ کا خواستگار ہوتا تو وہ اُسے موردِ حمایت قرار دیتا تھا۔ کجا کہ ایک مسلمان خود اپنے مسلمان بھائیوں سے پناہ مانگے اور نہ دی جائے۔

Marfat.com

لیکن اُن کی جذباتی کیفیت نے اُنہیں بھلا دیا کہ (ابوجندل) کی واپسی ایک معاہدہ کے تحت عمل میں آئی تھی۔ (ابوجندل) جو معاہدہ مکمل ہو جانے کے بعد مسلمانوں کی پناہ میں آیا تھا کی واپسی کسی صورت بھی مسلمانوں کی شکست نہیں تھی۔

محمدؐ نے جب دیکھا کہ مسلمان بہت آزردہ و ناخوش ہیں تو اُنہیں ایک جگہ جمع کر کے فرمایا۔ یہ معاہدہ جو ہم نے مکہ والوں سے کیا ہے ایک (فتح مبین) درخشندہ اور برجستہ کامیابی ہے۔

(اس بہت بڑی سیاسی فتح کے بارے میں جو مسلمانوں کو حدیبیہ میں نصیب ہوئی۔ خداوند نے پیغمبرؐ اسلام پر آیت نازل فرمائی جو آج قرآن کی اڑتالیسویں سورۃ فتح کی پہلی آیت ہے اور اس جملہ سے شروع ہوتی ہے۔ "اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا" یعنی "ہم نے تمہیں ایک درخشندہ و برجستہ فتح دی"۔ بعض اسلامی مفکرین کا خیال ہے کہ یہ آیت فتح مکہ کے موقع پر نازل ہوئی تھی اور کچھ اسے فتح خیبر سے منسوب کرتے ہیں۔ بعض مفکروں کا خیال ہے یہ تمام فتوحات اسلامی سے متعلق ہے۔ جن میں صلح حدیبیہ بھی شامل ہے)

قبل اس کے کہ محمدؐ مزید وضاحت فرماتے ایک مسلمان نے اُٹھ کر عرض کی۔ ہم نہ زیارتِ کعبہ اور نہ ہی طواف کر سکے پیغمبرؐ اسلام نے فرمایا۔ تم اگر یہاں سے بھی زیارتِ کعبہ کرو گے تو خداوند اس سفر کو زیارتِ کعبہ کے لیئے قبول فرمائیں گے اور تمہارا عمل ایسے ہی ہو گا جیسے تم نے طوافِ کعبہ کیا ہو۔

میں خود بھی یہیں سے زیارتِ کعبہ کروں گا۔ یہیں پر اُونٹوں کی قربانی دُوں گا۔ سر بھی منڈاؤں گا اور احرام سے باہر آؤنگا تُم بھی میری طرح کرو گے سر منڈاؤ گے اور احرام اُتارو گے۔

مسلمانوں میں سے ایک نے عرض کی یا رسُولؐ اللہ (ابوجندل) کو واپس کرنے کی کیا وجوہات تھیں اور کیوں؟ آپؐ نے مشرکین سے اس طرح کا معاہدہ کیا کہ وُہ تو اپنے مفروروں کو واپس لے جا سکتے ہیں اور ہم اپنے مفروروں کو واپس طلب نہیں کر سکتے۔

آپؐ نے جواباً فرمایا: (ابوجندل) کی واپسی معاہدہ کے مطابق تھی لہٰذا ہم مسلمانوں کے لیئے اس میں کوئی شکست کا پہلو نہیں ہے۔ مجھے یقین ہے (ابوجندل) قتل نہیں ہو گا۔ زندہ رہے گا۔ فرض کرو اگر قتل کر ہی دیا گیا تو وُہ سعادت جاوید پائیگا۔ شہید ہو گا۔ ایک شہید کا مقام بہشت ہے۔

ہم نے معاہدہ میں اپنے مفروروں کی واپسی کا مطالبہ کیوں نہیں رکھا۔ سیدھی سی بات ہے مسلمان جب اسلام چھوڑ کر دینِ کفار کو قبول کرتا ہے تو ہمارے لیئے اپنی افادیت کھو بیٹھتا ہے۔ وُہ شخص خائن اور مُرتد ہے ہم اُسے اپنے درمیان برداشت نہیں کر سکتے۔ نہ اسے اپنوں میں شمار کر سکتے ہیں۔ اسی لیئے ہم نے ایک مسلمان کے لیئے جو ہم سے جُدا ہو کر مکّہ والوں سے جا ملتا ہے صرف نظر کیا ہے۔ ہم اُسے دوبارہ اپنے درمیان قبول نہیں کر سکتے۔

اس معاہدہ کی وجہ سے جو کہ ایک فتح مبین ہے ہمارا ذہن مکّہ والوں کی طرف سے دس سال تک آسودہ رہے گا۔ ان دس سالوں میں ہم تمام اطرافیانِ مدینہ کو مسلمان کریں گے بغیر اس کے کہ مکّہ والے کوئی حیلہ بہانہ یا مداخلت کر سکیں۔

ان دس سالوں میں ہم جس کسی سے چاہیں گے پیمان باندھیں گے اور یہ ہماری تقویت کا باعث ہو گا۔ اس معاہدہ کا فوری فائدہ یہ ہے کہ مدینہ آج تک اقتصادی محاصرہ کے تحت تھا اور آج کے بعد اُس کا محاصرہ نہیں ہو سکے گا۔

Marfat.com

ایک مسلمان نے پوچھا۔ یا رسول اللہ! کیوں آپؐ نے اس معاہدہ میں محمدؐ بن عبد اللہ لکھنا قبول فرمایا۔ جبکہ محمدؐ رسول اللہ لکھا جانا چاہیئے تھا۔

آپؐ نے فرمایا۔ یہ ٹھیک ہے کہ میں نے اس معاہدہ میں خود کو محمدؐ بن عبداللہ لکھوایا مگر کہیں بھی یہ رقم نہیں کہ میں خدا کا بھیجا ہوا نہیں ہوں اور اس میں کوئی برائی نہیں ہے۔ میں نے اس لیئے خود کو خدا کا بھیجا ہوا ذکر نہیں کیا کہ مشرکین نے ایسا چاہا تھا مشرکین کی یہ خواہش ایک بچگانہ عمل تھا اور اگر میں بھی اُن کی اس خواہش کو قبول نہ کرتا تو یہ ایک بچگانہ حرکت ہوتی لہٰذا میں نے اُن کی یہ درخواست قبول کر لی۔

اُن کی اس درخواست کو قبول کر لینے سے ہماری پوزیشن میں کوئی کمی یا کمزوری واقع نہیں ہوئی۔ ہم نے قریش سے اپنا مقصد یعنی جنگ بندی حاصل کر لیا ہے۔

اس کے بعد کسی نے کوئی اعتراض نہ کیا مگر (عمرؓ بن الخطاب) انہوں نے عرض کی۔ یا رسول اللہ کیا ہمارا دین برحق نہیں ہے؟ دکیا مشرکین کا دین 'دینِ باطل' نہیں ہے؟ پھر کیوں حق باطل کے سامنے خفیف ہو؟

بالآخر (حدیبیہ) سے مراجعت کے چند ماہ بعد (عمرؓ بن الخطاب) نے بھی تسلیم کیا کہ یہ جنگ بندی کا معاہدہ (صلح حدیبیہ) مسلمانوں کے لیئے بہت سُودمند ہوا ہے۔

مدینہ کے اطراف کے قبائل مکہ والوں کی طاقت سے خوف زدہ تھے۔ صلح حدیبیہ کی وجہ سے ان کا خوف جاتا رہا اور وہ مسلمان ہو گئے۔

اس کے بعد مسلمانوں نے سر منڈوائے یا اُن میں سے کچھ نے سر منڈوائے اور احرام کھول دیئے اور شمال کی طرف یعنی مدینہ واپس چل دیئے مگر بہت ملول تھے۔ اُس کی وجہ (ابوجندل) کی واپسی تھی۔

اُس شخص کو پناہ دینا جو اپنی جان خطرے میں ڈال کر اُن کے پاس آیا ہو صحرا نشین عربوں کے مقدس قوانین میں سے ایک تھا۔ وہ خیال کر رہے تھے کہ محمدؐ نے اس قانون کو پامال کیا ہے۔

دورۂ جاہلیت کا ایک عرب شاعر جس کا نام (طرفہ) تھا کہتا ہے:۔

"میں بوقتِ مرگ اس جہان سے تبسم کناں جاؤں گا۔ اس لیئے کہ اس زندگی میں مجھے تین چیزیں حاصل رہی ہیں اور اس جہان میں میرے لیئے باعثِ سعادت ہیں۔ پہلی یہ کہ جب کوئی شخص خطرہ سے بھاگ کر مجھ سے پناہ مانگتا تو میں اُسے پناہ دیتا۔ دوسری یہ کہ شراب پیتا ہوں اور تیسرے یہ کہ برسات کے دنوں میں جب انسان غمگین ہوتا ہے تو میں خوبصورت مہربان عورتوں سے اپنا غم غلط کرتا ہوں"۔

اس عرب شاعر نے پناہ دینے کو اوّلین اہمیت دی ہے اور دوسری دو لذتوں سے اس کو فوقیت دی۔

مسلمان اس حال میں کہ ملول و دل گرفتہ مدینہ کی راہ طے کر رہے تھے۔ ایک اور مسلمان جس کا نام (ابوبصیر) تھا۔ مکہ سے بھاگ کر اُن کے پاس پہنچا اور درخواست کی کہ انہیں پناہ دیں۔ محمدؐ نے اُس شخص کو کوئی جواب نہ دیا کیونکہ ممکن تھا اس میں کوئی فریب ہو اور جماعت قریش نے اُسے بھجوایا ہو تا دیکھیں کیا عکس العمل ہوتا ہے۔

لیکن جب تحقیق ہوگیا کہ یہ ایک فریب نہیں ہے اور (ابوبصیر) واقعی ایک سچا مسلمان ہے اور مکہ میں اُسے آزار پہنچایا جا رہا ہے۔ اب اُسے اپنی جان کا خوف تھا کہ قریش اُسے قتل نہ کردیں لہٰذا وُہ مسلمانوں کے پاس آیا۔

(ابوبصیر) کے مسلمانوں کے پاس پہنچنے کے تھوڑی ہی دیر بعد قریش کے دو افراد بھی وہاں پہنچ گئے اور محمدؐ سے (ابوبصیر) کی واپسی کا تقاضا کیا۔

(عمرؓ بن الخطاب) نے عرض کی۔ یا رسولؐ اللہ اس مرتبہ آپ اس کو ان کی تحویل میں نہ دیں۔ اُس نے ہم سے پناہ مانگی ہے اگرہم نابود بھی ہوجائیں تو (ابوبصیر) کو ہم واپس نہیں کریں گے۔

لیکن محمدؐ نے فرمایا۔ مَیں نے جو معاہدہ کیا ہے اُس کی خلاف ورزی نہیں کروں گا۔

قریش کے دونوں آدمیوں نے جو مکّہ سے آئے تھے مسلمانوں کی آنکھوں کے سامنے (ابوبصیر) کو اُونٹ پر باندھا اور مکّہ کی طرف چل دیئے۔

(ابوبصیر) ایک دلیر اور طاقت ور انسان تھا۔ راستہ میں وُہ رسیوں کو کاٹ کر خود کو آزاد کرانے میں کامیاب ہوگیا۔

(ابوبصیر) نے اُونٹ سے اُتر کر اپنے دو نگہبانوں میں سے ایک کو قتل کردیا۔ دُوسرا بھاگ نکلا۔ (ابوبصیر) دوبارہ مسلمانوں کے پاس پہنچا اور پناہ کے لیئے درخواست کی۔ اس دفعہ ابوبصیر نہ صرف قریش کا مفرور تھا بلکہ ایک آدمی کا قاتل بھی تھا۔ اب تو قریش اُس سے خون بہا کا مطالبہ بھی کرتے۔

محمدؐ نے حکم دیا (ابوبصیر) کو حراست میں رکھا جائے۔ تاوقتیکہ مکّہ سے لوگ آکر اسے لے جائیں۔ دُوسرے ہی دن (ابوبصیر) کے دو میں سے ایک نگہبان جو بھاگ نکلا تھا مسلمانوں کے پاس پہنچ گیا اور (ابوبصیر) کی واپسی کا مطالبہ کیا۔ محمدؐ کے حکم کے مطابق (ابوبصیر) کو اُن کے حوالے کردیا گیا۔

لیکن قبل اس کے کہ قریش کا آدمی اُسے مسلمانوں کے پڑاؤ سے دُور لے جاتا (ابوبصیر) بھاگ گیا۔

پہلی مرتبہ (ابوبصیر) مسلمانوں کے پاس پناہ کے لیئے آیا تھا۔ تو محمدؐ نے فرمایا ہم تمہیں پناہ نہیں دے سکتے تم مکّہ واپس چلے جاؤ۔ تمہیں خداوند تعالیٰ نجات دیں گے۔ اب (ابوبصیر) نے سوچا مَیں ایک قاتل بھی ہُوں اسیلئے قریش مجھے قتل کردینگے پیغمبرِ اسلام نے جس وقت مجھے نجات کا مژدہ سنایا تھا اُس وقت میں قاتل نہیں تھا۔ اب اگر مکّہ واپس جاؤں تو مجھے قتل کردیا جائیگا یا پھر خون بہا کا مطالبہ ہوگا۔

اسی خیال کے پیشِ نظر اُس نے بیابان کی راہ لی۔

عرب کے شاعر (شنفرہ) نے (اُبوبصیر) کی بابت کہا۔ "اے میرے بھائیو میرا پیچھا مت کرنا۔ مَیں نے بیابانوں کی راہ لی ہے میں وہاں نئے ساتھی ڈھونڈھ لوں گا"۔ "اے دوستو میرا پیچھا مت کرنا۔ مجھ میں تنہا رہنے کی طاقت ہے۔ تاریک راتوں میں راہ پیمائی کرسکتا ہُوں۔ بیابان میں طاقت ور چیتے۔ چالاک بھیڑیئے اور کرگس میرے دوست ہوں گے۔

(ابوبصیر) نے دوسری بار فرار ہونے کے بعد ایک علاقہ (ذوالمروہ) کی راہ لی۔ بعد ازآں جو بھی مسلمان مکّہ سے فرار کرتا سیدھا (ذوالمروہ) پہنچ جاتا۔ بتدریج (ذوالمروہ) میں ایک واحد اسلامی یا اُن دنوں کی اصلاح میں ایک اُمت جدید وجُود میں آ گئی۔

Marfat.com

یہ ذوالمروہ کے مسلمانوں کی جماعت کسی معاہدہ جنگ بندی کی پابند نہیں تھی۔ (ذوالمروہ) کا علاقہ جزوِ مدینہ بھی نہیں تھا۔ اس لیے محمدؐ کے حدودِ اختیار سے وُہ باہر تھے۔

ابھی (حدیبیہ) کے معاہدہ کو ایک سال بھی نہ گزرا تھا کہ (ذوالمروہ) میں مسلمانوں کی تعداد خاصی زیادہ ہوگئی اور انہوں نے اپنا ایک لشکر تشکیل دے کر مکہ کے کاروانوں پر حملے شروع کر دیئے۔ اگر قافلہ کے مرد مقابلہ پر آتے تو انہیں قتل کر کے اموالِ قافلہ لُوٹ کر لے جاتے۔

قریش کو اتنی مشکل پیش آئی۔ انہوں نے محمدؐ سے درخواست کی (ذوالمروہ) میں جمع ہونے والے مسلمانوں کو آپ مدینہ بلا لیں۔ انہیں مکان دیں۔ ہم یعنی قریش اُن کی واپسی کا مطالبہ نہیں کریں گے۔

محمدؐ نے قریش سے تحریری درخواست مانگی تاکہ اُن کے ہاتھ میں کوئی دستاویز ہو۔ اس ترتیب سے معاہدہ کی وُہ شرط ساقط یا ختم ہوگئی جس پر مسلمان بہت زیادہ ملول و دلگرفتہ ہوئے۔ اُس کے بعد دُوسری شرائط بھی جو بظاہر مسلمانوں کے حق میں نہیں تھیں۔ رفتہ رفتہ بے اثر ہوتی گئیں۔ فقط وُہ شرائط باقی رہ گئیں جو مسلمانوں کے لیے سُودمند تھیں۔

جماعت قریش نے ایک تحریری دستاویز محمدؐ کے ہاتھ دے دی جو اس لیے تھی کہ اگر کوئی مسلمان مکہ سے معذور ہو کر مسلمانوں سے ملحق ہو تو مسلمان مُکلّف نہیں ہوں گے کہ اُسے (قریش) کے حوالے کریں۔

بالآخر مسلمانوں کو تھوڑی ہی مدت بعد اپنی غلط فکر کا احساس ہوگیا۔ صلح (حدیبیہ) مسلمانوں کے لئے دراصل ایک بہت سُودمند معاہدہ تھا۔

Marfat.com

جنگ خیبر

(حُدیبیہ) سے واپس مدینہ پہنچنے کے بعد محمدؐ کی کوشش تھی کہ مسلمانوں اور اہلیان مکّہ کے تعلقات زیادہ سے زیادہ خوشگوار ہوں۔

قضاءِالٰہی سے اُس سال مکّہ میں خشک سالی سے قحط پڑ گیا۔

عرب میں ایک قبیلہ موسوم بہ (یمامہ) تھا۔ اُس قبیلہ کا علاقہ مکّہ کی خوراک کی کفالت کیا کرتا تھا۔ (یمامہ) قبیلہ کے تمام افراد مسلمان ہو گئے اور اسی وجہ سے انہوں نے مکّہ کو خوراک کی ترسیل بند کر دی۔

مکّہ کے لوگوں نے محمدؐ سے رابطہ قائم کیا اور درخواست کی قبیلہ (یمامہ) کو حکم دیں کہ وہ ہمیں سامان خوراک فروخت کرے۔ پیغمبرِ اسلام نے اُن کی درخواست کو پذیرائی بخشی اور (میں قبیلہ (یمامہ) کو حکم دیا کہ سامان خوراک کی فروخت مکّہ کے لوگوں پر بند نہ کرے۔ اس کے علاوہ محمدؐ نے پانسو[5] سکّہ طلائی مکّہ بھجوایا کہ اُس شہر کے فقرا میں تقسیم کر دیا جاوے۔ (ابوسفیان) کو جب یہ معلوم ہوا تو کہا۔ محمدؐ مکّہ کے لوگوں کو خصوصاً جوانوں کو اس روپے سے فریب دینا چاہتا ہے۔

محمدؐ نے پانسو[5] سکّہ طلائی کے بعد بہت سا خُرما مدینہ سے مکّہ (ابوسفیان) کے پاس بھجوایا اور کہلا بھیجا۔ اس خُرما کی قیمت چمڑے کی صُورت میں بھجوا دیں۔ اُس موقع (ابوسفیان) کے پاس کچھ چمڑہ تھا جو فروخت نہیں ہو رہا تھا۔ ویسے بھی قحط کی حالت میں مکّہ کے لوگ صرف سامان خوراک کے خریدار تھے۔ اور چمڑے کا کوئی گاہک نہ تھا۔

(ابُوسفیان) نے سوچا۔ خرما کو واپس کر دے۔ لیکن اُس کے لیئے ایسا کرنا ممکن نہ رہا۔ مکّہ والوں کو اس خرما کی اطلاع ہو گئی۔ چونکہ لوگ فاقوں سے تھے انہوں نے خرما کی واپسی میں مزاحمت کی۔

(ابُوسفیان) نے ناچار خرما رکھ کر چمڑا بھجوا دیا۔

جب لوگوں کو معلوم ہوُا کہ یہ خرما محمدؐ نے مدینہ سے بھجوایا ہے تو محمدؐ کی نسبت خوش بین ہوئے لیکن جماعت قریش جو مکّہ کے اشراف پر مشتمل تھی محمدؐ کی دشمن ہی رہی۔ محمدؐ نے ان خصیمانہ جذبات کے باوجود قریش کو دوست بنانے کا پروگرام بنایا۔ ویسے بھی محمدؐ حالتِ امن کو اسلام کی پیش رفت کے لیئے ضروری خیال کرتے تھے۔ اس بابت وُہ لوگوں کے کہنے کو اہمیت

نہیں دیتے تھے۔

ایک پیغمبرؐ دینِ خدا کی پیشرفت کے لیے اِدھر اُدھر کی چہ میگوئیوں کو کوئی اہمیت نہیں دیتا۔

ایک پیغمبر خدا سے اس قدر محبت رکھتا ہوتا ہے کہ اپنی ہر چیز خدا کی راہ میں قربان کرنے پر ہر وقت آمادہ رہتا ہے۔

(یہودیوں) کی کتاب (تلمود) میں لکھا ہے "خداوند اپنے پیغمبرؐ سے چاہتا ہے کہ وُہ اس سے (خدا سے) اپنی جان و مال سے زیادہ محبت کرے۔ ہر چیز ہم سے لے کر حیثیت و آبرو تک اُس کی راہ میں فدا کرے"۔

محمدؐ خدا کو جان و دل سے عزیز جانتے تھے اور اُس کے دین کی پیش رفت کے لیئے کسی قسم کی فداکاری میں مضائقہ نہیں کرتے تھے خواہ لوگ تمسخر ہی کیوں نہ اڑائیں۔

محمدؐ ایک ایماندار انسان تھے ایمان بھی ایسا جو باہوش و با استعداد تھا اور جس کے پاس یہ چیز ہو وہ ہراساں نہیں ہُوا کرتا۔ اس لیئے وہ جانتا ہوتا ہے کہ بالآخر ان مشکلات پر غلبہ پالے گا۔

انسان جو خدا پر ایمان کامل رکھتا ہو۔ ہر چیز خدا کی راہ میں قربان کر دیتا ہے۔ اسی طرح محمدؐ نے بھی عزم کیا کہ دینِ اسلام کی کامل فتح کے لیئے ہر طور مکہ پر غلبہ حاصل کرنا ہے۔ اس سلسلہ میں ایک فداکاری اور کرنا ہوگی۔

محمدؐ کو خبر ملی کہ (ام حبیبہ) دختر (ابوسفیان) زوجہ (عبداللہ بن حجش) بیوہ ہوگئی ہے۔ (عبداللہ بن حجش) ایک حنیف تھا پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ مسلمان ہونے کے بعد اُس نے بہ اتفاق زوجہ خود حبشہ ہجرت کی اور پھر وہیں دینِ اسلام کو ترک کر دیا۔ اب وہ فوت ہو گیا تھا اور (اُم حبیبہ) دختر (ابوسفیان) بیوہ ہو گئی تھی۔ پس محمدؐ نے ارادہ کیا کہ (اُم حبیبہ) سے خواستگاری کریں اور اُسے اپنے نکاح میں لے آئیں۔ پیغمبرِ اسلام نے سوچا کہ (ام حبیبہ) کے نکاح کے بعد وُہ (ابوسفیان) کے داماد ہونگے اور یہ رشتہ مکہ میں اُنکے سب سے بڑے دشمن (ابوسفیان) کی خصومت میں کمی کا باعث ہوگا۔

(ابوسفیان) مکہ کی سپاہ کا سپہ سالار تھا۔ اگر اُس کی دشمنی کسی وجہ سے دوستی میں تبدیل ہو جاتی تو یہ اسلام کی پیشرفت کے لیئے بہت سودمند ہوتا۔

(اُم حبیبہ) بنی اُمیہ کے ایک معزز خاندان کی فرد تھیں۔ اگر محمدؐ اُس سے ازدواج کرتے تو تمام قبیلہ (بنی اُمیہ) آپؐ کے فرمانبردار ہو جاتے اور وُہ مثلِ گزشتہ آپؐ سے دشمنی برقرار نہ رکھ سکتے۔

(اُم حبیبہ) شوہر کی وفات کے بعد حبشہ ہی میں تھیں۔ محمدؐ نے سوچا جب یہ بیوہ عورت واپس عرب پہنچے گی تو ابوسفیان اور (امیہ) خانوادہ کے دوسرے افراد کسی طور اُسے محمدؐ سے شادی نہیں کرنے دیں گے۔

انہی وجوہات کی بنا پر محمدؐ نے ایک شخص کو اپنا وکیل مقرر کر کے حبشہ بھجوایا۔ کہ (اُم حبیبہ) سے خواستگار ہو اور اُسے مدینہ لے آئے۔ چونکہ قریش کی مزاحمت کا امکان تھا۔ اس لیئے محمدؐ نے اپنے نامزد وکیل کو (نجاشی) بادشاہِ حبشہ کے نام ایک خط دیا اور ہدایت کی تم سب سے پہلے (ام حبیبہ) کی رضایت حاصل کرنا اور اگر (اُم حبیبہ) موافقت کریں تو اُس وقت یہ خط بادشاہ حبشہ (نجاشی) کے پاس لے جانا۔

اِس خط میں محمدؐ نے بادشاہِ حبشہ سے خواہش کی تھی۔ کہ (اُم حبیبہ) جو کہ آپ کی مملکت میں سکونت پذیر ہے کا مجھسے عقد کر دیں۔

Marfat.com

(نجاشی) نے پیغمبرِ اسلام کی درخواست قبول کی اور حبشہ ہی میں (اُمِ حبیبہ) کا عقد محمدؐ سے کر دیا۔ عقد کے بعد (ابُوسفیان) کی بیٹی حبشہ سے مدینہ کے لیئے روانہ ہُوئی۔

جماعت قریش کو عقد کی اطلاع ملی مگر اب وُہ مجبور تھے اور کسی قسم کی مزاحمت کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھے اسیئے کہ (اُمِ حبیبہؓ) اب پیغمبرِ اسلام کی بیوی تھیں اور عرب اسقدر مہذب تھے کہ ایک بیوی کو اپنے شوہر کے پاس جانے میں مزاحم نہ ہوں۔

(اُمِ حبیبہؓ) سے ازدواجِ اسلام کی پیش رفت کے پروگرام میں بہت مددگار ثابت ہُوا۔ جیسا کہ آگے ذکر آئے گا۔ اس شادی نے ساکنینِ مکّہ کے مسلمان ہونے میں بڑا مؤثر کردار ادا کیا کیونکہ (ام حبیبہؓ) (ابُوسفیان) کی بیٹی قریش کے تمام بڑے بڑے خاندانوں سے دُور یا نزدیک کی قرابتدار تھیں۔ جب کبھی (ابُوسفیان) محمدؐ کی مخالفت کرتا وُہ اُسے یاد دلاتے وُہ تمہارا داماد ہے یعنی تمہارے شجرۂ نسب کی وہ بھی ایک شاخ ہے۔ شجرۂ نسب کی اہمیت کا ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں تکرار کی ضرورت نہیں۔

صلح (حدیبیہ) کا فوری ایک اثر یہ ہُوا کہ مدینہ جزوی طور پر اقتصادی محاصرہ توڑنے میں کامیاب ہوگیا۔ اور مسلمان کُلی طور پر اس اقتصادی محاصرہ کو ختم کرنے کے لیئے آزاد ہوگئے۔

معاہدہ (حدیبیہ) میں قریش پابند تھے کہ آئندہ مسلمانوں کے ہر اقدام پر غیر جانبدار رہیں گے۔

(خیبر) مدینہ کے شمال میں واقع ہے۔ (خیبر) کے یہودیوں نے معاہدہ (حُدیبیہ) طے پا جانے کے باوجود مدینہ سے دشمنی ترک نہ کی اور مدینہ کے قافلوں کی راہ روکتے رہے۔ بدیں وجہ مدینہ کی تجارت شام اور دوسری شمالی مملکتوں سے معطل تھی۔

(خیبر) کے یہودی خود کو اس قدر قوی تصوّر کرتے تھے اور اس گھمنڈ میں تھے کہ وُہ تنہا ہی مسلمانوں سے نبرد آزما ہو سکتے ہیں اور دُوسروں سے مدد کی انہیں قطعاً ضرورت نہیں۔

محمدؐ نے سوچا کہ معاہدہ (حُدیبیہ) سے مدینہ کے جنوبی سمت محاصرہ تو ختم ہو چکا ہے اب شمالی سمت کا محاصرہ توڑنے کے لیئے کوئی اقدام کرنا ہوگا۔ لیکن (خیبر) کے یہودی کسی طور بھی محمدؐ سے صُلح پر آمادہ نہ ہوئے۔ یہودی جو مدینہ سے نقل مکانی کر کے (خیبر) چلے گئے تھے (خیبر) کے یہودیوں کو صلح سے روکتے تھے۔

(خیبر) مدینہ کے شمال میں دُو سو کیلومیٹر کے فاصلہ پر واقع ہے۔ یہاں پانی کی افراط ہے اسی ضمن یہ علاقہ زرخیز شمار ہوتا ہے۔

(خیبر) شہر کی حدُود سے تھوڑی دُور ایک وسیع آتش فشان چٹانوں کا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے۔ اس علاقہ میں کسی قسم کا سبزہ پیدا نہیں ہوتا اور اس سے عبور بہت مشکل ہے۔

قلعہ یا سدّ کو عربی زبان میں (خیبر) کہتے ہیں۔ اس شہر میں آٹھ جنگی قلعے تھے اور ہنگامِ جنگ وہ بیس ہزار جنگجو میدانِ جنگ میں لا سکتے تھے۔

(خیبر) عرب کا ایک قدیم شہر شمار ہوتا ہے۔ سن ۵۳۰ میلادی یہ ایک عربی شہر تھا۔ اسی سال یعنی ۵۳۰ء میلادی میں خیبر والوں نے (ابونواس) کے ساتھ پیمانِ اتحاد باندھا تو اس شہر میں یہودیوں نے نفوذ حاصل کیا۔

یہود ایک محنتی اور بااراده قوم ہونے کے باعث (خیبر) میں جلد ہی اکثریت تام حاصل کر گئی۔ یہاں تک کہ جب مسلمانوں نے

Marfat.com

خیبر پر لشکر کشی کی تو اس شہر میں کسی ایک عرب کا بھی وجود نہ تھا۔

(خیبر) کے رہنے والے ثروت مند لوگ تھے۔ (خیبر) شمالی عربستان کے بڑے تجارتی مراکز میں سے ایک تھا۔ (خیبر) کے زرگر بڑے معروف تھے وہ طلائی زیورات اور ظروف جزیرۃ العرب کے اشراف کو بیچا کرتے یا مناسب ضمانت ملنے پر کرایہ پر دیا کرتے تھے۔

(زرگری) یہودیوں کے لیئے ہی مخصوص تھی۔ جزیرۃ العرب کے شمال اور جنوب میں زرگروں کے چند مراکز تھے لیکن کوئی ایک بھی خیبر کے پایہ کا نہیں تھا۔

وہ نشیبی علاقہ جہاں خیبر شہر واقع تھا مرطوب تھا اور وہاں رہنے والے ایک بیماری میں مبتلا ہو جایا کرتے تھے۔ لوگوں کا خیال تھا۔ کھڑے پانی سے جو ہوا اٹھتی ہے وہ انسان کو بیمار کر دیتی ہے۔ اس مرض کو وُہ (پانی کی بیماری) کہا کرتے تھے۔ آج ہم جانتے ہیں کہ یہ مرض ملیریا ہے جو پانی سے نہیں بلکہ مچھر کے کاٹنے سے لاحق ہوتی ہے۔ وہ لوگ مچھر کو نہیں پہچانتے تھے۔ ویسے بھی ملیریا کے مچھر کی پہچان جدید انکشافات میں سے ہے۔

(خیبر) کی چھوٹی چھوٹی وادیوں میں پانی فراواں تھا۔ جس کی وجہ سے یہ مرض عام تھی۔

اعراب بادیہ حیرت زدہ تھے کہ یہودی کیونکر اس مرطوب سرزمین میں زندگی گزارنے پر قادر ہیں۔ یہ پانی کے مرض سے بیمار ہو کر کیوں نہیں مر جاتے۔

یہودی ان کی سادگی کو مدنظر رکھتے ہوئے اُن سے حکایت کرتے کہ (خیبر) میں اس مرض کے حملہ سے بچنے کے لیئے ضروری ہے کہ آدمی اس شہر میں داخل ہونے سے پہلے دونوں ہاتھ زمین پر ٹکا کر گدھے کی سی آوازیں نکالے۔ اُس کے بعد اگر وُہ شہر میں داخل ہوگا تو اُسے کوئی مرض لاحق نہیں ہوگا اور اگر وُہ ایسا نہیں کرے گا تو پھر اُس کی موت (پانی کی بیماری) یعنی ملیریا سے ہی ہوگی۔

سادہ لوح عربوں نے اس حکایت یا ہدایت کو قبول کر لیا۔ وُہ شہر میں داخل ہونے سے پہلے ہاتھ پاؤں زمین پر رکھ کر گدھے کی سی آوازیں نکال کر یہ یقین حاصل کر لیتے کہ اب یہ مرض اُن پر حملہ آور نہیں ہوگا۔

اس عمل کو عربی زبان میں (تعشیر) یعنی دس۱۰ برابر کرنا کہا گیا۔ اسی مناسبت سے بدوی عرب (خیبر) کو (تعشیر) بھی کہا کرتے تھے۔

لیکن خود یہودیوں نے اس مرض سے بچاؤ کے لیئے چند قواعد مرتب کر رکھے تھے:

(۱)۔ (ساقط) یعنی ٹھہرے ہوئے پانی کو ہرگز نہیں پیتے تھے۔ جب بہتا ہوا پانی میسر نہ آتا تو شراب پیتے تھے۔

(۲)۔ لہسن بہت زیادہ کھاتے تھے۔ اس کثرت سے کہ آبادی کی ہوا میں ہر وقت لہسن کی بُو بسی رہتی تھی۔ آج لہسن کی افادیت ہم پر ظاہر ہو چکی ہے۔ یہ کئی امراض کی پیش بندی کرتا ہے۔

(۳)۔ یہودی کم ارتفاع مقام پر قیام نہیں کرتے تھے بلکہ قیام کے لیئے اُونچے مقام کا انتخاب کیا کرتے تھے اور تجربہ نے اُن پر ثابت کر دیا تھا کہ مرتفع نقاط پہ انسان شاذ ہی اس مرض میں مبتلا ہوتا ہے۔

Marfat.com

(۴) ۔یہودی عموماً بہار کے موسم میں (خیبر) سے باہر چلے جایا کرتے تھے۔ بہ احتیاط وہ یہ جانے بغیر کہ مچھر کی افزائش ٹھہرے پانی کی وجہ سے ہوتی ہے کیا کرتے تھے۔

معاہدہ (حُدیبیہ) کی اطلاع ملنے پر خیبر کے یہودیوں نے پیش بینی کر لی تھی کہ اب مسلمانوں اور اُن کے درمیان جنگ ناگزیر ہے۔

معاھدہ (حُدیبیہ) سے پہلے (خیبر) کے یہودی مکّہ والوں کے اتحادی تھے۔ اور مسلمانوں کے لیئے اُن پر حملہ آور ہونا بہت مشکل تھا۔ لیکن اب جب کہ مسلمانوں اور قریش کے درمیان جنگ بندی کا دس سالہ معاہدہ طے پا گیا۔ تو (خیبر) اور (مکّہ) کا اتحاد خود بخود ختم ہو گیا تھا۔

پیغمبرِ اسلام نے خیبر پر حملہ کے لیئے ایک ہزار پانچسو[۱۵] افراد کا لشکر تیار کیا اور خود اپنی ہی قیادت میں اُس لشکر کو لے کر خیبر کی طرف کوچ کیا۔ جب کہ (خیبر) کے یہودی بیس ہزار افراد پر مشتمل لشکر مقابلہ پر لا سکتے تھے۔

بعض مؤرخوں نے لکھا ہے کہ مسلمانوں نے (خیبر) کے یہودیوں پر اچانک حملہ کیا تھا۔ جب کہ حقیقت ایسے نہیں ہے۔ معاہدہ (حدیبیہ) کی اطلاع ملنے پر ہی انہیں واضح ہو گیا تھا کہ اب ممکن ہے محمدؐ (خیبر) پر حملہ آور ہوں۔ اور اُسی دن سے وُہ دفاع کی تیاری میں مشغول تھے۔

یہی وجہ تھی کہ جب لشکرِ اسلام (خیبر) پہنچا تو یہودی مکمل طور پر دفاع کے لیئے تیار تھے۔ انہوں نے آٹھ قلعوں میں کافی مقدار میں سامانِ خوراک جمع کر رکھا تھا اور بیس ہزار سپاہ پُورے ساز و سامان سے لیس جنگ کے لیئے تیار تھی۔

(خیبر) پر حملہ سے پہلے پیغمبرِ اسلام نے یہودیوں کے دو اتحادی قبیلوں (بنی فزارہ اور بنی غطفان) کی سرکوبی ضروری خیال کی تاکہ عقب محفوظ رہے۔

وُہ دونوں قبائل لشکرِ اسلام کو دیکھ کر خوفزدہ ہو گئے۔ انہوں نے محمدؐ سے وعدہ کیا کہ وُہ اس جنگ میں غیر جانبدار رہیں گے گرچہ انہوں نے یہودیوں سے اپنا معاہدہ ختم نہ کیا۔

دو چیزیں اِن دونوں قبیلوں کی دہشت کا باعث تھیں۔ ایک تو جنگ ہائی بدر، احد اور خندق کے نتائج اور دوسرے معاہدۂ (حدیبیہ)۔ اُن دونوں قبیلوں نے سوچا۔ مکّہ والے محمدؐ سے صُلح کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں تو بہتر یہی ہے کہ ہم بھی مسلمانوں کے ساتھ جنگ سے باز رہیں۔

محمدؐ ان دونوں قبیلوں سے مطمئن ہونے کے بعد (خیبر) کی طرف بڑھے۔

مؤرخین نے (خیبر) کے جنگی قلعوں کی مضبوطی اور استحکام (FOETIFICATIONS) کی تصدیق کی ہے۔ ایک فرانسیسی انجینئر (وبان) نے سترھویں صدی عیسوی میں اِس طرز کے استحکامات کا ابداع کیا تھا۔

"توضیح: (خیبر) کے ان آٹھوں قلعوں کی تعمیر مٹی اور پتھروں سے کی گئی تھی اور یہ بڑی جنگی اہمیت کے حامل تھے۔ ان کی خصوصیت یہ تھی کہ قلعوں کے اندر سے دشمن پر متقاطع تیر اندازی کی جا سکتی تھی۔ (مترجم)"

لشکر کی کمان خود محمدؐ کے ہاتھ میں تھی۔ آپؐ نے مسلمانوں سے فرمایا۔ ہمارے پاس ان قلعوں کو تباہ کرنے کے لیئے

Marfat.com

وسائل نہیں ہیں۔ ہمارا جنگی اسلحہ صرف تیر و کمان اور تلوار پر مشتمل ہے اور اس نوع اسلحہ کے ساتھ ان قلعوں کو تسخیر نہیں کیا جا سکتا۔ ان قلعوں کو ایک ہی طریقے سے فتح کیا جا سکتا ہے اور وہ یہ کہ ان کا محاصرہ کیا جائے۔ تمام نہریں جو قلعوں کے اندر جاتی ہیں اُن کو باہر سے بند کر دیں تاکہ پانی قلعوں کے اندر نہ پہنچ پائے۔ اگر یہودیوں نے قلعوں کے اندر پانی ذخیرہ نہ کیا ہوا اور وُہ کنوآں کھودنے میں کامیاب نہ ہو سکے تو پھر ممکن ہے پیاس سے نڈھال ہو کر جلد ہی ہتھیار ڈال دیں۔

مسلمانوں نے فیصلہ کیا کہ آٹھوں قلعوں پر باری باری حملہ کیا جاوے اور جب ایک قلعہ کے محصورین ہتھیار ڈال دیں۔ تو دُوسرے قلعہ پر حملہ کیا جاوے (خیبر) پر حملہ کے آغاز میں مسلمانوں کو یہودیوں کی منجنیقوں کا سامنا کرنا پڑا۔ یہودیوں نے خوب سنگ باری کی۔

یہودیوں نے پتھروں کو مدور تراشا ہوا تھا اور منجنیق سے وُہ ان مدور پتھروں کو مسلمانوں پر پھینکتے تھے۔ اس سنگباری کے سامنے مقاومت مشکل تھی۔

یہ پہلا موقع تھا مسلمانوں کو میدانِ جنگ میں منجنیقوں کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ اُن میں سے کوئی بھی اُن کا دفاع نہیں جانتا تھا۔ محمدؐ نے حکم فرمایا۔ پہیوں والے لکڑی کے بُرج بنائے جائیں اور اُن بُرجوں میں بیٹھ کر قلعہ کے نزدیک پہنچیں اور جب ہم ایک بار قلعہ کے نزدیک پہنچ گئے تو سنگباری بے اثر ہو جائے گی۔ اس لیئے کہ منجنیق سے پتھر دور پھینکا جا سکتا تھا نہ کہ نزدیک۔

محمدؐ نے فرمایا جب قلعہ کے نزدیک پہنچو تو ایک خطرے کا خیال رکھنا۔ یہودی سوراخوں سے پتھر نہ پھینکیں۔ سُوراخ صرف بُرجوں میں ہیں دیواروں میں نہیں۔ لہٰذا اگر تم خود کو دیواروں کے نیچے پہنچا لوگے تو دشمن کی منجنیقیں بیکار ہو جائیں گی۔

مسلمان جب (خیبر) کی حدود میں داخل ہوئے تو لشکر کی کمان خود آپؐ کے پاس تھی لیکن نامساعد آب و ہوا کی وجہ سے آپؐ بہت جلد علیل ہو گئے اور لشکر کی کمان (ابوبکرؓ) نے سنبھالی۔

(ابوبکرؓ) کو لشکر کی کمان سنبھالے ابھی دو ہی روز ہوئے تھے کہ آپؓ کو بھی بخار نے آلیا۔

لشکر کی کمان عمرؓ بن الخطاب کو منتقل ہو گئی۔

(عمرؓ بن الخطاب) بھی جلد ہی بیمار پڑ گئے۔ انہوں نے لشکر کے سرداروں کو اکٹھا کیا اور فرمایا۔ میرے خیال میں لشکر کی کمان (علیؓ بن ابی طالب) کے سپرد کی جائے وُہ ایک لائق۔ با استقامت۔ صابر اور شجاع انسان ہیں۔ اگر انہیں دُشمن کی ایکصد سپاہ کا تنہا مقابلہ بھی کرنا پڑے تو آپ پیٹھ دکھانے والے نہیں ہیں۔

اگر کوئی شخص یہودیوں کے ان قلعوں سے نبٹ سکتا ہے تو میری نظر میں وُہ علیؓ ہے لہٰذا میں لشکر کی کمان اُن کو سونپتا ہوں۔ آپ سب اُن کی اطاعت کریں۔

جس وقت علیؓ کو لشکر کی کمان سونپی گئی آپ کو بھی بخار تھا۔ مگر آپ نے یہ ذمہ داری قبول فرمائی اور اُسی دن (خیبر) کے ایک قلعے (نطات) کا محاصرہ کر لیا۔

دو مؤرخوں (بغوی اور ابی الحدید) نے علیؓ کے انتخاب کو قدرے مختلف انداز میں بیان کیا ہے۔ وُہ لکھتے ہیں۔ جب

Marfat.com

محمدؐ بیمار ہوئے تو کمان (ابوبکرؓ) کو سونپی گئی۔ انہوں نے قلعہ پر حملہ کیا مگر اس چھوٹے سے لشکر کو کافی نقصان اُٹھا کر پسپا ہونا پڑا۔ جس کی وجہ سے (ابوبکرؓ) نے اس ذمہ داری کی انجام دہی سے معذوری ظاہر کی۔

محمدؐ جو بیمار تھے۔ لشکر کی کمان (عمرؓ بن الخطاب) کو سونپی۔ انہوں نے بھی کئی ایک حملے کیے بالآخر معذوری ظاہر کی۔

محمدؐ نے فرمایا۔ لشکر کی کمان علیؓ کے سپرد کی جائے امید ہے وہ معذوری ظاہر نہیں کرے گا۔

محمدؐ نے جب لشکر کی کمان علیؓ کو سونپنے کا حکم فرمایا۔ علیؓ آشوب چشم میں مبتلا تھے۔ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ذمہ داری سنبھالنے کا اعلان کیا اور اُسی روز قلعہ (نطات) پر حملہ آور ہوئے۔

بطوریکہ (بلغوی اور ابی الحدید) نے ذکر کیا ہے۔ حملہ کے پہلے ہی دن ایک شخص جس نے قیمتی خود پہنا ہوا تھا قلعہ کی دیوار کے اُوپر سے آواز لگائی۔ "مسلمانوں تمہارا سپہ سالار کون ہے؟

علیؓ نے قلعہ کے نیچے سے جواب دیا۔ میں (علیؓ بن ابی طالب) اسلامی لشکر کا سپہ سالار ہوں۔ اُس شخص نے اُونچی آواز میں اپنا تعارف کرایا۔ اے علیؓ میں (مرحب) ہوں۔ ان آٹھ قلعوں میں سے ایک قلعہ میرے نام پر ہے۔ کیا تم خود کو اس قابل پاتے ہو کہ میرے ساتھ تنہا جنگ کرو۔ (علیؓ) نے کہا۔ میں نے آج تک دعوت مبارزہ رد نہیں کی اور تیری دعوت بھی رد نہیں کروں گا۔ (مرحب) نے کہا۔ اس صورت میں میں قلعہ سے باہر آکر تم سے مقابلہ کروں گا۔

(مرحب) قلعہ سے خارج ہوا اور قلعہ کا دروازہ اُس کے پیچھے بند کر دیا گیا۔

علیؓ کی آنکھوں میں درد تھا انہوں نے زرہ بھی نہیں پہنی ہوئی تھی باوجود اس کے وہ (مرحب) کے مقابلہ پر آئے اور (مرحب) کو جس نے خود والی زرہ یعنی (مغفر) پہنی ہوئی تھی قتل کر دیا۔

(مرحب) کو قتل کرنے کے بعد علیؓ نے حکم دیا کہ قلعہ نطات کے دروازوں کو توڑنے کے لیے درختوں کے تنوں سے استفادہ کیا جاوے۔ درخت کے تنے کو تیس۳۰ چالیس مجاہد اٹھا کر سُرعت کے ساتھ دوڑتے ہوئے قلعہ کے دروازے سے ٹکراتے تھے۔ چند شدید ضربات کے بعد قلعہ کا دروازہ ٹوٹ جایا کرتا تھا۔

مسلمانوں نے درختوں کے تین تنے منتخب کیے۔ ہر تنے کو پچاس۵۰ مجاہد اٹھا کر قلعہ کے دروازے سے ٹکراتے مسلمانوں کی ایک جماعت جس وقت دروازہ توڑنے میں مشغول تھی اس وقت مسلمانوں کی ایک دوسری جماعت دیواروں کے ساتھ سیڑھیاں لگا کر قلعہ کے اندر داخل ہونے کی کوشش کر رہی تھی۔

مسلمان لکڑی کے پہیئے دار بُرجوں کی مدد سے قلعہ کی دیواروں کے نیچے پہنچتے اور پھر دیوار کے ساتھ سیڑھیاں لگاتے (نطات) کا قلعہ دو روز کی شدید مقاومت کے بعد پائمال ہوگیا۔ دروازہ ٹوٹا اور مسلمان قلعہ میں داخل ہو گئے یہودیوں کو اسیر بنایا اُن کے اموال کو قبضہ میں لے لیا۔

(نطات) کے قلعہ کے سرنگوں ہوتے ہی علیؓ نے دوسرے قلعہ (ناعم) کے محاصرہ کا حکم دیا۔

اس جنگ میں علیؓ نے دس۱۰ روز میں چار قلعے فتح کیے اور باقی چار قلعوں کے محصورین نے ہتھیار ڈال دیئے۔ ان دس۱۰ دنوں میں علیؓ نے سولہ۱۶ دفعہ تن بہ تن جنگ کی اور ان سولہ۱۶ حریفوں کو یا تو قتل کر دیا یا اس قدر زخمی کہ وہ مقابلہ جاری نہ رکھ سکے۔

Marfat.com

ایک روایت یہ بھی ہے کہ بقایا چار قلعے بھی بغیر مقابلہ کیئے تسلیم نہیں ہُوتے تھے بلکہ مجبور ہو کر ہتھیار ڈالے تھے۔
جنگ (خیبر) میں علیؓ کی فتح اور ان آٹھوں قلعوں کا سرنگوں ہونا بلا تردید صدرِ اسلام کی ایک بہت بڑی کامیابیوں میں سے ایک ہے۔ اسلیئے کہ لشکرِ اسلام قلعہ شکنی کے وسائل سے محروم تھا اور جنگجو محصُورین کی تعداد بیس ہزار تھی۔
جس وقت آخری قلعہ فتح ہُوا۔ محمدؐ تازہ بسترِ علالت سے اُٹھے تھے۔ تمام مسلمانوں کی موجودگی میں (علیؓ) کو پکڑ کر چوم لیا اور فرمایا۔ اے علیؓ تم (اسد اللہ) اللہ کے شیر ہو۔ علیؓ کا یہ لقب بہت مشہور ہے۔
(خیبر) کی جنگ میں بہت زیادہ مالِ غنیمت خصوصاً اشیائے خوردنی مسلمانوں کے ہاتھ آئیں۔
(عائشہؓ) اُم المؤمنین فرماتی ہیں۔ رسول اللہ کی زوجیت میں پہلی مرتبہ جنگِ خیبر کے بعد میں نے پیٹ بھر کر کھجوریں کھائیں۔ جنگِ خیبر سے پہلے اشیائے خوردنی جو گھر میں آتیں ہمیشہ کم ہوتی تھیں اور کھجوریں گن کر ہمیں دی جاتی تھیں۔
فتح (خیبر) کے بعد محمدؐ نے یہودیوں پر سختی نہیں فرمائی۔
یہودیوں کو اجازت دی گئی کہ اگر وُہ (خیبر) سے نقل مکانی کرنا چاہتے ہیں جو سامان چاہیں اپنے ساتھ لے جا سکتے ہیں بجز کھجوروں، بھیڑ بکریوں، غلہ کے اور بعض روایات میں گھر کا سامان مثل قالین و برتن وغیرہ کا ذکر ہے۔
جن یہودیوں نے خیبر ہی میں رہنے کی خواہش ظاہر کی انہیں (خیبر) میں ہی رہنے دیا گیا۔ اور اجازت دی گئی کہ مثلِ سابق اپنے کاموں میں مشغول ہو جائیں۔
علیؓ نے اسلامی لشکر کو باغات اور نخلستانوں میں داخل ہونے سے منع فرمادیا۔ یا یہ کہ ان باغات کے درختوں اور پھلوں کو نقصان پہنچانے سے منع کر دیا۔
مسلمانوں اور یہودیوں کی بہبود اور باہمی تعلقات کی استواری کے خیال سے آپؐ نے (خیبر) کی ایک یہودی عورت (صفیہ) سے شادی کر لی۔
ایک دن ایک مجاہد (خیبر) کے قلعوں کے درمیان سے گزر رہا تھا کہ قتل کر دیا گیا۔ علیؓ نے تمام یہودیوں کو جمع کیا اور قاتل کے متعلق استفسار کیا۔ یہودیوں نے قسم کھائی کہ اُس کا قاتل کوئی یہودی نہیں اور (خیبر) کے یہودیوں میں سے کسی نے اُسے قتل نہیں کیا۔
علیؓ نے یہ سب حالات محمدؐ کے حضور عرض کیئے کہ تمام یہودی قسم کھاتے ہیں کہ وُہ اِس قتل میں ملوّث نہیں ہیں۔ پس اس مقتول کا خُون بہا کس سے وصول کیا جاوے۔
محمدؐ نے فرمایا۔ چُونکہ انہوں نے قسم کھائی ہے میں اُن کی قسم قبول کرتا ہوں اور خونبہا اپنی گرہ سے ادا کر دیا۔ فتح خیبر کے بعد دو اور یہودی قبیلے جو (وادی القرا) میں رہتے تھے مسلمانوں کو جزیہ ادا کرنے پر رضامند ہو گئے اور اطاعت قبول کرلی۔

خالد بن ولید نے کہا یہ مرد فریب کار نہیں ہوسکتا

جنگِ خیبر کے دوران دو مسلمان افراد حبشہ سے خیبر آئے۔ اُن میں سے ایک آپؐ کا برادر رضائی (جعفر بن ابی طالب) اور دُوسرا (عمرو بن اُمیّہ) تھا۔ اِن دونوں مسلمانوں نے حبشہ ہجرت کی تھی اور اب سب سے آخر میں حبشہ کو چھوڑا۔ ان کے واپس آنے کے بعد حبشہ سے مسلمانوں کی واپسی مکمل ہوگئی۔

فتح خیبر کے بعد یہودیوں نے حسبِ سابق اپنے کنیسہ میں عبادت شروع کردی۔ تمام اوراق و مذہبی کتب جو جنگ کے دوران مسلمانوں کے قبضہ میں آئی تھیں۔ یہودیوں کو واپس کردی گئیں۔ مسلمانوں اور یہودیوں کے تعلقات بہت خوشگوار ہوگئے۔

ایک یہودی عورت (زینب) نے جو (حرث) کی بیٹی تھی اور (سلام بن سلم) کی بیوی تھی۔ پیغمبرؐ اسلام کے لیئے طعام بھجوانے کی خواہش ظاہر کی۔ ایک بکری کو بریاں کیا اور چونکہ اُس نے سُن رکھا تھا پیغمبرؐ اسلام کو دستی کا گوشت بہت پسند ہے لہٰذا دونوں دستیوں کو زہر آلود کرکے آپؐ کے لیئے بھجوا دیا۔ جب یہ طعام لایا گیا آپؐ کے پاس ایک مسلمان (بشیر بن مراعین معرور) بیٹھے تھے۔ پیغمبرِؐ اسلام نے ایک دستی اُسے دی اور دُوسری سے لقمہ جُدا کرکے مُنہ میں ڈالا۔

(بشیر بن براعین معرور) نے پیغمبرؐ اسلام سے دوسری دستی لے کر اُسے دانتوں سے کاٹ کر گوشت علیحدہ کیا اور کھالیا۔

پیغمبرؐ اسلام نے جو لقمہ مُنہ میں ڈالا تھا فوری مُنہ سے نکال لیا اور (بشیر بن مراعین معرور) سے کہا اِسے مت کھانا یہ زہر آلود ہے۔

(بشیر بن مراعین معرور) کچھ گوشت کھا چکا تھا لہٰذا فوت ہوگیا۔ آپؐ زندہ رہے۔

(زینب) کو گرفتار کرکے اُس سے پُوچھا گیا۔ کیا تم نے جو گوشت (بھنا ہوُا) پیغمبرؐ اسلام کے لیئے بھیجا تھا زہر آلود تھا؟

اُس عورت نے اعتراف کیا اور کہا۔ مَیں نے خود گوشت کو زہر آلود کیا تھا اور دل میں سوچا کہ اگر محمدؐ خدا کا بھیجا ہوُا ہے اور اُس کا پیغمبر ہے تو اُسے گوشت کے زہر آلود ہونے کا علم ہو جائے گا وُہ اِسے نہیں کھائیگا لہٰذا نہیں مرے گا اور اگر پیغمبر نہ ہوُا تو وُہ یہ زہر آلود گوشت کھا کر مرجائے گا۔ اور میں اُس کی مرگ پر متاسف نہ ہوتی لیکن محمدؐ نے چونکہ اس گوشت کو نہیں کھایا۔ گوشت کو مُنہ سے باہر پھینک دیا۔ پس معلوم ہوُا کہ وُہ پیغمبرِ خدا ہیں۔

جن مؤرخوں نے اس واقعہ کا ذکر کیا ہے وُہ خاموش ہیں کہ مسلمانوں نے اِس عورت سے کیا سلوک کیا؟ آیا سزا دی گئی یا معاف فرما دیا گیا۔ مسعودی۔ ابن ہشام۔ اسد بیگ۔ طبری۔ ابن ابی الحدید۔ زمخشری سب نے اس واقعہ کا ذکر کیا ہے مگر اِس بات پر خاموش ہیں کہ یہ جان لینے کے بعد کہ محمدؐ سچے پیغمبرؐ ہیں وُہ عورت ایمان لاتی یا نہ۔

کچھ مؤرخین اسلام نے لکھا ہے کہ جب اس جہاں سے کُوچ کا وقت قریب تھا تو آپؐ نے فرمایا کہ میری موت کا سبب وہی زہر ہے جو (خیبر) میں مجھے کھلایا گیا تھا۔ اگرچہ میں نے وہ گوشت نگلا نہیں مُنہ سے نکال دیا تھا لیکن مُنہ میں گوشت چبانے کی وجہ سے کچھ اُس کا شیرہ حلق سے نیچے چلا گیا تھا۔ اُسی نے مجھے بیمار کیا اور میری موت کا باعث ہوا ہے۔

اگر ان مؤرخین کا یہ لکھا صحیح ہے تو پھر تو محمدؐ بن عبداللہ پیغمبرؐ اسلام نے نیز شہادت کا درجہ پایا اس لیئے کہ یہ دُشمن کے زہر کا اثر تھا۔

جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں ۶۲۸ء مطابق ۶ ہجری محمدؐ اور مسلمانوں نے مکّہ جا کر حج عمرہ ادا کرنے کی کوشش کی مگر مکّہ کے بُت پرستوں نے (حدیبیہ) میں مسلمانوں کو روک دیا۔ اُسی جگہ بُت پرستوں اور مسلمانوں کے درمیان بالآخر ایک دس سالہ معاہدہ ہوا جس کی رُو سے مسلمان آئندہ سال خانہ کعبہ کی زیارت کر سکتے تھے اور یہ کہ مسلمان مکّہ میں تین دن سے زیادہ قیام نہیں کریں گے۔

اِسی معاہدہ (حدیبیہ) کی رُو سے آپ ۶۲۹ء مطابق ۷ ہجری دو ہزار افراد کے ساتھ مکّہ کو روانہ ہوئے تاکہ زیارت کعبہ کر سکیں۔

زائر ہونے کی حیثیت سے جز شمشیر کوئی اور اسلحہ اُن کے پاس نہیں تھا۔

جس وقت مسلمان مکّہ میں وارد ہُوئے۔ قریش کے لوگ ڈر کر مکّہ سے باہر چلے گئے اور مکّہ کے ارد گرد پہاڑوں پر چڑھ گئے خصوصاً اُن پہاڑوں پہ جو مشرف بہ خانہ کعبہ تھے اور وہاں سے مسلمانوں کو طواف کرتے دیکھتے رہے۔

قریش کے اس خوف کی وجہ یہ تھی کہ انہیں مسلمانوں پر اعتماد نہیں تھا۔ انہیں خدشہ تھا کہ مسلمان کہیں شہر میں داخل ہونے کے بعد ہم پر حملہ نہ کر دیں اور ہم سب کو قتل نہ کر دیں۔

محمدؐ نے بھی احتیاط برتی تھی۔ ایک سَو سواروں پر مشتمل ایک دستہ کو (محمد مسلمہ) کی سربراہی میں منطقہ (مرالظہران) کے حصّہ مقعر میں مستقر کیا۔ اُس کے جوار میں پہاڑی علاقہ تھا جہاں سے محمد مسلمہ اور اُس کے سوار مکّہ پہ نگاہ رکھ سکتے تھے۔

محمدؐ نے (محمد مسلمہ) کو حکم دیا تھا کہ جیسا دیکھو کہ اہلِ مکّہ نے مسلمانوں پر حملہ کیا ہے تو اپنے دستہ کے ساتھ فوری مدد کے لیئے پہنچ جانا۔ دُوسری صُورت میں تمہارا قیام وہیں رہے گا تا وقتیکہ ہم لوٹ آئیں۔

بُت پرست جو پہاڑوں کے اُوپر سے مسلمانوں کے مکّہ میں وُرود کا منظر دیکھ رہے تھے۔ مسلمانوں کے نظم و ضبط پر بہت متعجب ہُوئے۔

(بلال حبشی) جنہیں اسلام کے دورۂ اوّل میں (ابوجہل) نے جلتے سُورج کے نیچے تپتی زمین پر باندھ کر لٹا دیا تھا نے کعبہ کی اُونچی چھت پر چڑھ کر اذان کہی۔

جب بلالؓ نے کہا۔ اللہُ اکبر..... اللہُ اکبر..... لا الٰہ الا اللہ۔ مکہ کے لوگوں کے دلوں پر وحشت و نفرت کی وجہ سے لرزہ طاری ہو گیا۔ اور وُہ منتظر رہے کہ ابھی کعبہ کا بڑا بُت مسلمانوں پر آسمان گرا دے گا۔

لیکن کوئی (نامطلوب) واقعہ مسلمانوں کو پیش نہ آیا۔ حتیٰ کہ ایک سنگریزہ بھی آسمان سے نہ گرا۔ اور اوّلین بار اللہ اکبر کی صدا مکہ کی فضاؤں میں انعکاس پیدا کر رہی تھی۔

جس گھڑی محمدؐ اور مسلمان احرام کی حالت میں خانہ کعبہ کا طواف کر رہے تھے۔ فرطِ شوق اور خلوص نیت سے اُن کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ حتیٰ کہ (عمرؓ بن الخطاب) بھی رو رہے تھے۔ اس لیئے کہ مسلمان ایک مدت خانہ کعبہ سے دُور کر دیئے گئے تھے اور وُہ تصور نہیں کرتے تھے کہ وُہ دوبارہ خانہ کعبہ کو دیکھ سکیں یا اُس کا طواف کر سکیں گے۔

حج عمرہ کی رسومات کی ادائیگی کے بعد کی خواہش تھی کہ کسی طرح جماعتِ قریش سے راہ و رسم پیدا ہو لہٰذا آپؐ نے عرب کی معروف ترین عورتوں میں سے ایک کے ساتھ ازدواج کرنے کا ارادہ کیا۔

پس آپؐ نے (میمونہ بنت الحارث) جو (عباس) کی بیوی کی بہن تھیں سے ازدواج کر لیا۔

یہ ازدواج ایک بہت بڑا سیاسی اقدام تھا اس لیئے کہ (میمونہؓ) کی آٹھ بہنیں تھیں اور سب کی سب مکہ کے بڑے بڑے امراء کے گھروں میں تھیں۔ محمدؐ (میمونہؓ) سے شادی کے بعد آٹھ بڑے افراد کے قرابت دار ہو گئے۔

(ابن ہشام)۔ (زمخشری) اور (ابن حبیب) لکھتے ہیں کہ جو کوئی بھی (میمونہؓ) سے شادی کرتا تمام مکہ کا قرابندار شمار ہوتا۔ (ابن حبیب) کہتا ہے کہ (ہنت)۔ (میمونہؓ) کی والدہ عرب عورتوں کے درمیان حشمت و شکوہ میں اپنی نظیر نہیں رکھتی تھی۔

پیغمبرِ اسلام کا مقصد (خالد بن ولید) سے قرابت داری پیدا کرنا تھا۔

(خالد بن ولید) (میمونہؓ) کے بھائی کا لڑکا تھا۔ (میمونہؓ) نے ہی اس کی پرورش کی تھی۔

اب جب کہ میمونہؓ محمدؐ کی زوجہ ہوئیں۔ (خالد بن ولید) ایک طرح سے محمدؐ کے فرزند ٹھہرے۔

ایک اور علل یہ بھی تھی کہ اس بہانے سے سردارانِ قریش کی دعوت کی جا سکے اور دعوتِ ولیمہ اکٹھے کھانا کھانے کا بہترین موقع فراہم کرتی تھی۔

مکہ میں وُرود کے دُوسرے ہی دن محمدؐ نے دعوت کے انتظامات شروع کر دیئے تھے۔ اہل مکہ بدستور پہاڑوں پر بیٹھے تھے انہیں جرأت نہ تھی کہ پہاڑوں سے اُتر کر شہر میں داخل ہوں۔

لیکن مسلمانوں کے مذہبی انضباط۔ بلالؓ کی اذان اور نماز میں صف بندی کے مناظر نے مشرکین مکہ کو بہت متاثر کیا۔

یہ تاثر اس قدر گہرا تھا کہ (خالد بن ولید) مشرکین مکہ کا ایک سردار جو پہاڑ پر سے یہ منظر دیکھ رہا تھا بے ساختہ کہہ اُٹھا یہ مرد جو ایسا دین لایا ہے اور اس طرح کے پیروکار رکھتا ہے جھوٹا اور فریبی نہیں ہے۔ ہم سب دیکھ رہے ہیں جو لوگ اس کے اردگرد جمع ہیں اُس پر واقعی ایمان رکھتے ہیں۔ اگر یہ مرد جھوٹا ہوتا تو یہ لوگ اُس پر اس خلوص سے ایمان نہ لاتے۔

تیسرے روز علی الصبح محمدؐ نے قریش کو دعوتِ ولیمہ کا پیغام بھجوانے کا ارادہ کیا۔ لیکن پیشتر اس کے کہ آپؐ کے پیغامبر قریش کو دعوت دینے کے لیئے جاتے قریش کے نمائندوں کی ایک جماعت شہر میں داخل ہوئی اور سیدھی محمدؐ کے پاس آئی۔

Marfat.com

اس نمائندہ جماعت کی ریاست (ابن عبدالعزا) کے سپرد تھی۔
(عزیٰ) خانہ کعبہ کے تین بڑے بتوں میں سے ایک تھا مکّہ کے بعض لوگ اپنے نام اس نسبت سے (عبداللات) یا (عبدالمنات) یا (عبدالعزا) رکھا کرتے تھے۔
یہ بھی واضح ہو کہ مسلمانوں کا خدا (اللہ) بھی خانہ کعبہ میں تھا یعنی بعض افراد (اللہ) کو بھی مثل لات، منات اور عزا پرستش کرتے تھے۔ جیسے قبل از اسلام محمدؐ کے والد ماجد کا نام عبداللہ تھا۔
(اللہ) ابراہیمؑ کا خدا تھا۔ ابراہیمؑ نے خانہ کعبہ کی بنا کی تھی۔ لہٰذا لوگ ابراہیمؑ کے خدا کو محترم شمار کرتے تھے بغیر اسکے کہ اللہ کو دوسرے بتوں پر ترجیح دیں۔
اسی بنا پر محمدؐ کے والد ماجد اگر (عبداللہ) کہلاتے تھے تو اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ وہ مسلمان تھے (اللہ) دورِ جاہلیت میں کعبہ کے خداؤں میں سے ایک خدا شمار ہوتا تھا۔
(ابن عبدالعزا) اور اس کے ساتھی رسول اللہؐ کے پاس گئے تو دیکھا کہ مسلمان پذیرائی کے وسائل مہیا کرنے میں مشغول ہیں۔
(ابن عبدالعزا) کو جب یہ معلوم ہوا کہ یہ سب انتظامات اس لیئے کیئے جا رہے ہیں کہ محمدؐ اپنی شادی پر قریش کو دعوت ولیمہ میں بلانا چاہتے ہیں تو محمدؐ کو فوری مکّہ چھوڑ جانے کو کہا۔ ویسے بھی مسلمان معاہدہ کے مطابق فقط تین روز مکّہ میں قیام کر سکتے ہیں۔ اور چونکہ یہ مدت گزر چکی ہے لہٰذا شہر سے خارج ہو جائیں۔ نتیجتاً محمدؐ اس روز قریش کو دعوت نہ دے سکے۔ مجبوراً مسلمانوں کے ہمراہ فوری طور پر مکّہ کو ترک کیا۔
لیکن جیسے ہی مسلمان مکّہ سے نکلے اور مدینہ کی راہ لی۔ (خالد بن ولید) کہ اب پیغمبرِ اسلام کے خویشوں میں سے تھا اور جو مسلمانوں کے انضباط اور خالص ایمان کی وجہ سے بہت متأثر تھا۔ مکّہ سے نکلا اور مسلمانوں کے پاس پہنچ کر مسلمان ہو گیا۔ (خالد بن ولید) بعد میں اسلام کے بہت بڑے سرداروں میں سے ہوئے۔ محمدؐ کی طرف سے انہیں (سیف اللہ) کا لقب ملا۔
(علیؑ بن ابی طالب) جنہیں سب سے پہلے (اسد اللہ) کا لقب عطا ہوا۔ علیؑ کے بعد فقط (خالد بن ولید) ہی ایک ایسے سردار گزرے جنہیں رسول اللہؐ نے (سیف اللہ) کا لقب دیا۔ ان سردو اشخاص کے بعد کوئی بھی سردار پیغمبرِ اسلام کے نزدیک اس مرتبہ کو نہ پہنچا۔
جس وقت (خالد بن ولید) اسلام قبول کرنے کی نیت سے مسلمانوں کے قافلہ کے پیچھے جا رہا تھا تو راستے میں اُسے (عمرو بن العاص) ملا جو حبشہ سے آ رہا تھا۔ اور مسلمانوں سے ملحق ہونا چاہتا تھا۔ وہ بھی (خالد بن ولید) کے ہمراہ ہو لیا اور مسلمان ہو گیا۔
معاہدہ (حدیبیہ) کی رُو سے مسلمان مکلف تھے کہ جو شخص قریش کی رضامندی کے بغیر مسلمانوں سے ملحق ہو گا۔ مسلمان اُسے واپس کر دیں گے۔ لیکن (خالد بن ولید) کے بارے میں قریش کو جرأت نہ ہوتی کہ اُن کے بارے میں ایسا مطالبہ کریں۔ ضمناً انہیں یہ علم تھا کہ مسلمان اب بہت قوی ہو چکے ہیں۔
مسلمانوں کے مدینہ واپس پہنچنے پر ایک واقعہ پیش آیا۔ جس نے تمام مسلمانوں کی توجہ جلب کی۔ وہ یہ کہ (ابو سفیان) مکّی لشکر کا سردار محمدؐ سے ملاقات کے لیئے بذاتِ خود مدینہ آیا۔

Marfat.com

(ابُوسفیان) بغیر کسی لشکر کے مدینہ آیا تھا۔

لیکن مدینہ میں داخل ہونے پر کچھ خوف محسوس نہ کیا۔ اس لیئے کہ اب مسلمانوں اور مکہ والوں کے درمیان صلح کا معاہدہ موجود تھا۔ (ابُوسفیان) جانتا تھا جب تک معاہدہ موجود ہے مسلمان اُس سے کوئی تعرّض نہیں کریں گے۔ خصوصاً جب کہ وُہ بغیر لشکر کے آیا ہے۔ علاوہ ازیں اُسے معلوم تھا کہ محمدؐ امین اور راست بازی میں معروف ہیں۔

دُوسرے یہ کہ جب ابوسفیان بغیر لشکر کے آیا تھا تو یہ ایک نوع کی پناہ طلبی تھی۔ اور عرب پناہ گزین کے جان و مال کا احترام کیا کرتے تھے اور اپنی طاقت و ہمت کے مطابق اس کی پذیرائی کیا کرتے تھے۔

(ابُوسفیان) کے اس طرح مدینہ آنے کی مندرجہ ذیل وجوہات تھیں:۔

(صلح حدیبیہ) کے مطابق سکنۂ مکّہ اور مسلمان مجاز تھے کہ جس کسی سے چاہیں متحد ہوں یا جنگ کریں۔ ان دونوں حالتوں میں فریق ثانی غیر جانبدار رہے گا۔

قبیلہ (خزاعی) پر جو مسلمانوں کا اتحادی تھا قبیلہ بنو بکر نے حملہ کر دیا اور یہ مشہور ہؤا کہ قریش نے قبیلہ (بنو بکر) کی اسلحہ اور افراد سے مدد کی ہے اور یہ باور کرنے کے لیئے وجوہات بھی موجود تھیں کہ اس حملہ میں مکّہ والوں کا ہاتھ ہے۔

قبیلہ (بنو بکر) نے قبیلہ (خزاعی) پر جو حملہ کیا۔ اُسمیں مکّہ والوں کا ملوث ہونا (صلح حدیبیہ) کی خلاف ورزی تھی لیکن اشرافِ مکّہ نے اُسے اُس وقت تک کوئی اہمیّت نہ دی جبتک کہ (خیبر) مسلمانوں کے ہاتھوں فتح نہ ہوگیا۔

جب (خیبر) کا سقوط ہؤا اور شمالی عربستان کے وسیع علاقوں پر مسلمانوں کا تسلّط قائم ہوگیا تو اشرافِ مکّہ کو معاہدہ کی خلاف ورزی کا احساس ہؤا اور وُہ خوفزدہ ہُوئے۔

اسی خوف کا نتیجہ تھا کہ (ابُوسفیان) مدینہ آیا کہ اس اختلاف کو کسی طرح دُور کرے۔ مدینہ میں داخل ہونے کے بعد وُہ مستقیماً (اُمِ حبیبۂ) کے گھر گیا جو محمدؐ کی بیوی اور خود اس کی اپنی بیٹی تھی۔ جس وقت (ابُوسفیان) اُن کے کمرہ میں داخل ہوا اُمِ حبیبۂ نے چٹائی جو کمرہ میں بچھی ہوئی تھی لپیٹ دی۔

(ابُوسفیان) نے اپنی بیٹی کی اِس حرکت پر تعجب اور حیرت کا اظہار کیا اور پُوچھا تُم نے چٹائی کو کیوں لپیٹ دیا ہے؟

(اُمِ حبیبۂ) نے باپ سے کہا۔ اس چٹائی پر محمدؐ بیٹھتے اور سوتے ہیں۔ مَیں کیسے اس چٹائی پر ایک مشرک کو بیٹھنے دوں۔

(ابُوسفیان) نے کھڑے کھڑے ہی اپنی بیٹی سے درخواست کی کہ محمدؐ کے نزدیک وُہ واسطہ بنے تاکہ یہ اختلاف جو دو قبیلوں (خزاعی اور بنو بکر) کی وجہ سے پیدا ہؤا ہے ختم ہو جائے۔

(اُمِ حبیبۂ) نے کہا۔ مَیں اس میں کوئی مدد نہیں کر سکتی۔ اس کی ایک ہی راہِ حل ہے کہ تم مسجد میں محمدؐ کے پاس چلے جاؤ اور رسُول اللہ سے مذاکرات کرو۔

(ابُوسفیان) مسجد میں گیا۔ محمدؐ نے اُس سے کہا بیٹھو۔ جب ابُوسفیان بیٹھ گیا تو اُس سے پُوچھا۔ کس کام سے آئے ہو؟

(ابُوسفیان) نے کہا۔ اے محمدؐ۔ مَیں آیا ہُوں کہ دونوں قبیلوں (بنو بکر اور خزاعی) کی بابت آپ سے بات کروں۔

محمدؐ نے فرمایا۔ کیا کہنا چاہتے ہو؟

Marfat.com

(ابوسفیان) نے کہا میں یہ واضح کرنا چاہتا ہوں کہ دونوں قبیلوں (بنوبکر اور خزاعی) کی لڑائی میں مکہ والوں نے (بنوبکر) کی کوئی مدد نہیں کی۔ ہاں اگر تم خیال کرتے ہو کہ مکہ والوں نے قبیلہ (بنوبکر) کی مدد کی ہے اور اُس مدد کی وجہ سے قبیلہ (خزاعی) کو نقصان پہنچا ہے تو [illegible] تاوان ادا کرنے کو تیار ہیں۔

محمدؐ نے جواب میں فرمایا اگر تم نے قبیلہ (بنوبکر) کی مدد نہیں کی ہے تو تمہیں متفکر نہیں ہونا چاہیئے اور ہم تم سے کوئی تاوان نہیں لیں گے۔

(ابوسفیان) اس سے زیادہ محمدؐ سے کچھ نہ کہلوا سکا۔ لہٰذا مضطرب ہی مدینہ سے واپس ہوا اور مکّہ کی راہ لی۔

Marfat.com

رُوم سے جنگ

(خیبر) پر تصرّف کے بعد مسلمان نیرومند ہو گئے تھے۔ محمدؐ نے خود کو اس قدر قوی پایا کہ اطراف کے سلاطین کو خطوط بھجوائے جن میں اُن کو دینِ اسلام قبول کرنے کی دعوت دی گئی۔

پیغمبرؐ اسلام نے ایک خط شہنشاہِ رومۃ الصغرا کے نام اور دوسرا ایران کے بادشاہ کے نام بھجوایا۔

تیسرا خط حبشہ کے بادشاہ (نجاشی) کے نام اور چوتھا بادشاہِ مصر کے نام بھجوایا۔

سلاطین میں سے ایک (حارث بن ابی شمیر) نامی عربستان کا بادشاہ تھا۔ اس کو شہنشاہ رُومۃ الصغرا کی حمایت حاصل تھی۔

محمدؐ نے (حارث بن ابی شمیر) کے نام جو خط لکھوایا۔ وُہ خط ایک مسلمان (حارث بن عمیر) کے سپرد کیا اور فرمایا۔ یہ خط (حارث بن ابی شمیر) کو دینا اور اس کا جواب لیکر آنا۔

جیسے ہی پیغمبرؐ اسلام کا نمائندہ (حارث بن ابی شمیر) کی مملکت کی حدود میں داخل ہوا تو اُس مملکت [illegible] حاکم (شرجیل بن عمرو) نے اُسے گرفتار کر کے قتل کر دیا۔ اس واقعہ سے مسلمانوں نے بہت زیادہ [illegible] اور قومیں امان دیتی تھیں اور ایک ایلچی کو کوئی بھی قتل نہیں کرتا تھا۔

پس محمدؐ نے (حارث بن ابی شمیر) کو پیغام بھجوایا کہ تمہارے ایک حاکم (شرجیل بن عمرو) نے ہمارے [illegible] آدمی کو قتل کیا ہے۔ حالانکہ وُہ ایک قاصد تھا اور ہمارا ایک خط تمہارے لیئے لے جا رہا تھا۔ وُہ آدمی تنہا تمہاری سلطنت کی حدود میں داخل ہوا۔ ظاہر ہے کہ اُس کا یہ سفر خصومت پر مبنی نہیں تھا۔ اگر وُہ تمہاری کشور میں ایک دشمن کی حیثیت سے داخل ہوتا تو یقیناً ایک لشکر اُس کے ساتھ ہوتا۔ ایک ایلچی کا قتل کسی طائفہ، ملت اور مذہب میں روا نہیں۔ تیرے اس حاکم (حارث بن عمیر) نے قتل عمد کیا ہے لہٰذا ہمیں یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ اُس نے یہ جُرم اپنے طور پر کیا ہے یا تمہارے حکم سے ایسا ہوا ہے۔ اگر تمہارے حکم کے بغیر ہی ایک بے گناہ ایلچی کو قتل کیا گیا ہے۔ تو تم اُس مجرم کو ہمارے حوالے کر دو۔ تاکہ اُسے اُس کے جرم کی سزا دی جا سکے اور اگر ایلچی تمہارے حکم سے قتل ہوا ہے تو اس قتل کے تم ذمہ دار ہو۔ اور تمہیں اس قتل کی سزا دی جائیگی۔

(حارث بن ابی شمر) نے محمدؐ کو جواب دیا۔ میں اپنی مملکت میں بادشاہ ہوں۔ صاحب اختیار ہوں جس کسی کو چاہوں قتل کر سکتا ہوں اور تمہیں مجھسے بازپرس کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔ تمہارا ایلچی میرے ہی حکم سے قتل کیا گیا ہے۔

Marfat.com

جب پیغمبرِ اسلام کو (حارث بن ابی شمیر) کا تیز و تند جواب موصول ہُوا تو آپؐ نے اس پر لشکر کشی کا ارادہ کیا اور تین ہزار مسلمانوں کا لشکر اس مقصد کے لیئے تیار کیا گیا۔ (حارث بن ابی شمیر) چونکہ ردمۃ الصغریٰ کے تحت حمایت تھا لہٰذا اُس سے کمک کا خواست گار ہو۔

اتفاقاً شہنشاہِ رُدمۃ الصغریٰ اُن دنوں شاہِ ایران سے جنگ کی تیاری کر رہا تھا۔ اور ایک لاکھ کا لشکر اس مقصد کے لیئے تیار کر چکا تھا۔

(حارث بن ابی شمیر) کی درخواست پر اُس نے وہی ایک لاکھ کا لشکر اُس کی مدد کے لیئے بھجوا دیا۔ یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ خود (حارث بن ابی شمیر) کے پاس کتنی سپاہ تھی۔

بعض مؤرخوں نے اُس کی تعداد دس ہزار اور بعض نے ایک لاکھ لکھی ہے۔ مؤخر الذکر حقائق سے دُور معلوم ہوتی ہے اسلیئے کہ (حارث بن ابی شمیر) ایک چھوٹی سی مملکت کا بادشاہ تھا۔ وُہ ایک لاکھ کے لشکر کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا (خود رسول اللہؐ نے جو تین ہزار کا لشکر بھجوایا اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ (حارث بن ابی شمیر) کے پاس بہت بڑا لشکر نہیں تھا یہ رومی لشکر کی مدد تھی جس کی وجہ سے عددی تناسب قائم نہ رہ سکا۔ مترجم)

بہر حال اگر (حارث بن ابی شمیر) کے پاس کوئی لشکر بھی نہ ہوتا تب بھی اُس کے پاس ایک لاکھ کا رُومی لشکر آ چکا تھا۔ جس کے مقابل مسلمانوں کی تعداد صرف تین ہزار تھی۔ اس چھوٹے سے تین ۳ ہزار کے لشکر کا۔ ایک لاکھ کے رُومی لشکر سے (موتہ) کے مقام پر آمنا سامنا ہُوا۔ (موتہ)۔ (حارث بن ابی شمیر) کی مملکت (غصان) میں واقع تھا۔

اسلامی تاریخوں میں مدینہ سے کوچ کے وقت اس اسلامی لشکر کی سپہ سالاری کے فرائض انجام دینے والوں کے دُو نام پائے جاتے ہیں۔ ایک (زید بن حارث) رسول اللہؐ کے متبنّیٰ اور آزاد کردہ غلام دُوسرے (جعفر بن ابی طالب)۔

ایک اور روایت میں میدان جنگ کے متعلق بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض اسلامی مؤرخین نے لکھا ہے کہ (موتہ) کے مقام پر مسلمانوں نے یہ دُوسری جنگ لڑی تھی۔ اس سے پہلے ایک اور جنگ میں مسلمان شکست کھا چکے تھے۔

ایک لاکھ کا لشکر جو شاہِ رُوم نے (حارث بن ابی شمیر) کی مدد کے لیئے بھیجا رُومی طرزِ جنگ کے ساز و سامان سے پُوری طرح لیس تھا۔

ہر چھ ہزار افراد سے ایک (ڈویژن) تشکیل پاتا تھا۔ ہر ڈویژن کو تیس ۳۰ حصوں میں تقسیم کیا گیا ہُوا تھا اور ہر تیسواں حصہ (جو کہ دو سو افراد ہوتا ہے) کو مزید دُو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہُوا تھا یعنی لشکر کا چھوٹے سے چھوٹا کالم یا کمپنی سَو افراد پر مشتمل تھی۔

رُومی سپاہ خود، زرہ، بڑی بڑی ڈھالوں، لمبے نیزوں اور تلواروں سے لیس تھی۔ صف بندی کے فن سے آگاہ اور فنونِ جنگ میں ماہر تھی۔

جب یہ چھوٹا سا اسلامی لشکر ایک لاکھ کے لشکر کے سامنے آیا تو کچھ مسلمانوں نے کہا کہ باہم مشورہ کر لیں کہ آیا ہمیں اس حالت میں جنگ لڑنی چاہیئے یا نہیں بلاشبہ ہم سابقہ جنگوں میں ہمیشہ اپنے سے کئی گنا زیادہ دُشمن سے لڑے ہیں مگر یہاں تو دشمن کی تعداد ہم سے چالیس ۴۰ گنا زیادہ ہے اور دشمن کی سپاہ بھی برتر ساز و سامان سے لیس ہے جب کہ ہماری سپاہ میں سے کچھ کے پاس

Marfat.com

خود و زرہ بھی نہیں ہیں۔

(زید بن حارث) یا (جعفرؓ بن ابی طالب) نے جس کسی کے ہاتھ میں بھی لشکر کی کمان تھی کہا۔ ہم تو خدا کی راہ میں لڑتے ہیں۔ اگر دشمن کو قتل کر کے غلبہ حاصل کریں تو بھی ہمارا مقام جنت ہے اور اگر قتل اور مغلوب ہوئے تو تب بھی ہم جنت کے امیدوار ہیں۔

دُشمن کی کثرتِ تعداد سے وُہ لوگ خوفزدہ ہوتے ہیں جو اپنے انجام سے مطمئن نہیں ہوتے اور ہم جو جانتے ہیں کہ بہشت میں جائیں گے دشمن کی کثیر تعداد سے کیوں مرعُوب ہوں۔

مسلمانوں نے اپنی سابقہ تکنیک (صف بندی) پر عمل کیا یعنی جنگ شروع ہونے سے پہلے اپنی صفیں درست کیں۔ مگر اس جنگ میں یہ چال مفید ثابت نہ ہُوئی اس لیئے کہ رُومی اس طرزِ جنگ سے آگاہ اور بہتر ساز و سامان سے لیس تھے۔

(زید بن حارث) سپہ سالارِ لشکرِ اسلام جنگ کی پہلی ساعتوں ہی میں شہید ہو گئے۔ اُن کے بعد (جعفرؓ بن ابی طالب) نے کمان سنبھالی اور لشکر کو عقب نشینی کا حکم دیا۔ لشکر پیچھے ہٹتا ہٹتا (موتہ) کی آبادی کے نزدیک پہنچ گیا۔

جیسا کہ کتابوں میں مذکور ہے۔ وہاں پہنچنے تک (جعفرؓ بن ابی طالب) کے دُو ہاتھ کٹ چکے تھے اور ٹانگوں سے اپنا دفاع کر رہے تھے اور اسی حالت میں شہید ہو گئے۔

(جعفرؓ بن ابی طالب) کی شہادت کے بعد لشکر کی کمان (عبداللہؓ بن رواحہ) نے سنبھالی۔ وُہ انصار تھے۔ (عبداللہ بن رواحہ) نے مسلمانوں کی قلبی تقویّت کے لیئے اُونچی اور دلنشین آواز میں قرآن کی تلاوت شروع کر دی۔ یہ آیات جہاد سے متعلق تھیں۔ اللہ کی راہ میں فداکاری شہادت کا درجہ اور شہادت کے بعد بہشت میں جانا۔

اسی حالت میں شمشیر زنی کرتے کبھی کبھی نعرے لگاتے۔ لشکر کی صف بندی کی حفاظت کرتے۔ اگر مسلمان جنگ (موتہ) میں اپنی صف بندی قائم نہ رکھتے تو سب کے سب شہید ہو گئے ہوتے۔ صرف اپنی صفیں قائم رکھنے ہی کے باعث اُس روز مسلمان عصر تک اتنے بڑے لشکر کے سامنے مقاومت دکھاتے رہے۔

عصر کے بعد (عبداللہؓ بن رواحہ) بھی شہید ہو گئے اور اُس وقت لشکر کی کمان (خالدؓ بن ولید) نے سنبھالی۔

مؤرخوں میں دورانِ جنگ کے متعلق اختلاف پایا جاتا ہے بعض نے لکھا ہے کہ جنگِ موتہ ایک ہی دن میں ختم ہو گئی تھی اور بعض کہتے ہیں کہ جنگ دُوسرے دن بھی جاری رہی تھی۔

میرا خیال ہے جنگ پہلے دن ہی جب (خالدؓ بن ولید) نے لشکر کی کمان سنبھالی ختم ہو گئی تھی۔ اگر جنگ پہلے ہی دن ختم نہ ہو گئی ہوتی اور دُوسرے دن بھی جاری رہی ہوتی تو ممکن نہ تھا کہ ایک مسلمان فرد بھی زندہ بچ نکلتا۔

اُس دن دُو چیزیں مسلمانوں کی کامیاب عقب نشینی کا باعث ہوئیں۔ ایک (خالدؓ بن ولید) کی جنگی قابلیت اور دوسرے تاریکی۔

(خالدؓ بن ولید) تمام لشکر کی کمان سنبھالنے سے پہلے پانچ سو افراد کے کماندار تھے۔ اور جنگ کے آغاز سے اختتام تک نو تلواریں اُن کے ہاتھ میں ٹوٹ چکی تھیں۔

پُورے لشکر کی کمان سنبھالنے کے بعد آپ نے صف بندی میں تبدیلی کی اور حملہ کا حکم صادر فرمایا۔

Marfat.com

مُسلمانوں کی چھ صفوں میں سے اُس وقت تک تین ختم ہو چکی تھیں یعنی تین ہزار میں سے ڈیڑھ ہزار مسلمان شہید ہو چکے تھے۔ (خالدؓ بن ولید) نے حملہ کرکے اس قدر پیش قدمی کی کہ رُومی لشکر کے سپہ سالار (حارث بن ابی شمیر) تک جا پہنچے۔ اور اُسے اپنے ہاتھوں قتل کیا۔

(خالدؓ بن ولید) کا حملہ اس قدر شدید تھا کہ (حارث بن ابی شمیر) کے رُومی لشکر کی پیش قدمی رُک گئی اور وہ سمجھے کہ مسلمانوں کو تازہ کمک آگئی ہے جو انہوں نے اس شدت سے از سرِ نو حملہ کیا ہے۔ اُس کے بعد اندھیرا چھانے لگا۔ (خالدؓ) نے عقب نشینی کا حکم دیا اور لشکرِ اسلام نے رات کے اندھیرے میں عقب نشینی اختیار کی۔

جنگ موتہ میں دو ہزار مسلمان شہید ہوئے جن میں محمدؐ کے بچپن کے ساتھی اور برادرِ رضاعی (جعفرؓ بن ابی طالب) بھی شہید ہوئے۔ (زیدؓ بن حارث) جو پیغمبرِ اسلام کے آزاد کردہ غلام تھے اور محمدؐ نے انہیں اپنا مُنہ بولا بیٹا بنایا تھا اس جنگ میں شہید ہوئے۔ (زیدؓ بن حارث) اُن چار مسلمانوں میں سے ایک تھے جنہوں نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا تھا۔ روایت ہے کہ سفرِ معراج میں محمدؐ نے ایک بہت ہی خوب صورت عورت آسمانوں میں دیکھی اُس کے ہونٹ ارغوانی مثل گلاب تھے تو آپؐ نے پوچھا یہ عورت کون ہے؟ انہیں بتلایا گیا کہ یہ (زیدؓ بن حارث) کی منگیتر ہے اور (جنگ موتہ) کے بعد وہ اپنی منگیتر سے آملے گا۔

(موتہ) میں عقب نشینی کے باوجود سراسر حجاز میں مسلمانوں کی دھاک بیٹھ گئی۔ (خالدؓ بن ولید) بڑی قابلیت اور شجاعت سے ایک ہزار افراد کو بچا کر مدینہ واپس پہنچ گئے تھے۔ (اسی شجاعت کی بنا پر جو خالدؓ نے جنگ موتہ میں دکھائی سیف اللہ کا لقب پایا)۔

(حجاز) جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے۔ جزیرۃ العرب کی اُس ساحلی پٹی کا نام ہے جو بحیرہ احمر کے ساتھ ساتھ ایکہزار کلومیٹر تک شمالاً جنوباً پھیلی ہوئی ہے۔

گزشتہ ادوار میں جو شخص (حجاز) کو تاراج کر لیتا تھا وہ تمام جزیرۃ العرب کا فرمانروا ہوتا تھا مسلمانوں نے یہ کامیابی حاصل کرلی تھی اور ماسوائے مکّہ کے تمام حجاز کے قبائل اسلام قبول کر چکے تھے۔

محمدؐ نے مکّہ کو تسخیر کرنے کا ارادہ کیا۔ (قریش) قبیلہ (بنی خزاعی) کے خلاف (قبیلہ بنو بکر) کی مدد کرکے معاہدہ حدیبیہ کو توڑ چکے تھے۔ لہٰذا اب مکّہ پہ حملہ کرنے اور اُسے تسخیر کرنے کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہ تھی۔

قریش کی طرف سے معاہدہ (حدیبیہ) کی خلاف ورزی ثابت ہو چکی تھی۔ (ابوسفیان) مدینہ آکر قبیلہ (خزاعی) کے نقصانات کو جبران کرنے کی پیشکش کر چکا تھا۔ (ابوسفیان) کی یہ پیش کش ثابت کرتی تھی کہ قریش نے معاہدہ کی خلاف ورزی کی ہے۔ دونوں قبائل کے درمیان جنگ کے واقعات کی شرح بالاختصار حسب ذیل ہے:۔

(قبیلہ خزاعی) مسلمان نہ تھا بلکہ اُس قبیلہ کے چند افراد اسلام لائے ہوئے تھے۔ یہ قبیلہ (وتیر) میں رہتا تھا۔ جو علاقہ مکّہ کے نزدیک اور مدینہ سے دُور تھا۔ یہ قبیلہ مسلمانوں کا اتحادی تھا۔

(قبیلہ خزاعی) اور قبیلہ (بنو بکر) کے درمیان زمانہ جاہلیّت سے ہی کینہ چلا آرہا تھا۔ (نوفل بن معاویہ) قبیلہ (بنو بکر) کے رئیس نے اپنے قبیلہ کو تحریک کیا اور وہ سب (قبیلہ خزاعی) پر حملہ کے لیئے تیار ہو گئے۔

قبیلہ خزاعی مسلمانوں سے مدد مانگ سکتا تھا لیکن (وتیر) سے مدینہ بہت مسافت تھی۔ قبل اس کے کہ مسلمان مدد کو

Marfat.com

پہنچتے تمام قبیلہ قتل ہوچکا ہوتا۔ لہٰذا وُہ جان کے خوف سے بھاگ گئے اور خانہ کعبہ میں پناہ لی۔ اس امید پر کہ خانہ کعبہ حرم ہے اور حرم میں کوئی قتل وغارت نہیں کرسکتا پس ہم قبیلہ (بنوبکر) سے محفوظ رہیں گے۔

جماعت قریش نے نہ فقط قبیلہ بنوبکر کو اس غارتگری کے لیئے اسلحہ دیا بلکہ افرادی قوت بھی مہیا کی۔ حتیٰ کہ قریش کے چند بزرگ مثلاً (سہیل بن عمرو) (صفوان بن اُمیہ) اور (عکرمہ بن ابوجہل) علی الاعلان تلواریں سونت کر (بنوبکر) کی مدد کو نکل پڑے۔

قبیلہ (خزاعی) کے افراد حرم میں پناہ لینے کے بعد خود کو محفوظ سمجھ رہے تھے لیکن (نوفل بن معاویہ) نے اپنے قبیلہ کے لوگوں کو بھڑکایا اور کہا کہ حرم میں داخل ہوجاؤ۔ اور اعلان کیا کہ حرم میں (بنی خزاعی) کا خون مباح ہے۔ لہٰذا تمام افراد کو قتل کردیا جائے۔

قبیلہ (خزاعی) کے چند افراد نے (نوفل بن معاویہ) کو پکار کر کہا کہ یہ خانہ کعبہ ہے۔ تم خداوند کعبہ سے شرم کرو اور خانہ کعبہ میں (قتل) کے ارادہ سے مت داخل ہو۔ لیکن (نوفل) نے کہا۔ آج (نوفل) خانہ کعبہ کے خدا کو نہیں پہچانتا۔

قبیلہ (بنوبکر) کے افراد (بنو خزاعی) کے قتل کے لیئے خانہ کعبہ میں ہجوم کر آئے۔ قبیلہ (بنی خزاعی) کے لوگ اس خوف سے کہ خانہ کعبہ میں خون گرے گا۔ خانہ کعبہ سے فرار کر گئے۔

البتہ فرار کے دوران اُن کے چند افراد قتل ہوئے اور اُن کے اموال پر (بنوبکر) نے قبضہ کرلیا۔ (بدیل بن ورقہ) قبیلہ (خزاعی) کے اِس واقعہ کے بعد مدینہ گیا اور تمام واقعہ جس طرح پیش آیا تھا پیغمبرِ اسلام کی خدمت میں عرض کیا۔

محمدؐ اس واقعہ سے بہت متاثر ہُوئے۔ اس لیئے کہ ایک تو (بنوبکر) نے قریش کی مدد سے یہ حملہ کیا تھا۔ دوسرے بنوبکر نے احترام کعبہ کو پامال کیا تھا اور مقدس حرم میں قبیلہ (خزاعی) کے افراد پر حملہ آور ہوئے تھے۔

(ابوسفیان) جب اس موضوع پر مذاکرات کرنے مدینہ جا رہا تھا (بدیل بن ورقہ) مدینہ سے واپس آ رہا تھا۔ دونوں کی ملاقات (عسفان) کے مقام پر ہوئی۔ (ابوسفیان) نے (بدیل بن ورقہ) سے پُوچھا تو مدینہ کیسے آیا تھا؟

(بدیل بن ورقہ) نے کہا۔ میں ساحلی علاقہ میں گیا ہُوا تھا اور اب اپنے قبیلہ میں واپس جا رہا ہُوں۔

(ابُوسفیان) نے اپنے دُو آدمیوں کو مامور کیا کہ جب (بدیل بن ورقہ) یہاں سے حرکت کرے تو تم چوری چھپے اُسکے اونٹوں کا تعاقب کرنا اور جب اُس کے اُونٹ لید کریں تو دیکھنا اُس لید میں مدینہ کی کھجوروں کی گٹھلیاں موجود ہیں کہ نہیں؟ اسلیئے کہ اگر (بدیل بن ورقہ) مدینہ گیا ہوگا تو اُس کے اُونٹوں نے مدینہ کی کھجوریں کھائی ہوں گی۔

(ابُوسفیان) کے آدمیوں نے (بدیل) کا تعاقب کیا۔ لید میں سے مدینہ کی کھجوروں کی گٹھلیاں مل گئیں۔ (ابوسفیان) کو یقین ہوگیا کہ قبیلہ خزاعی کے رئیس نے محمدؐ سے مدینہ میں ملاقات کی ہے اور یقیناً تمام واقعہ بتا دیا ہوگا۔

یہی وجہ تھی کہ محمدؐ سے ملاقات کے دوران (ابُوسفیان) نے قبیلہ (خزاعی) کے تمام نقصانات کا ازالہ کرنے کی پیشکش کی۔

فتح مکّہ

(محمدؐ جب مکّہ میں فاتحانہ داخل ہوئے)

ہم یہ تو ذکر کر چکے ہیں کہ محمدؐ نے مدینہ میں (ابوسفیان) کو کیا جواب دیا تھا۔ (ابوسفیان) جب مدینہ سے مکہ واپس پہنچا تو اُس نے مکہ والوں کو بتایا۔ بعید نہیں کہ محمدؐ مکہ پر حملہ آور ہو۔ وُہ آج اس قدر قوی ہو چکا ہے کہ ہم اُس کا راستہ نہیں روک سکیں گے (ابوسفیان) کا گمان بالکل صحیح تھا۔ محمدؐ نے جلد ہی مکہ پر حملہ آور ہونے کا فیصلہ کر لیا۔ اور مسلمانوں کو ایک جنگی سفر کے لیئے تیاری کا حکم دیا لیکن یہ وضاحت نہ کی کہ یہ سفر کس سمت اور کہاں کے لیئے ہوگا۔ حتیٰ کہ آپؐ کے صمیمی اور انتہائی قریبی رفیقوں (ابوبکرؓ) اور (عمرؓ بن الخطاب) کو بھی علم نہیں تھا کہ آپؐ کا ارادہ کہاں کا ہے۔

لشکر کی تیاری کے احکامات سے قبل آپؐ نے مدینہ شہر کا رابطہ خارج سے قطع کرنے کا حکم دیا۔ کوئی شخص باہر سے مدینہ میں داخل ہونے کا مجاز نہیں تھا خصوصاً شہر سے باہر کوئی نہیں جا سکتا تھا۔

محمدؐ جانتے تھے کہ اگر افراد کی آمد و رفت جاری رہی تو لشکر کی تیاری کی خبر پھیل کر (قریش) تک پہنچ جائے گی یا خود کوئی مکہ جا کر قریش کو خبردار کر سکتا ہے کہ مسلمان مدینہ میں جنگ کی تیاری کر رہے ہیں۔ حالانکہ جنگ کی تیاری کے مقاصد سے کوئی آگاہ نہیں تھا۔ لیکن جماعت قریش کو ہدف جاننے کے لیئے مقاصد کی وضاحت کی ضرورت نہیں تھی۔

مدینہ کا رابطہ کلی طور پر خارج سے منقطع ہو گیا۔ نہ کوئی مسافر شہر میں داخل ہو سکتا تھا اور نہ ہی کوئی شہر سے باہر جا سکتا تھا۔ کاروان جو مدینہ آتے شہر سے باہر ہی توقف کرتے۔ وہیں پر اپنی اشیاء فروخت کرتے۔ بعد آں وُہ اشیاء اندرونِ شہر حمل کر لی جاتیں۔

(مدینہ) میں ایک شخص (حاطب بن ابی بلتعہ) تھا۔ آدمی عقلمند تھا۔ سمجھ گیا کہ محمدؐ کا ہدف یقیناً مکّہ ہے۔ چونکہ اُس کے خانوادہ کے لوگ مکہ میں تھے اسلیئے اُس نے ایک خط اپنے خاندان والوں کے نام لکھا اور ایک عورت بنام (سارہ) کے سپرد کیا کہ مکّہ پہنچنے پر وُہ اُسکے خاندان والوں کو دے دے۔

Marfat.com

(سارہ) مدینہ کے ایک تاجر کی کنیز تھی۔ اُس تاجر کا نام (صیفی بن عمرو) تھا۔ ایک تاجر کی حیثیت سے اُسے شہر سے باہر آنے جانے کی اجازت تھی تاکہ اشیاء جو خارج سے آتی ہیں داخلِ شہر حمل کرے۔ اِسی لیئے (سارہ) کے شہر سے باہر آنے پر کسی نے پُرسش نہ کی۔ وُہ مدینہ سے نکلی اور مکہ کی راہ لی۔

(علیؑ بن ابی طالب) محمدؐ کے حکم کے مُطابق مدینہ کے اطراف تمام راستوں کو کنٹرول کرنے پر مامور تھے۔ اُن کو خبر ہو گئی کہ (سارہ) مکہ کے لیئے روانہ ہو چکی ہے۔ اُسی وقت اُس کے تعاقب پر آدمی مامور کیئے کہ اُسے واپس مدینہ لائیں۔ اُن آدمیوں کو متنبہ کیا کہ وُہ عورت کوئی چیز ضائع نہ کرنے پائے۔

علیؑ کے آدمی اُس عورت کو اور خط جو اُس کی تحویل میں تھا لیکر علیؑ کے پاس واپس آگئے۔ علیؑ نے خط پڑھا تو سمجھ گئے کہ یہ خط (حاطب بن ابی بلتعہ) نے اپنے خاندان والوں کے نام جو کہ مکہ میں ہیں بھجوایا ہے۔

بعد آں سارہ سے پُوچھ گُچھ کی تاکہ معلوم ہو وُہ اس خط کے متن سے آگاہ ہے یا نہیں؟

لیکن (سارہ) خط کے متن سے آگاہ نہ تھی۔ پس علیؑ نے اس واقعہ کی اطلاع محمدؐ کی خدمت میں بھجوا دی۔

پیغمبرؐ اسلام نے (حاطب) کو طلب کیا۔ اُس کا خط اُسے دکھایا اور پُوچھا۔ آیا تم نے یہ خط (صیفی بن عمرو) کی کنیز کے ہاتھ مکہ بھجوایا تھا (حاطب) نے اعتراف کیا کہ خط اُسی کا ہے۔

محمدؐ نے مزید پُوچھا۔ آیا (صیفی) کو اس کی اطلاع ہے کہ تُو نے یہ خط اُس کی کنیز کے ہاتھ مکہ بھجوایا تھا۔

(حاطب) نے عرض کی۔ نہیں یا رسولؐ اللہ (صیفی بن عمرو) کو اس کی اطلاع نہیں۔

محمدؐ چُونکہ جانتے تھے کہ (حاطب) کا مقصد کوئی سازش نہیں تھا۔ بلکہ اپنے خانوادہ کو مطلع کرنا تھا کہ وُہ مکہ کو ترک کر دیں تاکہ جنگ کے خطرات سے محفوظ رہیں لہٰذا اُسے معاف کر دیا۔

مدینہ میں ہدف کے متعلق دو خبریں مشہور تھیں۔

اوّل یہ کہ محمدؐ (موتہ) کی شکست کے جبران کے لیئے رُوم پر حملہ کریں گے۔

دوئم یہ کہ محمدؐ کا ہدف قبیلہ (بنو سلیم) ہے۔ وہ قبیلہ مسلمانوں کے لیئے بہت مشکلات پیدا کر رہا تھا۔ بہرحال کسی ایک کے ذہن میں بھی یہ نہیں تھا کہ آپؐ کا ہدف مکہ ہے۔

مسلمان جب مدینہ میں جنگ کی تیاری کر رہے تھے۔ محمدؐ نے اپنے تمام اتحادی قبائل کو پیغام بھجوایا کہ جنگ کے لیئے آمادہ ہو جائیں۔ جس وقت مسلمانوں کا لشکر مدینہ سے نکلا تو اتحادی قبائل جن کو مطلع کیا گیا تھا راستہ میں اُس سے ملحق ہوتے گئے۔

مُسلمان مؤرخوں نے محمدؐ کے وُرُودِ مکہ کی تاریخ ۱۰ رمضان ۸ ہجری مرقوم کی ہے لیکن مدینہ سے روانگی کی تاریخ کا تعیّن نہیں کیا۔ لیکن یہ محقق ہے کہ اسلامی لشکر کے مدینہ سے روانہ ہونے کے بعد ماہِ رمضان شروع ہُوا تھا۔ عین ممکن ہے لشکر ماہِ رمضان کی یکم کو ہی مدینہ سے چلا ہو۔

ماہِ رمضان کے دوران تمام مسلمان روزہ سے ہوتے تھے اور فجر تا شام کوئی چیز نہ کھاتے اور نہ پیتے تھے۔ تا اینکہ یہ لشکر (قدید) کے مقام پر پہنچا۔ اس مقام پر پیغمبرؐ اسلام نے مسلمانوں سے فرمایا۔ اگلے دن روزہ نہ رکھیں۔ نیز اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ مُسافرت

میں روزہ قضا کر لیا کرو۔

اُس دن کے بعد مسلمانوں نے روزہ نہیں رکھا۔ تا وقتیکہ وُہ (مرالظہران) پہنچ گئے۔ یہ مقام مکّے سے ایک منزل پر ہے۔ رات کو محمدؐ نے فرمایا۔ تمام مسلمان سپاہ آگ جلائے تاکہ مکّہ والوں کو معلوم ہو کہ مسلمانوں کا ایک بہت بڑا لشکر آ پہنچا ہے۔ (عباسؓ) جو کہ پیغمبرؐ اسلام کا چچا اور سُود خوار تاجر تھا نے سوچا اس لشکر کا مقابلہ اہلِ مکّہ کے بس کی بات نہیں لہٰذا مکّہ کو ترک کرنے کا ارادہ کیا اور اپنی تمام جائداد کو پیش بندی کے طور پر فروخت کر دیا۔

جائیداد کو فروخت کرنے کے بعد محمدؐ کے پاس مرالظہران پہنچا اور مسلمان ہو گیا۔

(ابوسفیان) نے بھی پیغمبرؐ اسلام کے چچا عباسؓ کی طرح صورتِ حال کا جائزہ لیا اور خود میں سکت نہ پاتے ہوئے (مرالظہران) کی راہ لی۔ (عباسؓ) پیغمبرؐ اسلام کے چچا کہتے ہیں اُس رات میں اسلامی لشکر گاہ کی حدود کے باہر سے گزر رہا تھا کہ مَیں نے دو افراد کو آپس میں باتیں کرتے سُنا۔

ایک کہہ رہا تھا یہ آگ جو تم دیکھ رہے ہو قبیلہ خزاعی نے جلائی ہے؟

دُوسرا کہہ رہا تھا قبیلہ (خزاعی) اِس قدر بڑا نہیں کہ اس قدر آگ جلا سکے۔

میں نے دُوسرے آدمی کی آواز پہچان لی وہ (ابُوسفیان) تھا۔

میں نے آواز دی۔ یا اباحنظلہ (اباحنظلہ ابُوسفیان کی کنیت تھی) کیا تُم ہو؟

(ابُوسفیان) نے میری آواز پہچان لی اور کہا۔ یا (اباالفضل) یہ تم ہی ہو؟ (اباالفضل عباسؓ کی کنیت تھی) مَیں نے کہا مَیں ہی ہُوں اور اُس کی طرف بڑھا۔ (ابُوسفیان) نے مجھ سے پوچھا۔ یا اباالفضل کیا خبر ہے؟

مَیں نے کہا۔ محمدؐ دس ہزار سپاہ کے ساتھ آ گیا ہے کہ مکّہ کو تصرف کرے۔ اسلیئے کہ قریش نے (صُلح حدیبیہ) کو پائمال کیا ہے۔ قبیلہ (خزاعی) مسلمانوں کا اتحادی تھا قریش اُس پر حملہ آور ہُوئے اور کچھ افراد کو قتل کیا۔ اُن کے اموال کو تاراج کیا۔

جب مسلمان مکّہ پر حملہ کر کے اُسے تسخیر کریں گے تو سب سے پہلے تمہیں قتل کریں گے اس لیئے کہ تم مکّہ کی فوج کے سپہ سالار تھے اور اب بھی ہو۔ اور تم ہی صلح (حُدیبیہ) کی خلاف ورزی کے مسئول ہو۔

(ابُوسفیان) نے پُوچھا۔ پھر میں کیا کروں؟

مَیں نے اُسے کہا اگر زندہ رہنا چاہتے ہو اور اپنے اموال کو لُٹنے سے بچانا چاہتے ہو تو اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ محمدؐ کے پاس جا کر مسلمان ہو جاؤ۔

فقط یہی ایک راستہ ہے جس سے تم اور تمہاری جائیداد بچ سکتی ہے۔

مَیں نے مزید کہا اگر تم چاہو تو میں تمہیں محمدؐ کی خدمت میں لے جاؤں گا تو یہیں ٹھہریں جا کر اُنؐ کا ذاتی اُونٹ لے آؤں اور تمہیں اُس پر بٹھا کر لشکرِ اسلامی کے درمیان میں سے گزارے جاؤں (بعض مؤرخین نے اُونٹ کی بجائے خچر لکھا ہے)۔

(ابُوسفیان) نے کہا۔ مجھے محمدؐ کے اُونٹ پر کس لیئے سوار کرنا چاہتے ہو؟

مَیں نے کہا اسلیئے کہ تمام مسلمان تمہیں پہچانتے ہیں اور تمہارے دشمن ہیں جب اور جہاں بھی تمہیں دیکھیں گے قتل کر دینگے

Marfat.com

لیکن جب تمہارے پیچھے محمدؐ کی ذاتی سواری ہوگی تو تم سے پرسش نہیں کریں گے اور کوئی بھی تمہیں قتل کرنے کا سوچ بھی نہیں سکے گا۔

اسی پروگرام پر عمل کر کے (ابوسفیان) پیغمبرؐ کی اُونٹنی پر سوار ہو کر لشکر گاہ سے گزرا اور محمدؐ کی خدمت میں پہنچا۔

(عباسؓ) پیغمبرؐ اسلام کے چچا کہتے ہیں۔ جیسے ہی ہم محمدؐ کے خیمے میں داخل ہوئے فوری بعد (عمرؓ بن الخطاب) بھی وارد خیمہ ہوا۔ اور پیغمبرؐ سے عرض کی۔ یا رسولؐ اللہ اجازت دیں کہ میں (ابوسفیان) کی گردن مار دُوں۔

مَیں نے (عمرؓ بن الخطاب) سے مخاطب ہو کر کہا یہ شخص (ابوسفیان)۔ (عبد المناف) کی اولاد سے ہے اسی لیئے تم اسکی گردن مارنا چاہتے ہو۔ اگر یہی آدمی (بنی عدی) سے ہوتا تو کیا پھر بھی تم ایسا کرتے۔

(عمرؓ) نے کہا۔ اگر میرے قبیلے کے آدمی بھی رسولؐ اللہ سے دشمنی رکھیں گے تو میں اُن کی گردن مارنے سے بھی دریغ نہ کروں گا۔ مَیں تو اس کا دوست ہوں جو رسولؐ اللہ کا دوست ہے اور اُس کا دشمن ہوں جو پیغمبرؐ سلام سے خصومت رکھتا ہو۔

(عباسؓ) آگے کہتے ہیں۔ محمدؐ نے مجھے فرمایا۔ اسے رات اپنے خیمے میں رکھو اور صبح میرے پاس لاؤ۔

مَیں نے اطاعت کی۔ (ابوسفیان) نے رات میرے خیمے میں گزاری۔ دُوسرے دن صبح میں (ابوسفیان) کے ہمراہ رسولؐ اللہ کی خدمت میں حاضر ہُوا۔ محمدؐ کی دخول مکہ کیلئے حسن تدبیر

(محمدؐ نے (ابوسفیان) سے فرمایا۔ کیا ابھی وُہ وقت نہیں آیا کہ تو خُدا پر ایمان لائے اور مجھے خدا کا بھیجا ہُوا پیغمبرؐ مانے۔

مَیں نے (ابوسفیان) سے کہا۔ یا (اباحنظلہ) تو عہد شکن آدمی ہے اور شرائع کے مطابق تمہیں قتل کیا جانا چاہیئے۔ اگر تم نے دینِ اسلام کو قبول نہ کیا تو قتل کر دیئے جاؤ گے۔

(ابوسفیان) نے دینِ اسلام کو قبول کر لیا۔ اُس وقت محمدؐ نے چند اور مسلمان افراد کی موجودگی میں مکہ کو تسخیر کرنے کے متعلق (ابوسفیان) سے مشورہ کیا۔ اس لیئے کہ وُہ اہلِ مکہ میں رسوخ و احترام کا حامل تھا۔

دو احکامات محمدؐ کی طرف سے صادر ہوئے:۔

اوّل: لشکرِ اسلام مسلح ہو کر (ابوسفیان) کے سامنے سے گزرے گا۔

دوئم: مکہ میں جو کوئی بھی ابوسفیان کے گھر پناہ لے گا۔ امان میں ہو گا۔

پیغمبرؐ سلام نے اُس روز خود (ابوسفیان) کو مامور فرمایا کہ (لشکر کی سلامی کے بعد) وُہ مکہ جا کر حسب ذیل اعلان کر دا دے:

"اہل مکہ نے چونکہ معاھدہ (حدیبیہ) کو توڑا ہے۔ وُہ شرائع دشمن غیر قابل تردید کے مطابق مستوجب قتل ہیں اور اُن کا مال مسلمانوں پر حلال ہے لیکن ہر وُہ شخص جو خانہ کعبہ میں پناہ لے گا قتل نہیں کیا جائے گا اور کوئی اُس کی جائیداد پر تصرف نہیں کرے گا۔

سی طرح ہر وُہ شخص جو ابوسفیان کے گھر میں پناہ لے گا اُس کی جان و مال کو امان ہوگی۔

اور اسی طرح ہر وُہ شخص جو اپنے گھر سے باہر نہیں نکلے گا اسلام کی پناہ میں ہوگا اُس سے کوئی تعرض نہیں کرے گا۔"

(ابوسفیان) سوار ہو کر مکہ چلا گیا۔

اُس کے مکہ چلے جانے کے بعد اسلامی لشکر نے آگے بڑھ کر مکہ کے اطراف بغیر خونریزی کے قبضہ کر لیا۔

(ابوسفیان) مکہ پہنچنے کے بعد خانہ کعبہ کے سامنے کھڑا ہُوا اور اعلان کیا۔ لشکرِ اسلام مکہ میں داخل ہونے کا ارادہ رکھتا ہے۔

Marfat.com

اور ہم میں اتنی سکت نہیں کہ اُس کی راہ روک سکیں۔ محمدؐ نے فرمایا ہے کہ جو شخص خانہ کعبہ یا میرے (ابُوسفیان) گھر میں پناہ لے گا۔ اُس سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا۔ اور جو اشخاص ان دونوں جگہوں پر پناہ نہیں لے سکتے وہ اپنے اپنے گھروں میں بند رہیں باہر نہ نکلیں اور مطمئن رہیں کہ اُن کی جان و مال امان میں ہوگی۔

(ابُوسفیان) کی بیوی (ہند) اس اعلان پر اس قدر خشمگین ہوئی کہ اہل مکہ کو خطاب کرتے ہوئے کہا کہ اس چربی چڑھے ہوئے سؤر کو قتل کر دو۔ یہ ہم سے خیانت کا مُرتکب ہوا ہے۔ اس لیئے کہ مکہ کا سپہ سالار ہونے کے لحاظ سے اسے لوگوں کو جنگ و جدل پر آمادہ کرنا چاہیئے لیکن یہ کہتا ہے اپنے گھروں سے باہر مت آنا تاکہ تمہاری جان و مال محفوظ رہے۔ لیکن لوگ اس آڑے وقت میں (ابُوسفیان) کو قتل نہیں کرنا چاہتے تھے۔ اس لیئے کہ مسلمانوں سے مقابلے کی سکت خود میں نہ پاتے تھے۔ (ہند) نے جب دیکھا کوئی بھی اُس کے شوہر کو قتل کرنے آگے نہیں بڑھا تو خود اُسے قتل کرنے کا ارادہ کیا مگر لوگوں نے اُسے ایسا نہ کرنے دیا۔

ابھی زیادہ وقت نہ گزرا تھا کہ اسلامی لشکر کے منادی کرنے والے پہنچ گئے اور (ابُوسفیان) کے اعلان کی تکرار کی۔

لوگ جو گلی کوچوں میں تھے جلدی جلدی خانہ کعبہ یا (ابُوسفیان) کے گھر پناہ لینے دوڑے اور جو اپنے گھروں کو پہنچ سکے انہوں نے گھروں میں داخل ہو کر کواڑ بند کر دیئے۔ جلد ہی مکہ کے گلی کوچوں میں خلوت ہو گئی۔

اسلامی لشکر کا پہلا دستہ جو مکہ میں داخل ہوا۔ (علیؓ بن ابی طالبؓ) کی کمان میں تھا۔ علیؓ پیغمبرِ اسلام کے پرچم کو اٹھاتے ہوئے تھے۔ علیؓ مکہ میں داخل ہونے کے بعد اپنے دستہ کے ساتھ خانہ کعبہ کی طرف بڑھ گئے۔

مکہ کا سب سے بڑا دروازہ وُہی تھا جس سے علیؓ مکہ میں داخل ہُوئے۔

دوسرا دستہ (زبیرؓ بن عوام) کی قیادت میں مغرب کی طرف سے مکہ میں وارد ہوا۔

(سعدؓ بن عبادہ انصاری) کی قیادت میں اسلامی لشکر کا تیسرا دستہ مشرق سے مکہ میں داخل ہوا۔

لشکرِ اسلام کا چوتھا دستہ (خالدؓ بن ولید) کی کمان میں تھا اور خالدؓ کو جنوب کی طرف سے مکہ میں داخل ہونا تھا۔

محمدؐ نے ان چاروں سرداروں سے فرمایا: جب تم مکہ میں داخل ہوگے تو اپنی تلواروں کو نیاموں سے باہر مت نکالنا۔ کسی سے جنگ نہ کرنا۔ اِلّا یہ کہ تم پر کوئی حملہ آور ہو۔ اور یہ مت بھُولنا۔ لوگ جو خانہ کعبہ۔ (ابُوسفیان) کے گھر یا اپنے گھروں میں ہوں وُہ امان میں ہیں۔

لیکن (سعد بن عبادہ انصاری) جونہی مکہ میں داخل ہوا تو پکارا۔ "الیوم یوم الحملہ الیوم تسبی الحرمہ" یعنی "آج کا دن جنگ کا دن ہے اور آج کے دن کے لیئے حُرمت اُٹھ گئی ہے"۔ یہ خبر محمدؐ کو ملی۔ بدونِ تاخیر (سعد بن عبادہ انصاری) کو شہر میں مشرقی سمت سے داخل ہونے والے دستہ کی فرمان دہی سے معزُول کر دیا اور اس دستہ کو بھی علیؓ بن ابی طالب کی کمان میں دے دیا۔ تاکہ (سعد بن عبادہ انصاری) اپنے جنگی عزائم کو پُورا نہ کر سکے۔

کسی بھی دستہ کو مزاحمت کا سامنا نہ ہوا۔ البتہ (خالدؓ) کے دستہ پر جو جنوبی سمت سے مکہ میں داخل ہوا۔ جنوبی محلہ کے کچھ افراد جو قریش تھے اور اُن کے اتحادی قبیلہ (احابش) کے کچھ افراد نے مل کر حملہ کر دیا۔ (خالدؓ) سیف اللہ نے اُونچی آواز میں پکارا۔ اپنا خُون فضول مت بہاؤ۔ اس لیئے کہ تمہارا حملہ مکہ کے سقوط کو نہیں روک سکتا۔ رسولؐ اللہ نے آج مکہ کو تسخیر کرنے کا ارادہ

Marfat.com

کیا ہے اس لیئے آج مکہ حتمی مسخر ہوگا۔

لیکن خالدؓ کی پکار کا اُن افراد نے کوئی اثر نہ لیا اور حملہ کر دیا۔ تھوڑی ہی دیر میں پندرہ افراد قتل ہو گئے۔ جن میں دو مسلمان اور تیرہ مشرکین میں سے تھے۔ وُہ جو باقی بچے انہوں نے محسوس کیا کہ مسلمانوں سے جدال ممکن نہیں لہٰذا بھاگ گئے۔

اسلامی لشکر کے چاروں کالم مکہ میں چاروں اطراف سے داخل ہو کر خانہ کعبہ کے سامنے باہم مل گئے۔

جب لشکر اسلام کے چاروں کالم خانہ کعبہ کے سامنے جمع ہو گئے تو محمدؐ جو سفید اُونٹنی پر سوار تھے وہاں پہنچے اور کعبہ کا سات بار طواف کیا۔

طواف کے بعد آپ خانہ کعبہ کے دروازہ کی طرف گئے اور خانہ کعبہ کے کلید بردار (عثمان بن طلحہ) سے فرمایا۔ خانہ کعبہ کا دروازہ کھولو۔

(عثمان بن طلحہ) کی والدہ نے کہا۔ ہم تمہارے لیئے کعبہ کا دروازہ نہیں کھولیں گے۔ لیکن (عثمان بن طلحہ) نے والدہ کو سمجھایا اور کعبہ کا دروازہ کھول دیا۔ اُس دن پانچ تن مسلمان خانہ خدا میں داخل ہوئے۔

(۱) ۔	محمد بن عبد اللہ	پیغمبرِ اسلام
(۲) ۔	علیؓ بن ابی طالب	پیغمبرِ اسلام کے داماد
(۳) ۔	عثمانؓ بن زید	ایک معروف مسلمان
(۴) ۔	بلالؓ	مؤذن
(۵) ۔	عثمانؓ بن طلحہ	کلید بردار کعبہ

جس وقت محمدؐ ان چار افراد کے ہمراہ خانہ کعبہ میں داخل ہوئے تو جن لوگوں نے وہاں پناہ لی ہوئی تھی وُہ بہت خوفزدہ ہوئے اور خیال کیا محمدؐ ان کو قتل کرنے اُن کے اموال پر قبضہ کرنے اور اُن کے بیوی بچوں کو قیدی بنانے آئے ہیں۔ واضح رہے کہ اہلِ مکہ اُس وقت تک کافر تھے اور مسلمانوں سے معاہدہ (حدیبیہ) کرنے کے بعد انہوں نے اُس معاہدہ کی خلاف ورزی کی تھی۔ نتیجتاً کافرِ حربی قرار پائے یعنی وُہ کافر جنہوں نے مسلمانوں سے جنگ کی۔

محمدؐ نے مکہ کو جنگ کر کے فتح کیا۔ اس لیئے کہ تسخیر مکہ کے لیئے لشکر سے چڑھائی کی۔ اور پھر مکہ میں کچھ لوگوں نے (خالدؓ بن ولید) کے دستہ کی مزاحمت بھی کی تھی۔ اور مسلمانوں کے دو افراد شہید بھی ہو گئے تھے۔ لہٰذا قانون کے مطابق محمدؐ کو حق پہنچتا تھا کہ تمام اہلِ مکہ کو قتل کر دیں یا غلام بنالیں عورتوں کو کنیزیں بنالیں۔ لیکن پیغمبرِ اسلام نے سب کو معافی دے دی۔ خانہ کعبہ کی زیارت کے بعد پیغمبرِ اسلام خانہ کعبہ سے باہر آئے اور اہلِ مکہ کو جو خانہ کعبہ میں موجود تھے خطاب فرمایا۔

"تم جنگی قوانین سے کاملاً مطلع ہو اور تمہیں یہ بھی علم ہے۔ تم نے معاہدہ (صلح حدیبیہ) کی خلاف ورزی کی ہے۔ اب جب کہ تم مغلوب ہو چکے ہو۔ مسلمانوں کو یہ حق پہنچتا ہے کہ تمہیں قتل کر دیں یا غلام بنالیں اور تمہاری عورتوں کو بھی کنیزیں بنالیں۔ لیکن میں جس طرح یوسفؑ نے اقتدار میں آنے کے بعد اپنے بھائیوں سے کہا تھا آج میں بھی تمہیں کہتا ہوں کہ خداوند تمہیں معاف فرما دیں۔ تم آزاد ہو اور کوئی تمہاری جان

Marfat.com

سے تعرض نہیں کرے گا نہ کوئی تمہاری عورتوں کو کنیزیں بنائے گا"۔

اسی بنا پر اہل مکہ کو عربی میں (طلقا) کے نام سے بھی یاد کرتے ہیں یعنی آزاد کئے گئے غلام۔ قانون کے مطابق اہل مکہ مسلمانوں کے بردے تھے اور محمدؐ نے انہیں غلامی سے آزاد کیا۔ لہذا وُہ (طلقا) شمار ہوئے۔

اعلان کے بعد محمدؐ نے اہل مکہ کے سامنے یہ آیت تلاوت فرمائی:۔

"انا خلقنکم من ذکر و انثیٰ ......الی آخر۔ اس آیت کی شرح پہلے ابواب میں بیان کی جاچکی ہے۔ محمدؐ نے اس آیت کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

(خداوند نے تمام افراد بشر کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا۔ افراد کے درمیان کسی قسم کی برتری وجود نہیں رکھتی۔ مگر یہ کہ پرہیزگار متقی ہو۔ تمام افراد بشر خداوند کے نزدیک برابر ہیں لہذا زمانہ جاہلیت کا افتخار حسب ونسب۔ طوائف وقبائل سب ختم کیے جاتے ہیں حسب ونسب کی برتری کوئی برتری نہیں ہے) ایک منصب ہے وُہ (میرآب) کا منصب ہے۔ میرے چچا عباس نے آج تک یہ منصب بڑی خوبی سے نبھایا ہے اور یہ امر بھی تحقیق شدہ ہے کہ انہوں نے پانی کی تقسیم میں کبھی کسی خصوصی نظریہ کو جگہ نہیں دی اور ہمیشہ لوگوں میں پانی منصفانہ طور پر تقسیم کیا ہے۔

بعدازاں جب اہل مکہ نے اسلام قبول کر لیا۔ (جیسا کہ آگے ذکر آئے گا)۔ (عثمان بن طلحہ) خانہ کعبہ کے کلید برداری کے منصب پر ہی رہے۔ اُن کی وفات کے بعد اُن کے بیٹے اس منصب پر فائز ہوئے۔ آج بھی خانہ کعبہ کا کلید بردار (عثمان بن طلحہ) کی اولاد میں سے ہے۔

محمدؐ جب اس اعلان سے فارغ ہُوئے تو خانہ کعبہ کے ایک بُت کو اپنے ہاتھوں سے زمین پر گرا کر توڑا اور پھر (علیؑ بن ابی طالب) سے فرمایا۔ تمام بتوں کو توڑ دو اور ہر نوع صُورت کہ خانہ کعبہ میں موجود ہے کو تباہ ومعدوم کر دو۔

ایک روایت کے مطابق محمدؐ نے فرمایا۔ تصویر جو میرے ہاتھ کے نیچے ہے تباہ نہ کرنا۔ روایت میں ہے کہ وُہ تصویر مریمؑ کی تھی اور عیسٰیؑ اُن کی آغوش میں تھے۔

روایت کے مطابق وُہ ہی ہر نوع تصویروں اور بتوں کو تباہ ومعدوم کر دیا گیا۔

ہنگامیکہ مسلمان پتھر کے بتوں کو گرا کر توڑتے اور لکڑی کے بتوں کو کلہاڑوں سے پھاڑتے تو مکہ کے وہاں موجود بُت پرستوں نے اپنے چہروں کو چادروں سے ڈھانپ لیا۔ اس لیئے کہ اُن میں تاب نظارہ نہ تھی۔ بعض مشرکین سوچ رہے تھے یہ جہان اب ویران ہو جائے گا۔

لیکن کچھ بھی نہ ہوا۔ تمام بتوں کو یکے بعد دیگرے توڑ دیا گیا اور کوئی حادثہ پیش نہ آیا۔

تمام بتوں کو توڑنے کے بعد محمدؐ نے عام معافی کا اعلان صادر فرمایا:

اہل مکہ جو خانہ کعبہ میں موجود تھے اُن سے کہا گیا۔ وُہ آزاد ہیں جہاں چاہیں جا سکتے ہیں کسی کو اُن سے کوئی سروکار نہیں (ابوسفیان) کے گھر میں بھی جمع افراد کو اجازت دے دی گئی کہ وُہ آزاد ہیں جہاں چاہیں جا سکتے ہیں اور اپنی روزمرہ کی مشغولیت شروع کر سکتے ہیں۔

Marfat.com

سب لوگ چلے گئے مگر آپؐ خانہ کعبہ ہی میں رُکے رہے۔ کیونکہ آپ کا کوئی مکان نہیں تھا جہاں جا کر سکونت پذیر ہوتے گزشتہ دنوں محمدؐ کے پاس خدیجہؓ والا بہت خوبصورت دو منزلہ مکان تھا۔ یہ مکان مکہ کے خوبصورت مکانوں میں سے ایک تھا۔

خدیجہؓ کی وفات کے بعد وُہ مکان (عقیل) علیؑ کے بھائی کو ملا۔ اور (عقیل) نے کسی اور کے ہاتھوں فروخت کر دیا تھا۔

چند مسلمانوں نے محمدؐ سے عرض کی۔ آپؐ نے مکہ فتح کیا ہے لہٰذا آپؐ کو حق حاصل ہے جس مکان کو چاہیں اپنے تصرف میں لے آئیں۔

لیکن محمدؐ نے فرمایا کہ اہلِ مکہ کی جان و مال امان میں ہیں اور میں کسی مکان کو اپنے تصرف میں نہیں لے سکتا۔ چونکہ رات خانہ کعبہ میں نہیں رہ سکتے تھے اس لیئے خانہ کعبہ سے نکل کر (النخالف) کے مقام پر خیمہ زن ہو گئے۔

تسخیر مکہ سے پہلے وہاں کا حاکم (عتاب بن السید) تھا۔

۱۵ رمضان بوقت ظہر۔ بلالؓ اذان دینے کے لیئے باہر نکلے اور کسی اُونچی جگہ کی تلاش میں خانہ کعبہ کی چھت پر چڑھ گئے تاکہ اذان کی آواز دُور دُور تک سُنی جا سکے۔

جب اذان کی آواز خانہ کعبہ کی چھت سے بلند ہوئی تو حاکم مکہ (عتاب بن السید) فوری طور پر خانہ کعبہ پہنچا اور بلالؓ کو کہا "اس جگہ سے نیچے اُترو"۔

لیکن بلالؓ نے درخورِ اعتنا نہ سمجھا اور اذان جاری رکھی۔ (عتاب بن السید) نازیبا کلمات بکتا رہا۔ بلالؓ نے اذان ختم کرنے کے بعد آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عتاب بن السید کی شکایت کی۔

(عتاب بن السید) ایک مشرک تھا۔ اُس کا ایک مسلمان کے ساتھ بدکلامی کرنا جب کہ وہ اذان دے رہا تھا۔ ایک بہت بڑا جرم تھا۔ لیکن محمدؐ نے اُسے کچھ نہ کہا اور نہ کوئی سزا دی۔ (عتاب بن السید) چند روز بعد خود ہی محمدؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہو گیا۔ پیغمبرِ اسلام نے اُس کا منصب بحال رکھا اور مسلمانوں کی طرف سے مکہ کا حاکم مقرر ہوا۔

(فتح مکہ کے بعد محمدؐ نے اپنے بدترین دشمنوں کو عالی ظرفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے معاف فرما دیا۔ اُن بڑے دشمنوں میں ایک (عکرمہ بن ابوجہل) تھا جو جان کے خوف سے مکہ چھوڑ کر مفرور ہو گیا تھا۔ (عکرمہ) کی بیوی آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اپنے شوہر کے لیئے امان مانگی۔ محمدؐ نے (عکرمہ) کو امان بخشی۔ اور وُہ واپس اپنے گھر آ گیا۔

(دوسری (ہند) زوجہ (ابوسفیان) تھی۔ اس عورت نے (حمزہؓ) کا جگر چبایا تھا اِسی مناسبت سے اُسے (ہند جگر خوار) کہا جاتا تھا۔ (ہند) نے نہ صرف (حمزہؓ) کا جگر کھایا تھا بلکہ دُوسرے مسلمان شہداء کے کان اور ناک کاٹ کر اپنے گلے کا ہار تیار کیا تھا۔ اُسے گلے میں آویزاں کر کے رقص کیا تھا۔ آپؐ نے اِس سنگدل عورت کو بھی معافی دے دی اور تا حیات اُسے کسی مسلمان نے آزار نہیں پہنچایا۔)

(تیسرے (صفوان بن اُمیہ) جو ایک وقت میں وُہ پیغمبرؐ کو قتل کرنا چاہتا تھا اور اس کام کے لئے قاتل معاوضہ پر حاصل کیا تھا۔ اُسے بھی معافی دے دی گئی۔ مگر اُس نے پیغمبرِ اسلام سے کہا میں اسلام قبول نہیں کروں گا۔ معافی کے پانچ دن بعد (صفوان بن اُمیہ) نے اسلامی لشکر کو ایک سو زرہ اور پانچ ہزار درہم نقد پیش کیئے اور پھر چند ماہ بعد جنگ حنین کے بعد وہ بھی مسلمان ہو گیا۔)

Marfat.com

جب مکہ فتح ہوا۔ چار لاکھ بیس ہزار مثقال سونا خانہ کعبہ کے خزانہ میں موجود تھا۔ محمدؐ نے حکم فرمایا کہ یہ تمام سونا حسب سابق خانہ کعبہ کے تصرف میں رہے گا اور کوئی شخص اس کو ہاتھ نہ لگائے۔

فتح مکہ کے پہلے دس دنوں میں دو ہزار افراد نے اسلام قبول کیا۔ اس کے لیئے طریقہ یہ اپنایا گیا کہ کفار یکے بعد دیگرے (عمرؓ بن الخطاب) کے سامنے سے گزرتے۔ شہادتین کو زبان پر لاتے اور (عمرؓ) انہیں نصیحت فرماتے۔ زنا سے پرہیز کرو اور نیک بننے کی کوشش کرو۔

ممکن ہے ذہنوں میں یہ سوال اٹھے کہ (عمرؓ بن الخطاب) نئے مسلمانوں کو کیوں یہ نصیحت کرتے تھے کہ زنا سے بچو کیوں یہ نہ کہتے کہ سود کا کاروبار چھوڑ دو۔

اس کا جواب یہ ہے۔ مشرکین مکہ میں زنا خصوصاً محصنہ سے زنا اس درجہ رواج پذیر تھا کہ اسے قبیح نہیں سمجھا جاتا تھا۔ بعض بیوہ عورتیں جو محترم خاندانوں سے ہوتی تھیں اپنے گھر کے اوپر ایک پرچم نصب کر دیتی تھیں اور یہ پرچم اس چیز کی نشاندہی کرتا کہ اس گھر میں رہنے والی عورت اپنے گھر میں بیگانہ مردوں کی پذیرائی کے لیئے آمادہ ہے لیکن مسلمانوں کے مکہ فتح کرنے کے بعد یہ فسق ختم ہو گیا۔

جو لوگ (عمرؓ بن الخطاب) کے سامنے سے شہادتین پڑھتے ہوئے گزر رہے تھے ان میں (ہندؔ) زوجہ (ابوسفیان) بھی تھی۔ اس ترتیب یہ بدترین دشمن اسلام بھی بالآخر مسلمان ہو گئی۔ اس میں کوئی شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ محمدؐ جب مدینہ سے فتح مکہ کے لیئے عازم سفر ہوئے تو وہ جانتے تھے کہ حتمی طور پر مکہ کو فتح کر لیا جائے گا۔

اس پر دلیل سورۂ (النصر) کا مدینہ میں نزول ہے کہ آج وہ قرآن کی ایک سو دسویں سورۂ قرآن ہے۔ اس سورۃ کی دوسری آیت میں اگر بسم اللہ الرحمن الرحیم کو پہلی آیت شمار کیا جاوے۔ خداوند نے فرمایا ہے:۔

"اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ"۔ اس آیت میں خداوند نے اپنے پیغمبرؐ کو بشارت دی کہ تم مکہ کو فتح کر دگے۔"

اور تیسری آیت میں خداوند فرماتے ہیں:۔

"وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا" یعنی۔ اور تم دیکھو گے کہ لوگ دستہ دستہ۔ فوج فوج دین خدا میں شامل ہونگے"۔ منظور اس سے یہ ہے کہ فتح مکہ کے بعد لوگ اجتماعی صورت میں دین اسلام میں شامل ہوں گے اور ایسے ہی ہوا۔

چوتھی آیت میں خداوند نے فرمایا:

"فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا۔" یعنی اس بڑی فتح کی مناسبت سے خداوند کے حضور حمد و ثنا کرو۔ استغفار کرو۔ اور خداوند توبہ استغفار کرنے والوں کی پذیرائی کرتا ہے۔

مکہ کے امیر لوگ فتح مکہ کے دن تک شراب پیتے تھے۔ سور کا گوشت کھاتے تھے مسلمان ہونے کے بعد ان پر یہ دونوں چیزیں حرام ہو گئیں۔

(طبری) لکھتا ہے کہ مکہ فتح ہو جانے کے بعد محمدؐ نے مغلوبین سے محبت و اخوت کے اظہار کے لیئے (داد و دہش) کی

Marfat.com

لڑکی سے ازدواج کیا۔ (داؤد لیث) فتح مکہ کے موقع پر (خالدؓ بن ولید) کے دستہ سے جھڑپ میں قتل ہوگیا تھا۔ (طبری) کہتا ہے کہ اس لڑکی کا نام (ملیقہ) تھا لیکن یہ خبر بہت ضعیف ہے۔

کسی بھی اسلامی مؤرخ نے اس خبر کی تائید نہیں کی ہے۔ اور (ملیقہ بنت۔ داؤد لیث) کا نام پیغمبرؐ اسلام کی ازواجِ مطہرات کے ناموں میں شامل نہیں ہے۔ جیسے ہم پہلے ابواب میں ذکر کر چکے ہیں۔ لہٰذا (طبری) کی یہ روایت کہ محمدؐ نے (ملیقہ بنت داؤد لیث) سے ازدواج کیا تھا مستند نہیں۔

(پیغمبرؐ اسلام نے پندرہ۱۵ روز مکہ میں قیام فرمایا۔ اور ان دو۲ ہفتوں میں تقریباً پورا مکہ مسلمان ہوگیا۔ مدینہ کے لوگ پیغمبرؐ کے قیام مکہ کی طوالت سے پریشان ہوئے اور سوچنے لگے کہ چونکہ آپؐ کی جائے پیدائش مکہ ہے۔ وہ اس شہر سے اب مدینہ واپس نہیں جائیں گے۔ لیکن رسول اللہؐ نے انہیں یقین دلایا کہ جب تک میں زندہ ہوں تمہارے ساتھ رہوں گا۔ میں اسی جگہ مروں گا جہاں تم مرو گے۔)

پندرہ۱۵ روزہ قیام کے بعد پیغمبرؐ اسلام مدینہ روانہ ہوئے تو اہلِ مدینہ کے دل کا خوف دور ہوا اور وہ مطمئن ہو گئے۔

Marfat.com

درّہ حنین میں

مکّہ کا فتح ہونا اور تمام اہل مکّہ کے مسلمان ہو جانے سے اسلام کی موافقیت جزیرۃ العرب میں قطعی ہوگئی۔

مکّہ ایک سیاسی۔ مذہبی اور تجارتی شہر تھا۔ اور جزیرۃ العرب میں مرکزی حیثیت کا حامل۔ مسلمانوں کے مکہ فتح کر لینے کے بعد۔ عربستان کا سیاسی۔ مذہبی اور تجارتی مرکز اُن کے زیرِ تصرف آگیا۔

مکّہ کے جنوب میں بنو ہوازن سکونت پذیر تھے۔ جو متعدد قبائل پر مشتمل تھے اور یہ قبائل مکّہ کے جنوب سے لے کر یمن کی حدود تک پھیلے ہوئے تھے۔

ایسا کم ہی اتفاق ہوتا ہے کہ دو قبیلے یا دو قومیں ساتھ ساتھ زندگی بسر کریں اور ایک دُوسرے کے ساتھ اچھے تعلقات برقرار رکھ سکیں اور اُن کے درمیان جنگ نہ ہو۔

قبائل (ہوازن) اور اہلِ مکّہ کے درمیان بھی کئی مرتبہ جنگیں ہوئیں اور چند مرتبہ تو (ہوازن) نے ماہ ہائے حرام میں مکّہ والوں سے جنگ کی۔ عرب اِس نوع کی حرام جنگ کو جنگ فجّار کا نام دیتے ہیں۔

بنو (ہوازن) اور اہل مکّہ ایک دُوسرے کے جدی پشتی دشمن تھے۔ بی بی خدیجہؓ کے والد ماجد (ہوازن) اور مکّہ کی ایک جنگ میں قتل ہوئے تھے۔ خود محمدؐ نے بھی لڑکپن میں چچا اُبوطالب کے ہمراہ (ہوازن) کے ساتھ ایک جنگ میں شرکت فرمائی تھی۔

(ہوازن)۔ جمع ہے کلمۂ ہوزان کی۔ چُونکہ قبائل (ہوزان) کی تعداد بہت زیادہ تھی اس نسبت سے انہیں (ہوازن) کہتے تھے۔

(ہوازن) کا ایک حصّہ بحیرہ احمر اور صحرائے عرب کے درمیانی علاقہ (حجاز) میں آباد تھا۔ (ہوازن) کا ایک اور حصّہ قبیلہ (ثقیف) شہر طائف میں آباد تھا اور شہر نشین شمار ہوتا تھا۔ پیغمبرؐ کی ایک دایہ جس نے محمدؐ کو دُودھ پلایا تھا۔ قبیلہ (بنو سعد) سے تھی اور یہ قبیلہ جزو (ہوازن) شمار ہوتا تھا۔

قبیلہ (بنو سعد)۔ قبیلہ (بنو بکر)۔ قبیلہ (بنو سلیم) اور ہوازن کے دوسرے قبائل اسلام اور محمدؐ کے دشمن تھے۔

(لات) کا مجسمہ شہر (طائف) میں تھا۔ (طائف) وہی شہر ہے جہاں آپؐ مکّہ سے طرد ہونے کے بعد گئے تھے اور اس شہر کے لوگ

Marfat.com

آپ کو قتل کرنے کے درپے ہوئے تھے۔ آپ بڑی مشکل سے جان بچا کر واپس آئے تھے۔

فتح مکہ کے تین دن بعد محمدؐ نے کچھ مسلمانوں کو مامور کیا کہ مکہ کے اطراف میں جو بت ہیں اُن کو جا کر توڑ دیں۔ (خالدؓ بن ولید) کو حکم ہوا کہ (نخلہ) جا کر وہاں کے بتوں کو توڑ دیں۔ (عزیٰ) کا بہت بڑا مجسمہ اسی مقام پر نصب تھا۔

جب (ہوازن) نے دیکھا کہ مسلمان اُن کے بتوں کو توڑنے کے درپے ہیں تو انہوں نے مسلمانوں سے جنگ کا فیصلہ کیا اور اپنے قبائل کو فوری طور پر جنگ کی تیاری کے لیے کہا۔ جلد ہی بیس ہزار افراد پر مشتمل ایک لشکر مسلمانوں سے جنگ کے لیے اکٹھا ہو گیا۔ لشکر کے ساتھ عورتوں بچوں اور چارپایوں کی بھی ایک بہت بڑی تعداد تھی۔

(ہوازن) عورتوں اور بچوں کو میدانِ جنگ میں اس لیے لے آئے کہ وُہ ایک فیصلہ کُن جنگ لڑنا چاہتے تھے۔

عورتوں، بچوں اور چارپایوں کو ہوازن اس لیے ساتھ لائے کہ میدانِ جنگ میں ہر چیز داؤ پر لگی دیکھ کر پامردی سے لڑیں۔ مکہ کو زیرِ تصرف لے آئیں اور ہمیشہ کے لیے مکہ والوں کی مزاحمت ختم کر دیں تاکہ مکہ والوں کی طرف سے آئندہ کوئی مزاحمت نہ ہو۔

ماضی میں کبھی ایسا اتفاق نہیں ہوا تھا کہ (ہوازن) بیس ہزار افراد جنگجو اکٹھے کر سکے ہوں۔

جب (قریش) کو اطلاع ہوئی کہ (ہوازن) مکہ پر حملہ کیلئے لشکر اکٹھا کر رہے ہیں تو اُن کے دلوں سے مسلمانوں کے خلاف آخری کدورت بھی زائل ہو گئی اور وُہ مسلمانوں کے شانہ بشانہ (ہوازن) سے جنگ کے لیے آمادہ ہو گئے۔ حتیٰ کہ (صفوان بن اُمیہ) بھی تیار ہو گیا اور دُوسری بار اس نے اسلحہ اور نقدی مسلمانوں کو دی تاکہ لشکر کو تقویت حاصل ہو۔

محمدؐ (ہوازن) سے مقابلہ کے لیے بارہ ہزار کا لشکر لے کر آگے بڑھے۔ ان میں دو ہزار افراد قریش سے تھے جو اپنے جدی پُشتی دشمن سے مقابلہ کے لیے ساتھ آئے تھے۔

لشکرِ اسلام ۳۰ جنوری ۶۳۱ء کو وادیٔ حنین میں اُترا۔ حنین کی وادی مکہ اور (طائف) کے درمیان کوہستانی سلسلہ میں واقع ہے۔ جس میں کئی درّے ہیں۔ اسلامی لشکر کو ان درّوں سے گزرنا تھا۔ اسلامی لشکر طلوعِ آفتاب کے ساتھ ان درّوں میں داخل ہوا۔ لشکرِ اسلام کے ہراول دستے بغیر کسی خطرہ کے اس درّہ سے گزر گئے۔ ان کے کماندار نے ایک بڑی غفلت یہ کی کہ دیدبانوں کو پہاڑ کے اُوپر سے عبور کا حکم نہ دیا۔

اگر ہراول فوج کا کماندار کچھ افراد کو پہاڑوں کے اُوپر نگہبانی کے لیے مقرر کر دیتا تو وُہ یقیناً پہاڑوں کے پیچھے دشمن کو چُھپا دیکھ لیتے۔ کہتے ہیں یہ غفلت اس لیے ہوئی کہ مسلمان (جنگِ حنین) میں اپنی طاقت پر مغرور تھے۔ اور عام تاثر تھا کہ (ہوازن) ہمیں شکست نہیں دے سکتے۔

ہراول دستہ کو درّہ سے گزرتے ہوئے دشمن کے متعلق کوئی شک نہ گزرا اور نہ ہی دشمن کے متعلق تحقیق کرنے کی کوشش کی گئی۔

(ہوازن) کی فوج کا سپہ سالار (مالک بن عوف نضری) تھا۔ اُس نے اس جنگ میں ثابت کیا کہ وُہ ایک لائق کماندار ہے۔

(مالک بن عوف نضری) نے اپنی سپاہ کو اس طرح پہاڑوں کے پیچھے چھپائے رکھا کہ اسلامی لشکر کے ہراول دستہ کو خبر ہی نہ ہوئی کہ دشمن کمین میں ہے۔

Marfat.com

اسلامی لشکر کے ہراول دستے جب درّہ سے گزر رہے تھے۔ (مالک بن عوف نضری) نے انہیں گزرتے دیکھا مگر حملہ کا حکم نہ دیا۔ اپنے سپاہیوں سے کہا صبر کرو تا محمدؐ کا اصلی لشکر درّہ میں داخل ہو جائے۔

محمدؐ اس دن لشکر کے عقب میں تھے اور سفید خچر پر سوار تھے۔ یہ خچر شاہ حبشہ نے آپؐ کے لیئے بھجوایا تھا اور اس کا نام اشہب تھا۔ (سفیان بن حرث) پیغمبر اسلام کے نقیب تھے۔ وُہ اس خچر کے آگے آگے چل رہے تھے۔

(مالک بن عوف نضری) اس قدر ٹھنڈے دل و دماغ کا مالک تھا کہ اسلامی لشکر کے اصلی حصّہ کے درّہ میں داخل ہونے پر بھی حملہ کا حکم نہ دیا تاوقتیکہ پورا لشکر اسلام درّہ میں داخل نہ ہوگیا۔

اس وقت (مالک بن عوف نضری) نے حملہ کا حکم دیا۔ (ہوازن) کے لشکر نے کمین گاہوں سے نکل کر اسلامی لشکر پر پتھروں اور تیروں کی بارش شروع کر دی۔

مسلمان راہ پیمائی کی حالت میں تھے۔ اس ناگہانی حملہ سے اس قدر خوفزدہ ہوئے کہ فرار میں امان سمجھی۔ سوار دستوں نے واپسی کا قصد کیا کہ جس راستہ سے درّہ میں داخل ہوئے ہیں اُسی راستہ سے نکل جائیں۔

سوار دستوں کے فرار سے مسلمان سپاہ متزلزل ہوگئی۔ سبھی بھاگنے لگے۔ خداوند نے اس واقعہ کے متعلق سورۂ توبہ کی آیت ۲۵ اور ۲۶ میں اس طرح فرمایا۔

" لقد نصرکم اللہ فی مواطن کثیرۃ ' ویوم حنین ' لقد اعجبتکم کثرتکم فلم تغن عنکم شیئا وضاقت علیکم الارض بما رحبت ثم ولیتم مدبرین"۲۵

یعنی: اللہ تم کو بہت سے میدانوں میں مدد کر چکا ہے اور حنین کے روز بھی۔ جب تم اپنی بہتات پر اترائے۔ پھر (یہ تمہارا اترانا) تمہارے کچھ کام نہ آیا اور زمین اپنی فراخی کے باوجود تم پر تنگ ہوگئی تو پھر ہٹے تم پیٹھ پھیر کر۔

مؤرخین اسلام کا کہنا ہے کہ محمدؐ رسول اللہ نے چھوٹی بڑی اسّی۸۰ جنگیں لڑیں۔ ان تمام جنگوں میں اس آیت کے مطابق خداوند کی مدد سے فتح یاب ہوتے رہے نہ کثرتِ سپاہ کے سبب۔ لیکن جنگِ (حنین) میں مسلمان اپنی کثرتِ تعداد پر مغرور ہوئے اور خود کو حتمی فاتح سمجھ بیٹھے تھے۔ اور غفلت برتی اس حقیقت سے کہ خداوند کی مدد سے مسلمان فتحیاب ہوتے ہیں نہ کہ کثرتِ تعداد کے باعث لہذا باوجودیکہ مسلمانوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ بُری طرح بھاگے۔

اسی سُورت کی چھبیسؔویں آیت میں خداوند نے فرمایا۔

"ثم انزل اللہ سکینتہ علیٰ رسولہ وعلی المومنین وانزل جنوداً لم تروھا و عذب الذین کفروا ' و ذٰلک جزاء الکٰفرین۔

یعنی: پھر اللہ نے اپنے رسول اور ایمان لانے والوں کو تسکین دی اور (اُن کی مدد کو) فوجیں اتاریں جو تُم نے نہیں دیکھیں اور مار دی کافروں کو یہی سزا ہے کافروں کی۔

محمدؐ نے جب دیکھا کہ سپاہ بھاگ رہی ہے تو اپنی خچر سے نیچے اُتر آئے۔ خچر کی لگام (سفیان بن حرث) کو تھمائی اور ایک چوڑے پتھر پر کھڑے ہو کر مسلمانوں کو آواز دی۔" کہاں جا رہے ہو آیا مجھے نہیں دیکھ رہے ہو۔ میں اللہ کا رسولؐ ہوں ــــ میں

عبدالمطلب کا فرزند ہوں ـــــ اے جماعتِ مہاجر ـــــ اے جماعتِ انصار۔ اے وُہ لوگو جو (حدیبیہ) میں میرے ساتھ تھے فرار نہ کرو اور ادھر آؤ۔

بعض وقائع نگاروں نے لکھا ہے کہ عباس۔ پیغمبرِ اسلام کے چچا بلند آواز تھے وُہ تکرار کرتے جاتے تھے۔ محمدؐ کی استقامت شہامت اور اللہ پر یقین رنگ لایا اور بھاگتی ہوئی سپاہ ٹھہر گئی اور آپؐ کے اردگرد جمع ہونے لگی۔ محمدؐ نے حکم دیا کہ مسلمان مسلح ہو کر اور درّہ کا چکّر کاٹ کر درّہ کے دُوسری طرف صحرا (اوطاس) میں پہنچیں۔

مسلمانوں نے ایسا ہی کیا۔ (ہوازن) کا پڑاؤ اُس صحرا (اوطاس) میں تھا۔ مسلمانوں نے اُن کے پڑاؤ پر حملہ کر کے تمام عورتیں۔ بچے۔ چارپائے اور اموال پر قبضہ کر لیا۔

(ہوازن) مسلمانوں کی راہ روکنا چاہتے تھے مگر اب مسلمان مسلح ہو کر پیش قدمی کر رہے تھے اس لیئے کچھ (ہوازن) قتل ہوئے اور بقیہ کو مجبوراً ہزیمت اُٹھانی پڑی۔ محمدؐ نے (ہوازن) کا مال و اسباب۔ عورتوں، بچوں اور چارپایوں کو (جعکرانہ) میں منتقل کرنے کا حکم دیا۔ یہ مقام مکّہ کے شمال میں ۱۵ کیلومیٹر کے فاصلہ پر تھا اور مزید فرمایا کہ ان کے بیٹے لباس اور غذا ساتھ لے جائیں جنگ (حُنین) کے مسلمانوں کے حق میں ختم ہونے کے بعد محمدؐ نے (طائف) پر حملہ کرنے کا فیصلہ کیا۔

(طائف) میں دُو قلعے تھے۔ اہلِ (طائف) نے جب اسلامی لشکر دیکھا تو شہر کے دروازے بند کر کے محصُور ہو گئے۔ مسلمانوں نے (طائف) کا حصار توڑنے کے لیئے منجنیق استعمال کی اور اس کے علاوہ سلمان فارسیؓ کے مشورہ سے (ارابہ) تیار کیئے گئے (ارابہ) جو سلمانؓ فارسی کے مشورہ سے تیار ہوئے۔ وُہ اس طرح بنائے گئے تھے کہ اُن کی آڑ میں مسلمان سپاہ شہر کے دروازوں کے نزدیک پہنچ جاتی تھی اور محصورین کے تیر و پتھر بے اثر ثابت ہوتے تھے۔

جنگِ (حنین) کی فتح کے بعد مسلمان بلند حوصلہ تھے۔ بڑی شہامت سے لڑ رہے تھے۔ حتیٰ کہ (مالک بن عوف نصری) کا گھر جو کہ (طائف) شہر کے جنوب میں تھا ویران کر دیا گیا۔ مگر (طائف) سرنگوں نہ ہوا۔

پیغمبرِ اسلام نے (طائف) والوں کو وعدہ دیا۔ اگر وُہ تسلیم ہو جائیں تو اُن سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا۔ لیکن اس یقین دہانی کے باوجود صرف اسّیؔ افراد تسلیم ہوئے جو بعد آں مسلمان ہو گئے۔ (طائف) کا محاصرہ چالیسؔ دن تک جاری رہا مگر (طائف) سرنگوں نہ ہوا۔ لہٰذا محمدؐ لشکر کی کمان دُوسروں کو سپرد کر کے خود (جعکرانہ) تشریف لے گئے تاکہ مالِ غنیمت کو مسلمانوں میں تقسیم کریں۔ مالِ غنیمت کے علاوہ چھ ہزار جنگی اسیر بھی مسلمانوں میں تقسیم ہُوئے۔

اسیروں میں سے ایک عورت آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کی میرا نام (شیمہ) ہے۔ میں آپؐ کی رضاعی بہن ہُوں جب حلیمہ آپؐ کو دُودھ پلایا کرتی تھی میں بھی دُودھ پیا کرتی تھی اور ایک زخم کا نشان جو کہ اُس کے ہاتھ پر تھا دکھاتے ہوئے عرض کی جب میں اور آپؐ چھوٹے تھے اور اکٹھے کھیلا کرتے تھے آپؐ نے سہواً مجھے مجرُوح کر دیا تھا۔ یہ نشان اُسی زخم کا ہے لہٰذا آپؐ مجھے مسلمانوں کی کنیزی میں نہ دیں۔

محمدؐ نے فرمایا۔ اے شیمہ تم مائل ہو کہ مسلمان ہو کر آزاد زندگی بسر کرو؟
اُس عورت نے کہا۔ نہ محمدؐ۔ میری آزادی یہی ہے کہ میں صحرا میں واپس چلی جاؤں اور صحرائی زندگی بسر کروں۔

Marfat.com

محمدؐ نے فرمایا۔ میں تمہیں آزاد نہیں کر سکتا۔ مگر ایک ترتیب ہے اور وہ یہ کہ غنائم کی تقسیم کے وقت تو میرے حصہ میں آ جائے۔ اس صورت میں تو میری کنیز ہو گی میں تمہیں آزاد کر دوں گا۔

اسی طریقہ پر عمل کیا گیا۔ (شمہ) محمدؐ کے حصہ میں شامل ہوئی اور آزاد کر دی گئی۔ اپنی آزادی کے بعد (شمہ) نے درخواست کی کہ میرا شوہر بھی اسیر ہے۔ قانون کے مطابق اُسے بھی غلام بنا لیا جائے گا۔ اُسے بھی آزاد کیا جائے۔

محمدؐ نے ایک بار پھر درخواست کی کہ اُسے میرے حصہ میں شامل کیا جاوے۔ ایسا ہی کیا گیا اور پیغمبرِ اسلام نے اُسے بھی آزاد کر دیا۔

جب (ہوازن) قبیلوں نے دیکھا کہ (شمہ) اور اُس کا شوہر آزاد ہو گئے ہیں۔ انہوں نے بھی اپنا نمائندہ محمدؐ کی خدمت میں بھجوایا کہ ہم (حلیمہ) کے قبیلہ سے ہیں اس نسبت سے آپؐ کے رضاعی بہن بھائی ہیں پس ہمیں بھی فدیہ کی ادائیگی کے بغیر آزاد کیا جائے تاکہ ہم اپنے قبیلہ میں واپس جا سکیں۔

محمدؐ نے فرمایا۔ اب میں ایسا نہیں کر سکتا اس لیے کہ تم اب مسلمانوں میں تقسیم ہو چکے ہو۔

(ہوازن) کے نمائندہ نے کہا۔ آپؐ کس طرح برداشت کریں گے کہ آپؐ کے رضاعی بہن بھائی غلام و کنیز بنیں۔

محمدؐ نے فرمایا۔ میں صرف اتنا ہی کر سکتا ہوں کہ غلام اور کنیزیں جو میرے حصہ میں آئے ہیں انہیں آزاد کر دوں اس کے علاوہ میرے بس میں کچھ بھی نہیں۔ دوسرے تمام غلام اور کنیزیں دوسروں کی ملکیت ہیں انہیں آزاد کرنے یا نہ کرنے کا اختیار فقط انہی کو ہے۔ محمدؐ نے اپنے تمام غلاموں اور کنیزوں کو جو اُن کے حصہ میں آئی تھیں آزاد کر دیا۔

آپؐ کی تقلید میں (علیؑ بن ابی طالب) نے بھی اپنے حصہ کے غلام اور کنیزیں آزاد کر دیں۔ ابوبکرؓ اور عمرؓ نے بھی تقلید کی اور اپنے اپنے حصہ کو آزاد کر دیا۔

باقی تمام مسلمانوں نے جب یہ دیکھا کہ بزرگانِ اسلام نے اپنے اپنے حصہ کے غلاموں اور کنیزوں کو آزاد کر دیا ہے تو انہوں نے بھی اپنے حصہ کے غلام اور کنیزیں آزاد کر دیں مگر مالِ غنیمت واپس نہ کیا۔

آزاد ہونے والوں میں (مالک بن عوف) بھی تھا۔ اُس کو اُس کا مال بھی واپس مل گیا۔ اُس کا مال محمدؐ کے حصہ میں آیا تھا وہ آپؐ نے واپس کر دیا۔ (مالک بن عوف) (ہوازن کا سپہ سالار) اُسی جگہ مسلمان ہو گیا۔

بدیں ترتیب مالِ غنیمت کی تقسیم کا مسئلہ منقضی ہوا۔ اور محمدؐ واپس (طائف) تشریف لے گئے۔ محاصرہ کی وضع میں کچھ تغیر نہیں آیا تھا۔ اسلامی لشکر کے وہ لوگ جو (طائف) میں مصروفِ جنگ تھے۔ (طائف) کو سرنگوں نہ کر سکے۔ لیکن (ہوازن) قبائل کے اسلام قبول کر لینے کے بعد (طائف) مسلمانوں کے نزدیک ایک خطرناک شہر نہیں رہا تھا۔ بلکہ ایک جزیرہ کی شکل اختیار کر گیا تھا جس کے چاروں طرف اسلام نے احاطہ کر لیا تھا۔

محمدؐ نے دیکھا کہ (طائف) کے محاصرہ کے لیے اگر ایک چھوٹا سا لشکر چھوڑ دیا جاوے تو یہ شہر بغیر جنگ کیے بھوک اور پیاس کی وجہ سے سرنگوں ہو جائے گا۔ لہٰذا (ابوسفیان) کو ایک چھوٹے سے لشکر کے ساتھ محاصرہ جاری رکھنے کی ہدایت فرما کر آپؐ تمام مسلمانوں کے ساتھ مکہ تشریف لے آئے۔

Marfat.com

عامُ الوفود

(وفود کی پذیرائی کا سال)

محمدؐ کے مکّہ تشریف لے جانے کے بعد (انصار) نے عدمِ رضایت کا اظہار کیا اور عرض کی۔ یا رسول اللہ آپ نے (ہوازن) کے مالِ غنیمت میں سے قریشی مسلمانوں کو زیادہ حصّہ دیا ہے۔

یہ شکایت صحیح تھی۔ مالِ غنیمت کی تقسیم کے وقت آپؐ نے (انصار) سے زیادہ (قریش) کا خیال کیا۔ لیکن ایسا بھی نہیں کہ (انصار) کا حصّہ (قریش) کو دے دیا ہو۔

قانون کے مطابق مالِ غنیمت کا ایک پنجم پیغمبرِ اسلام اور اُن کے اقربا کے لیئے تھا۔ محمدؐ کہ ہمیشہ اپنا حصّہ دوسروں میں تقسیم کر دیا کرتے تھے اس سفر میں اپنے حصّہ کے مالِ غنیمت کو (قریش) میں تقسیم فرمایا تاکہ وُہ خوش ہو جائیں۔

پیغمبرِ اسلام نے (قریش) کے ساتھ محبت بھرا برتاؤ ضروری خیال کیا تاکہ یہ تازہ مسلمان ہوئے ہیں۔ اسلام سے بیشتر علاقہ مند ہو جائیں گے۔

(انصار) کو شکایت کا حق نہیں پہنچتا تھا۔ پھر بھی محمدؐ نے اُن کی دلجوئی کے لیئے فرمایا: تمہیں صرف اس وجہ سے دلگیر نہیں ہونا چاہیئے کہ اس سفر میں قریش کو آپ سے زیادہ حصّہ ملا۔ آخر وہ مکّہ ہی میں رہیں گے اور میں تم لوگوں کے ساتھ مدینہ میں اور وہاں ہم باہم مل کر زندگی بسر کریں گے۔

آیا تمہارے لیئے ایک شتر اور چند گوسفند بطورِ حصّہ زیادہ اہمیت رکھتا ہے یا یہ کہ تم اپنے ساتھ پیغمبرِ اسلام کو زندگی بھر کے لیئے لے جاؤ۔

آیا تمہیں علم ہے کہ پیغمبرِ خُدا کے ساتھ زندگی بسر کرنا تمہارے لیئے کتنا بڑا شرف ہے۔ خداوند اس مناسبت سے نہ صرف تمہیں بلکہ تمہاری اولاد کو بھی اپنی رحمت کا مستحق کرے گا۔

مکّہ واپس آنے کے چند روز بعد محمدؐ وعدہ کے مطابق (انصار) کے ساتھ مدینہ روانہ ہو گئے۔ (انصار) محمدؐ کے مدینہ روانہ ہونے پر اس قدر خوش تھے کہ غلغلہ کرتے اور شعر پڑھتے روانہ ہوئے۔

Marfat.com

محمدؐ نے مدینہ روانہ ہونے سے تھوڑی دیر پہلے ایک جواں مرد کو کہ ہنوز اُس کی عمر تیئیس سال بھی نہ تھی مکہ میں بطور خلیفہ مقرر فرمایا۔ یہ جوان قبیلہ (اُمیّہ) یعنی (ابُوسفیان) کے قبیلہ سے تھا۔ مکہ میں مسلمانوں کے تمام اُمور (رتق و فتق) اُس کے سپُرد کیے۔

محمدؐ کی مدینہ واپسی کے تھوڑی دیر بعد (طائف) سے ایک ہیئتِ نمائندگی پیغمبرِ اسلام کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ نمائندوں نے آپؐ کی خدمت میں عرض کیا۔ "ہم اہلِ طائف اسلام قبول کرنے پر آمادہ ہیں لیکن شرط یہ ہے کہ رسُولِ خدا انہیں آزاد چھوڑ دیں یعنی مثلِ سابق نماز نہ پڑھیں۔ سُود خوری۔ شراب اور دُوسرے نشہ آور مشروبات کے استعمال پر پابندی نہ ہو۔"

محمدؐ نے اُن کی درخواست رد کردی اور فرمایا۔ اسلام میں فحاشی۔ سُود خوری اور نشہ آور مشروبات حرام ہیں۔ نمائندہ جماعت نے (طائف) واپس آکر لوگوں سے مشورت کی اور پھر واپس آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی۔ ہم اہلِ (طائف) فحاشی۔ سُود خوری اور نشہ آور مشروب چھوڑنے پر آمادہ ہیں۔ لیکن ہماری یہ گزارش ہے کہ ہمیں جنگی خدمات۔ روزہ رکھنے اور زکوٰۃ کی ادائیگی پر مجبور نہ کیا جائے۔

یہاں یہ وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے۔ آغازِ اسلام میں ہر مسلمان پر فرض تھا کہ میدان کارزار میں جائے اور جنگ میں حصّہ لے۔

آج بھی جہاد ہر مسلمان پر واجب ہے مگر یہ کہ وہ بیمار یا سالخوردگی کے باعث ناتوان نہ ہو۔

محمدؐ نے (طائف) والوں کی درخواست منظور فرمائی اور انہیں جنگی خدمات۔ زکوٰۃ کی ادائیگی اور روزہ نہ رکھنے کی اجازت دے دی۔

مسلمانوں نے پیغمبرِ اسلام سے عرض کی یا رسولؐ اللہ۔ کیونکر آپؐ نے (طائف) والوں کو جنگی خدمات۔ زکوٰۃ کی ادائیگی اور روزہ معاف فرما دیا۔ کیا یہ واجباتِ اسلام میں سے نہیں ہیں؟

پیغمبرِ اسلام نے فرمایا جب اہلِ (طائف) مسلمان ہو جائیں گے تو خود ہی واجباتِ اسلام کے فوائد جان جائیں گے اور تمام واجبات پر عمل کریں گے۔ اور ایسے ہی ہوا۔ پیغمبرؐ کی رحلت سے قبل اہلِ (طائف) آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور گزارش کی کہ ہم جنگی خدمات۔ زکوٰۃ کی ادائیگی اور روزہ رکھنے پر خوشی سے آمادہ ہیں۔

اب ہم پیغمبرِ اسلام کی زندگی کے اُس حصّہ کا ذکر کرتے ہیں جسے "عام الوفود" کہا گیا ہے۔

سال ۹ ہجری کو مسلمان عام الوفود کہتے ہیں۔ یعنی وہ سال جس میں سفراء اور نمائندے آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے۔ اس تاریخ سے ۹ سال قبل محمدؐ نے اسلیئے کہ قتل نہ کر دیئے جائیں مجبور ہو کر مکہ کو خیرباد کہا۔ اور باتفاق ابوبکرؓ صدیق مدینہ روانہ ہوئے۔ اُس غار میں پناہ لی جہاں سانپوں کے ڈسنے کا بھی خطرہ تھا۔

اُس سفر میں پیغمبرِ اسلام کے سر کی قیمت بھی مقرر ہوئی۔ اعلان ہوا تھا کہ جو شخص محمدؐ کو زندہ یا مُردہ لائے گا اُسے ایک سو اُونٹ انعام دیا جائے گا۔

آج نو سال بعد محمدؐ مکہ کو تسخیر کر چکے تھے اور وُہ تمام لوگ جو ماضی میں آپؐ کے دشمن تھے اور آپؐ کے قتل کے درپے

Marfat.com

تھے آج اسلام کے فدائی تھے۔

حتیٰ کہ (عکرمہ بن ابوجہل) جو آپ کو قتل کرنا چاہتا تھا مسلمان ہؤا اور بعد آں ایک جنگ میں شہادت پائی۔

(ابوسفیانؓ) جو کہ جنگ (اُحد) و (خندق) میں مکّہ کی فوج کا سپہ سالار تھا مسلمان ہؤا۔ آپؐ نے اُسے حاکم (نجران) مقرر فرمایا۔

(خالدؓ بن ولید) مشرکین کے بڑے سرداروں میں سے تھا۔ اسلام کا ایک بہت بڑا مجاہد اور سپہ سالار ہؤا اور سیف اللہ کا لقب پایا۔

محمدؐ نے سن نو ہجری میں نہ صرف مکّہ کو فتح فرمایا بلکہ سراسر جزیرۃ العرب پر اسلام کا پرچم لہرا رہا تھا۔ یعنی تمام جزیرۃ العرب مسلمان ہو چکا تھا یا اسلام سے موافقت کر چکا تھا۔

جب جزیرۃ العرب کی وسعت پر نگاہ ڈالتے ہیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ پیغمبرِ اسلام اوّل ہجری سے نو ہجری تک روزانہ اوسطاً ۸۲۲ کلومیٹر مربع اراضی کو سلطنتِ اسلام کے تحت لاتے۔

مسلمان ابتداء میں اس قدر مفلس تھے کہ پہلی تین جنگوں میں جو مشرکین سے لڑی گئیں۔ ہر دو مجاہدین کے پاس سواری کے لیئے ایک اُونٹ ہوتا تھا۔ جنگ (بدر) میں جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے۔ مجاہدوں کی تعداد صرف تین سو تیرہ تھی اور گھوڑوں کی تعداد صرف دو راس۔

لیکن بعد میں اس قدر قوی اور ثروت مند ہو گئے کہ جنگِ حنین میں مسلمانوں کے پاس ایک ہزار گھوڑے تھے اور جنگِ تبوک جس کا ذکر بعد میں آئے گا اسلامی لشکر میں دس ہزار گھوڑے دیکھے جا سکتے تھے۔

مسلمانوں نے پہلی بار (نخلہ) میں صرف چار مجاہدوں کے ساتھ جنگ کی۔

دُوسری جنگ۔ جنگِ (بدر) میں مسلمانوں کی تعداد ۳۱۳ تھی۔ جنگِ (اُحد) میں سات سو ولیکن جنگِ (تبوک) میں مسلمانوں کا لشکر تیس (۳۰) ہزار افراد پر مشتمل تھا۔

جنگی نقصانات زیادہ تر جنگوں میں برائے نام تھے اور بعض میں نسبتاً زیادہ۔

مگر جس عظیم رقبہ پر مسلمانوں نے تصرف حاصل کیا اُس کے تناسب سے یہ تلفات قطعی زیادہ نہیں ہیں۔

وہ لوگ جو نو ہجری تک مسلمان ہو چکے تھے۔ اُن کا عقیدہ تھا کہ اسلام کے پانچ ارکان ہیں:۔

۱۔ تشہد یعنی خدا ایک ہے محمدؐ اُس کے بھیجے ہوئے رسولؐ ہیں۔

۲۔ صلوٰۃ یعنی نماز کا ہر روز معین اوقات میں پڑھنا۔

۳۔ صوم یعنی سال کے ایک مخصوص مہینہ میں روزے رکھنا۔

۴۔ زکوٰۃ یعنی سالانہ مالیاتی محصُول کہ ہر مسلمان اپنے اموال کے تناسب سے اسلامی حکومت کو ادا کرے۔

۵۔ حج یعنی زیارت خانہ کعبہ۔ اس صورت میں کہ مسلمان مرد یا عورت میں اتنی مالی استطاعت ہو۔

سن نہم ہجری میں آپؐ کا مزاج کسل تھا اور آپؐ مدینہ ہی میں رہے۔

Marfat.com

ہم رسول اللہ کی نوعِ کسالت کے متعلق اظہارِ نظر نہیں کر سکتے۔ اس لیئے کہ مؤرخین اسلامی نے کسالت کی نوعیت کے متعلق کچھ نہیں لکھا۔ اس صورت میں یہ تعیین کرنا بہت مشکل ہے کہ آپؐ کو کیا بیماری لاحق تھی۔

اس سال پیغمبرِ اسلام نے سفیروں اور مختلف وفود کو جو اُن قبائل کی طرف سے آتے رہے جو اب اسلامی قلمرو میں شامل تھے پذیرائی بخشی۔ چونکہ اس سال رسول اللہ نے وفود کو پذیرائی بخشی اس سال کو "عام الوفود" کے نام سے یاد کیا گیا۔

محمدؐ کی حیثیت پورے جزیرۃ العرب میں اُس وقت ایک مذہبی، سیاسی اور فوجی سربراہ کی تھی۔ لیکن جب سفراء اُن کی خدمت میں حاضر ہوتے تو مشاہدہ کرتے کہ وُہ ایک کھجور کی چٹائی پر تشریف فرما ہیں اور گھر کا سامان ویسا ہی ہے جیسا پہلے ہوتا تھا۔

جب سفیر آتے تو بلالؓ اُن کی راہنمائی فرماتے اور آپؐ کی خدمت میں لے جاتے۔ عربستان کے قبیلوں کے سفیر جب مدینہ میں داخل ہوتے تو انہیں محلۂ نجاریہ میں (رملہ بنت حارث) کے گھر ٹھہرایا جاتا اس لیئے کہ اس گھر کو سرکاری مہمانوں کی سکونت کے لیئے مخصوص کر دیا گیا تھا۔

جب کبھی سفراء کی تعداد زیادہ ہو جاتی۔ وُہ گھر ناکافی ہوتا تو محمدؐ کے حکم کے مطابق مسجدِ نبوی میں خیمے لگا دیئے جاتے اور وہاں سفراء کو ٹھہرایا جاتا۔

باوجود اس کے کہ اسلام پورے جزیرۃ العرب میں پھیل چکا تھا۔ محمدؐ نے یہودیوں اور عیسائیوں کو قبولِ اسلام پر مجبور نہیں کیا تھا۔ اس لیئے کہ ہر دو اہلِ کتاب تھے۔

پیغمبرِ اسلام نے (ابوالحارث) (اسقفِ نجران) کو جو خط لکھا اُس کا متن حسبِ ذیل ہے:۔

"بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ پیغمبرِ اسلام کی طرف سے (نجران) کے اسقفِ اعظم اور دوسرے پادریوں کے نام
اما بعد۔ اسقفِ اعظم۔ اساقفہ اور پادریوں پر یہ واضح ہونا چاہیئے۔ کلیساؤں۔ نماز خانوں اور صومعہ ہا کی نگرانی و انتظام حسبِ سابق اُن کے پاس ہی رہے گی۔ خداوند اور اُس کا رسولؐ اس کی حمایت کرتے ہیں۔ (اس خط میں پیغمبر فرماتے ہیں) کہ کوئی اسقفِ اعظم۔ اسقف۔ پادری۔ اپنے مقام سے ہٹایا نہیں جائے گا۔ اُن کے حقوق و قدرت کا خیال رکھا جائیگا۔ اور اس میں کوئی تبدیلی نہیں کی جائے گی اور کسی بھی مذہبی رسم کو تبدیل نہیں کیا جائیگا۔ اور کسی قسم کی مزاحمت نہیں کی جائے گی۔ اور اُن سے بھی ہم اُمید رکھتے ہیں کہ وہ کسی قسم کی مزاحمت پیدا نہیں کریں گے"۔ اس خط سے ظاہر ہوتا ہے عیسائی اور اسی طرح یہودی بھی اپنے مذہبی وظائف کی ادائیگی کے لیئے جزیرۃ العرب میں کاملاً آزاد تھے۔ اور کوئی مسلمان مذہبی امور کی ادائیگی میں مزاحم نہیں ہوتا تھا۔

سن ۹ ہجری میں (نجران) کے عیسائیوں کا ایک وفد پیغمبرِ اسلام کی خدمت میں (مدینہ) حاضر ہُوا۔ یہ وفد اسقفِ اعظم (ابوالحارث) و اسقف (عبدالمسیح) اور (الایہم) رئیس کاروان پر مشتمل تھا۔ (نجران) کے اساقفہ مدینہ میں وُرود کے بعد جب محمدؐ کی ملاقات کے لیئے جانے لگے تو اپنا روایتی مذہبی لباس پہنا تو اہلِ مدینہ اُن کے لباس کو حیرت سے دیکھتے تھے۔

یہ وفد جب آپؐ کی خدمت میں حاضر ہُوا تو اپنے مذہبی وظائف کی ادائیگی کی اجازت چاہی۔ محمدؐ نے اُن سے فرمایا کہ مدینہ کی مسجد میں اپنی عبادات انجام دیں۔ وُہ مسجد میں چلے گئے اور مشرق یعنی بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے اپنے مذہبی وظائف

Marfat.com

انجام دیئے۔

اس میں کوئی شک و تردید نہیں کہ پیغمبرِ اسلام عیسائیوں کے لیئے خصوصی احترام کے قائل تھے اسیلئے کہ قرآن عیسائیوں کو عزیز و محترم شمار کرتا ہے۔

خداوند نے سورۂ (مائدہ) کی آیت بیاسی سے پچاسی میں عیسائیوں کو موردِ عزت و قدردانی قرار دیا ہے۔

آیت بیاسی: "تمام آدمیوں سے زیادہ، مسلمانوں سے عداوت رکھنے والے، آپ ان یہود اور ان مشرکین کو پاویں گے اور ان میں مسلمانوں کے ساتھ دوستی رکھنے کے قریب تر ان لوگوں کو پائیے گا جو اپنے آپ کو نصاریٰ کہتے ہیں۔ یہ اس سبب سے ہے کہ اُن میں بہت سے علم دوست عالم ہیں اور بہت سے تارک الدنیا درویش ہیں اور یہی سبب ہے کہ یہ لوگ متکبر نہیں ہیں" ۞ (۸۲ المائدہ)

آیت تراسی: "اور جب وُہ اس کو سنتے ہیں، جو کہ رسول کی طرف بھیجا گیا ہے، تو آپ اُن کی آنکھیں آنسوؤں سے بہتی ہوئی دیکھتے ہیں۔ اسیلئے کہ انہوں نے حق کو پہچان لیا، یُوں کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم مسلمان ہوگئے ہم کو بھی تصدیق کرنے والوں کے ساتھ لکھ لیجئے ۞ (۸۳ المائدہ)

آیت چوراسی: "اور ہمارے پاس کونسا عُذر ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ پر اور جو حق ہم کو پہنچا ہے اس پر ایمان نہ لاویں، اور اس بات کی اُمید رکھیں کہ ہمارا رب ہم کو نیک لوگوں کی معیت میں داخل کر دے گا ۞ (۸۴ المائدہ)

آیت پچاسی: "سو ان کو اللہ تعالیٰ ان کے قول کے صلہ میں، ایسے باغ دیں گے جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی، یہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور نیکو کاروں کا یہی صلہ ہے ۞ (۸۵ المائدہ)

یہ موضوع بھی قابلِ توجہ ہے کہ کچھ آیات عیسائیوں کی تجلیل سے متعلق شاہ حبشہ کے مسلمانوں کے ساتھ حُسنِ سلوک کی مناسبت سے نازل ہوئیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ محمدؐ زندگی کے آخری دن تک عیسائیوں کے متعلق نیک بین رہے۔

سن ۹ ہجری مطابق ۶۳۱ عیسوی حج کے موقع پر بُت پرستوں نے بھی مسلمانوں کے ساتھ ہی خانۂ خدا کی زیارت کی۔ یہ سال بہرحال آخری سال تھا کہ بُت پرستوں نے حج ادا کیا۔ خداوند نے ۹ھ ہجری کے بعد زیارتِ خانہ کعبہ بت پرستوں کے لیئے ممنوع قرار دے دی اور یہ حکم قرآن کی نویں سُورت کی اٹھائیسویں آیت میں وارد ہوا ہے:

"یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنَّمَا الْمُشْرِکُوْنَ نَجَسٌ فَلَا یَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِھِمْ ھٰذَا...الخ

ترجمہ: یعنی "اے ایمان والو! جان لو کہ مشرکین نجس ہیں۔ اس سال کے بعد (یعنی ۹ ہجری) یہ مسجدِ حرام میں داخل نہ ہوں...تا آخرِ آیۃ

چنانچہ ۱۰ھ ہجری سے بُت پرستوں کے لیئے زیارتِ خانہ کعبہ ممنوع قرار دے دی گئی۔

محمدؐ چودہ ہزار مسلمانوں کے ساتھ مدینہ سے زیارتِ کعبہ کے لیئے مکّہ روانہ ہوئے۔ اس سال پیغمبرِ اسلام نے تمام مناسکِ حج مکمّل طور پر انجام دیئے۔ اسی مناسبت سے وُہ طریقہ جس پر آپؐ نے حج ادا کیا سُنّت قرار پایا اور آج تک مسلمان حج میں یہی مراسم ادا کرتے ہیں۔

ہمارے کہنے کا یہ مطلب قطعاً نہیں کہ اس سے پہلے پیغمبرِ اسلام مناسکِ حج ادا نہیں کرتے تھے۔ بلکہ ہمارا مطلب

Marfat.com

یہ ہے سال قبل پیغمبرِ اسلام خود زیارتِ کعبہ کو نہیں گئے تھے اور سن آٹھ ہجری کو وُہ جنگ کر کے مکّہ میں داخل ہوئے۔ اور اس سے قبل ایک بار جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے۔ مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ زیارتِ خانہ کعبہ کے لیئے گئے مگر تمام مناسکِ حج ادا نہ کر سکے تھے۔ اس سے قبل سات سال تک آپؐ نے مدینہ میں زندگی بسر کی اور خانہ کعبہ کی زیارت کو مکّہ نہیں جا سکتے تھے

بہر حال محمدؐ نے اِس سال مکمل مناسکِ حج ادا فرمائے۔ احرام باندھا۔ سات بار طواف کیا اور بینِ صفا و مروہ سعی کی۔ یہ سعی (حاجرہؑ) والدہ ماجدہ اسمٰعیلؑ کی یاد میں انجام دی جاتی ہے۔ وُہ اِن دو ٹیلوں کے درمیان پانی کی تلاش میں سرگرداں ہوئی تھیں۔

محمدؐ نے ذوالحج کی ۹ تاریخ کو اُن تمام مسلمانوں کو جو حج کی ادائیگی کے لیئے آئے ہوئے تھے۔ عرفات میں (جبل الرحمۃ) پر جمع کیا تاکہ اُن کو خطاب کر سکیں۔ اس موقع پر مسلمانوں کے علاوہ کسی غیر مذہب کے فرد کا وجُود نہیں تھا۔

محمدؐ مسلمانوں کو خطبہ دینا چاہتے تھے۔ انہوں نے خیال کیا کہ اُنؐ کی آواز تمام مسلمانوں تک نہیں پہنچ سکے گی۔ چنانچہ اِس مقصد سے کہ سب مسلمان خطبہ سُن سکیں انہوں نے کچھ افراد کو جو بلند آواز تھے۔ کچھ کچھ فاصلے پر مسلمانوں کے اجتماع میں کھڑا کیا تاکہ جو کچھ محمدؐ فرمائیں وُہ تکرار کرتے جائیں۔ بعد میں مسلمانوں نے اس خطبہ کو (خطبہ وداع) کا نام دیا:۔

تکرار کرنے والے افراد میں سے ایک بلالؓ مؤذن تھے۔ دُوسرے (ربیع بن اُمیہ)۔ محمدؐ نے قبل اس کے کہ خطبہ شروع فرماتے۔ لوگوں سے پُوچھا۔

جانتے ہو یہ مہینہ کون سا ہے؟

لوگوں نے جواب دیا۔ یہ ماہِ ذوالحجہ۔ ماہِ حرام ہے۔

پھر آپؐ نے پوچھا: جانتے ہو یہ کونسی سرزمین ہے؟

لوگوں نے عرض کی: یہ سرزمین مقدس عرفات ہے۔

اس کے بعد پیغمبرِؐ خدا نے خطبہ شروع کیا۔ خطبہ کی ابتدا خدا کے نام سے کی۔ خدا کی حمد کے بعد شہادتین پڑھیں اور فرمایا:

"اے اللہ کے بندو! میں تمہیں وصیّت کرتا ہوں کہ خُدا سے ڈرتے رہنا۔ اُس کی اطاعت کرنا۔ اور جو کچھ میں تمہیں کہتا ہُوں اُس پر عمل کرنا۔ شاید یہ آخری موقع ہو کہ میں یہاں مسلمانوں کے اس بڑے اجتماع میں شرکت کر رہا ہُوں اور نہیں جانتا کہ آئندہ سال مجھے یہاں آنے کا اور تم سے خطاب کرنے کا موقع ملے گا یا نہیں۔

اے لوگو! اگر تُم خدا سے ڈرتے رہوگے۔ اُس کی اطاعت کروگے۔ تمہاری جان و مال اور حیثیت ہر نوع گزند سے جب تک خدا کو منظور ہو گا محفوظ رہے گی وُہ تمہیں اپنے پاس بلائے گا اور اُس روز تمہاری جان اُس سے ہو گی۔"

اس موقع پر پیغمبرِ اسلام نے موضوعِ خطبہ بدلا اور فرمایا:۔

"کیا میں نے وظیفۂ پیغمبری بخوبی انجام دیا ہے یا نہیں؟ خدایا تو خود تعیّن کر کہ آیا تُو نے جو وظیفہ میرے سپُرد کیا وہ بہ انجام پہنچا ہے یا نہیں؟

لوگوں نے بلند آواز سے کہا: ہم شہادت دیتے ہیں کہ آپؐ نے وظیفۂ پیغمبری کو بخوبی انجام دیا ہے۔

Marfat.com

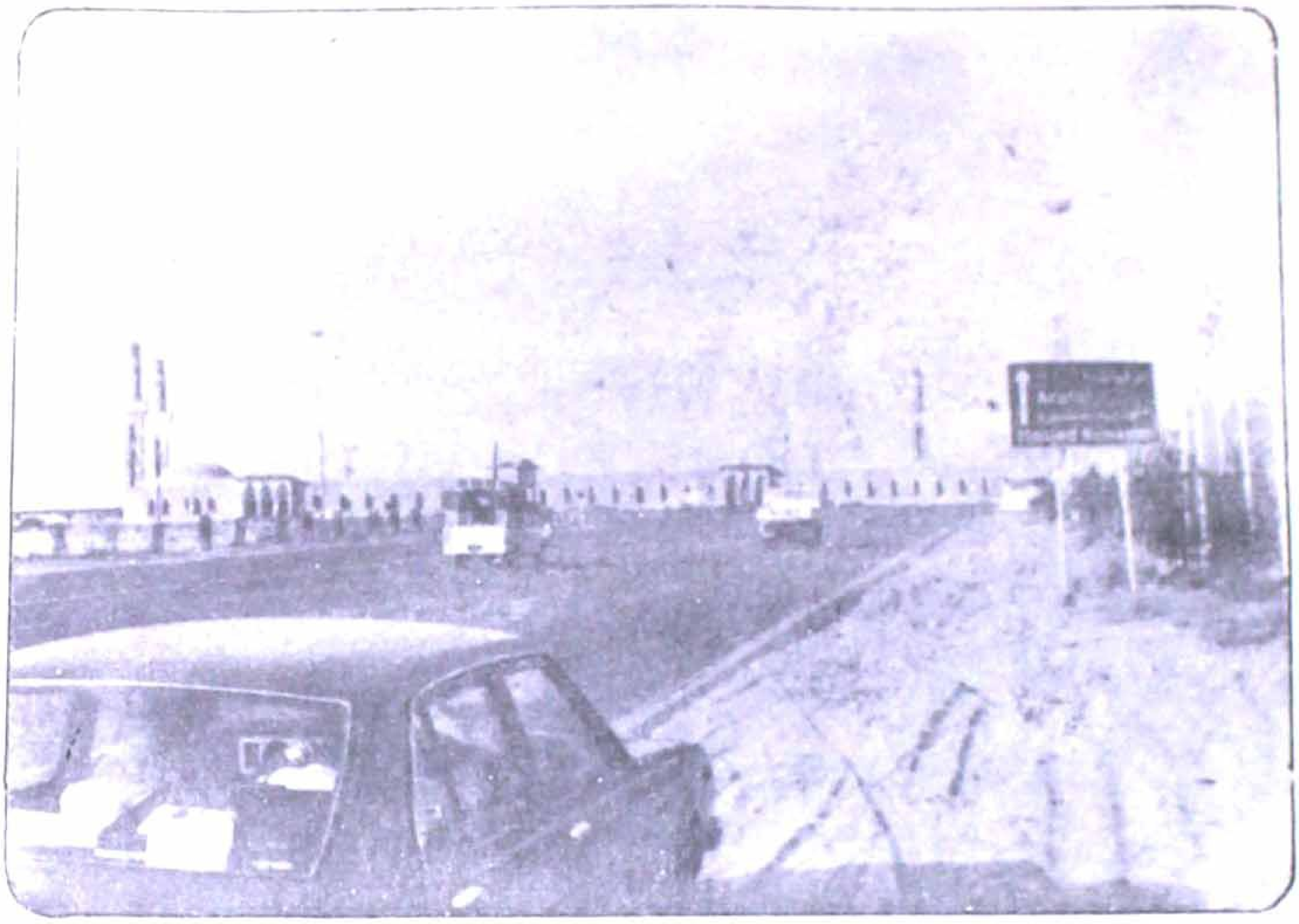

میدانِ عرفات میں مسجدِ نمرہ (مکۃ المکرمہ) نومبر ۱۹۷۵ء

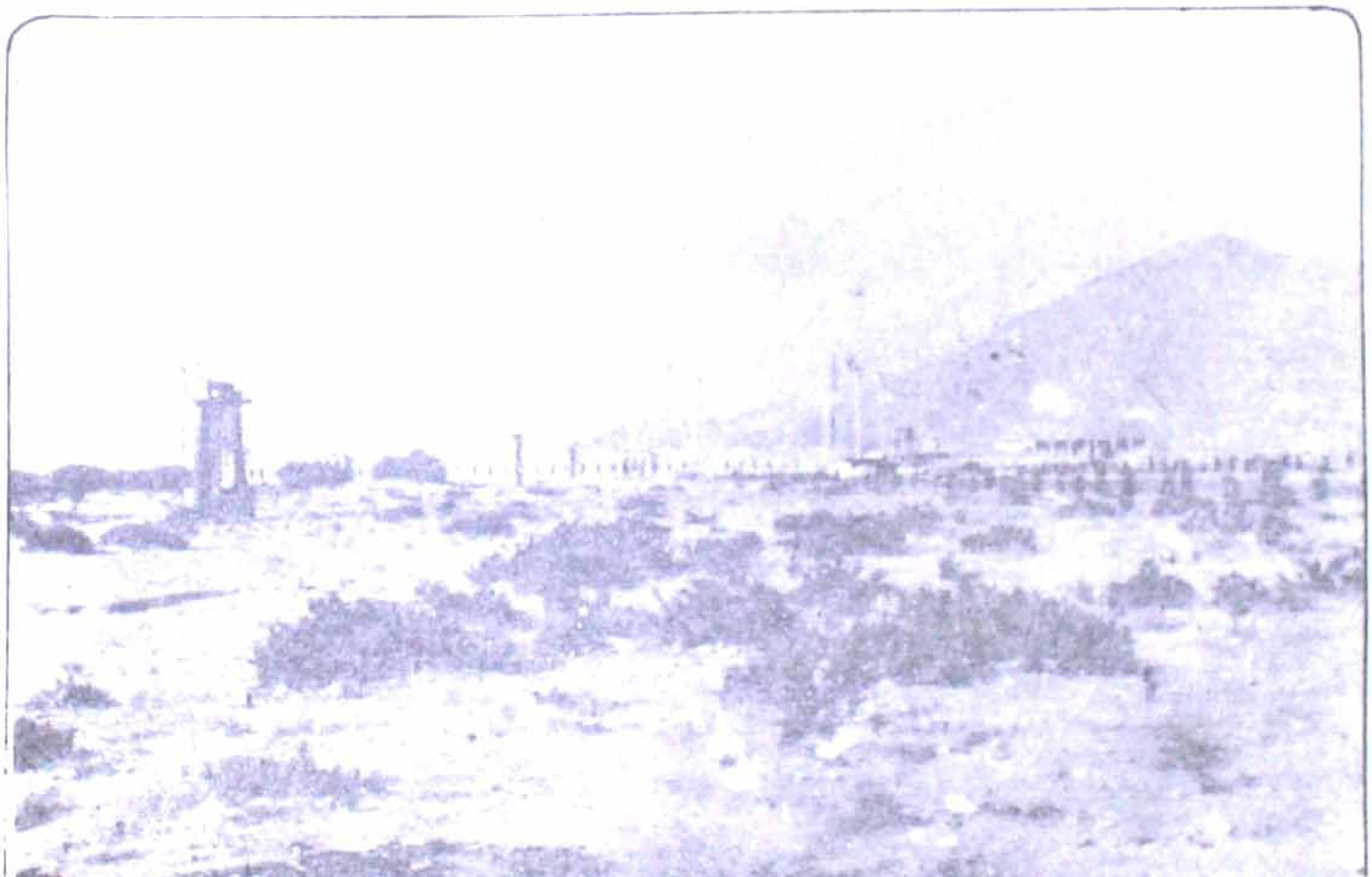

میدانِ عرفات اور مسجد نمرہ (مکۃ المکرمہ) نومبر ۱۹۷۶ء

Marfat.com

Marfat.com

سپس خدا کے پیغمبر نے فرمایا: میں جو کہتا ہوں اُس پر عمل کرنا اور اُسی طرح پر انجام دینا میری وصیت یہ ہے:
ہر وُہ شخص جس کے پاس دُوسرے کی امانت ہو وُہ اُس امانت کو اُسی حالت میں دوسروں کو واپس کرے۔ اور امانت میں خیانت نہ کرنا۔

اے لوگو! سُود سے پرہیز کرنا۔ دورۂ جاہلیت والی سود خوری اسلام میں ممنوع ہو چکی ہے۔ لیکن تمہارا اصل سرمایہ تم پر حلال ہے۔ خدا نے فرمایا: سُود خوری مت کرو اور پہلا شخص جیسے میں سُودی لین دین سے منع کرتا ہُوں وُہ میرے چچا عباس بن عبدالمطلب ہیں۔

اے لوگو! اگر کوئی قتل کرے تو اُس کو اُسی طرح محکوم بہ قتل کیا جائے گا اگر سہواً قتل ہو جائے اور عمداً نہ ہو اور مقتول پتھر یا لکڑی کی ضرب سے مرا ہو تو قاتل ایک سَو اونٹ دیہ ادا کرے اور کسی صورت قاتل سے ایک سو اُونٹ سے زیادہ مت مانگنا۔ اور ہر گاہ کہ اس سے زیادہ مطالبہ کیا تم نے دورۂ جاہلیت کی رسم کی پیروی کی۔

اس موقع پر پھر رسول اللہ نے فرمایا: کیا میں اپنا وظیفہ انجام دینے میں کامیاب ہُوا ہُوں یا نہیں؟ اے خدا! تو خود تعین کر آیا وظیفہ جو تُو نے میرے ذمّہ کیا وہ بہ انجام پہنچا ہے یا نہیں؟

لوگ بلند آواز سے پکارے: ہم شہادت دیتے ہیں کہ آپ نے اپنا وظیفہ بخوبی انجام دیا ہے۔

اس کے بعد پھر محمدؐ نے فرمایا:

اے لوگو: ابلیس خشمگین ہے اسلیئے کہ اُسے معلوم ہے کہ تمہاری سرزمین یعنی سرزمینِ اسلام میں کوئی اُس کی پرستش نہیں کرے گا لیکن وُہ کوشش کرے گا کہ دُوسرے موارد میں اُس کی پرستش ہو۔

اُسے معلوم ہے کہ تمہارے مذہبی امور میں اُسے مداخلت کی قدرت نہیں۔ لیکن پھر بھی وُہ کوشش کرے گا کہ تمہارے غیر مذہبی اور تمہاری زندگی کے فرعی وسائل میں دخالت کرے۔ اُس سے حذر کرنا۔ اُس کے چھوٹے اور بے اہمیت کاموں میں بھی دخالت نہ کرنا۔ اس لیئے کہ اُس کے لیئے نفوذ کرنے کی جگہ نہ رہے ورنہ ایک دن وُہ تمہارے مذہب کو نقصان پہنچائے گا۔

اے لوگو! ماہ ہائے حرام کا کسی دُوسرے مہینے سے عوض کرنا بدعت ہے۔ بے ایمان لوگوں نے یہ روایت قائم کی ہے چُونکہ وہ ایمان نہیں رکھتے تھے اس لیئے یہ بدعت قائم کی اور گمراہ ہوئے۔ وُہ ایک سال جس مہینہ کو عام ماہ شمار کرتے اگلے سال اُسے ماہِ حرام قرار دے لیتے ہیں۔

اسلام میں تمام مہینے اُسی طور ہیں جس طور خداوند انہیں وجود میں لایا اور کتاب الٰہی میں ذکر کیا یعنی بارہ مہینے ہیں اُس روز سے جب خداوند نے زمین و آسمان بنائے بارہ مہینے ہی تھے۔ ان بارہ مہینوں میں سے چار ماہ حرام ہیں۔ ان چار مہینوں میں سے تین تو یکے بعد دیگرے آتے ہیں اور وہ عبادت کے مہینے ہیں ماہِ ذیقعد۔ ذی حج۔ محرم اور چوتھا مہینہ رجب ہے جو جمادی الثانی اور شعبان کے درمیان آتا ہے۔

اے لوگو: اب میں تمہاری مستورات کی بابت گفتگو کرتا ہُوں۔ تمہاری عورتیں تم پر حق رکھتی ہیں اور تم اپنی عورتوں پر حق رکھتے ہو۔ اُن کا وظیفہ یہ ہے کہ تمہارے بستر پر کسی غیر مرد کو اجازت [illegible] وُہ لوگ جنہیں تم پسند نہیں کرتے انہیں اپنے گھروں

Marfat.com

میں داخل نہ ہونے دیں۔

اور اگر انہوں نے ان وظائف پر عمل نہ کیا تو خداوند کی طرف سے تمہیں اجازت ہے کہ اُن سے علیحدہ بستر میں استراحت کرو۔ انہیں تھپڑ لگاؤ مگر شدت سے نہیں اور اگر وُہ تمہاری اطاعت کریں اور اپنا وظیفہ بخوبی انجام دیں۔ انہیں مناسب غذا فراہم کرو۔ مناسب لباس پہناؤ۔ تمہیں چاہیئے کہ اپنی عورتوں سے بہترین سلوک کرو اسلیئے کہ وُہ تمہارے گھروں میں محبوس ہیں اور خود سے اختیار نہیں رکھتیں اور وُہ جو گھر میں محبوس ہو اور مختار نہ ہو اُس سے محبت اور شفقت کا برتاؤ کرنا چاہیئے۔ تمہاری عورتیں خداوند کی طرف سے تمہارے پاس امانتیں ہیں۔ اُس نے تمہیں اجازت دی ہے کہ اُس کے کلام کے وسیلہ سے اُن کے نزدیک آؤ (یعنی اسلامی قانون کے مطابق اُن سے ازدواج کرو) خدا سے ڈرو اور اپنی عورتوں سے بہترین برتاؤ کرو۔

ایک مرتبہ پھر پیغمبر نے فرمایا: آیا میں اپنا وظیفہ صحیح طور پر انجام دے سکا ہوں یا نہیں؟ خدایا تو خود اس کا تعین فرما کہ آیا جو وظیفہ تو نے میرے سپرد کیا تھا میں نے صحیح طور انجام دیا ہے یا نہیں؟

لوگوں نے بلند آواز سے جواب دیا: ہم شہادت دیتے ہیں کہ آپؐ نے اپنا وظیفہ احسن طریقہ سے انجام دیا ہے۔

محمدؐ نے فرمایا: اے لوگو! جو دینِ اسلام پر ایمان لائے ہو تم آپس میں بھائی بھائی ہو۔ ایک بھائی کا مال دُوسرے بھائیوں پر جائز نہیں اور مسلمان کو اجازت نہیں کہ ایک مسلمان کے مال میں دخل و تصرّف کرے مگر یہ کہ اُس کی رضایت سے ــــ اے لوگو! میرے مرنے کے بعد ایک دُوسرے کی جان و مال کے درپے نہ ہو جانا اور ایک دُوسرے کو قتل نہ کرنا۔ اسلامی اخوّت کو قائم رکھنا۔ میں چلا جاؤں گا تمہارے درمیان موجود نہیں ہوں گا۔ لیکن میری موت کے بعد خدا کی کتاب اور میری سنت تمہاری راہنمائی کرے گی اور تمہیں گمراہ ہونے سے بچائے گی

آیا میں اپنا وظیفہ انجام دینے میں کامیاب ہُوا ہُوں کہ نہیں؟ خداوند تو خود تعیّن کر کہ آیا جو وظیفہ تو نے میرے ذمہ کیا میں نے باحسن انجام دیا ہے یا نہیں؟

لوگوں نے بلند آواز میں جواب دیا:۔

ہم شہادت دیتے ہیں کہ آپؐ نے اپنا وظیفہ بخوبی انجام دیا ہے۔

محمدؐ نے فرمایا:

اے لوگو! تمہارا خدا ایک ہے اور تمہارا جدِ امجد بھی ایک تھا۔ تُم سب آدم کے بیٹے ہو اور آدمؑ خاک سے پیدا کیا گیا تھا لہٰذا تمہارا خمیر خاک سے ہے۔ تم میں سے کوئی کسی سے برتر نہیں۔ خدا کے زیادہ نزدیک وُہ ہے جو خدا سے زیادہ ڈرتا ہو اور جان لو کہ کوئی عرب یہ دعوٰی نہیں کر سکتا کہ وہ کسی غیر عرب سے برتر ہے۔ برتری فقط تقوٰی میں ہے۔

ایک مرتبہ پھر محمدؐ نے فرمایا۔ آیا میں اپنا وظیفہ بخوبی انجام دے سکا ہُوں یا نہیں؟

لوگوں نے بلند آواز میں شہادت دی کہ آپؐ نے اپنا وظیفہ بخوبی انجام دیا ہے۔

محمدؐ نے فرمایا: اے لوگو! تُم جو یہاں جمع ہو میرا یہ پیغام اُن لوگوں کو پہنچا دینا جو یہاں موجود نہیں ہیں تاکہ وُہ بھی میرے پیغام سے مطلع ہو جائیں۔

خداوند نے ہر وارث کے لیئے میراث میں سے حصّہ مقرر فرما دیا ہے تم اپنا حصّہ وراثت کے مطابق وصول کرنا اور کبھی ایسی وصیّت نہ کرنا کہ وارث کو مقررہ حصّہ سے زیادہ وصول ہو اور اگر تم کسی غیر کے لیئے وصیّت کرو تو تمہیں معلوم ہو کہ وصیّت اس طرح کرنا کہ اُس غیر کو جو وارث نہیں ہے میراث کے ایک تہائی (⅓) سے زیادہ نہیں پہنچنا چاہیئے۔

اے لوگو! چھوٹے بچے ماں سے متعلق ہیں اور وُہ شخص جو (محصنہ) سے زنا کرے اُسے سنگسار کیا جائے اور وُہ شخص جو اپنے باپ کے کسی غیر کو اپنا والد بتائے اور وُہ غلام جو اپنے ارباب کے علاوہ کسی دُوسرے سے اپنی معرفی کرائے اُس پر خدا کی لعنت ہو گی۔ تمام فرشتے اور افرادِ بشر اُس پر لعنت بھیجیں گے اور روزِ جزا اُس شخص سے دیہ اور فدیہ قبول نہیں ہو گا۔

محمدؐ نے اپنا خطبہ والسلام علیکم (یعنی تم پر سلامتی ہو) پر ختم کیا۔

اس خطبہ کو سُنکر حاضرین بہت متاثر ہوئے۔ ایک روایت کے مطابق اُس روز (جبل الرحمۃ) پر ایک لاکھ چالیس ہزار مسلمانوں کا مجمع تھا جنہوں نے پیغمبرِ اسلام کا خطبہ سُنا۔

جب محمدؐ کلمات ادا فرماتے لوگ اُس کی تکرار کرتے خصوصاً اُس وقت جب محمدؐ اپنے وظیفہ کی بخوبی انجام دہی کے متعلق پُوچھتے۔ لوگ بلند آواز میں جو شہادت دیتے وُہ دلوں کو بہت زیادہ متاثر کرتی تھی۔

جب لوگ ایک آواز ہو کر محمدؐ کے جواب میں گواہی دیتے تو کوہ و دمن لرز اُٹھتے تھے۔ وُہ لوگ جنہوں نے اُس روز خطبہ سُنا زندگی کے آخری لمحہ تک اُسے فراموش نہ کیا اور یہ کہا جا سکتا ہے کہ اُس دن خطبہ سُننے والے مسلمانوں کے وجود کے ہر ذرّہ میں وُہ الفاظ جو محمدؐ نے ادا فرمائے قائم ہو گئے۔

ہم جب اس خطبہ کو پڑھتے ہیں۔ حالانکہ ہم یوروپین ہیں اور ہم نے پیغمبرؐ کی آواز نہیں سُنی اور اُس روز اُس اجتماع میں شامل نہیں تھے۔ پھر بھی بہت زیادہ متاثر ہوتے ہیں۔ گُویا وہ لوگ جنہوں نے اُس دن (جبل الرحمۃ) میں یہ خطبہ اپنے کانوں سُنا اور اُن کی صُورت بھی دیکھ رہے تھے۔ یہ بھی نگاہ میں رہنا چاہیئے کہ عربستان میں کلام کی ایک اپنی وقعت اور تاثیر تھی۔ عرب بادیہ کی رُوح کلام سے اس طرح اثر پذیر ہوتی تھی کہ شاید آج ہماری عقل و فہم سے باہر ہے۔

اس خطبہ کو خطبہ (حج البلاغ) بھی کہتے ہیں۔

لیکن اکثریت نے اُس دن کے خطبہ کو (خطبہ حج الوداع) کا نام دیا ہے اور آج بھی اسی نام سے پکارا جاتا ہے۔ یہ خطبہ اسلام میں بہت مؤثر رہا ہے اور آج بھی مؤثر ہے اور تمام مسلمان جو لکھ پڑھ سکتے ہیں اس خطبہ کو حفظ کرتے ہیں۔

Marfat.com

کسالتِ رسول اللہ

مدینہ مراجعت کے ایک ماہ بعد تک آپ کی طبیعت اچھی رہی اُس کے بعد آپ بیمار ہو گئے۔ لیکن بیماری اِس طرح کی تھی کہ آپ گاہے گاہے گھر سے باہر تشریف لے آیا کرتے تھے اور مسجد میں جا کر نماز ادا کیا کرتے۔

جن دنوں وُہ خود گھر سے باہر تشریف لانے کی حالت میں نہ ہوتے تو آپ کی غیر موجودگی میں بعض مؤرخین کے مطابق (علیؑ ابن ابی طالب) اور بعض کے مطابق (ابوبکرؓ) امامت فرماتے۔

ہر موقع کہ ابوبکرؓ اور علیؑ مسجد میں قرآن پڑھاتے۔ پیغمبرؐ اپنے گھر میں ہی سُنتے رہتے اور کسی وقت اُٹھ کر بیٹھ جایا کرتے اور جو کچھ کہ مسجد میں پڑھا جاتا اُس کی تکرار فرماتے۔

جب تک محمدؐ میں مسجد تک جانے کی سکت تھی حتیٰ کہ دوسروں کی مدد سے۔ آپ نے مسجد جانے سے گریز نہیں کیا بعض اوقات آپ دو آدمیوں کے کندھوں کا سہارا لے کر مسجد جاتے تاکہ نماز پڑھائیں اور وعظ و نصیحت فرمائیں۔ ایک دن جب کہ آپ مسجد میں وعظ و نصیحت فرما رہے تھے۔ کہا۔ اے بھائیو! جلد ہی تم میں سے ایک شخص جو تمہیں بہت عزیز رکھتا تھا۔ تمہارے درمیان سے چلا جائے گا۔ سامعین جو مسجد میں جمع تھے یہ سُن کر رو پڑے۔

اس لیئے کہ وُہ اس کا مطلب سمجھ گئے تھے۔ جو انہیں دوست رکھتا تھا وہ محمدؐ تھے اور وُہ اب وفات پا جائیں گے۔

محمدؐ نے اُن کی دلداری فرمائی اور فرمایا گریہ مت کرو۔

بیماری کے دوران جب بھی آپ کی طبیعت قدرے بحال ہوتی آپ گھر سے نکل کر قبرستان بقیع کی طرف جاتے جہاں جنگ اُحد کے شہداء کی قبریں ہیں۔ اور کافی دیر آپ وہاں توقف فرمایا کرتے تھے۔

یہ صرف خدا کو معلوم ہے کہ محمدؐ جنگ (اُحد) کے شہداء کی قبروں پر کس بابت سوچا کرتے تھے۔ اُن دنوں جب بھی مسجد تشریف لے جاتے تو فرماتے۔ اے بھائیو اور بہنوں اگر کسی کے ساتھ مجھ سے کوئی زیادتی ہوئی ہو تو پیشتر اس کے کہ میں اس جہان سے رخصت ہو جاؤں مجھ سے قصاص لے لو۔ اگر میں نے کسی کو مارا ہے تو آؤ مجھے مار لو میری پیٹھ حاضر ہے۔

رسول اللہ کا گھر مدینہ میں (جہاں آپ نے اس دُنیا سے کوُچ فرمایا) مسجد کے نزدیک تھا۔ آپ کا گھر ایک منزلہ اور بغیر تہہ خانہ کے تھا جس کی وجہ سے گرمیوں میں بہت گرم ہو جاتا تھا۔ گھر صحن کے درمیان میں بنا ہُوا تھا یعنی صحن رہائشی حصّہ کے چاروں اطراف تھا اور ہر وقت چند بھیڑیں صحن میں پھرتی رہتی تھیں۔

Marfat.com

ایک صبح آپؐ کی طبیعت زیادہ خراب ہوگئی تو آپؐ نے وہاں جمع شدہ افراد سے فرمایا کہ جائیں اور میرے لیئے مدینہ کے سات کنوؤں سے سات پیالے پانی لائیں۔ لیکن یہ خیال رہے کہ ایک کنوئیں سے دو پیالے پانی نہ لیا جائے۔ لوگ گئے اور سات کنوؤں سے سات پیالے پانی لے آئے۔

پیغمبرؐ اسلام نے ہر پیالے میں سے تھوڑا تھوڑا پانی پیا۔ اور فرمایا اب میری طبیعت قدرے بہتر ہوگئی ہے۔

یہ کوئی حیرت کی بات نہیں ہے کہ کیوں محمدؐ نے ایسا کیا؟ اور کیوں سات کنوؤں کا پانی پینے سے طبیعت بحال ہوگئی۔ اُسکی وجہ یہ ہے کہ پانی ایک بدوی عرب کے لیئے دوا کی حیثیت رکھتا ہے۔ پانی کی قدر بدوی عرب ہی جانتا ہے جو تمام عمر تشنگی سے دوچار رہتا ہے۔ ہم اس کی قدر نہیں جان سکتے۔ کیونکہ ہماری دسترس میں پانی کی افراط ہے۔ بدوی عرب کی نظر میں پانی نہ صرف تقوی رُوح وجسم ہے بلکہ تمام دردوں کی دوا ہے۔ عربستان کے بیابانوں میں جو شخص بھی بیمار ہوتا اُس کا پانی سے علاج کیا جاتا ہے۔

جس دن محمدؐ نے سات کنوؤں کا پانی پیا۔ فرمایا کہ میری طبیعت بہتر ہوگئی ہے۔ چند افراد کے سہارے مسجد میں تشریف لے گئے۔ ایک مرتبہ پھر لوگوں سے خطاب کیا اور مومنین سے خواہش کی اگر مجھ سے کوئی زیادتی سرزد ہوگئی ہوئی ہے تو مجھے اُس کا قصاص لے لو۔ میں ہر نوع ضربت واہانت برداشت کرنے کو تیار ہوں۔

پیغمبرؐ نے فرمایا اے لوگو! اگر میں نے تمہیں ضرب لگائی ہے اور اہانت کی ہے تو مجھے ضرب لگاؤ اور اہانت کرو اور مت ڈرو کہ آپ کا مجھے ضرب لگانا یا اہانت کرنا میری رسوائی ہوگی۔ اسلیئے کہ اس جہاں کی رسوائی اگلے جہان کی رسوائی کے مقابل بے اہمیت ہے۔ بعدآں آپؐ نے پھر فرمایا اپنے ذہنوں پر زور دو شاید کچھ ادائیگی میرے ذمہ ہو۔ جتنی تمہاری طلب ہے مجھ سے وصول کرو۔

ایک شخص اُٹھا۔ اُس نے عرض کی۔ یا محمدؐ آپ میرے تین درہم کے قرضدار ہیں۔ آپؐ نے فوری اُس کا قرض چکا دیا۔ اسکے بعد رشتۂ سخن کو بدلا اور (اسامہ) کی بابت فرمایا (اسامہ) (زید بن حارث) کا لڑکا تھا۔ (زید بن حارث) قبیلہ (بنو کلب) سے تھا۔ ابھی بچہ ہی تھا کہ ایک جنگ میں اسیر ہوا۔ ایک شخص (حکیم بن حزا) نے اُسے بعنوان غلام اپنی پھوپھی زاد بہن (خدیجہؓ دختر خویلد) کے لیئے خریداری کیا۔ اور یہ وُہی (خدیجہؓ) ہیں جو بعد میں پیغمبرؐ اسلام کی زوجیت میں آئیں۔ جب حضرت خدیجہؓ کی شادی آپؐ سے ہوئی تو خدیجہؓ نے یہ غلام آپؐ کی خدمت میں دے دیا۔ محمدؐ نے اُسے آزاد کرکے اپنی فرزندی میں لے لیا۔ اسی وجہ سے مکہ میں بعض لوگ (زید بن حارث) کی بجائے (زید بن محمدؐ) کہنے لگے تھے۔

تاوقتیکہ (زید بن حارث) کی بابت خداوند کی طرف سے آیت نازل ہوتی اور اس آیت میں جو آج قرآن کی سورۃ (احزاب) کی پانچویں آیت ہے۔ خداوند نے مسلمانوں سے فرمایا۔ (زید بن حارث) کو (زید بن محمدؐ) کے نام سے مت مخاطب کرو۔ اگرچہ پیغمبرؐ نے اُسے فرزندی میں لیا ہے مگر حقیقی فرزندِ رسولؐ نہیں ہے۔

آیت مذکورہ میں (زید بن حارث) کا نام نہیں ہے۔ لیکن آیت کا ایک حصہ اُسی سے متعلق ہے (زید بن حارث) بعدآں جنگ (موتہ) میں شہید ہوگئے تھے (زید بن حارث) کا ایک فرزند (اُسامہ) تھا۔ جسنے آپؐ کی بیماری کے دوران ایک لشکر تیار کیا تھا (اُسامہ بن زید) کی عمر اُس وقت اکیس سال تھی اور رسولؐ اللہ کی طرف سے اُسے روم پر حملہ کرنے کے لیئے اس لشکر کا کماندار مقرر کیا گیا تھا۔

اس پر کچھ مسلمان جنگجوؤں نے بُرا منایا۔ گرچہ رسولؐ اللہ کے احترام کی وجہ سے اُن کی خدمت میں کچھ نہ کہہ سکے۔ ویسے اُنہیں

کچھ عام تنقید اور اظہار کیا کہ ایک اکیس سالہ جوان کو پیغمبرِ اسلام نے لشکر کا سپہ سالار بنا کر (شام) پر حملہ کے لیئے بھجوا دیا ہے۔ اُسکے پاس وہ لیاقت اور تجربہ نہیں ہے۔

بالآخر خبر رسولؐ اللہ تک پہنچی۔ اُس روز مسلمانوں سے خطاب کرتے ہُوئے فرمایا۔ میں نے (اُسامہ بن زید) کا انتخاب اِس خصوصیت سے کیا ہے کہ وُہ علاوہ اس کے کہ (زید بن حارث) کا لڑکا ہے۔ ایک شجاع و عاقل جوان ہے اور میں جانتا ہُوں کہ وُہ اس عہدہ کی ذمہ داریاں نبھا سکتا ہے۔

(اُسامہ بن زید) پیغمبرؐ کی رحلت کی وجہ سے اس جنگی مہم پر نہ جا سکا۔ لیکن بعد میں جب (ابوبکرؓ) خلیفۃ المسلمین ہُوئے۔ تو انہوں نے پیغمبرؐ کے وصیت کی تعمیل میں (اُسامہ) کو دوبارہ لشکر دے کر (شام) کے ساتھ جنگ کے لیئے بھجوایا۔ (اسامہ) شام گیا۔ جنگ ہوئی۔ اسلامی لشکر فتحیاب ہوا اور یہ ثابت ہو گیا کہ پیغمبرِ اسلام کا (اُسامہ) پر اعتماد بے بنیاد نہیں تھا۔

(شام) کے ساتھ جنگ میں (اُسامہ) کی اس فتح نے اسلام پر (شام) کے دروازے کھول دیئے اور عمرؓ بن الخطاب کے دورِ خلافت میں (شام) کی تمام مملکت اسلام کے زیرِ تصرف آ گئی۔

اُس دن کہ پیغمبرؐ نے مسجد میں (اسامہ) کی بابت صحبت فرمائی۔ رشتۂ کلام (انصار) تک پہنچایا اور فرمایا:

اے مہاجرین! تم نے مکہ سے ہجرت کی اور مدینہ پہنچے۔ میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ (انصار) کے ساتھ اچھا سلوک کرنا۔ انصار میرے دوست اور مددگار تھے اور ہمیں مکہ سے ہجرت کے بعد مدینہ میں اُن کی وجہ سے امن نصیب ہوا۔ اگر تم دیکھو (انصار) سے تمہاری بابت کوئی زیادتی ہو رہی ہے تو اُن سے درگزر کرنا۔ (انصار) میرے لیئے میرے لباس کی طرح تھے اور انہوں نے آج تک اپنے وظائف بڑی خوبی سے نبھا دیئے ہیں۔ اس کے بعد اُن کا یہ وظیفہ نہیں بلکہ وُہ حقدار ہیں۔ اے لوگو! میں جب فوت ہو جاؤں تو مجھے سپردِ خاک کرنا اور میری قبر کے سامنے رکوع و سجود نہ کرنا۔ رکوع و سجود فقط خدائے واحد کے لیئے ہے۔ اس کے بعد پیغمبرِ اسلام مسجد سے تشریف لے گئے

Marfat.com

ارتحال

پیشتر اس کے کہ ہم محمدؐ کی زندگی کے آخری ایام کی بابت گفتگو کریں۔ ضروری محسوس ہوتا ہے کہ ہم مختصر [illegible] جنگ تبوک پر جو محمدؐ کی زندگی کی آخری جنگ تھی روشنی ڈالیں۔ جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ مکّہ سے مراجعت کے بعد محمدؐ بیمار ہو گئے لیکن گاہ بگاہ [illegible] بہتر ہو جایا کرتا تھا۔

(شام) میں بعض سلاطین و اُمراء (قیصرِ رُوم) کے تحت حمایت تھے۔ وہاں افواہ مشہور ہو گئی کہ محمدؐ وفات پا گئے ہیں [illegible] سے (دُومۃ الصغریٰ) نے پروگرام بنایا کہ (شام) کے راستے جزیرۃ العرب پر حملہ آور ہو کر مسلمانوں کی سرکوبی کریں۔ یہ خبر جب [illegible] تو آپؐ نے ارادہ کیا کہ دُشمن کے استقبال کے لیئے آگے بڑھیں۔ باوجودیکہ آپؐ کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی لشکر کی تیاری [illegible]

اُس وقت بیت المال کی وضع اتنی اچھی نہیں تھی اور مدینہ میں کھانے پینے کی اشیاء کی کمی تھی۔ مزید یہ کہ اس سال کے موسم میں شدّت کی گرمی کی وجہ سے حالت مزید خراب ہو گئی۔ پیغمبرِ اسلام نے مسلمانوں سے خواہش کی ہر مسلمان اپنی استطاعت کے مطابق لشکر کی تیاری میں مدد دے۔ اور ہر وُہ مسلمان جیسی مالی سکت ہے وُہ اپنے لیئے اور خویش کے لیئے جنگی ساز و سامان [illegible]

(عبدُالرحمٰن بن عوف) اس اپیل پر چار ہزار درہم لائے اور عرض کی یا رسولؐ اللہ میرے پاس [illegible] ہزار درہم گھر کے لیئے چھوڑ آیا ہوں اور بقیہ نصف آپؐ کی خدمت میں لیکر حاضر ہو گیا ہوں۔ محمدؐ نے فرمایا۔ تم جو مال [illegible] لشکر کے لیئے لائے ہو اور جو گھر کے لیئے چھوڑ آئے ہو اُس میں خداوند مدد دیں۔ (عبدالرحمٰن بن عوف) اس قدر مالدار [illegible] اس جہان سے کُوچ کیا تو میراث کا آٹھواں حصّہ جو اُن کی ایک بیوی کو ملا وُہ اسّی ہزار مثقال سونا تھا۔ (عبدالرحمٰن بن عوف) کی [illegible] بیویاں تھیں۔

(ابوبکرؓ) جو کچھ گھر میں رکھتے تھے آپؐ کی خدمت میں حاضر کر دیا (عمرؓ بن الخطاب) اپنے اموال کا آدھا حصّہ [illegible] میں لائے۔ ایک شخص (عاصم بن عدی) کہ اُس کے پاس نقدی نہیں تھی۔ ایک سو وسق کھجوریں لائے (ابوعقیل) کہ ایک انصار تھے۔ ایک (صاع) کھجوریں لائے۔ اور عرض کی یا رسُولؐ اللہ میرے پاس دو (صاع) کھجوریں تھیں (ایک صاع) لشکرِ اسلام کے لیئے لے آیا ہُوں۔ (صاع) ایک من سے تھوڑا زیادہ ہوتا ہے۔ اور (وسق) عربستان میں چھ (صاع) کے برابر ہوتا ہے۔

مسلمانوں نے واقعی فداکاری کی اور تمام اموال (تھوڑا بہت اپنے گھروں کی کفالت کے لیئے چھوڑ کر) سب رسولؐ اللہ کی خدمت میں حاضر کر دیا۔ تیس ہزار کا طاقت ور لشکر با ایمان افراد پر مشتمل تیار ہو گیا جس میں دس ہزار سوار تھے۔

Marfat.com

مدینہ سے لشکر کی روانگی کا منظر بڑا باشکوہ تھا۔ تمام لشکر منظم صفوں میں (شام) کی سرحد کی طرف روانہ ہوگیا۔ اسلام کی تاریخ میں اُس وقت تک ایسی مثال نہیں ملتی تھی۔ جس وقت لشکر اسلام شام کی سرحد پر پہنچا۔ مقامی امراء و رؤسا جو لشکر روم کے ساتھ مل کر مسلمانوں پر حملہ آور ہونے کا قصد کر رہے تھے۔ بھاگ گئے اور شام کی سرحدوں کے اندر چلے گئے۔ حتیٰ کہ لشکر روم جو مقامی امراء و رؤسا کی مدد سے بڑھکر حملہ کرنے کی سوچ رہا تھا۔ عقب نشین ہوگیا۔

پیغمبرؐ نے کچھ دیر شام کی سرحد پر توقف کیا اور مقامی (قبائل کے) امراء و رؤسا اور مذہبی پیشواؤں کو جو زیادہ تر عیسائی تھے۔ مطیع اسلام کیا یعنی وہ متعہد ہوئے کہ اسلامی حکومت کو جزیہ ادا کریں گے۔ اُس وقت محمدؐ اپنے طاقت ور لشکر کے ساتھ مدینہ واپس ہُوئے۔ لشکر اسلام نے شام کی سرحد پر ایک قلعہ بنام (تبوک) کو اپنا مرکز بنایا تھا۔ اسی مناسبت سے اس لشکر کشی کو جنگ (تبوک) کا نام دیا گیا۔ محمدؐ نے (تبوک) میں جنگ نہیں کی تھی۔ لیکن مقامی قبائلی رؤسا لشکر اسلام سے خوفزدہ ہوگئے اور مسلمانوں سے غیر جانبدار رہنے کا معاہدہ کرلیا یا اتحادی ہوگئے۔ انہوں نے بچشم خود دیکھا کہ اسلامی لشکر کی آمد پر ایسی ہیبت پھیلی کہ رومی لشکر بھی عقب نشینی اختیار کر گیا تھا۔

(تبوک) کی جنگ کے لیئے لشکر کے کوچ کے وقت چند مسلمانوں نے راحت طلبی کی وجہ سے یا موت کے خوف سے میدان جنگ میں ساتھ جانے سے گریز کیا۔ وُہ تھے (ابولبابہ)۔ (اوس بن ثعلبہ) اور (ودیعت بن حرام) یہ تینوں افراد اپنے عمل پر پشیمان ہوئے اور ابھی محمدؐ (تبوک) سے مدینہ واپس تشریف نہیں لائے تھے۔ انہوں نے خود کو مسجد مدینہ کے ستونوں کے ساتھ باندھ لیا اور کہا کہ جب تک محمدؐ ہمیں معاف نہیں فرمادیں گے ہم اسی طرح بندھے رہیں گے۔

پیغمبرِ اسلام کی عادت تھی جب بھی سفر سے مدینہ واپس پہنچتے۔ مستقیماً مسجد جاتے اور دو رکعت نماز ادا کرتے۔ پس (تبوک) سے مراجعت پر آپؐ جب وارد مسجد ہُوئے تو ان تینوں کو ستونوں سے بندھا دیکھا۔ پیغمبرِ اسلام نے پوچھا۔ کیوں ستونوں سے بندھے ہوئے ہو؟

انہوں نے عرض کی ہم گنہگار ہیں کیونکہ میدان جنگ میں نہیں گئے۔ جب تک آپؐ ہمیں ہماری اس کوتاہی پر معاف نہیں فرمائیں گے۔ ہم اسی طرح خود کو بندھے رکھیں گے۔ پیغمبرؐ نے فرمایا: بندوں کے گناہ تو خُدا ہی بخشتا ہے۔ مَیں بخشنے والا نہیں ہُوں۔
اس واقعہ کے بعد سورۂ (توبہ) کی ایک سو دوئی آیت نازل ہوئی:

"و اٰخرون اعترفوا بذنوبهم خلطوا عملاً صالحًا و اٰخر سيئًا عسى الله ان يتوب عليهم ان الله غفور رحيم" یعنی (جنگ سے) گریز کرنے والوں نے اپنے گناہ کا اعتراف کرلیا اور جنہوں نے ملے جُلے عمل کیئے تھے۔ کچھ بھلے اور کچھ بُرے۔ خداوند ان کی توبہ قبول کرتا ہے۔ بے شک اللہ بخشش کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔"

اس آیت کے بموجب خداوند نے ان تینوں کا گناہ معاف فرمایا۔ شکرانہ کے طور پر رسول اللہؐ سے عرض کی ہم اپنا تمام مال و دولت بیت المال میں دینا چاہتے ہیں۔ لیکن اسی سورۂ (توبہ) میں دوسری آیت نازل ہوئی۔ جس میں خداوند نے فرمایا ان تینوں افراد کے اموال میں سے فقط صدقہ لے کر بقایا مال واپس کردو۔

Marfat.com

(تبوک) پر لشکر کشی کے بعد پیغمبرؐ اسلام نے کسی جنگ میں شرکت نہیں کی۔ لیکن وُہ تقویت اسلام کی فکر سے غافل نہیں تھے اور بیماری کی حالت میں بھی آپؐ نے ایک لشکر (اسامہ) کی قیادت میں شام پر حملہ کے لیئے تیار کیا لیکن رحلت پیغمبرؐ اس لشکر کشی کی روانگی میں مانع ہوتی۔

مسجد میں خطاب کے دُوسرے دن پیغمبرؐ اسلام کی حالت وخیم تر ہو گئی۔ آپؐ نے فرمایا میری بیماری کا سبب وہی زہر ہے جو اُس یہودی عورت نے (خیبر) میں مجھے کھلایا تھا۔ وُہ زہر گاہے گاہے میرے لیئے ناراضی کا باعث بنتا رہا۔ مگر نہ اس طرح کہ میں بستر سے لگ جاؤں اب اس زہر کا حملہ سنگین تر ہے۔

جن دنوں پیغمبرؐ اسلام سخت بیمار تھے۔ گھر سے مسجد تک جانے کی بھی سکت نہیں رہی تھی۔ ابوبکرؓ مسجد میں نماز پڑھواتے تھے ایک روز آپؐ کی طبیعت قدرے سنبھلی تو آپؐ اپنے چچا عباسؓ کے دُو بیٹوں کے سہارے مسجد میں تشریف لے گئے۔ اس وقت (ابوبکرؓ) مسلمانوں کو خطبہ دے رہے تھے۔ (ابوبکرؓ) آپؐ کو دیکھ کر اپنی جگہ سے اُٹھے اور اپنی جگہ پیغمبرؐ اسلام کے لیئے خالی کرنا چاہی۔ مگر پیغمبرؐ اسلام نے اشارہ سے بیٹھنے کا اذن دیا۔ اور چونکہ طبیعت ٹھیک نہ تھی اس لیئے عباسؓ کے دونوں بیٹوں کا سہارا لیئے ہوئے واپس گھر آ گئے۔

ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ محمدؐ کی بیماری کی بابت اظہار نظر نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ اسلامی مؤرخوں نے بیماری کی علامات وضاحت و تفصیل سے نہیں لکھی ہیں تاکہ یہ سمجھا جا سکے کہ کیا مرض تھی۔ جو کچھ بھی اس سلسلہ میں لکھا جائے وُہ سب فرضی ہوگا

سن ۱۱ ہجری ماہ ربیع الاوّل میں محمدؐ کی حالت ایک بار پھر وخیم تر ہو گئی۔ انہوںؐ نے حس کیا کہ اب اس جہان سے رخصت کا وقت آ گیا ہے۔ انہیںؐ یاد آیا کہ عائشہؓ کے پاس سات دینار نقد پڑے ہوئے ہیں۔

محمدؐ کے پاس ان سات دیناروں کے علاوہ کچھ نہ تھا۔ لہٰذا عائشہؓ کو بلا کر فرمایا آیا وُہ سات دینار ابھی تک تمہارے پاس ہیں؟

انہوں نے عرض کی" ہاں یارسولُ اللہ"۔

محمدؐ نے فرمایا۔ ساتوں دینار غریبوں میں تقسیم کر دو۔ میں ان سات دیناروں کے ساتھ خداوند کے ہاں جاتے ہُوئے شرمندگی محسوس کرتا ہُوں۔

بروز سوموار بتاریخ ۱۳ ربیع الاوّل ۱۱ ہجری کو محمدؐ بہت زیادہ بیمار ہو گئے۔

تواریخ اسلامی سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دن تک پیغمبرؐ اسلام نے بیماری کے دوران کوئی دوا نہیں کھائی تھی لیکن بعض مؤرخین اسلامی کے مطابق بروز سوموار ۱۳ ربیع الاوّل کو یا دُو روز قبل تھوڑی سی دوا محمدؐ کو دی گئی لیکن انہوںؐ نے دوا کھانے سے کراہت محسوس کی۔

آخری خواہش جو محمدؐ نے وہاں جمع شدہ لوگوں سے کی وُہ یہ تھی کہ اُنؐ کے دانتوں پر مسواک کریں تاکہ دانت صاف ہو جائیں۔ آپؐ نظافت سے بہت علاقمند تھے اور کئی مرتبہ فرمایا نظافت نصفِ ایمان ہے۔

بروز سوموار بتاریخ ۱۳ ربیع الاوّل ۱۱ھ ہجری مطابق ۸ جون ۶۳۳ عیسوی (علیؓ بن ابی طالب) چچا عباسؓ کا

Marfat.com

ابو کا (ابوالفضل)۔ (اسامہ بن زید)۔ (شکران) آپؐ کا ایک اور آزاد کردہ غلام جس کا ذکر ابھی تک نہیں آیا تھا۔ (اوس بن خولی) اور تمام ازواج مطہرات آپ کی خدمت میں موجود تھیں حضرت (عائشہؓ) فرماتی ہیں کہ میں اُن دنوں جوان تھی اور نہ سمجھ سکی کہ میرے شوہر اس جہاں سے رخصت ہونے والے ہیں۔ میں نے دونوں بازوؤں سے گردن کے اردگرد حلقہ کیا ہوا تھا۔ اور اسی حالت میں رسولؐ اللہ نے رحلت فرمائی۔

میں نہ سمجھ سکی کہ آپ رخصت ہو چکے ہیں۔ جب عورتوں نے آہ و شیون شروع کی اور مرد رونے لگے تو مجھے احساس ہوا کہ پیغمبرِؐ اسلام اس جہان سے تشریف لے جا چکے ہیں۔

جس لمحہ آپؐ کی موت واقع ہوئی ایک روایت کے مطابق مہرِ نبوت جو پشت پر دونوں شانوں کے درمیان تھی معدوم ہو گئی ویسے بھی رحلت پیغمبرؐ سے رسالت کا کام مکمل ہو چکا تھا۔ جب محمدؐ نے اس دنیا سے کوچ فرمایا۔ بجز ایک سفید خچر جو شاہِ حبشہ نے آپؐ کی خدمت میں بھجوائی تھی اور چند تلواروں کے کوئی چیز ترکہ میں نہیں چھوڑی تھی۔

عربوں کی ایک یہ رسم بھی تھی کہ جس وقت ایک رئیس قبیلہ وفات پاتا تو اُسے اُسی جگہ دفن کرتے جس نقطہ پر اُس نے جان جان آفریں کے سپرد کی ہوتی۔ لہٰذا فیصلہ ہوا کہ محمدؐ کو اُسی جگہ دفن کیا جائے گا۔ جس جگہ انہوںؐ نے رحلت فرمائی تھی۔

محمدؐ اہل مکہ تھے مگر وفات مدینہ میں پائی۔ اب عزیز و اقربا حیران تھے کہ قبر کی کھدائی مکہ کی رسم کے مطابق ہو یا مدینہ کی طرز پر کھودی جائے۔ مکہ میں قبر عمودی کھود کر مُردہ کو اُس میں رکھ، قبر کو ڈھانپ دیتے تھے مگر مدینہ میں قبر عمودی کھود کر پھر بغل میں کُھدائی کی جاتی تھی۔ اور جسدِ متوفی کو اُس بغلی کھُدائی میں رکھ کر اُس کا مُنہ بند کر دیا جاتا تھا۔ پس ازیں قبر کو مٹی سے پر کر دیا جاتا تھا۔

بالآخر سب نے یہ فیصلہ کیا کہ دو قبر کن مکی اور مدنی بُلائے جائیں کہ آکر قبر کھودیں۔ جو قبر کن پہلے آگیا اُسی طرز پر قبر کھودی جائے گی۔ مدنی قبر کن پہلے پہنچا لہٰذا قبر مدنی طرز پر کھودی گئی۔

قبر تیار ہو جانے کے بعد پیغمبرؐ اسلام کی جو ایک ہی چادر تھی اُسی سے آپؐ کو ڈھانپ دیا گیا۔ تاکہ آپؐ کے بعد کوئی دوسرا اس چادر کو استعمال نہ کر سکے۔

اس کے بعد پیغمبرِؐ اسلام کے جسدِ مبارک کو غسل دیا گیا۔ عربوں میں غسل دینے کی رسم تھی مگر اُن علاقوں میں جہاں پانی میسر آتا آپؐ کے جسدِ مبارک سے بوقت غسل احتراماً لباس نہ اتارا گیا اور جسدِ مبارک کو لباس کے ساتھ ہی غسل دیا گیا۔ اس کے بعد ایک سُرخ رنگ کا کپڑا اور بعض روایات کے مطابق سُرخ رنگ کے قالین کو جسمِ اطہر کے اردگرد لپیٹ دیا گیا اور جسدِ مُبارک کو قبر کی بغلی کھدائی میں رکھ دیا گیا۔ جسدِ مُبارک ایک پہلو پر رکھا گیا اور قبر اس طرح کھودی گئی تھی کہ چہرہ مبارک کعبہ رُخ رہے۔

اس وقت بغلی کھُدائی کا مُنہ بند کر دیا گیا اور قبر کو خاک سے پُر کر کے قبر پر ایک چھوٹا سا پودا لگا کر پانی دیا گیا تاکہ رشد کرے عرب مُردوں کو بغیر تابُوت کے دفن کیا کرتے تھے۔ مردہ کو تابُوت میں بند کر کے جسدِ مُردہ کو زیرِ خاک محفوظ کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔

وُہ کہتے تھے کہ انسان سے کوئی چیز باقی نہیں رہتی۔ بجز اُن کے اعمال کے جو وُہ زندگی میں اپنی رُوح کے وسیلے سے وجود میں لایا تھا۔ دُوسری تمام چیزیں فنا ہو جاتی ہیں۔

Marfat.com

پیغمبرؐ نے کوئی جانشین مقرر نہیں فرمایا تھا۔

بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ رحلت سے چند ساعت قبل آپؐ نے خواہش کی تھی کہ ایک کاتب بلایا جائے تاکہ آخری وصیت لکھوے۔ اُن کا ارادہ یہی تھا کہ جانشین کا تعین فرمائیں۔ آپؐ کے قریب اُس وقت جو لوگ موجود تھے انہوں نے علیؑ کو بلوا بھیجا عائشہؓ نے اپنے والد (ابوبکرؓ) کو اطلاع بھجوائی۔ (حفصہؓ) نے اپنے والد (عمرؓ) کو بلوا بھیجا علیؑ، ابوبکرؓ اور عمرؓ بیک وقت وہاں پہنچ گئے۔ محمدؐ نے جب ان تینوں افراد کو اکٹھے دیکھا تو جانشینی کے متعلق اپنے نظریہ کا اظہار نہ کیا۔

لیکن یہ روایت بہت ہی ضعیف ہے۔ آپؐ اس سے کہیں قوی الارادہ اور باعمل تھے کہ مسئلہ جانشینی کا تعین کرنے کے بارے میں (جو دنیائے اسلام کے لیئے بہت اہمیت کا حامل تھا)۔ تینوں افراد کو اکٹھے دیکھ کر ہچکچاہٹ محسوس کرتے اور اپنے نظریہ کا اظہار نہ فرماتے۔ باوجود اس کے کہ مسلمین آپؐ کے ہر لفظ کو حکم کا درجہ دیتے تھے۔

آپؐ نے چھوٹی بڑی اسی۸۰ جنگوں میں شرکت فرمائی اور زیادہ تر جنگوں میں اپنی فوج کی قیادت فرمائی وُہ اس سے کہیں دلیر تر تھے کہ جانشینی کا تعین کرنے میں ہچکچاتے اور چند دوست شخصیتوں کو دیکھ کر دب جاتے اور فیصلہ نہ کرتے۔ لہٰذا یہ روایت قابل قبول نہیں ہے۔

مسجد میں جب مسلمانوں کو اطلاع ملی کہ پیغمبرِ اسلام اس دُنیا سے رحلت فرما گئے ہیں۔ آہ و شیون کرنے لگے۔ (عمرؓ بن الخطاب) مسجد میں گئے اور پکارا کس لیئے آہ و شیون کرتے ہو؟ تلوار نیام سے باہر نکالی اور کہا جو کوئی یہ کہے گا کہ محمدؐ وفات پا گئے ہیں میں اُس کی گردن مار دوں گا۔ ہمارے پیغمبرؐ فوت نہیں ہوئے بلکہ آسمانوں میں خداوند کے پاس گئے ہیں اور جلد ہی واپس آجائیں گے۔

اُسی وقت (ابوبکرؓ) مسجد میں داخل ہوئے اور کہا اے عمرؓ رُک جاؤ اور اپنی شمشیر کو نیام میں کر لو۔ پھر لوگوں سے خطاب فرمایا اے مسلمانوں محمدؐ خود فرمایا کرتے تھے کہ میں تمہاری طرح کا ایک انسان ہوں اور ہر انسان کو مرنا ہے خواہ وُہ پیغمبر ہی کیوں نہ ہو اس سے پہلے بھی پیغمبرؐ فوت ہوئے ہیں اور ہمارے پیغمبرؐ نے بھی رحلت فرمائی ہے۔ ہر وہ شخص جو مسلمان ہے اور محمدؐ بن عبداللہ کے پیغمبرِ اسلام ہونے پر ایمان رکھتا ہے۔ جان لے کہ آپؐ فوت ہو چکے ہیں۔ پیغمبر فوت ہو جاتا ہے برعکس خداوند ہمیشہ رہنے والا ہے اور ہرگز نہیں مرے گا۔

(عمرؓ بن الخطاب) نے جب یہ سُنا تو زمین پر بیٹھ گئے۔ سر کو دونوں ہاتھوں میں تھام لیا اور رونے لگے۔ مسلمان جو چند لحظ قبل خاموش ہو گئے تھے پھر رونے لگے۔

اس دارِ فانی سے عظیم ترین مردِ جہاں محمدؐ پیغمبرِ اسلام اس طرح رُخصت ہوئے۔

تمت بالخیر

کتابت: محمد شریف اختر گجرات (پاکستان)

Marfat.com

فہرست ابواب

عنوان باب	صفحہ نمبر
بچپن کا دور	۱
اصحاب فیل	۶
محمدؐ (امین)	۱۵
حلف الفضول (ایک رضاکارانہ تنظیم)	۲۱
ازدواج محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم	۲۵
گھریلو زندگی	۳۱
غار حرا	۳۵
آغاز رسالت	۴۲
سابقین	۴۸
عربوں کی عادات و روایات	۵۷
پہلی عورت جو اسلام کی راہ میں شہید ہوئی	۶۷
عمرؓ بن الخطاب طاقتور ترین مرد عرب کیسے مسلمان ہوا	۷۰
مسلمانوں کی ہجرت اول	۷۸
شعب میں فاقہ مستی	۸۶
معراج کی علمی توضیح کیا ہے	۹۴
وہ مخلوق جو ظاہر نہ ہوئی مگر محمدؐ کو سُنا اور ایمان لے آئی	۱۰۱
مذہب اسلام میں اُمّت کا مفہوم	۱۰۸
ہجرت تاریخ اسلام کا ایک فیصلہ کُن واقعہ	۱۱۳
محمدؐ کی بزرگترین فداکاری	۱۲۰
تاریخ اسلام اور دُنیا میں ہجرت کی اہمیت کیوں ؟	۱۲۶
قبا سے مدینہ میں آمد	۱۳۳
اسلام کا پہلا اساسی قانون	۱۴۰
اقتصادی و تجارتی محاصرہ اور مکّہ کے تجارتی قافلوں کے خلاف کارروائیاں	۱۴۹

عنوان ابواب	صفحہ نمبر
عبداللہ بن جحش کا حملہ اور ماہ حرام	۱۵۹
جنگ بدر اور محمدؐ کی جنگی تکنیک	۱۶۴
انسانی تاریخ میں پہلی بار جنگی اسیروں پر رحم کیا گیا	۱۷۶
مکہ میں جنگ بدر کے اثرات	۱۸۲
یہودیوں کے ایک گروہ کا مدینہ سے اخراج	۱۸۸
جنگ اُحد میں مجاہدین اسلام کی شجاعت	۱۹۳
جنگ اُحد اور فوجی نقطۂ نگاہ	۲۰۷
پیغمبرؐ اسلام کی ازواجِ مطہرات	۲۱۲
قریش کی نئی چال	۲۱۶
جنگ خندق	۲۲۴
عمرہ کے لیے روانگی	۲۳۷
جنگِ خیبر	۲۵۳
خالد بن ولید نے کہا یہ مرد فریب کار نہیں ہو سکتا	۲۶۱
رُوم سے جنگ	۲۶۷
فتح مکہ (محمدؐ جب مکہ میں فاتحانہ داخل ہوئے)	۲۷۲
درۂ حنین میں	۲۸۲
عام الوفود (وفود کی پذیرائی کا سال)	۲۸۷
رسالتِ رسولؐ اللہ	۲۹۶
ارتحال	۲۹۹

Marfat.com

بَلَغَ العُلیٰ بِکَمَالِہٖ کَشَفَ الدُّجیٰ بِجَمَالِہٖ
حَسُنَتْ جَمِیعُ خِصَالِہٖ صَلُّوا عَلَیہِ وَآلِہٖ

محمد صلی اللہ علیہ وسلم

READ, IT WILL INSHAH ALLAH INCREASE
POWER OF "IMAN"

پیغمبر اسلام

آپ کو آج بھی اُسی طرح دوبارہ پہچاننے کی ضرورت ہے

مترجم:
مُشتاق حسین میر

ناشر: گرین لائٹ پریس گجرات